# معارف النزول (۲)

## قرآنی آیات کا شانِ نزول

پسند فرمودہ

حضرت مولانا جمیل احمد صاحب سکروڈوی نور اللہ مرقدہ

استاذ حدیث وفقہ دار العلوم دیوبند


مؤلف

اخلاق الرحمان قاسمی

استاذ حدیث وفقہ جامعہ امین القرآن پالنپور، سابر کانٹھا، شمالی گجرات



ناشر

مکتبۃ البلاغ دیوبند

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

## تفصیلات


| | | |
|---|---|---|
| نام کتاب | : | معارف النزول ( جلد دوم ) |
| مؤلف | : | مولانا اخلاق الرحمان قاسمی |
| پسند فرمودہ | : | حضرت مولانا جمیل احمد سکروڈوی علیہ الرحمہ |
| باہتمام | : | عبداللہ جمیل قاسمی |
| جدید ایڈیشن | : | اگست ۲۰۲۰ء |
| صفحات | : | |
| تعداد | : | گیارہ سو |

ناشر

مکتبہ البلاغ دیوبند

ضلع سہارنپور، یوپی، انڈیا ۲۴۷۵۵۴

**MAKTABA AL-BALAGH**

Near Darul Uloom Waqf, Deoband - 247554
Distt. Saharanpur (U.P.) INDIA
Contact: 09997861769

# فہرست معارف النزول (جلد دوم)


| نمبر | سورت | صفحہ | نمبر | سورت | صفحہ |
|---|---|---|---|---|---|
| | پیش لفظ | ۶ | | سورۃ السجدۃ | ۱۹۸ |
| | سورۃ یونس | ۸ | | سورۃ الاحزاب | ۲۰۲ |
| | سورۃ ھود | ۱۳ | | سورۃ یٰسٓ | ۲۴۶ |
| | سورۃ یوسف | ۱۸ | | سورۃ صٓ | ۲۵۰ |
| | سورۃ الرعد | ۲۰ | | سورۃ الزمر | ۲۵۳ |
| | سورۃ الحجر | ۲۶ | | سورۃ حٰمٓ السجدۃ | ۲۶۳ |
| | سورۃ النحل | ۳۱ | | سورۃ الشوریٰ | ۲۷۱ |
| | سورۃ بنی اسرائیل | ۵۵ | | سورۃ الزخرف | ۲۷۸ |
| | سورۃ الکھف | ۷۳ | | سورۃ الدخان | ۲۸۵ |
| | سورۃ مریم | ۸۸ | | سورۃ الجاثیہ | ۲۸۶ |
| | سورۃ طٰہٰ | ۹۱ | | سورۃ الاحقاف | ۲۹۳ |
| | سورۃ الانبیاء | ۹۵ | | سورۃ محمد | ۳۰۵ |
| | سورۃ الحج | ۹۷ | | سورۃ الفتح | ۳۰۸ |
| | سورۃ المومنون | ۱۱۵ | | سورۃ الحجرات | ۲۳۲ |
| | سورۃ النور | ۱۲۵ | | سورۃ قٓ | ۳۴۹ |
| | سورۃ الفرقان | ۱۵۹ | | سورۃ النجم | ۳۵۱ |
| | سورۃ القصص | ۱۶۶ | | سورۃ القمر | ۳۵۷ |
| | سورۃ العنکبوت | ۱۷۳ | | سورۃ الواقعہ | ۳۶۲ |
| | سورۃ الروم | ۱۸۴ | | سورۃ الحدید | ۳۶۶ |
| | سورۃ لقمان | ۱۸۹ | | سورۃ المجادلۃ | ۳۶۹ |

| نمبر | سورت | صفحہ |
|---|---|---|
| | سورۃ الحشر | ۳۸۷ |
| | سورۃ الممتحنہ | ۴۲۳ |
| | سورۃ الصّف | ۴۵۰ |
| | سورۃ الجمعۃ | ۴۵۴ |
| | سورۃ المنافقون | ۴۵۶ |
| | سورۃ التغابن | ۴۶۵ |
| | سورۃ الطلاق | ۴۶۷ |
| | سورۃ التحریم | ۴۷۴ |
| | سورۃ الملک | ۴۸۱ |
| | سورۃ القلم | ۴۸۲ |
| | سورۃ الحاقۃ | ۴۸۶ |
| | سورۃ المعارج | ۴۸۷ |
| | سورۃ الجن | ۴۹۰ |
| | سورۃ المدثر | ۴۹۷ |
| | سورۃ القیامۃ | ۵۰۵ |
| | سورۃ الدھر | ۵۰۷ |
| | سورۃ النبا | ۵۰۸ |
| | سورۃ عبس | ۵۰۹ |
| | سورۃ التکویر | ۵۱۳ |
| | سورۃ المطفّفین | ۵۱۴ |
| | سورۃ الطارق | ۵۱۷ |
| | سورۃ الغاشیۃ | ۵۱۸ |

| نمبر | سورت | صفحہ |
|---|---|---|
| | سورۃ الیل | ۵۲۱ |
| | سورۃ الضحیٰ | ۵۲۷ |
| | سورۃ اقرأ | ۵۳۱ |
| | سورۃ القدر | ۵۳۵ |
| | سورۃ الزلزال | ۵۳۷ |
| | سورۃ العادیات | ۵۳۸ |
| | سورۃ التکاثر | ۵۳۹ |
| | سورۃ الھمزۃ | ۵۴۱ |
| | سورۃ الماعون | ۵۴۳ |
| | سورۃ الکوثر | ۵۴۵ |
| | سورۃ الکافرون | ۵۴۹ |
| | سورۃ النصر | ۵۵۱ |
| | سورۃ اللھب | ۵۵۳ |
| | سورۃ الاخلاص | ۵۵۴ |
| | سورۃ المعوذتین | ۵۵۵ |

بسم الله الرحمن الرحيم

# پیش لفظ

معارف النزول کی جلد اول چھ ماہ قبل اوائل ربیع الاول ۱۴۲۲ھ مطابق ۲۰۰۱ء میں آپ کے ہاتھوں میں آچکی ہے جس میں سورۂ فاتحہ سے سورۂ برأت (توبہ) تک کی آیات کے سبب نزول اور شانِ نزول ذکر کئے گئے ہیں۔

یہ معارف النزول کی دوسری جلد ہے جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے اس میں سورۂ یونس سے سورۂ ناس تک کی آیتوں کے سبب نزول اور شانِ نزول بیان کئے گئے ہیں۔ یہاں پر یہ بھی واضح رہے کہ بہت ساری سورتیں ایسی ہیں جو سبب نزول اور شانِ نزول کی تفصیلات سے خالی ہیں ایسی سورتوں کی تفصیلات مقدمہ کے ذیل میں جلد اول میں ذکر کردی گئی ہیں۔

اس جلد میں بھی وہی ساری خصوصیات ملحوظ رکھی گئی ہیں جن خصوصیات پر جلد اوّل مشتمل ہے۔ خصوصیات کی تفصیلات جلد اوّل میں مقدمہ کے ذیل میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

اخیر میں محسن وکرم فرما شارح ہدایہ حضرت مولانا جمیل احمد صاحب سکروڈوی نور اللہ مرقدہٗ استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند اور رفیق محترم جناب مولانا ومفتی محمد اصغر صاحب قاسمی رفیق دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کے اعماق قلب اور دل کی گہرائیوں سے ہم شکر گزار ہیں کہ جنہوں نے عدیم الفرصتی کے باوجود بڑی عرق ریزی اور جاں فشانی سے اس کتاب پر نظر ثانی اور تصحیح کا عظیم فریضہ انجام دے کر میری حوصلہ افزائی فرمائی اور مزید کام کرنے کا حوصلہ بخشا اور تصنیف وتالیف جیسی خارزار وادی سے متعلق مفید مشوروں سے گراں بار فرمایا امید کہ مستقبل میں بھی اسی طرح میری رہنمائی فرماتے رہیں گے۔ یہاں پر یہ بھی عرض

کردوں کہ حضرت مولانا جمیل احمد صاحب نوراللہ مرقدہٗ نے تصحیح ونظر ثانی کے ساتھ اپنے ادارے سے اس کتاب کو شائع فرما کر جس قدر شفقت اور علم نوازی کا ثبوت دیا ہے یہ انہی کا حصہ ہے اللہ تعالیٰ حضرت مخدوم کو اجر عظیم عطا فرمائے۔

اخلاق الرحمٰن قاسمی

استاذ حدیث نبوی مدرسہ چشمۂ فیض ململ

مدھوبنی (بہار)

۸؍رمضان ۱۴۲۲ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

# سورۂ یونس

سورۂ یونس مکی سورتوں میں سے ہے بعض حضرات نے اس کی صرف تین آیتوں کو مدنی کہا ہے جو مدینہ ہجرت کرنے کے بعد نازل ہوئیں اس سورت میں بھی قرآن اور اسلام کے بنیادی مقاصد توحید، رسالت، آخرت وغیرہ کو کائنات عالم اور اس میں ہونے والے تغیرات ومشاہدات سے استدلال کر کے ذہن نشین کیا گیا ہے، اس کے ساتھ کچھ عبرت خیز تاریخی واقعات وقصص کے ذریعہ ان لوگوں کو ڈرایا گیا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی ان کھلی نشانیوں پر نظر نہیں کرتے اور اس کے ضمن میں شرک کا ابطال اور اس سے متعلق بعض شبہات کا جواب ارشاد ہوا ہے یہ خلاصہ ہے مضامین سورت کا۔ سورت کے ان مضامین پر غور کرنے سے یہ بھی بآسانی سمجھ میں آسکتا ہے کہ پچھلی سورت یعنی توبہ اور اس سورت میں باہمی کیا ربط ہے۔ سورۂ توبہ میں ان ہی مقاصد کے لئے منکرین وکفار کے ساتھ جہاد اور کفر وشرک کی طاقت کو مادی اسباب کے ذریعہ توڑنے کا بیان تھا اور یہ سورت چونکہ احکام جہاد کے نازل ہونے سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی، اس لیے اس میں مذکورہ مقاصد کو مکی دور کے قانون کے مطابق صرف دلائل وبراہین کے ذریعہ ثابت کیا گیا ہے۔

۲۸۸ - اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنۡ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰى رَجُلٍ مِّنۡهُمۡ اَنۡ اَنۡذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنَّ لَهُمۡ قَدَمَ صِدۡقٍ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ‌ؕ قَالَ الۡكٰفِرُوۡنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيۡنٌ ۝۲

**ترجمہ:** کیا ان لوگوں کو اس بات سے تعجب ہوا کہ ہم نے ان میں سے ایک شخص کے پاس وحی بھیج دی کہ سب آدمیوں کو ڈرایئے اور جو ایمان لے آئیں ان کو یہ

خوشخبری سنایئے کہ ان کو ان کے رب کے پاس پورا مرتبہ ملے گا کافر کہنے لگے کہ یہ
شخص تو بلا شبہ صریح جادوگر ہے۔

**شانِ نزول:** جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبی بنا کر مبعوث فرمایا تو کفار مکہ نے آپ کی نبوت کا انکار کیا اور مزید اس پر یہ کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسے انسان کو بھی نبی بنا سکتا ہے؟ اللہ کی ذات تو اس سے کہیں بالا و برتر ہے اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ [۱]

**۲۸۹-وَ لَوْ یُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَیْرِ لَقُضِیَ اِلَیْهِمْ اَجَلُهُمْ ؕ فَنَذَرُ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱﴾**

**ترجمہ:** اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں پر جلدی سے نقصان واقع کر دیا کرتا جس طرح وہ فائدے کے لئے جلدی مچاتے ہیں تو ان کا وعدہ کبھی کا پورا ہو چکا ہوتا سو ہم ان لوگوں کو جن کو ہمارے پاس آنے کا کھٹکا نہیں ہے ان کے حال پر چھوڑے رکھتے ہیں کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔

**شانِ نزول:** مذکورہ آیت نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی جس وقت اس نے یہ کہا تھا ''اے اللہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کچھ بھی پیش کر رہے ہیں اگر یہ حق ہے تو مجھ پر آسمان سے پتھر کی بارش نازل فرما۔ (معالم التنزیل ص:۱۴۱ ج:۳/وایضاً زاد المسیر ص:۱۱/ج ۴)

**۲۹۰-وَ اِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖۤ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ یَدْعُنَاۤ اِلٰی ضُرٍّ مَّسَّهٗ ؕ كَذٰلِكَ زُیِّنَ لِلْمُسْرِفِیْنَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲﴾**

**ترجمہ:** اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہونچتی ہے تو ہم کو پکارنے لگتا ہے لیٹے بھی بیٹھے بھی کھڑے بھی پھر ہم جب اس کی وہ تکلیف اس سے ہٹا دیتے ہیں تو پہلی حالت پر آجاتا ہے گویا جو تکلیف اس کو پہنچی اس کے ہٹانے کے لئے کبھی ہم کو پکارا ہی نہ تھا اس حد سے نکلنے والوں کے اعمال ان کو اسی طرح مستحسن معلوم ہوتے ہیں۔

**شانِ نزول:** اس آیت کے سبب نزول میں دو قول منقول ہیں۔

---

[۱] اسباب النزول ص:۱۵۲/وایضًا فی زاد المسیر ص:۵ ج:۴/وایضا معالم التنزیل ص:۱۳۶ ج:۳ وایضا فی روح المعانی ص:۲۱ ج:۱۱/پارہ نمبر ۱۱/ابن کثیر ص:۳۶۸ ج:۲

۱-ابو حذیفہ کے بارے میں نازل ہوئی ان کا نام ہاشم ابن مغیرہ عبداللہ تھا۔
۲-عتبہ بن ربیعہ اور ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی، سبب نزول کا مضمون آیت کے ترجمہ سے ظاہر ہے۔(زادالمسیر ص:۱۲؛ ج۴)

۲۹۱-وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾

**ترجمہ:** اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں جو بالکل صاف صاف ہیں تو یہ لوگ جن کو ہمارے پاس آنے کا کھٹکا نہیں یوں کہتے ہیں کہ اس کے سوا دوسرا قرآن لائیے یا اس میں کچھ ترمیم کر دیجئے آپ یوں کہہ دیجئے کہ مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا کہ میں اپنی طرف سے اس میں ترمیم کر دوں بس میں تو اس کا اتباع کروں گا جو میرے پاس وحی کے ذریعہ سے پہنچا ہے۔ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں بھاری دن کے عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں۔

**شانِ نزول:** مذکورہ آیت کے سبب نزول میں دو قول ہیں مشرکین مکہ کے بارے میں نازل ہوئی جیسا کہ حضرت امام تفسیر حضرت مجاہد نے بیان کیا ہے۔ کلبیؒ کی وضاحت کے مطابق ایسے حضرات کی تعداد پندرہ ہے۔

(۱) عبداللہ بن ابی امیہ مخزومی (۲) ولید بن مغیرہ
(۳) مکرز بن حفض (۴) عمر بن عبداللہ ابن ابی قیس العامری
(۵) عاص بن عامر وغیرہ

ان حضرات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ ہمارے پاس ایسا قرآن پیش فرمائیے کہ جس میں لات وعزیٰ کی عبادت کرنے کی مذمت نہ بیان کی گئی ہو اور اس کی عبادت کے ترک کے سلسلہ میں کچھ نہ کہا گیا ہو، اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

۲-آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استہزاء کرنے والے مشرکین مکہ کے بارے میں نازل

ہوئی کہ جو یہ کہا کرتے تھے کہ آپ ایسا قرآن ہمارے سامنے پیش فرمایئے جس میں ہماری مرضی اور ہماری منشاء کے مطابق چیزوں کا ذکر ہو، اور موجودہ قرآن کے مثل مضامین وغیرہ نہ ہوں۔ اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ [۱]

**۲۹۲- وَ اِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا ؕ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ؕ اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ﴿۲۱﴾**

**ترجمہ:** اور جب ہم لوگوں کو بعد اس کے کہ ان پر کوئی مصیبت پڑ چکی ہو کسی نعمت کا مزہ چکھادیتے ہیں تو فوراً ہی ہماری آیتوں کے بارے میں شرارت کرنے لگتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ اس شرارت کی سزا بہت جلد دے گا بالیقین ہمارے فرشتے تمہاری سب شرارتوں کو لکھ رہے ہیں۔

**شانِ نزول:** حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب کفار مکہ کے لئے خشک سالی کی بددعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر سات سال تک قحط سالی مسلط کردی۔ جب یہ لوگ اس کے نتیجے میں بہت زیادہ پریشانی میں مبتلا ہوئے تو بالآخر مرتے کیا نہ کرتے چنانچہ نہ چاہتے ہوئے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ابوسفیان کو بھیجا چنانچہ ابوسفیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمایئے کہ ہمارے لئے سبزہ اگائے اور رحمت کی بارش برسائے جس سے باغات ہرے بھرے ہوں اور پھول پودے پیدا ہوں۔ اور سب لوگ آرام کی زندگی گزاریں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لئے دعا فرمائی تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے ان کی تنگی کو دور فرمادیا لیکن پھر بھی ناری ایمان نہ لائے جب کہ ابوسفیان نے جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دعا کی درخواست کی تھی اس وقت ابوسفیان کی درخواست کا ایک جزیہ بھی تھا کہ آپ ہمارے لئے دعا گو ہوں تو پھر ہم آپ کی بھرپور تصدیق کریں گے لیکن وہ ایسا نہ کرسکے اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ (یہ واقعہ ابوسفیان کے ایمان لانے سے پہلے کا ہے) (زادالمسیر ص:۱۷، ج:۴)

[۱] **اسباب النزول ص:۱۵۲/وایضا فی زاد المسیر ص:۱۴ج:۴/وایضا فی معالم التنزیل ص:۱۴۴ج:۳**

۲۹۳-وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَ لَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۲﴾

**ترجمہ:** ان میں بعض ایسے ہیں جو آپ کی طرف کان لگا لگا کر بیٹھتے ہیں پھر کیا آپ بہروں کو سناتے ہیں گو ان کو سمجھ بھی نہ ہو۔

**شانِ نزول:** مذکورہ آیت کے سبب نزول کے بارے میں تین اقوال ہیں:

۱- یہود مدینہ کے بارے میں نازل ہوئی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آتے اور آپ کی باتوں کو سنتے لیکن ان سے کوئی فائدہ نہ اٹھاتے گویا وہ بہرے ہیں کہ انہوں نے کچھ سنا ہی نہیں۔ اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

۲- استہزاء کرنے والوں کے بارے میں نازل ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتوں کو سنتے اور استہزاء کرتے اور اس سے فائدہ نہ اٹھاتے اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

۳-مشرکین قریش کے بارے میں نازل ہوئی کہ ان کا عمل بھی اسی طرح سے تھا جیسا کہ گزرا۔ (زاد المسیر ص: ۳۴ ج: ۴)

# سورۂ ھود

سورۂ ہود ان سورتوں میں سے ہے جن میں پچھلی قوموں پر نازل ہونے والے قہرِ الٰہی اور مختلف قسم کے عذابوں کا اور قیامت کے ہولناک واقعات اور جزاء وسزا کا ذکر خاص انداز میں آیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک میں کچھ بال سفید ہو گئے تو حضرت صدیق اکبرؓ نے بطور اظہار رنج کے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ بوڑھے ہو گئے ہیں آپ نے فرمایا ہاں! مجھے سورۂ ہود نے بوڑھا کر دیا ہے۔ اور بعض روایات میں سورۂ ہود کے ساتھ سورۂ واقعہ سورۂ مرسلات اور سورۂ عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ ۞ اور سورۂ تکویر کا بھی ذکر ہے۔ (رواہ الحاکم والترمذی)

مطلب یہ تھا کہ ان واقعات کے خوف ودہشت کی وجہ سے بڑھاپے کے آثار ظاہر ہو گئے۔ (معارف القرآن ص: ۵۸۴ ج: ۴)

۲۹۴- اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ؕ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَ مَا يُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۞

**ترجمہ:** یاد رکھو وہ لوگ دوہرا کئے دیتے ہیں اپنے سینوں کو تاکہ اپنی باتیں خدا سے چھپا سکیں یاد رکھو کہ وہ لوگ جس وقت اپنے کپڑوں کو لپیٹتے ہیں وہ اس وقت بھی سب جانتا ہے جو کچھ چپکے چپکے باتیں کرتے ہیں اور جو کچھ ظاہر باتیں کرتے ہیں بالیقین وہ دلوں کے اندر کی باتیں جانتا ہے۔

**شانِ نزول:** ۱- مذکورہ آیت اخنس بن شریق کے بارے میں نازل ہوئی کہ یہ شخص

فصیح اللسان تھا اپنی باتوں سے لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف متوجہ کرلیتا تھا زبان تیز اور شیریں تھی چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آتا تو اپنی حلاوت لسان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متاثر کردیتا اور اپنے حسن کلام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے یہ ثابت کرتا کہ وہ آپ کا عاشق دم اور آپ کے لئے ہمہ وقت مرنے والا ہے اور دل وجان سے آپ پر قربان ہے جب کہ حقیقت حال کے اعتبار سے وہ بالکل منافق تھا۔ اس کی حقیقت حال سے واقفیت کے لئے مذکورہ آیت اتری۔

۲- کچھ لوگ کھلے میدان میں قضاء حاجت کرنے اور اسی طرح بیوی سے مجامعت کرنے میں شرم محسوس کرتے تھے اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

۳- بعض منافقین جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سے گزرتے اپنے سینے کو اور اپنی پشت کو اسی طرح سر اور چہرے کو کپڑے سے اس طرح چھپاتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ انہیں دیکھ سکیں اور نہ پہچان سکیں اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

۴- مشرکین کی ایک جماعت نے یہ کہا کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف جو سازشیں اور فریب کاریاں کرتے ہیں اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ہم گھر کے دروازے بند کرلیتے ہیں اور دروازے پر پردے تان دیتے ہیں اور ہم خود کپڑے کے اندر لپٹ جاتے ہیں تو پھر انہیں ہماری باتوں کی خبر کیوں کر ہوجاتی ہے اور کس طرح ہوتی ہے۔ اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

۵- ایک ایسی جماعت کے بارے میں نازل ہوئی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے غیر معمولی عداوت اور حسد وبغض رکھتی تھی جس کے نتیجے میں جب کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن کی تلاوت فرماتے تو یہ لوگ اپنے سینوں پر کپڑے ڈال لیتے اور اپنے سروں کو جھکالیتے اور کپڑوں میں لپٹ جاتے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرآن کی آواز ان تک نہ پہنچ سکے اور ان کے کانوں میں قرآن کا کچھ حصہ نہ جاسکے اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ [۱]

[۱] زادالمسیر ص:۷۷/۷۶ج:۴/اسباب النزول ص:۱۵۳/بعضا معالم التنزیل ص:۱۹۱ج:۳/المقطتف ص:۵۰۷ج:۲/ابن کثیر، ص:۳۹۶ج:۲بعضًا روح المعانی ص:۲۱۰/ ۲۰۹ ج:۱۱/پارہ نمبر ۱۱)

۲۹۵-وَ لَئِنۡ اَذَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنَّا رَحۡمَةً ثُمَّ نَزَعۡنٰهَا مِنۡهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَـــُٔوۡسٌ كَفُوۡرٌ ﴿۹﴾

**ترجمہ:** اور اگر ہم انسان کو اپنی مہربانی کا مزا چکھا کر اس سے مہربانی چھین لیتے ہیں تو وہ ناامید اور ناشکرا ہو جاتا ہے۔

**شانِ نزول:** اس آیت کے سبب نزول میں تین اقوال ہیں۔

۱-ولید ابن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی۔

۲-عبداللہ بن ابی امیہ مخزومی کے بارے میں نازل ہوئی۔ (زادالمسیر ص:۸۰ ج:۴)

۳-عام انسان کے بارے میں نازل ہوئی۔

سبب نزول کا مضمون آیت سے ظاہر ہے کہ اگر ہم انسان کو کوئی نعمت چکھاتے ہیں اور پھر اس سے واپس لے لیتے ہیں تو وہ بڑا ہمت ہار، ناامید اور ناشکرا بنجاتا ہے اور اگر اس کو کسی تکلیف کے بعد جو اس کو پیش آتی ہو کسی نعمت کا مزہ چکھادیں تو کہنے لگتا ہے کہ میرا سب دکھ درد رخصت ہوا اور وہ اترانے اور شیخی بگھارنے لگتا ہے۔

۲۹۶-مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا وَزِيۡنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيۡهِمۡ اَعۡمَالَهُمۡ فِيۡهَا وَهُمۡ فِيۡهَا لَا يُبۡخَسُوۡنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓـئِكَ الَّذِيۡنَ لَيۡسَ لَهُمۡ فِى الۡاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوۡا فِيۡهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۶﴾

**ترجمہ:** جو شخص محض حیات دنیوی اور اس کی رونق چاہتا ہے تو ہم ان لوگوں کے اعمال کو دنیا ہی میں پورے طور سے بھگتا دیتے ہیں اور ان کے لئے دنیا میں کچھ کمی نہیں ہوتی یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے لئے آخرت میں بجز دوزخ کے اور کچھ نہیں اور انہوں نے جو کچھ کیا تھا وہ آخرت میں سب ناکارہ ہوگا جو کچھ کر رہے ہیں وہ بے اثر ہے۔

**شانِ نزول:** اس آیت کے نزول کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ آیت کن لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ علامہ جوزی نے اس سلسلے میں چار اقوال بیان فرمائے ہیں۔

۱-عام لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی۔

۲-اہل قبلہ کے بارے میں نازل ہوئی۔

۳- یہود ونصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی۔

۴- اہل ریاء کے بارے میں نازل ہوئی۔ (زادالمسیر ص: ۸۴، ج: ۴)

لیکن آیت کے آخری جملہ میں جو الفاظ آئے ہیں کہ ان کے لئے بجز دوزخ کے کچھ نہیں اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم کفار ہی کے متعلق ہے کیوں کہ مسلمان کتنا ہی گنہگار ہو، گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد آخر کار جنت میں جائے گا اسی لئے ضحاک وغیرہ مفسرین نے اس حکم کو کفار ہی کے متعلق قرار دیا ہے۔

اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد وہ مسلمان ہیں جو اپنے اعمال سے صرف دنیا کی بھلائی، راحت، دولت، عزت کے طلب گار ہیں نیک عمل اسی نیت سے کرتے ہیں کہ دنیا میں عزت وراحت ملے اور مذکورہ جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جب تک اپنے اعمال بد کی سزا نہ بھگت لیں گے اس وقت تک ان کو بجز دوزخ کے کچھ نہ ملے گا۔

اور زیادہ راجح اور واضح بات یہ ہے کہ آیت ان لوگوں سے متعلق ہے جو اپنے اعمال صالحہ کو صرف دنیا کے فوائد دولت، عزت، وغیرہ کی نیت سے کرتے ہیں خواہ ایسا کرنے والے کافر ہوں جو آخرت کے قائل ہی نہیں، یا مسلمان ہوں جو زبان سے آخرت کے قائل ہیں مگر عمل میں اس کی فکر نہیں رکھتے، بلکہ صرف دنیا ہی کے فوائد سے وابستگی رکھتے ہیں حضرات مفسرین میں سے مجاہد، میمون بن مہران، معاویہ رضی اللہ عنہم نے اسی کو اختیار فرمایا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مشہور حدیث اِنما الاعمال بالنیات سے بھی اسی معنی کی تائید ہوتی ہے کہ جو شخص اپنے عمل میں جس چیز کی نیت کرتا ہے اس کو وہی ملتی ہے جو دنیا کی نیت کرتا ہے اس کو دنیا ملتی ہے اور جو آخرت کی نیت کرتا ہے اس کو آخرت ملتی ہے جو دونوں کی نیت کرتا ہے اس کو دونوں ملتی ہیں تمام اعمال کا دارومدار نیت پر ہونا ایک ایسا اصول ہے جو ہر ملت و مذہب میں تسلیم کیا گیا ہے۔ (معارف القرآن: ص ۶۰۴/ ۶۰۳ ج: ۴)

۲۹۷- وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّيۡلِ‌ؕ اِنَّ الۡحَسَنٰتِ يُذۡهِبۡنَ السَّيِّاٰتِ‌ؕ ذٰلِكَ ذِكۡرٰى لِلذّٰكِرِيۡنَ ۞۱۱۴

**ترجمہ:** اور آپ نماز کی پابندی رکھئے دن کے دونوں سروں پر اور رات کے کچھ

حصوں میں بے شک نیک کام مٹا دیتے ہیں برے کاموں کو یہ بات ایک نصیحت ہے نصیحت ماننے والوں کے لئے۔

**شانِ نزول:** حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اس نے کہا یارسول اللہ ﷺ میں نے ایک عورت کا مدینہ کے فلاں مقام میں علاج معالجہ کیا وہ مجھے اچھی لگی میں نے اس سے وہ کچھ کرلیا جو مجھے نہ کرنا چاہئے تھا۔ دوسری روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اس کا بوسہ لیا تھا اور بدن کے دوسرے حصہ سے سوائے جماع کے فائدہ اٹھایا تھا۔ تو اس شخص نے کہا یارسول اللہ ﷺ میں آپ کے پاس حاضر ہوں آپ جو سزا چاہیں دیں یا جو بھی فیصلہ کریں وہ مجھے بسر و چشم منظور ہے رسول اللہ ﷺ نے کوئی حکم اس سلسلے میں نہیں فرمایا۔ پھر وہ آدمی وہاں سے جب روانہ ہو چکا تو اس کے بعد ہی اس کے پیچھے پیچھے ایک دوسرا آدمی دوڑتے ہوئے اس کے پاس پہنچا اور مذکورہ آیت کی تلاوت فرمائی یعنی یہ آیت اسی موقعہ سے نازل ہوئی اور اسی واقعہ کے بعد نازل ہوئی۔ اس شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ آیت میرے ہی بارے میں نازل ہوئی یا تمام لوگوں کے بارے میں؟ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ نہیں بلکہ تمام لوگوں کے بارے میں۔ (رواہ مسلم عن یحیی ورواہ البخاری عن یزید بن زریع)

اور اس کے علاوہ بھی اسی طرح کے اور واقعات ہیں جن کو اس آیت کا سبب نزول بتایا گیا ہے ممکن ہے کہ سبھی ہوں اور اس میں کوئی تعارض بھی نہیں ایسا ممکن ہے تفصیل کے لئے دیکھئے علامہ واحدی کی۔ [۱]

**فائدہ:** آیت کے نزول کا مقصد یہ ہے کہ شب و روز کی نمازیں درمیانی اوقات کے سیات اور صغائر کے لئے کفارہ بن جاتی ہیں اس لئے جو امر تم سے سرزد ہوا ہے تمہاری نمازیں اس ہونے والے گناہ کے لئے کفارہ ہیں۔ یہاں پر یہ بھی واضح رہے کہ حدود شرعیہ نماز وغیرہ سے معاف نہیں ہوتے ہیں جیسا کہ علامہ نووی نے ریاض الصالحین میں تفصیلاً وضاحت فرمائی ہے۔

**[۱] اسباب النزول ص: ۱۵۴/۱۵۳/زاد المسیر ص: ۱۶۶/۱۶۵ ج: ۴/علامہ جوزی اور معالم التنزیل ص: ۲۴۷ ج: ۳**

# سورۂ یوسف

سورۂ یوسف چار آیتوں کے سوا پوری سورت مکی ہے۔اس سورت میں حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ تسلسل اور ترتیب کے ساتھ بیان ہوا ہے۔اور یہ قصہ صرف اسی سورت میں آیا ہے پورے قرآن میں دوبارہ اس کا کہیں ذکر نہیں یہ خصوصیت صرف قصۂ یوسفؑ ہی کو ہے ورنہ تمام انبیاء علیہم السلام کے قصص وواقعات پورے قرآن میں خاص حکمت کے تحت اجزاء اجزاء کر کے لائے گئے ہیں اور بار بار لائے گئے۔

۲۹۸-نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ۝۳

**ترجمه:** ہم نے جو یہ قرآن آپ کے پاس بھیجا ہے اس کے ذریعہ سے ہم آپ سے ایک بڑا عمدہ قصہ بیان کرتے ہیں اور اس کے قبل آپ محض بے خبر تھے۔

**شانِ نزول:** اس آیت کے سبب نزول کے بارے میں دو قول ہیں:

۱-سعد بن ابی وقاص سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل ہوتا رہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کرام پر قرآن پاک کی تلاوت کرتے رہے اور ایک زمانہ تک ایسا ہی ہوتا رہا ایک مرتبہ حضرات صحابہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ اگر ہمارے لئے کوئی اچھا قصہ بیان فرمائیں تو ہماری دلچسپی کے لئے بہت بہتر ہوگا اس وقت اللہ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی جس کے بعد سارا قصہ بیان فرمایا۔

حضرت عون بن عبداللہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملول سے ہوگئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے کوئی ایسا قصہ

بیان فرمائیے جو قرآن سے مرتبہ میں کم ہو اور واقعات سے بھرا ہوا ہو اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

۲- یہود نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ یعقوبؑ اور اس کے لڑکے یوسفؑ کے بارے میں ہمیں کچھ بتایئے اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں یعنی الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝۱ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۲ نازل فرمائیں۔ اور اس کے ساتھ ہی بعد والی آیت کا بھی نزول ہوا جو اوپر مذکور ہوئی اور باقی وہ آیات جو اس کے بعد ہیں وہ سب آیات مذکورہ آیت کی تفصیل و تبیین ہیں۔

(زاد المسیر ص:۲۷۹ تا ۲۷۷/۱۷۶ ج:۴)

# سورۃ الرعد

یہ سورت مکی ہے اور اس کی کل آیتیں تینتالیس ہیں۔ اس سورت میں بھی قرآن مجید کا کلام حق ہونا اور توحید و رسالت کا بیان اور شبہات کے جوابات مذکور ہیں۔ اور دو آیتیں ۳۱/۴۱ مدنی ہیں۔

۲۹۹-وَ يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ وَ يُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَ هُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ۚ وَ هُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ﴿۱۳﴾

**ترجمہ:** اور رعد اس کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بیان کرتا ہے اور فرشتے بھی اس کے خوف سے اور وہ بجلیاں بھیجتا ہے پھر جس پر چاہے گرا دیتا ہے اور وہ لوگ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں حالانکہ وہ بڑا شدید القوت ہے۔

**شان نزول:** وَ يُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ الخ کے سبب نزول میں تین اقوال ہیں۔

۱-اربد بن قیس اور عامر بن طفیل کے بارے میں نازل ہوئی یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اس غرض سے آئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نازیبا حرکتیں اور نامناسب باتیں کہہ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا پہنچائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کے بارے میں فرمایا کہ اے اللہ ان دونوں سے تو ہی جو مناسب سمجھے بدلہ لے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اربد بن قیس کو صاعقہ اور بجلی کے ذریعہ اس کے وجود کو خاکستر کر دیا اور عامر بن طفیل کو ایک ایسے مرض میں مبتلا کر دیا جو اس کے گوشت اور ہڈی کے درمیان ایک سخت گوشت کی شکل میں پیدا ہوا جس کی تکلیف کو وہ برداشت نہ کر سکا بالآخر موت کے گھاٹ

تک پہنچ گیا۔ اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی اکثر مفسرین کا یہی قول ہے اور اربد نامی شخص لبید بن ربیعہ کا ماں شریک بھائی تھا۔

۲-ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے یہ بتایئے کیا آپ کا خدا یاقوت پتھر کا بنا ہوا ہے یا سونے کا؟ اسی وقت اللہ تعالیٰ کی جانب سے سائل پر ایک بجلی گری اور وہ خاکستر ہوگیا اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی یہ قول حضرت معلیٰ کا ہے۔ حضرت مجاہد نے فرمایا کہ وہ ایک یہودی شخص تھا۔

اور حضرت انس بن مالک نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض سرکش عرب کے پاس اپنا ایک وفد دعوت الی الاسلام کی غرض سے روانہ فرمایا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قاصد ان کے پاس پہنچا تو اس نے کہا اللہ کیا ہوتا ہے؟ آیا وہ سونے کا ہے یا چاندی کا یا تانبے کا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رسول اور قاصد جب وہاں سے واپس لوٹا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساری تفصیل بتائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پھر جاؤ اور انہیں اسلام کی دعوت دو چنانچہ دوبارہ قاصد رسول وہاں پہنچا اس نے پھر دوبارہ وہی کہا جو پہلے کہا تھا جب قاصد رسول نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ بات بتلائی جو پہلے بتلائی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں پھر تیسری مرتبہ روانہ کیا اور کہا کہ انہیں پھر اسلام کی دعوت دو چنانچہ پھر تیسری مرتبہ بھی اس نے وہی کہا جو اس نے پہلی اور دوسری مرتبہ کہا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے اچانک اس پر صاعقہ اور بجلی کو نازل کر کے اس کے وجود کو نیست و نابود کر دیا۔ اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

۳-ایک ایسے شخص کے بارے میں نازل ہوئی جس نے قرآن کا انکار کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کی اس وقت اللہ تعالیٰ نے اس پر صاعقہ اور بجلی گرا کر ہلاک کر دیا۔ اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ [۱]

۳۰۰-وَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْۤ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ۚ﴿۲۷﴾

[۱] زاد المسير ص:۳۱۴/۳۱۵ ج:۴/اسباب النزول ص:۱۵۶/۱۵۷ معالم التنزيل ص:۳۴۴/۳۴۵ ج:۳/بتبدیل وتغییر

**ترجمہ:** اور یہ کافر لوگ کہتے ہیں کہ ان پر کوئی معجزہ ان کے رب کی طرف سے کیوں نہیں نازل کیا گیا آپ کہہ دیجئے کہ واقعی اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں گمراہ کر دیتے ہیں اور جو شخص ان کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس کو اپنی طرف ہدایت کرتے ہیں۔

**شانِ نزول:** مشرکین مکہ کے بارے میں نازل ہوئی جس وقت انہوں نے یہ مطالبہ کیا تھا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اگر آپ سابق انبیاء کی طرح نشانیاں اور معجزہ پیش کر دیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ (زاد المسیر ص:۳۲۶، ج:۴)

۳۰۱- كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَاۡ عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ؕ قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ۝۳۰

**ترجمہ:** ہم نے آپ کو ایسی امت میں رسول بنا کر بھیجا ہے کہ اس سے پہلے بہت سی امتیں گزر چکی ہیں تا کہ ان کو وہ کتاب پڑھ کر سنا دیں جو ہم نے آپ کے پاس وحی کے ذریعہ بھیجی ہے۔ اور وہ لوگ بڑے رحمت والے کی ناسپاسی کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ وہ میرا مربی ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں میں نے اس پر بھروسہ کر لیا اور اسی کے پاس مجھ کو جانا ہے۔

**شانِ نزول:** مفسرین نے کہا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر یہ ٹکڑا نازل ہوا تفسیر اس طرح ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صلح نامہ تیار فرما رہے تھے تو فرمایا کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھو! اس پر سہیل بن عمرو اور مشرکین نے کہا کہ رحمٰن کیا ہوتا ہے؟ ہم رحمن نہیں جانتے ہم تو صرف یمامہ والے کو جانتے ہیں ان کی مراد اس سے مسیلمہ کذاب تھا اور کہا کہ اللھم کے ساتھ لکھا جائے جاہلیت میں اسی طرح سے لکھا جاتا تھا۔ اس وقت مذکورہ ٹکڑا نازل ہوا۔

دوسری روایت اس سلسلے میں یہ ہے کہ یہ ٹکڑا قریش کے کفار کے بارے میں نازل ہوا کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے کہا کہ رحمن کو سجدہ کرو اس پر لوگوں نے کہا کہ رحمن کیا ہوتا ہے؟ اور یہ کہا کہ جس چیز کا تم حکم کرتے ہو کیا اس کو ہم سجدہ کریں گے۔ اس وقت مذکورہ آیت کا مذکورہ ٹکڑا نازل ہوا۔ (زاد المسیر ص:۳۲۹ ج:۴/ اسباب النزول ص:۱۵۷)

اور زاد المسیر میں ایک تیسرا سبب نزول یہ بھی بیان کیا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اپنے حجرۂ مبارکہ میں اپنے رب کو یا اللہ یا رحمن کہہ کر پکار رہے تھے۔ ابوجہل کا وہاں سے گزر ہوا تو اس نے ایک آواز سنی کان لگایا اور توجہ سے سنا تو وہ یا رحمٰن کی آواز تھی، اتنا سننا تھا کہ غیض وغضب سے ابل پڑا اور بھاگتا ہوا تیزی سے مشرکین کی جماعت میں جا پہنچا اور کہا کہ محمد ہمیں بہت سے معبودوں کی عبادت سے روکتے ہیں۔ جب کہ وہ خود ہی دو معبود یعنی اللہ اور رحمن کو پکارتے ہیں۔ اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ (زاد المسیر ص:۳۲۹ ج:۴)

۳۰۲- وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ۭ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ۭ اَفَلَمْ يَايْـــَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَاۗءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝

**ترجمہ:** اور اگر کوئی ایسا قرآن ہو جس کے ذریعہ سے پہاڑ ہٹا دیئے جاتے یا اس کے ذریعہ سے مردوں کے ساتھ کسی کو باتیں کرا دی جاتیں تب بھی یہ لوگ ایمان نہ لاتے بلکہ سارا اختیار خاص اللہ ہی کو ہے۔ اور یہ کافر تو ہمیشہ اس حال میں رہتے ہیں کہ ان کے کرداروں کے سبب ان پر کوئی نہ کوئی حادثہ پڑتا رہتا ہے یا ان کی بستی کے قریب نازل ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ آجائے گا یقینا اللہ تعالیٰ وعدہ کے خلاف نہیں کرتے۔

**شانِ نزول:** مشرکین قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ قرآن کی برکت سے مکہ کی سرزمین کو وسیع کر دیجئے اور جو پہاڑ یہاں پر ہے اسے یہاں سے دوسری جگہ منتقل کر دیجئے تا کہ ہم اس میں کھیتی کریں۔ اور باغات لگائیں اور عیش وعشرت کی زندگی گزاریں اور ہمارے مردوں کو زندہ کر دیجئے تا کہ ہم ان سے بات چیت کریں اسی طرح سے زمین کے اندر نہر جاری کر دیجئے۔ پہاڑ کو سونا بنا دیجئے تا کہ ہم جاڑے گرمی کے سفر سے جو تجارت کی غرض سے ہمیں ادھر ادھر جانا پڑتا ہے اس سے چھٹکارہ ملے۔ اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ [1]

[1] زاد المسیر ص:۳۳۰ ج:۴/ اسباب النزول ص:۱۵۷/۱۵۸/ معالم التنزیل ص:۳۵۷ ج:۳

۳۰۳-وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَ جَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّ ذُرِّيَّةً ؕ وَ مَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿۳۸﴾

**ترجمہ:** اور ہم نے یقیناً آپ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے، اور ہم نے ان کو بیبیاں اور بچے بھی دیئے، کسی پیغمبر کے اختیار میں نہیں یہ امر کہ ایک آیت بدون خدا کے حکم کے لاسکے، ہر زمانہ کے مناسب خاص خاص احکام ہوتے ہیں۔

**شانِ نزول:** آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کثرت ازواج پر یہود نے تبصرہ اور تنقید کرتے ہوئے یہ عار دلائی کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے تئیں تو گمان رکھتے ہیں کہ ہم اللہ کے نبی اور رسول ہیں تو انہیں اپنے زعم کے مطابق کارِ نبوت اور دعوت الی الاسلام اور دعوت الی اللہ میں مشغول ومصروف ہونا چاہئے نہ یہ کہ ان کی ساری مشغولیت ومصروفیت عورتوں اور نکاح کی طرف ہو، تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ واقعی نبی نہیں ہیں بلکہ صرف نبوت ورسالت کا دعویٰ ہی دعویٰ ہے اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ [۱]

**فائدہ:** کفار ومشرکین کا رسول ونبی کے متعلق ایک عام تخیل یہ تھا کہ وہ جنس بشر اور انسان کے علاوہ کوئی مخلوق مثل فرشتوں کے ہونی چاہئے، جس سے عام انسانوں سے اس کی برتری واضح ہوجائے۔ قرآن کریم نے ان کے اس جہل فاسد کا جواب متعدد آیات میں دیا ہے، کہ تم نے نبوت ورسالت کی حقیقت ہی کو نہیں پہنچانا، اس لئے ایسے تخیلات کے درپے ہوئے، کیوں کہ رسول کو اللہ تعالیٰ ایک نمونہ بنا کر بھیجتے ہیں کہ امت کے سارے انسان ان کی پیروی کریں، انہی جیسے اعمال واخلاق سیکھیں، اور یہ ظاہر ہے کہ کوئی انسان اپنے ہم جنس انسان ہی کی پیروی اور اتباع کرسکتا ہے، جو اس کی جنس کا نہ ہو، اس کی پیروی انسان سے ناممکن ہے، مثلاً فرشتہ کو نہ بھوک لگے نہ پیاس اور نہ نفسانی خواہشات سے اسے کوئی واسطہ، نہ اس کو نیند آئے اور نہ تکان ہو، اب اگر انسانوں کو ان کی پیروی کا حکم دیا جاتا تو ان کے لئے ان کی قدرت سے زائد تکلیف ہوجاتی، اس جگہ بھی مشرکین کا یہی اعتراض پیش

[۱] اسباب النزول ص:۱۵۸/وایضًا فی زاد المسیرص:۳۳۶ ج:۴/وایضًا فی معالم التنزیل ص:۳۶۱ ج:۴

ہوا، خصوصاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تعدد ازواج سے ان کا یہ شبہ اور بڑھا۔ اس کا جواب مذکورہ آیت میں یہ دیا گیا ہے کہ ایک سے زائد نکاح کرنے، اور بیوی بچوں والا ہونے کو تم نے کس دلیل سے نبوت ورسالت کے خلاف سمجھ لیا، اللہ تعالیٰ کی ابتداء آفرینش سے یہی سنت جاری رہی ہے کہ وہ اپنے پیغمبروں کو صاحب اہل وعیال بناتے ہیں، جتنے انبیاء گزرے ہیں، ان میں بعض کی نبوت کے تم بھی قائل ہو، اور وہ سب متعدد بیویاں رکھتے تھے اور صاحب اولاد تھے، تو اس کو نبوت ورسالت یا بزرگی اور ولایت کے خلاف سمجھنا نادانی ہے۔ (معارف القرآن ص:۲۱۲رج:۵)

# سورۂ حجر

۳۰۴-وَ لَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِیْنَ مِنْكُمْ وَ لَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِیْنَ ﴿۲۴﴾
وَ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ یَحْشُرُهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۵﴾

**ترجمہ:** اور ہم ہی جانتے ہیں تم میں سے آگے بڑھنے والوں کو اور بے شک آپ کا رب ہی ان سب کو محشور فرمادے گا بے شک وہ حکمت والا ہے علم والا ہے۔

**شانِ نزول:** اس آیت کے سبب نزول میں دو قول ہیں:

(عہد رسالت میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھتی تھیں، اور عورتوں کی صف مردوں کی صف سے پیچھے ہوتی تھی، لیکن بعض مرد جو شرارتی ہوتے وہ مردوں کی صف کے بجائے عورتوں کی صف میں کھڑے ہوجاتے یا اس سے پیچھے تاکہ کچھ تلذذ حاصل کرے۔ اور کچھ قربت ملے۔ اور عورتوں میں بعضے عورت جو شرارتی ہوتی وہ عورتوں کی صفوں میں سب سے آگے کھڑی ہوجاتی تاکہ مردوں سے قربت حاصل کرے اور کچھ لطف اندوز ہوں)

۱-چنانچہ ایک عورت جو بہت حسین وجمیل تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتی تو بعضے صحابہ آگے بڑھ کر اول صف میں جگہ لیتے تاکہ اس پر نگاہ سے محفوظ ہوں۔ اور بعضے صحابہ پیچھے کھڑے ہوتے تاکہ اس کے اعضاء محاسن کو دیکھ سکیں اور لطف اندوز ہوں۔ چنانچہ جب وہ عورت رکوع میں جاتی تو اس کے بازو کا نچلا حصہ یعنی بغل دکھائی دیتی۔ اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

۲- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ صف اول میں نماز پڑھنے کی بلیغ انداز میں ترغیب فرمائی، اور صف اول میں نماز پڑھنے والوں کے لئے بے شمار اجر وثواب بتلایا اس کا

نتیجہ یہ ہوا کہ ہر ایک صف اوّل ہی میں نماز پڑھنے کی سعی و کوشش کرتا یہاں تک کہ تھوڑی سی جگہ بھی باقی نہ رہتی۔ بہت سارے صحابہ جن کا گھر مسجد نبوی سے کچھ دوری پر ہوتا وہ صف اول میں جگہ نہ لے پاتے تو انہوں نے کہا کہ ہم اپنے گھروں کو بیچ دیں گے اور اس سلسلہ میں ہمیں ذرا بھی غور و فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور اس کے بعد ہم مسجد کے قریب اسی پیسے سے مکان خرید لیں گے۔ تا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتلائے ہوئے اجر و ثواب سے جو صف اول میں نماز پڑھنے سے حاصل ہوتا ہے محروم نہ ہوں۔ اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ [۱]

فائدہ: مستقدمین اور مستاخرین کی چند تفسیریں ائمہ تفسیر سے منقول ہیں۔

مستقدمین وہ لوگ ہیں جو اب تک پیدا ہو چکے ہیں اور مستاخرین جو اب تک پیدا نہیں ہوئے۔ (قتادہ و عکرمہ) مستقدمین سے مراد موات ہیں اور مستاخرین سے مراد جو اب زندہ ہیں (ابن عباس و ضحاک) مستقدمین سے مراد امت محمدیہ سے پہلے کے لوگ مراد ہیں اور مستاخرین سے مراد امت محمدیہ (مجاہد) مستقدمین سے مراد اہل طاعت اور اہل خیر ہیں اور مستاخرین سے اہل معصیت اور اہل غفلت (حسن و قتادہ) مستقدمین سے مراد وہ لوگ ہیں جو نماز کی صفوف یا جہاد کی صفوف اور دوسرے نیک کاموں میں آگے رہتے ہیں، اور مستاخرین سے مراد وہ لوگ ہیں جو ان چیزوں میں پیچھے رہنے والے اور دیر کرنے والے ہیں، حسن بصری، سعید بن مسیب، قرطبی، شعبی وغیرہ ائمہ تفسیر کی یہی رائے ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ ان اقوال میں کوئی خاص اختلاف نہیں، سب جمع ہو سکتے ہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا علم محیط ان تمام اقسام کے مستقدمین اور مستاخرین پر حاوی ہے۔

قرطبی نے اپنی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اسی آیت سے صف اوّل اور شروع وقت میں نماز ادا کرنے کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ:

"اگر لوگوں کو معلوم ہو جاتا کہ اذان کہنے اور نماز کی صف اول میں کھڑے ہونے کی کتنی بڑی فضیلت ہے تو آدمی اس کی کوشش میں لگ جائے کہ پہلی ہی صف میں کھڑا ہوں اور سب کے لئے جگہ نہ ہوتی تو قرعہ اندازی کرنا پڑتی۔

[۱] (زاد المسیر ص: ۲۹۶ ج: ۴/ اسباب النزول ص: ۱۵۸/ معالم التنزیل ص: ۳۹۹ ج: ۳)

اس سے جہاد کی صف اول کی فضیلت بھی ثابت ہوتی ہے۔ (معارف القرآن ومعالم التنزیل وغیرہ)

۳۰۵- وَ نَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ ﴿۴۷﴾ لَا یَمَسُّهُمْ فِیْهَا نَصَبٌ وَّ مَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِیْنَ ﴿۴۸﴾

**ترجمہ:** اور ان کے دلوں میں جو کینہ تھا ہم وہ سب دور کردیں گے کہ بھائی بھائی کی طرح رہیں گے تختوں پر آمنے سامنے بیٹھا کریں گے وہاں ان کو ذرا بھی تکلیف نہ پہنچے گی اور نہ وہاں سے نکالے جائیں گے۔

**شانِ نزول:** یہ آیت ابوبکرؓ اور عمر فاروقؓ اور علیؓ کے بارے میں نازل ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے دلوں سے حسد، کینہ، بغض، نکال دیا تھا یعنی غل جاہلیہ کو نکال دیا تفصیل یہ ہے کہ بنی تمیم اور بنی عدی اور بنی ہاشم کے درمیان آپس میں عداوت ونفرت زمانۂ جاہلیت سے جاری وساری تھی، پھر اسلام لانے کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان محبت واخوت پیدا فرمادی ایک دن ان لوگوں نے حضرت ابوبکر کے پہلو کو پکڑ لیا تو اس پر علی کرم اللہ وجہہ نے مزید یہ کیا کہ ایک لوہے کے گرم تیر سے حضرت ابوبکرؓ کے پہلو کو داغ دیا۔ اس پر مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ جس میں بتلایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب سے کینہ اور حسد کو نکال دیا ہے۔ [۱] (روح المعانی ص:۵۸ ج:۷ ر پارہ نمبر ۱۴)

**فائدہ:** حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا کہ اہل جنت جب جنت میں داخل ہوں گے تو سب سے پہلے ان کے سامنے پانی کے دو چشمے پیش کئے جائیں گے پہلے چشمہ سے وہ پانی پئیں گے تو ان سب کے دلوں سے باہمی رنجش جو کبھی دنیا میں پیش آتی تھی اور طبعی طور پر اس کا اثر آخر تک موجود رہا وہ سب دھل جائے گی اور سب کے دلوں میں باہمی الفت ومحبت پیدا ہوجائے گی، کیوں کہ باہمی رنجش بھی ایک تکلیف وعذاب ہے اور جنت ہر تکلیف سے پاک ہے۔

اور حدیث صحیح میں جو یہ وارد ہوا ہے کہ جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی کینہ کسی مسلمان سے ہوگا وہ جنت میں نہ جائے گا اس سے مراد وہ کینہ اور بغض ہے جو دنیوی غرض

[۱] اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس طرح کا عمل نہ ہونا چاہئے۔

سے اور اپنے قصد واختیار سے ہو اور اس کی وجہ سے یہ شخص اس کے درپے رہے کہ جب موقع پائے اپنے دشمن کو تکلیف اور نقصان پہنچائے، طبعی انقباض جو خاصہ بشری اور غیر اختیاری ہے وہ اس میں داخل نہیں، اسی طرح جو کسی شرعی بنیاد پر مبنی ہو، ایسے ہی بغض وانقباض کا ذکر اس آیت میں ہے کہ اہل جنت کے دلوں سے ہر طرح کے انقباض اور رنجش دور کردی جائے گی۔

اس کے متعلق حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ میں طلحہؓ اور زبیرؓ انہی لوگوں میں سے ہوں گے جن کے دلوں کا غبار جنت میں داخلہ کے وقت دور کردیا جائے گا۔

اشارہ ان اختلافات ومشاجرات کی طرف ہے جو ان حضرات اور حضرت علیؓ کے درمیان پیش آئے تھے لَا يَمَسُّهُمْ فِيهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ﴿۴۸﴾ اس آیت سے جنت کی دو خصوصیات معلوم ہوئیں اول یہ کہ کسی کو کبھی تکلیف اور ضعف محسوس نہ ہوگا بخلاف دنیا کے کہ یہاں محنت ومشقت کے کاموں سے تو ضعف وتکان ہوتا ہی ہے خالص آرام اور تفریح سے بھی کسی نہ کسی وقت آدمی تھک جاتا ہے اور ضعف محسوس کرنے لگتا ہے خواہ وہ کتنا ہی لذیذ کام اور مشغلہ ہو۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ جو آرام وراحت اور نعمتیں وہاں کسی کو مل جائیں گی پھر وہ دائمی ہوں گی نہ وہ نعمتیں کم ہوں گی اور نہ ان میں سے اس شخص کو نکالا جائے گا۔ (معارف القرآن ص:۳۰۲،۳۰۱ ج:۵)

**۳۰۶- نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۴۹﴾**

**ترجمہ:** آپ میرے بندوں کو اطلاع دے دیجئے کہ میں بڑا مغفرت اور رحمت والا بھی ہوں۔

**شانِ نزول:** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک دن اپنے اصحاب پر سے گزر ہوا اور وہ سب ہنسنے میں مشغول تھے تو آپ نے کہا تم ہنستے ہو حالانکہ جہنم تمہارے سامنے ہے۔ اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی، اور جبرئیل علیہ السلام نے آکر بتلایا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے رب کی طرف سے آپ کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ آپ میرے بندوں کو میری

رحمت سے مایوس نہ کریں اور مذکورہ آیت پیش فرمائی۔ [۱]

۳۰۷: وَ لَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿۸۷﴾ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَ لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَ اخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾

ترجمہ: اور ہم نے آپ کو سات آیتیں دیں جو مکرر پڑھی جاتی ہیں اور قرآن عظیم دیا آپ اپنی آنکھ اٹھا کر بھی اس چیز کو نہ دیکھئے جو کہ ہم نے مختلف قسم کے کافروں کو برتنے کے لئے دے رکھی ہے اور ان پر غم نہ کیجئے اور مسلمانوں پر شفقت رکھئے۔

شانِ نزول: حسین بن فضل کہتے ہیں کہ ان کا گزر یہود قریظہ اور یہود نضیر کے کھیتوں اور باغوں کے پاس سے ہوا جو تقریباً سات یا اس سے زائد تھے ان کو وہ سارے باغات اچھے لگے، اس پر مسلمانوں نے کہا کہ یہ سب مال اگر ہمیں مل جاتا تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دیتے اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی اور فرمایا کہ تم کو اس کے عوض میں وہ سات آیتیں دی جاتی ہیں جو مذکورہ سات کے مقابلے میں بہتر ہیں۔ [۲]

❁❁❁

[۱] زادالمسیر ص: ۴۰۴ ج: ۴/معالم التنزیل ص: ۴۰۵ ج: ۳/اسباب النزول ص: ۱۵۹

[۲] اسباب النزول ص: ۱۵۹/زادالمسیر ص: ۴۱۲ ج: ۴

# سورة النحل

اس سورت کا نام سورۂ نحل رکھا گیا ہے، چوں کہ اس میں نحل یعنی شہد کی مکھیوں کا ذکر قدرت کی عجیب وغریب صنعت کے بیان کے سلسلے میں ہو رہا ہے، اس کا دوسرا نام نِعَمْ بھی ہے (قرطبی) نعم بکسر نون نعمت کی جمع ہے، اس لئے کہ اس سورت میں خاص طور پر اللہ جل شانہ کی عظیم نعمتوں کا ذکر ہے۔ (معارف القرآن ص: ۳۲۵ ج: ۵)

**۳۰۸- اَتٰۤی اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ①**

**ترجمہ:** خدا تعالیٰ کا حکم آپہنچا سو تم اس میں جلدی مت مچاؤ وہ لوگوں کے شرک سے پاک اور برتر ہے۔

**شانِ نزول:** جب اللہ تعالیٰ کا قول اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ سورۂ قمر کی پہلی آیت نازل ہوئی تو بعض کفار نے بعض سے کہا کہ محمدؐ اپنے تئیں یہ گمان کرتا ہے کہ قیامت قریب ہے لہٰذا تم لوگ جو بعضے اعمال کرتے تھے اس سے تھوڑی دیر رک جاؤ کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے پھر تھوڑے دنوں کے بعد جب انہوں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی عذاب نازل نہیں ہوا ہے تو پھر ان لوگوں نے یہ کہا کہ ہم وہ چیز نہیں دیکھتے کہ جس کے بارے میں ہمیں بتایا گیا تھا تو پھر اللہ تعالیٰ نے اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ سورۂ انبیاء کی پہلی آیت نازل کی، اس سے وہ لوگ بہت ڈرے اور قیامت کے آنے کا انتظار کرنے لگے پھر جب ایک طویل زمانہ گزر گیا اور علامت قیامت ظاہر نہ ہوئی تو ان لوگوں نے پھر کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس چیز سے تم ہمیں ڈراتے تھے اس کی تو کوئی حقیقت سامنے نہیں آرہی ہے کیوں کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ جس قیامت سے تم ہمیں ڈرا رہے تھے اس کا ہونا تو بہت دور

کی بات ہے اس کی علامت بھی ظاہر نہ ہوئی، تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی۔ یعنی أمر الله خدا کا حکم آ پہنچا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب یہ آیت نازل ہوئی تو چونک پڑے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے لوگوں میں ایک طرح کی بے چینی کی کیفیت پیدا ہوگئی اور پیروں تلے سے زمین کھسکنے لگی تو پھر اللہ تعالیٰ نے اگلا ٹکڑا **فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ** نازل فرمایا یعنی جلدی نہ کرو پھر لوگ مطمئن ہوگئے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **بعثت انا والساعة كهاتين اشار باصبعيه.** [۱]

امر اللہ سے اس جگہ مراد وہ وعدہ ہے جو اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا ہے کہ ان کے دشمنوں کو زیر و مغلوب کیا جاوے گا اور مسلمانوں کو فتح و نصرت اور عزت و شوکت حاصل ہوگی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہیبت ناک لہجہ میں ارشاد فرمایا کہ حکم اللہ کا آ پہنچا یعنی پہنچنے ہی والا ہے جس کو تم عنقریب دیکھ لوگے۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس آیت میں امر اللہ سے مراد قیامت ہے اس کے آپہونچنے کا مطلب بھی یہی ہے کہ اس کا وقوع قریب ہے اور پوری دنیا کی عمر کے اعتبار سے دیکھا جائے تو قیامت کا قریب ہونا یا آ پہنچنا بھی کچھ بعید نہیں رہتا۔ (بحر محیط)

**۳۰۹: خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ﴿۴﴾**

ترجمہ: انسان کو نطفہ سے بنایا پھر وہ اچانک کھلم کھلا جھگڑنے لگا۔

شانِ نزول: یہ آیت ابی ابن خلف جمحی کے بارے میں نازل ہوئی کہ وہ ایک دن ایک بوسیدہ اور سڑی گلی ہڈی لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ اے محمد تم یہ کہتے ہو کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا بتاؤ اس بوسیدہ ہڈی جس میں کوئی دم وخم نہیں ہے، اس کو دوبارہ کیوں کر زندہ کیا جائے گا؟ اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ [۲]

---

[۱] زاد المسير ص:۴۲۶ ج:۴ وایضًا اسباب النزول ص:۱۵۹ وایضًا فی معالم التنزيل ص:۶۱۶ ج:۳ وایضًا فی المقتطف ص:۱۰۳ ج:۳

[۲] اسباب النزول ص:۱۶۰/ زاد المسير ص:۴۲۸ ج:۴/ معالم التنزيل ص:۴۱۸ ج:۳/ روح المعانی بحواله واحدی ص:۹۷ ج:۱۴

۳۱۰-وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ؕ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ﴿۳۸﴾

**ترجمہ:** اور یہ لوگ بڑے زور لگا کر اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ جو مر جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو دوبارہ زندہ کرے گا، کیوں نہیں زندہ کرے گا اس وعدہ کو تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لازم کر رکھا ہے لیکن اکثر لوگ یقین نہیں لاتے۔

**شانِ نزول:** ایک صحابی کا ایک مشرک کے ذمہ قرض تھا تو وہ صحابی اس مشرک سے قرض کا مطالبہ کرتے وہ ٹال مٹول کرتا اور امروز فردا کا وعدہ کرتا وہ صحابی یہ کہہ کر واپس لوٹ جاتے کہ اگر تم نے ہمارا قرض واپس نہ بھی کیا تو کل قیامت کے دن امید رکھتا ہوں کہ میرا رب تم سے ہمارا مکمل حق دلائے گا۔ اس پر مشرک شخص نے کہا کہ تم اپنے تئیں یہ سمجھتے ہو کہ مرنے کے بعد زندہ کئے جاؤ گے۔ میں تو اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ دوبارہ کسی کو زندہ نہیں کرے گا۔ اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

۳۱۱-وَ الَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَ لَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۙ﴿۴۱﴾ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۴۲﴾

**ترجمہ:** اور جن لوگوں نے اللہ کے واسطے اپنا وطن چھوڑ دیا بعد اس کے کہ ان پر ظلم کیا گیا ہم ان کو دنیا میں ضرور اچھا ٹھکانہ دیں گے۔ اور آخرت کا ثواب بدرجہا بڑا ہے۔ کاش ان کو خبر ہوتی وہ ایسے ہیں جو صبر کرتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

**شانِ نزول:** اس آیت کے سبب نزول میں تین اقوال ہیں۔

۱-رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چھ ساتھیوں کے بارے میں مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ ’’حضرت بلالؓ، حضرت عمارؓ، حضرت صہیب رومیؓ، خباب بن الارت، عایشؓ، جعبرانؓ اور عامرؓ۔ ان چھ حضرات صحابہ کو مشرکین مکہ نے گرفتار کر لیا اور طرح طرح کی

[۱] اسباب النزول ص: ۱۶۱/زاد المسیر ص: ۴۴۶/۴۴۷/ابن کثیر ص: ۵۲۳ ج: ۲/مضمونا روح المعانی ص: ۱۴۱/ج ۱۴/پارہ نمبر ۱۴/آیت نمبر ۳۸/بروایت علامہ جوزی صاحب زاد المسیر

اذیتیں دیتے تا کہ وہ اسلام سے پھر جائیں۔

۲- ابوجندل بن سہیل بن عمرو کے بارے میں نازل ہوئی۔

۳- تمام مہاجرین اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں نازل ہوئی۔ [1]

فائدہ: **الَّذِيْنَ هَاجَرُوْا** ہجرت سے مشتق ہے ہجرت کے لغوی معنی ترک وطن کے ہیں ترک وطن جو اللہ کے لئے کیا جائے وہ اسلام میں بڑی طاعت وعبادت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **الهجرة تهدم ما كان قبلها** یعنی ہجرت ان تمام گناہوں کو ختم کر دیتی ہے جو انسان نے ہجرت سے پہلے کئے ہیں۔

یہ ہجرت بعض صورتوں میں فرض وواجب اور بعض صورتوں میں مستحب وافضل ہے۔ اس کے مفصل احکام تو سورۂ نساء کی آیت نمبر ۹۷/ **اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا** کے تحت میں بیان ہو چکے ہیں۔ اس جگہ صرف ان وعدوں کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ نے مہاجرین سے کئے ہیں۔

آیت کا شانِ نزول اصالۃً وہ پہلی ہجرت ہے جو صحابۂ کرامؓ نے حبشہ کی طرف کی اور یہ بھی احتمال ہے کہ ہجرت حبشہ اور اس کے بعد کی ہجرت مدینہ منورہ دونوں اس میں داخل ہوں آیت میں یہاں انہی مہاجرین حبشہ یا مہاجرین مدینہ کا ذکر ہے، اس لئے بعض علماء نے فرمایا کہ یہ وعدہ انہی حضرات صحابہ کے لئے تھا جنہوں نے حبشہ کی طرف یا پھر مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی اور اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ دنیا میں پورا ہو چکا جس کا سب نے مشاہدہ کر لیا کہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ کو ان کا کیسا اچھا ٹھکانہ بنا دیا ایذا دینے والے پڑوسیوں کے بجائے غم خوار ہمدرد وجاں نثار پڑوسی ملے دشمنوں پر فتح وغلبہ نصیب ہوا ہجرت کے تھوڑے ہی عرصہ گزرنے کے بعد ان پر رزق کے دروازے کھول دئے گئے فقراء ومساکین مالدار ہو گئے دنیا کے ممالک فتح ہوئے ان کے حسن اخلاق، حسن عمل کے کارنامے رہتی دنیا تک ہر موافق ومخالف کی زبان پر رہیں گے، ان کو اور ان کی نسلوں کو اللہ

---

[1] ابن کثیر ص: ۵۲۳ ج: ۲/ زاد المسیر ص: ۴۴۸ ج: ۴/ اسباب النزول ص: ۱۶۰/ معالم التنزیل ص: ۴۲۸ ج: ۳/ روح المعانی ص: ۱۴۵ ج: ۱۴

تعالیٰ نے بڑی عزت وشرف بخشا یہ تو دنیا میں ہونے والی چیزیں تھیں جو ہو چکیں اور آخرت کا وعدہ بھی پورا ہوا جو کہ یقینی ہے لیکن تفسیر بحر محیط میں ابو حیان کہتے ہیں:

**والذین هاجروا عام فی المهاجرین کائناً ما کانوا فشمل اولهم وآخرهم**

**الذین هاجروا** کا لفظ تمام مہاجرین عالم کو عام اور شامل ہے کسی بھی خطے اور زمانہ کے مہاجر ہوں اس لئے یہ لفظ مہاجرین اولین کو بھی شامل ہے اور قیامت تک اللہ تعالیٰ کے لئے ہر ہجرت کرنے والا بھی اس میں داخل ہے۔

عام تفسیری ضابطہ کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ آیت کا شان نزول اگر چہ کوئی خاص واقعہ اور خاص جماعت ہو مگر اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے اس لئے اس وعدہ میں تمام دنیا کے اور ہر زمانہ کے مہاجرین بھی شامل ہیں اور یہ دونوں وعدے تمام مہاجرین کے لئے پورے ہونا امر یقینی ہے۔

اسی طرح کا ایک وعدہ مہاجرین کے لئے سورۂ نساء کی اس آیت میں کیا گیا ہے۔ **ومن یهاجر فی سبیل الله یجد فی الارض مراغما کثیرا وسعة** جس میں وسعت مکانی اور فراخی عیش خاص طور سے موعود ہے مگر قرآن کریم نے ان وعدوں کے ساتھ مہاجرین کے کچھ اوصاف اور ہجرت کی کچھ شرائط بھی بیان فرمائی ہیں۔ اس لئے ان وعدوں کے مستحق وہی مہاجرین ہو سکتے ہیں جو ان اوصاف کے حامل ہوں اور جنہوں نے مطلوبہ شرائط پوری کر دی ہوں۔

ان میں سب سے پہلی شرط تو فِی اللّٰہِ کی ہے یعنی ہجرت کرنے کا مقصد صرف اللہ کو راضی کرنا ہو اس میں دنیاوی منافع تجارت ملازمت وغیرہ اور نفسانی فوائد پیش نظر نہ ہوں۔ دوسری شرط ان مہاجرین کا مظلوم ہونا ہے مِنۢ بَعۡدِ مَا ظُلِمُوۡا تیسرا وصف ابتدائی تکالیف ومصائب پر صبر اور ثابت قدم رہنا ہے الَّذِيۡنَ صَبَرُوۡا چوتھا وصف تمام مادی تدبیروں کا اہتمام کرتے ہوئے بھی بھروسہ صرف اللہ پر رکھنا فتح ونصرت اور ہر کامیابی صرف اسی کے ہاتھ میں ہے **وعلی ربهم یتوکلون.**

اس سے معلوم ہوا کہ ابتدائی مشکلات وتکالیف تو ہر کام میں ہوا کرتی ہیں، ان کو عبور

کرنے کے بعد بھی اگر کسی مہاجر کو اچھا ٹھکانہ اور اچھے حالات نہ ملے تو قرآن کے وعدوں میں شبہہ کرنے کے بجائے اسی نیت و اخلاص اور حسن عمل کا جائزہ لے جس پر یہ وعدے کئے گئے ہیں تو اس سے معلوم ہوگا کہ قصور اپنا ہی تھا۔ کہیں نیت میں کھوٹ ہوا ہے کہیں صبر و ثبات اور توکل کی کمی ہوئی ہے۔ (معارف القرآن ص: ۳۴۰/۳۳۹ ج:۵)

تفسیر ابن کثیر ص: ۵۲۳ ج: ۲/ میں مذکورہ آیت کے بارے میں یہ بھی وضاحت ہے کہ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے کے بارے میں نازل ہوئی جن کی کم وبیش تعداد ۸۰/اسی بتلائی جاتی ہے، جن میں کچھ مرد اور کچھ عورتیں تھیں حضرت عثمان بن عفانؓ اپنی بیوی رقیہ بنت محمد ﷺ اور جعفر بن ابی طالب عم رسول اللہ ﷺ اور ابو سلمہ بن عبدالاسود بھی ان میں تھے۔ ان سب حضرات نے کافروں کی مسلسل ایذاء رسانی سے تنگ آ کر حبشہ کی جانب ہجرت کی اور اللہ نے وہاں بڑی عزت عطا فرمائی۔ ممکن ہے یہ واقعہ بھی ہوا اور قریب زمانہ کو بنیاد بنا کر ہجرت کا جو ثمرہ مرتب ہوا وہ یہاں پر بھی ظاہر ہوا اس لئے یہ کہہ دیا گیا ہے کہ مہاجرین حبشہ کے بارے میں نازل ہوئی۔

روح المعانی میں ہے کہ حضرت صہیب رومی کو جب کفار اذیتیں دیتے اور طرح طرح سے ستاتے تو صہیب نے ان سے کہا کہ اگر میں تمہارے ساتھ رہوں تو میں تمہیں کسی طرح بھی نفع نہیں دے سکتا اور اگر تم تکلیف دینا چاہو تو میں تم کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ کیوں کہ میں ایک بوڑھا آدمی ہوں۔ ایسا کرو کہ میرے پاس جو اموال ہیں وہ تم لے لو اور میری جان چھوڑ دو۔ چنانچہ انہوں نے اپنا مال انہیں فدیہ میں دے دیا اور ہجرت کر کے مدینہ روانہ ہو گئے۔ جب ابوبکرؓ نے انہیں دیکھا تو فرمایا **ربح البیع یا صهیب** اے صہیب تمہاری تجارت سودمند رہی اور حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ **نعم العبد صهيب لو لم يخف الله لم يعصه** کہ صہیب بھی کتنا بڑھیا آدمی ہے اگر اللہ کا خوف نہ ہوتا تو نہ بچ پاتے۔ (روح المعانی ص: ۱۴۵ ج: ۱۴/ پارہ نمبر ۱۴/ آیت نمبر ۴۲/۴۱)

۳۱۲- وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۴۳

**ترجمہ:** اور ہم نے آپ سے پہلے بھی صرف آدمی ہی رسول بنا کر معجزات اور کتابیں دے کر بھیجے ہیں اور ان پر وحی بھیجا کرتے تھے۔ اگر تم کو علم نہیں تو دوسرے اہل علم سے پوچھ دیکھو۔

**شانِ نزول:** جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی بنا کر پیش کئے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بعثت کا اعلان کیا تو مشرکین مکہ نے آپ کی نبوت کا انکار کرتے ہوئے یہ کہا کہ اللہ کی شان سے یہ بات بعید تر ہے کہ اس کا رسول انسان ہو اللہ نے فرشتوں میں سے ہمارے پاس رسول کیوں نہیں بھیجا اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ [1]

۳۱۳: وَ قَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۵۱﴾ وَ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ؕ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿۵۲﴾

**ترجمہ:** اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دو معبود مت بناؤ پس ایک معبود ہی ہے۔ تو تم لوگ خاص مجھ سے ہی ڈرا کرو۔ اور اسی کی ہیں سب چیزیں جو کچھ کہ آسمانوں اور اور زمینوں میں ہیں اور لازمی طور پر عبادت بجالانا اسی کا حق ہے۔ تو کیا پھر اللہ کے سوا اوروں سے ڈرتے ہو۔

**شانِ نزول:** مسلمانوں میں سے ایک شخص نے نماز میں اللہ اور رحمٰن کے ذریعہ خدا تعالیٰ کو پکارا تو مشرکین کے ایک آدمی نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس کے ساتھی اپنے تئیں یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ ایک رب کی پرستش کرتے ہیں پھر اس شخص کو کیا ہو گیا ہے کہ دو رب کو پکار رہا ہے۔ اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ (زاد المسیر ص:۴۵۵ ج:۴)

۳۱۴- ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّ مَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّ جَهْرًا ؕ هَلْ يَسْتَوٗنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ

[1] زاد المسیر ص: ۴۴۹ ج: ۴/ اسباب النزول ص: ۱۶۰/ معالم التنزیل ص: ۴۲۹/ ۴۲۸ ج: ۳ المقتطفص: ۲۳ اج: ۳/ ابن کثیر ص: ۵۲۴۵ ج: ۲ روح المعانی ص: ۱۴۳ ج: ۱۴/ پارہ نمبر ۱۴ آیت نمبر ۴۳

أَحَدُهُمَآ أَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلَىٰ شَيْءٍ وَّ هُوَ كَلٌّ عَلَىٰ مَوْلٰهُ أَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَأْتِ بِخَيْرٍ ط هَلْ يَسْتَوِي هُوَ لا وَ مَنْ يَّأْمُرُ بِالْعَدْلِ لا وَ هُوَ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿۷۶﴾

**ترجمہ:** اللہ تعالیٰ ایک مثال بیان فرماتے ہیں کہ ایک غلام ہے مملوک کہ کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا اور ایک شخص ہے جس کو ہم نے اپنے پاس سے خوب روزی دے رکھی تو اس میں سے وہ پوشیدہ اور اعلانیہ خرچ کرتا ہے کیا اس قسم کے شخص آپس میں برابر ہو سکتے ہیں ساری تعریفیں اللہ ہی کے لائق ہیں بلکہ ان میں سے اکثر تو جانتے ہی نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ایک اور مثال بیان فرماتے ہیں کہ دو شخص ہیں جن میں ایک تو گونگا ہے کوئی کام نہیں کر سکتا اور وہ اپنے مالک پر وبال جان ہے وہ اس کو جہاں بھیجتا ہے کوئی کام درست کر کے نہیں لاتا کیا یہ شخص اور ایسا شخص باہم برابر ہو سکتے ہیں جو اچھی باتوں کی تعلیم کرتا ہو اور خود بھی معتدل طریقہ پر ہو۔

**شانِ نزول:** ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوكًا یہ آیت ہشام بن عمرو کے بارے میں نازل ہوئی کہ اللہ کے راستہ میں مال خرچ کرنے میں ذرا بھی دریغ نہ کرتے تھے اعلانیہ بھی خوب خرچ کرتے اور پوشیدہ طور پر بھی خوب خرچ کرتے۔ جب کہ اس کا آقا ابوالحوزاء اس سے روکتا اور منع فرماتا تو اس وقت پھر ذیل کی آیت یعنی وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ أَحَدُهُمَآ أَبْكَمُ نازل ہوئی أَبْكَمُ سے مراد اسد بن ابی العیص ہے وَ مَنْ يَّأْمُرُ بِالْعَدْلِ لا وَهُوَ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿۷۶﴾ سے مراد حضرت عثمان بن عفان ہیں۔

اسباب النزول ص: ۱۶۰/ زاد المسیر میں ابکم کے بارے میں چار اقوال مذکور ہیں۔

۱- أَبْكَمُ سے مراد کافر اور مَنْ يَّأْمُرُ بِالْعَدْلِ سے مومن ہے۔

۲- مَنْ يَّأْمُرُ بِالْعَدْلِ سے عثمان بن عفان مراد ہیں اور ابکم سے مراد ان کا آقا جو اسلام کو ناپسند کرتا تھا اور حضرت عثمان کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے منع کرتا تھا۔

۳- أَبْكَمُ سے مراد بت اور مَنْ يَّأْمُرُ بِالْعَدْلِ سے اللہ تعالیٰ ہیں۔

۴- أَبْكَمُ سے مراد ابی بن خلف ہے اور مَنْ يَّأْمُرُ بِالْعَدْلِ سے مراد حضرت

حمزہ، حضرت عثمان بن عفان اور عثمان بن مظعون ہیں۔ (زاد المسیر ص:۳۷۴ ج:۴)

**فائدہ:** مذکورہ دو آیتوں میں انسان کی جو دو مثالیں دی گئی ہیں ان میں سے پہلی مثال میں تو آقا اور غلام یعنی مالک اور مملوک کی مثال دے کر بتلایا کہ جب یہ دونوں ایک ہی جنس ایک ہی نوع کے ہوتے ہوئے آپس میں برابر نہیں ہو سکتے تو کسی مخلوق کو خدا تعالیٰ کے ساتھ کیسے برابر ٹھہراتے ہو۔

اور دوسری مثال میں ایک طرف ایک انسان ہے جو لوگوں کو عدل و انصاف اور اچھی باتیں سکھاتا ہے جو اس کی قوت علمیہ کا کمال ہے اور خود بھی معتدل اور سیدھے راستہ پر چلتا ہے جو اس کی قوت عملیہ کا کمال ہے۔ اس عملی اور علمی قوت میں مکمل انسان کے بالمقابل وہ انسان ہے جو نہ خود اپنا کام کرسکتا ہے نہ کسی دوسرے کا کوئی کام درست کرسکتا ہے یہ دونوں قسم کے انسان ایک ہی جنس ایک ہی نوع ایک ہی برادری کے ہونے کے باوجود آپس میں برابر نہیں ہو سکتے تو خالق و مالک کائنات جو حکیم مطلق اور قادر مطلق اور علیم و خبیر ہے اس کے ساتھ کوئی مخلوق کیسے برابر ہو سکتی ہے۔ (معارف القرآن ص:۳۸۷ ج:۵/معالم التنزیل ص:۴۴۰ ج:۳)

۳۱۵- وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۷۷﴾

**ترجمہ:** اور آسمان اور زمین کی تمام پوشیدہ باتیں اللہ ہی کے ساتھ خاص ہیں اور قیامت کا معاملہ بس ایسا ہی ہوگا جیسے آنکھ جھپکنا بلکہ اس سے بھی جلدی یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔

**شانِ نزول:** کفار مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ قیامت کب آئے گی؟ اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ (زاد المسیر ص:۴۷۴ ج:۴/معالم التنزیل ص:۴۴۱ ج:۳/مضموناً)

۳۱۶- اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۹۰﴾

**ترجمہ:** بے شک اللہ تعالیٰ اعتدال اور احسان اور اہل قرابت کو دینے کا حکم فرماتے ہیں اور کھلی برائی اور مطلق برائی اور ظلم کرنے سے منع فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ

تم کواس لئے نصیحت فرماتے ہیں کہ تم نصیحت قبول کرو۔

**شانِ نزول:** یہ آیت قرآن کریم کی جامع ترین آیت ہے جس میں پوری اسلامی تعلیمات کو چند الفاظ میں سمودیا گیا ہے۔ اسی لئے سلف صالحین کے عہد مبارک سے آج تک دستور چلا آرہا ہے کہ جمعہ وعیدین کی خطبوں کے آخر میں یہ آیت تلاوت کی جاتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی جامع ترین آیت سورۃ نحل میں یہ ہے: (اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ الخ)

اور حضرت اکثم بن صیفی تو اسی آیت کی بنا پر اسلام میں داخل ہوئے ابن کثیر میں حافظ حدیث ابویعلی کی کتاب معرفۃ الصحابہ سے سند کے ساتھ یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ اکثم بن صیفی اپنی قوم کے سردار تھے جب ان کو رسول اللہ ﷺ کے دعویٰ نبوت اور اشاعت اسلام کی خبر ملی تو ارادہ کیا کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں مگر قوم کے لوگوں نے کہا کہ آپ ہم سب کے بڑے ہیں آپ کا خود جانا مناسب نہیں اکثم نے کہا کہ اچھا تو قبیلہ کے دو آدمی منتخب کرو جو وہاں جائیں اور حالات کا جائزہ لے کر مجھے بتلائیں یہ دونوں آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم اکثم بن صیفی کے طرف سے دو باتیں دریافت کرنے کے لئے آئے ہیں اکثم کے دو سوال یہ ہیں مَنْ وَمَا اَنتَ آپ کون ہیں؟ اور کیا ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ پہلے سوال کا جواب تو یہ ہے کہ میں محمد بن عبداللہ ہوں اور دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ اس کے بعد آپ نے سورۂ نحل کی یہ آیت تلاوت فرمائی **إن اللہ یامر بالعدل والاحسان الخ** ان دونوں قاصدوں نے درخواست کی کہ یہ جملے ہمیں پھر سنایئے آپ اسی آیت کی تلاوت کرتے رہے یہاں تک کہ ان قاصدوں کو یہ آیت یاد ہوگئی قاصد واپس اکثم بن صیفی کے پاس آئے اور بتلایا کہ ہم نے پہلے سوال میں چاہا تھا کہ آپ کا نسب معلوم کریں مگر آپ نے اس پر زیادہ توجہ نہ دی صرف باپ کا نام بتادینے پر اکتفاء کیا مگر جب ہم نے دوسروں سے آپ کے نسب کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ وہ بڑے عالی نسب اور شریف ہیں اور پھر بتلایا کہ حضرت محمد ﷺ نے ہمیں کچھ

کلمات بھی سنائے تھے وہ ہم بیان کرتے ہیں ان قاصدوں نے یہ آیت اکثم بن صیفی کو سنائی آیت سنتے ہی اکثم نے کہا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مکارم اخلاق کی ہدایت کرتے ہیں اور برے اور رزدیل اخلاق سے روکتے ہیں تم سب ان کے دین میں جلد داخل ہوجاؤ۔ تاکہ تم دوسرے لوگوں سے مقدم اور آگے رہو پیچھے تابع بن کر نہ رہو۔

اسی طرح عثمان بن مظعونؓ فرماتے ہیں کہ شروع میں میں نے لوگوں کے کہنے سننے سے شرما شرمی اسلام قبول کرلیا تھا مگر میرے دل میں اسلام راسخ نہیں ہوا تھا یہاں تک کہ ایک روز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا اچانک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نزول وحی کے آثار ظاہر ہوئے اور بعض عجیب حالات کے بعد آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا قاصد میرے پاس آیا اور یہ آیت مجھ پر نازل ہوئی حضرت عثمان بن مظعون فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کو دیکھ کر اور آیت سن کر میرے دل میں ایمان مضبوط و مستحکم ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میرے دل میں گھر کر گئی۔ (ابن کثیر نے یہ واقعہ نقل کر کے فرمایا کہ اسناد اس کی جید ہے)

اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت ولید بن مغیرہ کے سامنے تلاوت فرمائی تو اس کا تاثر یہ تھا جو اسی نے اپنی قوم قریش کے سامنے بیان کیا۔

**واللہ ان لہ حلاوۃ وان علیہ لطلاوۃ وان اصلہ لمرق واعلاہ لمثمر فما ھو بقول بشر.**

**ترجمہ:** خدا کی قسم اس میں ایک خاص حلاوت ہے اور اس کے اوپر ایک خاص رونق اور نور ہے اور اس کی جڑ سے شاخیں اور پتے نکلنے والے ہیں اور شاخوں پر پھل لگنے والا ہے یہ کسی انسان کا کلام ہرگز نہیں ہوسکتا۔ [ا]

۳۱۷- وَ اَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَ لَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَ قَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا

[ا] معارف القرآن ص:۳۸۹ تا ۳۸۷ ج:۵/ ابن کثیر ص:۵۳۵/۵۳۶ ج:۲/اسباب النزول ص:۱۶۱ معالم التنزیل مختصراص:۴۴۵ ج:۳

تَفۡعَلُوۡنَ ﴿۹۱﴾ وَ لَا تَكُوۡنُوۡا كَالَّتِیۡ نَقَضَتۡ غَزۡلَهَا مِنۡۢ بَعۡدِ قُوَّةٍ اَنۡكَاثًا ؕ
تَتَّخِذُوۡنَ اَيۡمَانَكُمۡ دَخَلًۢا بَيۡنَكُمۡ اَنۡ تَكُوۡنَ اُمَّةٌ هِیَ اَرۡبٰی مِنۡ
اُمَّةٍ ؕ اِنَّمَا يَبۡلُوۡكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ؕ وَ لَيُبَيِّنَنَّ لَكُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ مَا كُنۡتُمۡ
فِيۡهِ تَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۹۲﴾ وَ لَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمۡ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لٰكِنۡ
يُّضِلُّ مَنۡ يَّشَآءُ وَ يَهۡدِیۡ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَ لَتُسۡئَلُنَّ عَمَّا كُنۡتُمۡ
تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۳﴾

**ترجمہ:** اورتم اللہ کے عہد کو پورا کرلو جب کہ تم اس کو اپنے ذمہ کرلو۔اور قسموں کو بعدان کے مستحکم کرنے کے مت توڑو۔اورتم اللہ تعالیٰ کو گواہ بھی بنا چکے ہو بے شک اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔اورتم اس عورت کے مشابہ مت بنو جس نے اپنا سوت کاتے پیچھے بوٹی بوٹی کر کے نوچ ڈالا کہ تم اپنی قسموں کو آپس میں فساد ڈالنے کا ذریعہ بنانے لگو محض اس وجہ سے کہ ایک گروہ دوسرے گروہ سے بڑھ جاوے بس اس سے اللہ تعالیٰ تمہاری آزمائش کرتا ہے اور جن چیزوں میں تم اختلاف کرتے ہو۔قیامت کے دن ان سب کو تمہارے سامنے ظاہر کردے گا اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو تم سب کو ایک ہی طریقہ کا بنا دیتے لیکن جس کو چاہتے ہیں بے راہ کردیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں راہ پر ڈال دیتے ہیں۔اورتم سے تمہارے سب اعمال کی ضرور باز پرس ہوگی۔

**شانِ نزول:** مذکورہ آیات کے سبب نزول میں دو قول ہیں:

۱-اہل جاہلیت کی قسم سے متعلق مذکورہ آیتیں نازل ہوئیں جس میں نقض عہد نہ کرنے کے سلسلے میں واضح انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔کیوں کہ عام طور پر یہ لوگ عہد کرنے کے بعد نقض عہد کے شکار ہوجاتے تھے۔

۲-یہ ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی کہ جس میں ایفاء عہد کے سلسلے میں توجہ دلائی گئی ہے۔(زادالمسیر :ص ۸۴۴ج:۴/ معالم التنزیل ص:۷۶ ۴ج:۳)

**فائدہ:** لفظ عہد ان تمام معاملات ومعاہدات کو شامل ہے جن کا زبان سے التزام کیا جائے یعنی اس کی ذمہ داری لی جائے خواہ اس پر قسم کھائے یا نہ کھائے۔ خواہ وہ کسی کام کے کرنے سے متعلق ہو یا نہ کرنے سے۔

اور یہ آیات درحقیقت آیت سابقہ کی تشریح وتکمیل ہیں آیت سابقہ میں عدل واحسان کا حکم تھا لفظ عہد کے مفہوم میں ایفاء عہد بھی داخل ہے۔

کسی سے عہد معاہدہ کرنے کے بعد عہد شکنی کرنا بڑا گناہ ہے مگر اس کے توڑنے پر کوئی کفارہ مقرر نہیں بلکہ آخرت کا عذاب ہے حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت کے روز عہد شکنی کرنے والے کی پشت پر ایک جھنڈا نصب کر دیا جائے گا جو میدان حشر میں اس کی رسوائی کا سبب بنے گا۔

اسی طرح جس جس کام کی قسم کھائی جائے اس کے خلاف کرنا بھی گناہ کبیرہ ہے آخرت میں وبال عظیم ہے اور دنیا میں بھی اس کی خاص صورتوں میں کفارہ لازم ہوتا ہے۔

اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ: اس آیت میں مسلمانوں کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ جس جماعت سے تمہارا معاہدہ ہو جائے اس معاہدہ کو دنیاوی اغراض ومنافع کے لئے نہ توڑو مثلاً تمہیں یہ محسوس ہو کہ جس جماعت یا پارٹی سے معاہدہ ہوا ہے یہ کمزور اور تعداد میں قلیل ہے۔ یہ مال کے اعتبار سے مفلس ہے اور اس کے بالمقابل دوسری جماعت کثیر اور قوی ہے۔ یا مال ودولت والی ہے تو صرف اس طمع سے کہ قوی اور مالدار پارٹی میں شامل ہو جانے سے منافع زیادہ ہوں گے پہلی جماعت کا عہد توڑنا جائز نہیں بلکہ اپنے عہد پر قائم رہے اور نفع وضرر کو خدا تعالیٰ کے سپرد کرے البتہ جس جماعت یا پارٹی سے عہد کیا ہے وہ اگر خلاف شرع امور کا ارتکاب کرے اور کرائے تو اس سے عہد کا توڑ دینا واجب ہے بشرطیکہ واضح طور پر ان کو جتلا دیا جائے کہ اب اس عہد کے ہم پابند نہیں رہیں گے۔ (معارف القرآن ص:۳۹۶/۳۹۵ ج:۵)

۳۱۸- وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۹۵

**ترجمہ:** اور تم لوگ عہد خداوندی کے عوض میں تھوڑا سا فائدہ حاصل مت کرو بس اللہ کے پاس جو چیز ہے وہ تمہارے لئے بدرجہا بہتر ہے اگر تم سمجھنا چاہو۔

**شانِ نزول:** حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ دو آدمیوں کا ایک زمین کے سلسلے میں نزاع ہو گیا دونوں لڑتے جھگڑتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے ان دونوں میں جو شخص زمین کا دعویدار تھا اس کا نام عبدان بن اشعرع تھا یہی درحقیقت صاحب زمین تھا۔ اور دوسرے کا نام امرء القیس تھا۔ یہ مدعیٰ علیہ تھا۔ اور زمین اسی کے قبضہ میں تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہونے کے بعد امرء القیس نے قسم کا ارادہ کیا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے تھوڑا انتظار کرنے کے لئے کہا اس کے بعد ہی متصلاً مذکورہ آیت نازل ہوئی جس میں مدعیٰ علیہ کا قسم کھانا، ناحق بتلایا گیا اور یہ بتلایا کہ تم اپنی قسموں کے ذریعہ سے اس حقیر دنیا کے درپے نہ ہوں۔ (زاد المسیر ص: ۴۸۷ ج: ۴)

۳۱۹- مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَ لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۷﴾

**ترجمہ:** جو شخص کوئی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ صاحب ایمان ہو تو ہم اس شخص کو بالطف زندگی دیں گے اور ان کے اچھے کاموں کے عوض میں ان کو اجر دیں گے۔

**شانِ نزول:** اس آیت کے سبب نزول میں دو قول ہیں۔

۱- امرء القیس جس کا ذکر ابھی ہوا اس نے اپنی قسم کے ذریعہ سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ وہ حق پر ہیں اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ جس میں یہ بتلایا گیا کہ اگر تم واقعتاً حق پر ہو تو دنیا میں بھی فرحت وانبساط سے محروم نہ رہو گے۔ اور پاکیزہ اور بالطف زندگی میسر ہوگی۔ اور کبھی فقر وفاقہ اور بیماری پیش نہیں آئے گی اور معاشی تنگی میں مبتلا نہ رہو گے۔

۲- اہل تورات اور اہل انجیل کے کچھ لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی اسی طرح اوثان یعنی بت کی پرستش کرنے والوں کے بارے میں نازل ہوئی یہ لوگ ایک موقع سے

ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے اور سب اپنے تئیں اپنی فضیلت اور اپنی برتری بیان کرنے میں رطب اللسان تھے اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی کہ خوش گپیوں سے کچھ کام چلنے کو نہیں حقیقت جو بھی ہوگی وہ سامنے آکر رہے گی۔ (زاد المسیر ص:۴۸۸ ج:۴)

۳۲۰- وَ اِذَا بَدَّلْنَاۤ اٰیَةً مَّكَانَ اٰیَةٍ ۙ وَّ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا یُنَزِّلُ قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُفْتَرٍ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِیُثَبِّتَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ هُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۰۲﴾

**ترجمہ:** اور جب ہم کسی آیت کو بجائے دوسری آیت کے بدلتے ہیں اور حالانکہ جو اللہ تعالیٰ حکم بھیجتا ہے اس کو وہی خوب جانتا ہے تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ وہ افتراء کرنے والے ہیں بلکہ انہیں میں اکثر لوگ جاہل ہیں آپ فرما دیجئے کہ اس کو روح القدس آپ کے رب کی طرف سے حکمت کے موافق لائے ہیں تاکہ امان والوں کو ثابت قدم رکھے اور ان مسلمانوں کے لئے ہدایت اور خوش خبری ہو جائے۔

**شانِ نزول:** مشرکین نے ایک موقع سے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال عجیب سا ہے وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ تمسخر کرتے ہیں کہ آج تو ایک چیز کے کرنے کا حکم کرتے ہیں اور کل اس سے منع کر دیتے یا اس سے آسان ترلے آتے ہیں۔ اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ یہ جو کچھ پیش کرتے ہیں یہ ان کی اپنی تخلیق ہے اور ظاہر یہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے طرف سے ہے اس وقت مذکورہ آیتیں نازل ہوئیں۔ (اسباب النزول ص:۱۶۱ زاد المسیر ص:۴۹۱ ج:۴)

۳۲۱- وَ لَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا یُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِیْ یُلْحِدُوْنَ اِلَیْهِ اَعْجَمِیٌّ وَّ هٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۰۳﴾

**ترجمہ:** اور ہم کو معلوم ہے کہ یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کو تو آدمی سکھلا جاتا ہے جس شخص کی طرف اس کی نسبت کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہے اور یہ قرآن صاف عربی ہے۔

**شانِ نزول:** اس آیت کے سبب نزول میں آٹھ اقوال ہیں:

۱- مشرکین مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بہت ساری غلط باتیں منسوب کیں ان

میں ایک بات یہ بھی تھی کہ ان کے پاس ایک آدمی آتا ہے جو انہیں سکھلا جاتا ہے۔ اور یہ اسے اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اس سے مراد ان کی ایک عجمی روم کا باشندہ لوہار تھا۔ جس کا نام بلعام یا مقیس تھا۔ وہ حضور ﷺ کی باتیں جی لگا کر سنتا تھا تو حضور ﷺ کبھی اس کے پاس جا بیٹھتے اور وہ کچھ انجیل وغیرہ کو بھی جانتا تھا۔ اس پر کافروں نے یہ بات گھڑی کہ یہی شخص حضور ﷺ کو قرآن سکھاتا ہے (کذا فی الدر المنثور) اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ قرآن مجید تو مجموعہ الفاظ و معانی کا نام ہے۔ تم لوگ اگر قرآن کریم کے معانی اور معارف کو نہیں پہنچان سکتے تو کم از کم عربی زبان کی معیاری فصاحت و بلاغت سے تو ناواقف نہیں ہو تو اتنا تو تمہیں سمجھنا چاہئے کہ اگر بالفرض قرآن کے معانی اس شخص کو سکھلا دیئے ہوں تو کلام کے الفاظ اور ان کی ایسی فصاحت و بلاغت جس کا مقابلہ کرنے سے پورا عرب عاجز ہو گیا یہ کہاں سے آئی کیوں کہ جس شخص کی طرف نسبت کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہے اور یہ قرآن صاف عربی ہے کوئی عجمی بے چارہ ایسی عربی کیسے بنا سکتا ہے، اور اگر کہا جائے کہ عبارت رسول اللہ ﷺ نے بنائی ہوگی تو اس کا واضح جواب اس تحدی (چیلنج) سے پوری طرح ہو چکا ہے جو سورہ بقرہ میں آ چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے باذنِ خداوندی اپنے ثبوت اور قرآن کی حقانیت کا معیار اسی کو قرار دیا تھا۔ کہ اگر تمہارے کہنے کے مطابق یہ انسان کا کلام ہے تو تم بھی انسان ہو اور بڑی فصاحت و بلاغت کے مدعی ہو تو تم اس جیسا کلام زیادہ نہیں تو ایک آیت ہی کی برابر لکھ لاؤ مگر سارا عرب باوجودے کہ آپ کے مقابلہ میں اپنا سب کچھ جان و مال قربان کرنے کو تیار تھا مگر اس چیلنج کو قبول کرنے کی کسی کو ہمت نہ ہوئی۔ اس کے بعد منکرین نبوت اور قرآن پر ایسے اعتراضات کرنے والوں پر وعید و تہدید ہے کہ (جو لوگ اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے ان کو اللہ کبھی راہ پر نہیں لائیں گے اور ان کے لئے دردناک سزا ہوگی اور نعوذ باللہ یہ لوگ آپ کو مفتری کہتے ہیں۔ جھوٹ افتراء کرنے والے تو یہی لوگ ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے اور یہ لوگ ہیں پورے جھوٹے)

۲- بنی مغیرہ کا ایک غلام تھا جس کا نام یعیش تھا جو تورات کو پڑھتا تھا اور تورات کو

جانتا تھا یہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتوں کو غور سے سنتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس سے کبھی توریت سنتے تھے اس سے مشرکین نے یہ نتیجہ نکالا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کچھ پیش کرتے ہیں وہ اسی سے ہی سیکھ کر پیش کرتے ہیں، حقیقت میں وہ خدا کا کلام نہیں ہے بس منسوب کردیتے ہیں کہ خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

۳-جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن کریم لکھواتے تھے اس سے سمیع علیم املا کراتے تو وہ عزیز حکیم لکھتا تھا یا اسی طرح کی کچھ تبدیلیاں کرتا رہتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے کہا کہ تو نے کیا لکھا؟ وہ کہتا جیسا آپ نے کہا ویسا ہی میں نے لکھ دیا ہے پھر جب وہ اپنی جماعت میں جاتا اور کہتا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے املا کراتے ہیں اور میں جو چاہتا ہوں لکھتا ہوں۔ اسوقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

۴-قریش کی ایک عورت کا ایک عجمی غلام تھا جس کا نام جابر تھا یہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آتا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ سیکھتا تھا اس پر مشرکین مکہ نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کچھ کہتے ہیں اس سے سیکھ کر کہتے ہیں اس پر مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

۵-حضرت سلمان فارسیؓ کے بارے میں مشرکین کہا کرتے تھے کہ محمد ان سے سیکھ کر ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں اور یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے اس قول کو مفسرین قرآن حضرت ضحاک نے بیان فرمایا ہے علامہ جوزی نے اس پر تبصرہ کیا ہے کہ یہ قول بعید سے بعید تر ہے۔ کیوں کہ حضرت سلمانؓ مدینہ میں اسلام لائے اور یہ آیت مکی ہے۔

۶-ایک نصرانی لوہار تھا جس کا نام یَحُنَّس تھا اور دوسرے نسخہ میں یحنس بتایا جاتا ہے اس کی طرف مشرکین منسوب کرتے تھے کہ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیکھتے ہیں کیوں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا جایا کرتا تھا۔ اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

۷۔ایک عجمی غلام تھا جس کا نام عایش تھا اور حویطب کا غلام تھا اور اسلام لا چکا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آتا جاتا تھا اور کچھ دین سیکھتا تھا اس کی طرف کفار منسوب کرتے تھے کہ ان سے سیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہا کرتے ہیں۔ اس پر مذکورہ آیت

نازل ہوئی۔

۸-عبداللہ بن مسلم حضرمی کا بیان ہے کہ میرے پاس دو غلام تھے ایک کا نام یسار اور دوسرے کا نام جبر تھا دونوں مکہ میں تلوار بنانے کا کام کرتے تھے۔ اور انجیل پڑھتے تھے کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ان دونوں کا گزر ہوتا اور ان دونوں کو انجیل پڑھتے ہوئے پاتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں تھوڑی دیر کے لئے رک جاتے اور انجیل سننے لگتے اس پر مشرکین نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے انجیل سیکھتے ہیں اور اسی کو اپنے انداز میں بنا کر کے اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور پیش کرتے ہیں اس پر مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

**فائدہ:** علامہ ابن الانباری نے کہا ہے کہ اس قول کے مطابق آیت کریمہ میں جو لفظ بشر آیا ہے اس کا اطلاق دو شخصوں پر ہوتا ہے معلوم ہوا کہ بشر یہاں اسماء جنس میں سے ہے جس کو دو سے تعبیر کیا گیا ہے جیسا کہ اسم جنس کا اطلاق ایک دو اور بہت سارے آدمیوں پر ہوتا ہے۔ لہٰذا یہاں بشر سے دو شخص مراد لینے کی صورت میں سبب نزول کے سلسلہ میں کوئی اشکال نہ ہوگا۔ [۱]

۲۲۳-مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَ لٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾

**ترجمہ:** جو شخص ایمان لائے پیچھے اس اللہ کے ساتھ کفر کرے تو ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوگا اور ان کو بڑی سزا ہوگی۔

**شانِ نزول:** مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖۤ مذکورہ آیت کا یہ ٹکڑا مندرجہ ذیل حضرات کے بارے میں نازل ہوا۔ جو ایمان لانے کے بعد ایمان پر جم نہ سکے بالآخر کفر وضلالت کو اختیار کرلیا۔ اور وہ حضرات یہ ہیں عبداللہ بن سعد [۲] بن ابی سرح القریشی،

---

[۱] کلهم فی زاد المسیر ص:۴۹۳/۴۹۲ ج:۴/اسباب النزول ص:۱۶۲، ۱۶۱/قول تاسع فقط وایضًا المقتطف ص:۱۵۹ القول التاسع فقط معالم التنزیل ص: ۴۴۹ / ۴۵۰/تفصیلاً روح المعانی ص:۲۳۳/ج:۱۴/پاره نمبر ۱۴ تفسیر ابن کثیر ص:۵۳۹ج:۲/معارف القرآن ص:۴۰۴ج:۵/صرف اوّل، بیان القرآن صرف اوّل نمبر

[۲] عبداللہ بن سعد ابی السّرح بعد میں مسلمان ہوگئے فتح مکہ کے موقع پر الاشباہ والنظائر للسیوطی ص:۹۰

مقیس بن صبابہ، عبداللہ بن انس ابن خطل وطعمۃ بن ابیرق، قیس بن ولید بن مغیرہ، قیل بن الفاکہہ المخزومی۔ (زادالمسیر)

اِلَّا مَنۡ اُکۡرِہَ وَ قَلۡبُہٗ مُطۡمَئِنٌّۢ الخ مذکورہ آیت کے اس ٹکڑے کے شان نزول کے بارے میں چار اقوال ہیں:

۱- یہ ٹکڑا ان صحابہ کے بارے میں نازل ہوا جن کو مشرکین نے گرفتار کرلیا تھا اور کہا تھا کہ یا تو کفر اختیار کریں ورنہ قتل کردیئے جاویں گے۔

یہ گرفتار ہونے والے حضرات عمار اور ان کے والدین یاسر اور سمیہ اور صہیب اور بلال اور خباب رضی اللہ عنہم تھے۔ جن میں سے حضرت یاسرؓ اور ان کی زوجہ سمیہؓ نے کلمہ کفر بولنے سے قطعی انکار کردیا حضرت یاسر کو قتل کردیا گیا اور حضرت سمیہ کو دو اونٹوں کے درمیان باندھ کر ان کو دوڑایا گیا جس سے دو ٹکڑے الگ الگ ہو کر شہید ہوئیں۔ اور یہی دو بزرگ ہیں جن کو اسلام کی خاطر سب سے پہلے شہادت نصیب ہوئی اسی طرح حضرت خبابؓ نے کلمہ کفر بولنے سے قطعی انکار کرکے بڑے اطمینان کے ساتھ قتل کئے جانے کو قبول کیا ان میں سے حضرت عمار نے جان کے خوف سے زبانی اقرار کرلیا مگر دل ان کا ایمان پر مطمئن اور جما ہوا تھا۔ جب یہ دشمنوں سے رہائی پاکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو بڑے رنج وغم کے ساتھ اس واقعہ کا اظہار کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے دریافت کیا کہ جب تم یہ کلمہ بول رہے تھے تو تمہارے دل کا کیا حال تھا انہوں نے عرض کیا کہ دل تو ایمان پر مطمئن اور جما ہوا تھا اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو مطمئن کیا کہ تم پر اس کا کوئی وبال نہیں آپ کے اس فیصلے کی تصدیق میں یہ آیت نازل ہوئی۔ قرطبی ومظہری)

علامہ واحدی نے اسباب النزول میں بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی نے یہ بتلایا کہ عمار نے نعوذ باللہ کفر اختیار کرلیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا اس لئے کہ عمار کے خون کے ہر قطرہ میں ایمان رچ بس گیا ہے وہ کیوں کر ایسا کرسکتا ہے۔

چنانچہ حضرت عمار جب خدمت نبوی میں ان سے چھٹکارا پانے کے بعد پہنچے تو حزن وغم سے زاروقطار رونے لگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود ان کی آنکھوں سے آنسو پوچھتے

جارہے تھے اور تسلی دیتے جارہے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی باقی تفصیل وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔

۲-جب اللہ تعالیٰ نے اپنے قول :اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ؕ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۹۷﴾ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَ الْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۹۸﴾ نازل فرمائی۔

**ترجمہ:** بے شک جب ایسے لوگوں کی جان فرشتے قبض کرتے ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو گنہگار کررکھا تھا،تو ان سے کہتے ہیں کہ تم کس کام میں تھے وہ کہتے ہیں کہ ہم سرزمین میں محض مغلوب تھے،وہ کہتے ہیں کہ کیا خدا تعالیٰ کی زمین وسیع نہ تھی،تم کو ترک وطن کرکے اس میں چلا جانا چاہئے تھا،سو ان لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے،اور جانے کے لئے وہ بڑی جگہ ہے،مگر جو مرد اور عورتیں اور بچے قادر نہ ہوں کہ نہ کوئی تدبیر کرسکتے ہیں اور نہ راستہ سے واقف ہیں تو ان کے لئے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ معاف کردیں،اور اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے اور بڑے مغفرت کرنے والے ہیں۔

اس قدر وضاحت کے بعد اللہ تعالیٰ نے سورۂ نساء کی مذکورہ آیتیں نازل فرمائیں اور باقی رہا ان آیتوں کا سبب نزول تو اس کے بارے میں تفصیل سورۂ نساء میں آچکی ہے مختصراً یہاں پر عرض یہ ہے کہ:

جب مذکورہ دونوں آیتیں سورہ نساء کی یعنی آیت نمبر ۹۷/۹۸/ نازل ہوئیں،تو مکہ میں جو حضرات تھے ان کے نام عبدالرحمن بن عوف نے ایک خط لکھا جس میں اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الخ کو نازل ہونے کے بارے میں بتلایا ساتھ ہی ان لوگوں کے انجام کی بھی وضاحت کردی کہ جو مسلمان ہونے کے بعد بھی مکہ ہی میں رہے اور ہجرت نہ کرسکے اور غزوۂ بدر کے موقع پر مشرکین کے ساتھ نہ چاہتے ہوئے بھی شریک جنگ ہوئے بالآخر مشرکین کے ساتھ یہ حضرات بھی قتل کردیئے گئے۔جو ان کے حق میں ٹھیک نہ ہوا۔

مکی مسلمانوں کے پاس جو اب تک ہجرت نہ کر سکے تھے جب خط پہنچا اور مسلمانوں کے سامنے خط کا مضمون پڑھا گیا تو خط سننے کے بعد فوراً ہی جو لوگ اسلام لا چکے تھے مدینہ کے جانب روانہ ہونے لگے لیکن کفار اور مشرکین نے ان کا تعاقب کیا بالآخر پکڑ لیا۔ اور انہیں طرح طرح کی ایذائیں دیں اور نہ چاہتے ہوئے بھی کلمۂ کفر کہلوائے۔ اس وقت مذکورہ زیر بحث آیت **إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ** الخ نازل ہوئی۔

۳-عیاش بن ابی ربیعہ کے بارے میں نازل ہوئی، یہ جب ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے تو ان کی والدہ نے یہ قسم کھائی کہ جب تک عیاش واپس نہیں لوٹے گا اس وقت تک نہ وہ کھانا کھائے گی اور نہ راحت و آرام سے رہے گی اور نہ سایہ میں بیٹھے گی۔ چنانچہ جب وہ اپنی ماں کے پاس واپس لوٹے تو مشرکین نے انہیں طرح طرح کی تکلیفیں دیں اور وہ کچھ کیا جو انہیں کرنا تھا۔

۴-ابن حضرمی کا ایک غلام تھا جس کا نام جبیر تھا یہ شخص یہودی تھا پھر جب مسلمان ہو گیا تو اس کے آقا نے اسے طرح طرح کی تکلیفیں دیں اور مقصد اس سے یہ تھا کہ دوبارہ دین یہودیت میں داخل ہو جائے اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

**هذا كلّهم فى زاد المسير ص:۴۹۶/۴۹۵ ج:۴/اسباب النزول ص:۱۶۲ بعضًا ابن كثير ص:۵۴۰/معالم التنزيل ص:۴۵۲/۴۵۱ج:۳/المقتطف ص:۱۶۰ ج:۳/ روح المعانى ص:۲۳۷ج:۱۴/معارف القرآن ص:۴۰۶ج:۵**

**۳۲۳: ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوا ثُمَّ جٰهَدُوا وَ صَبَرُوٓا ۙ إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۱۰﴾**

ترجمہ: پھر بے شک آپ کا رب ایسے لوگوں کے لئے کہ جنہوں نے مبتلاءِ کفر ہونے کے بعد ہجرت کی پھر جہاد کیا اور قائم رہے تو آپ کا رب ان کے بعد بڑی مغفرت کرنے والا بڑی رحمت کرنے والا ہے۔

شانِ نزول: اس آیت کے سبب نزول میں چار اقوال ہیں۔

۱-ان صحابہ کرام کے بارے میں نازل ہوئی جنہیں ہجرت سے قبل مکہ میں طرح طرح کی آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑا۔

۲-مسلمانوں کی ایک جماعت ہجرت کے ارادہ سے جب مدینہ کی جانب روانہ ہوئی تو کفار اور مشرکین نے ان کا تعاقب کیا اور انہیں طرح طرح کی اذیتیں دیں، اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

۳-عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے بارے میں نازل ہوئی کہ اسلام لانے کے بعد کفر اختیار کرلیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے دن یہ حکم فرمایا کہ اسے قتل کردیا جائے لیکن اس شخص کے لئے حضرت عثمان بن عفان نے امن طلب کرلی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی امن دے دیا۔ اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی اس شخص نے بعد میں پھر اسلام قبول کرلیا اور مسلمان ہوگیا تھا۔

۴-ابوجندل بن سہیل بن عمرو اور عبداللہ بن اسید ثقفی کے بارے میں نازل ہوئی کہ ہجرت کے بعد اور مسلمان ہونے کے بعد بڑی مشکلات کا انہیں سامنا کرنا پڑا ہے۔ [1]

۳۲۴-اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَ اِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ وَ لَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَ اصْبِرْ وَ مَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَ لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَ لَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

**ترجمہ:** آپ اپنے رب کی راہ کی جانب حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعہ بلایئے اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بحث کیجئے۔ آپ کا رب خوب جانتا ہے اس شخص کو بھی جو اس کے راستہ سے گم ہوگیا اور وہی راہ پر چلنے والوں کو بھی خوب جانتا ہے اور بدلہ لینے لگو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنا تمہارے ساتھ برتاؤ کیا گیا اور اگر صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے حق میں بہت ہی اچھی بات ہے اور آپ صبر کیجئے اور آپ کا صبر کرنا خدا ہی کی توفیق خاص سے ہے اور ان لوگوں پر غم نہ کیجئے اور جو کچھ یہ

[1] زاد المسیر ص:۴۹۸/۴۹۷ج:۴/معالم التنزیل ص:۴۵۲ج:۳/اسباب النزول ص:۱۶۲/۱ المقتطف ص:۱۶۳ ج:۳/روح المعانی ص:۳۴۰ ج:۱۴/ابن کثیر مضموناً ص:۵۴۱ ج:۱۲

تدبیریں کیا کرتے ہیں اس سے تنگ دل نہ ہو جایئے۔

**شانِ نزول**: مذکورہ تین آیتوں کے سبب نزول میں دو قول ہیں:

۱- غزوۂ احد کے موقع پر بہت سارے صحابہ راہ خدا میں قربان ہو گئے ان میں سے حضرت حمزہؓ سید الشہداء کو صرف قتل نہیں کیا گیا بلکہ مثلہ بھی کر دیا گیا ناک، کان اور دوسرے اعضاء کو کاٹ دیا گیا اور شکل بگاڑ دی گئی اور پیٹ کو چاک کر کے کلیجہ نکال کر ہندہ بنت عتبہ کے سپرد کر دیا گیا تا کہ اس کو چبائے اور چبا کر کھا جائے چنانچہ ہندہ بنت عتبہ نے اس کو چبایا اور پھر اس کو گھونٹنے کی کوشش کی لیکن اس کے پیٹ میں نہ اتر سکا بالآخر اس نے اگل دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب اس کی خبر پہنچی تو فرمایا کہ اگر وہ اس کو کھا لیتی تو اس کو جہنم کی آگ کبھی بھی نہ چھو پاتی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے حمزہؓ کے جسم کو جہنم کے لئے حرام قرار دے دیا ہے۔

حضرت حمزہؓ کے قتل ہو جانے کے بعد اور مثلہ کر دیئے جانے کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس پہنچے اور یہ کیفیت دیکھی تو حزن وغم کا ٹھکانہ نہ رہا اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قسم کھالی کہ اگر میں قریش پر غالب ہو گیا تو ان میں سے ۷۰ر آدمیوں کو ضرور مثلہ کروں گا اور فرمایا کہ اگر مجھے عورتوں کے غمگین ہونے کا خطرہ نہ ہوتا اور یہ کہ مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ میرے بعد یہ طریقہ رائج ہو جائے گا تو میں حضرت حمزہؓ کو اسی حال پر چھوڑ دیتا جس حال پر ابھی ہیں یہاں تک کہ قیامت کے دن دوبارہ تمام انسانوں اور مخلوقات کو زندہ کیا جاتا تو حضرت حمزہؓ کو اللہ تعالیٰ پرندے اور درندے کے پیٹ سے اٹھاتا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چادر منگوائی اور آپ کے چہرے کو ڈھک دیا چادر چونکہ چھوٹی تھی اس لئے پیر کا حصہ کھلا رہا۔ اور پیر پر اذخر گھاس ڈال دی، اور پھر ان کو آپ نے اپنے سامنے رکھا اور ستر مرتبہ جنازے کی نماز پڑھی۔ اس غزوہ میں ستر حضرات صحابہ شہید ہوئے جب ہر ایک کی آخری رسم سے فارغ ہو گئے تو اس وقت مذکورہ آیتیں نازل ہوئیں۔ جس میں دعوت وتبلیغ کا اسلوب اور بدلہ لینے کا معیار اور طریقہ کار اور اس کے ساتھ صبر کی تلقین فرمائی۔ چنانچہ ان آیتوں کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ارادہ سے رک گئے اور فرمایا کہ اب ہم صبر ضرور کریں گے، اس کے بعد آپ نے اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا۔

۲-احد کے دن جب چونسٹھ انصار شہید کردیئے گئے اور چھ مہاجرین جن میں ایک حمزہ بھی تھے جن کا مثلہ کردیا گیا تھا اس وقت انصار نے کہا اگر وہ دن آیا کہ ہمارا ان پر غلبہ اور تسلط ہوا تو ان سے کئی گنا ہم بدلہ چکالیں گے اس وقت مذکورہ آیتیں نازل ہوئیں۔ [۱]

۞۞۞

[۱] زاد المسیر ص:۵۰۸/۵۰۷ ج:۴/اسباب النزول ص:۱۶۵ تا ۱۶۲ ملخصًا معالم التنزیل ص:۴۵۹/۴۵۸ ج:۳/ابن کثیر ص:۵۴۵/۵۴۴ ج:۲ روح المعانی ص:۲۵۸/۲۵۷ ج:۱۴ پارہ نمبر ۱۴

# سورۂ بنی اسرائیل

یہ سورت ایک جماعت کے بقول مکی ہے لیکن بعض لوگوں نے کہا کہ مدنی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ مکمل سورت مکی ہے مگر چھ آیتیں وَاِنْ کَادُوْا لَیَفْتِنُوْنَکَ سے نَصِیْرًا تک مدنی ہیں۔ یعنی آیت نمبر ۷۳/۷۴/۷۵/۵۷، اسی طرح آیت نمبر ۶۰/۸۰/۷۶/مدنی ہیں۔

۳۲۵-وَ لَا تَجْعَلْ یَدَکَ مَغْلُوْلَةً اِلٰی عُنُقِکَ وَ لَا تَبْسُطْهَا کُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴿۲۹﴾ اِنَّ رَبَّکَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ کَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِیْرًۢا بَصِیْرًا ﴿۳۰﴾

**ترجمہ:** اور نہ تو اپنا ہاتھ گردن ہی سے باندھ لینا اور نہ بالکل ہی کھول دینا چاہئے اور نہ الزام خوردہ تہہ دست ہو کر بیٹھ رہو بلاشبہ تیرا رب جسے چاہتا ہے زیادہ دیتا ہے۔ اور وہی تنگی کر دیتا ہے وہ اپنے بندوں کو خوب جانتا ہے دیکھتا ہے۔

**شانِ نزول:** اس آیت میں بلاواسطہ مخاطب خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور آپ کے واسطے سے پوری امت مخاطب ہے اور مقصود اقتصادی کی ایسی تعلیم ہے جو دوسروں کی امداد میں حائل بھی نہ ہو اور خود اپنے لئے بھی مصیبت نہ بنے۔

اس آیت کے شانِ نزول میں ابن مرویہ نے بروایت حضرت عبداللہ ابن مسعود اور بغوی نے بروایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ ایک واقعہ نقل کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک لڑکا حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری والدہ آپ سے ایک کرتے کا سوال کرتی ہیں اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کوئی کرتا اس کے سوا نہیں تھا جو آپ کے بدن مبارک پر تھا، آپ نے لڑکے سے کہا پھر کسی وقت آؤ جب کہ ہمارے پاس اتنی وسعت ہو

کہ تمہاری والدہ کا سوال پورا کر سکیں لڑکا گھر گیا اور پھر واپس آیا اور عرض کیا کہ میری والدہ کہتی ہیں کہ آپ کے بدن مبارک پر جو کرتا ہے وہی عنایت فرما دیں، یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بدن مبارک سے کرتہ اتار کر اس کے حوالہ کر دیا آپ ننگے بدن رہ گئے۔ نماز کا وقت آیا حضرت بلالؓ نے اذان دی مگر آپ حسب عادت باہر تشریف نہ لائے تو لوگوں کو فکر ہوئی بعض لوگ اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ آپ کرتے کے بغیر ننگے بدن بیٹھے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ [۱]

۳۲۶- اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَ اتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ؕ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾

**ترجمہ:** تو کیا تمہارے رب نے تم کو تو بیٹوں کے ساتھ خاص کیا اور خود فرشتوں کو بیٹیاں بنائی ہیں بے شک تم بڑی بات کہتے ہو۔

**شانِ نزول:** مشرکین عرب کے بارے میں مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ یہ لوگ کہا کرتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں (زاد المسیر ص:۳۷ ج:۵)

۳۲۷- نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَ اِذْ هُمْ نَجْوٰٓى اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۴۷﴾

**ترجمہ:** جس وقت یہ لوگ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں تو ہم خوب جانتے ہیں جس غرض سے یہ سنتے ہیں۔ اور جس وقت یہ لوگ آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں جب کہ یہ ظالم یوں کہتے ہیں کہ تم لوگ محض ایسے شخص کا ساتھ دے رہے ہو جس پر جادو کا اثر ہو گیا ہے۔

**شانِ نزول:** ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کو حکم فرمایا کہ وہ کچھ کھانا تیار کریں مشرکین قریش کے کچھ سردار کو بلانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے کھانا تیار کیا اور ان کی خدمت میں کھانا پیش کیا گیا۔ پھر جب ان چیزوں سے فراغت ہوگئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور ان کے سامنے قرآن کی تلاوت کی اور توحید کی طرف ان کو بلایا

[۱] **معارف القرآن ص:۴۷۳ ج:۵/اسباب النزول ص:۱۶۵/زاد المسیر ص:۲۱ ج:۵/معالم التنزیل ص:۴۹۲/۴۹۳ ج:۳/روح المعانی ص:۶۵ ج:۱۵**

وہ لوگ بجائے سننے کے آپس میں کہتے رہے کہ یہ جادوگر ہے اس کے علاوہ مزید قرآن سے فائدہ نہ اٹھا سکے اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ (زادالمسیر ص:۴۲،۴۱ ج:۵)

۳۲۸- وَ قُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ۝۵۳

**ترجمہ:** اور آپ میرے بندوں سے کہہ دیجئے کہ ایسی بات کہا کریں جو بہتر ہو بے شک شیطان لوگوں کو فساد ڈلواتا ہے، واقعی شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔

**شانِ نزول:** اس آیت کے سبب نزول میں دو قول ہیں:

۱- ایک مرتبہ کفار میں سے ایک شخص نے حضرت عمرؓ کو گالی گلوچ دیا حضرت عمرؓ نے بھی جواباً اس کے ساتھ ویسا ہی کرنے کا ارادہ کیا اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

۲- مشرکین اور کفار صحابہ کرام کو طرح طرح سے قولی اور فعلی ایذاء دیتے تھے صحابہ کرام نے اس کی شکایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کی اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ [۱]

۳۲۹- قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا یَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِیْلًا ۝۵۶

**ترجمہ:** آپ فرمادیجئے کہ جن کو تم خدا کے سوا قرار دے رہے ہو ذرا ان کو پکارو تو سہی سو وہ نہ تم سے تکلیف کو دور کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ اس کے بدل ڈالنے کا۔

**شانِ نزول:** مذکورہ آیت اور اس کے بعد والی آیت یعنی اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّهِمُ الْوَسِیْلَةَ اَیُّهُمْ اَقْرَبُ وَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَ یَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ۝۵۷ یعنی یہ لوگ کہ جن کو مشرکین پکار رہے ہیں وہ خود ہی اپنے رب کی طرف ذریعہ ڈھونڈ رہے ہیں کہ ان میں کون زیادہ مقرب بنتا ہے۔ اور اس کی رحمت کے امیدوار ہیں۔ اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں واقعی آپ کے رب کا عذاب ہے بھی ڈرنے کی چیز۔ ۱- عرب کی ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی کہ یہ جماعت جنات

---

[۱] زادالمسیر ص:۴۶ ج:۵/ اسباب النزول ص:۱۶۶/ معالم التنزیل ص:۵۵۲ ج:۳

کی ایک جماعت کی عبادت کرتی تھی۔ اور اس کو اپنا حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتی تھی۔ پھر جب جنات کی وہ جماعت مسلمان ہوگئی اور اہل عرب کی وہ جماعت ایسی ہی رہ گئی اور بے شعوری میں زندگی گزار دی۔ اس وقت مذکورہ دونوں آیتیں نازل ہوئیں۔

۲- مشرکین ملائکہ کی عبادت کرتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ یہ اللہ کے نزدیک ہمارے سفارشی بنیں گے، لیکن ایک مرتبہ وہ سات سال تک قحط میں مبتلا ہوگئے، اور جن کو سفارشی سمجھتے تھے کچھ بھی کام نہ آسکے۔ اس وقت مذکورہ دونوں آیتیں نازل ہوئیں۔ [۱]

**۳۳۰- وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ؕ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ﴿۵۹﴾**

**ترجمہ:** اور ہم کو معجزات کے بھیجنے سے صرف یہی بات مانع ہے کہ پہلے لوگ ان کی تکذیب کر چکے ہیں اور ہم نے قوم ثمود کو اونٹنی دی تھی جو کہ بصیرت کا ذریعہ تھی سو ان لوگوں نے اس کے ساتھ ظلم کیا۔ اور ہم ایسے معجزات کو صرف ڈرانے کے لئے بھیجا کرتے ہیں۔

**شانِ نزول:** اہل مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے فرمائش کی کہ صفا پہاڑ کو سونا بنادیا جائے اور پہاڑ کو ان سے دور کردیا جائے۔ تاکہ وہ اس میں کھیتی کرسکیں اور باغات لگاسکیں اور عیش وعشرت کی زندگی گزارسکیں اور معاشی بحران سے نجات مل سکے۔ اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی، جس میں ان سے کہا گیا کہ اگر چاہیں تو ہم پہاڑ کو سونا بنادیں اور تمام زمین کو مساوی کردیں۔ لیکن ایسا کردینے پر اگر وہ ایمان نہ لائے تو عذاب ان کے لئے لازمی ہوجائے گا۔ جیسا کہ قوم ثمود کا حال ہوا اور کفر میں چونکہ دونوں شریک ہیں اس لئے یہ بھی ایسا ہی کریں گے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ کا عذاب آکر ان کو ہلاک وبرباد کردے گا۔ جب کہ اللہ تعالیٰ ان پر ابھی ایسا عذاب نہیں بھیجنا چاہتا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے

---

[۱] زاد المسیر فی علم التفسیر ص:۹۰۴ج:۵/المقتطف ص:۲۰۵/۲۰۴/ج:۳ معالم التنزیل ص:۵۰۳ج:۳/ابن کثیر ص:۴۵ج:۳/روح المعانی ص:۹۸/۹۷ج:۱۵/پارہ نمبر ۱۵

اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ پھر تو عذاب نازل نہ ہونے والی صورت ہی بہتر ہے۔ [۱]

۳۳۱-وَ اِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ وَ مَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَ الشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ؕ وَ نُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ؑ۝۶۰

**ترجمہ:** آپ وہ وقت یاد کر لیجئے جب کہ ہم نے آپ سے کہا تھا آپ کا رب تمام لوگوں کو محیط ہے اور ہم نے جو تماشا آپ کو دکھلایا تھا اور اس درخت کی قرآن میں مذمت کی گئی ہے ہم نے تو ان دونوں چیزوں کو ان لوگوں کے لئے موجب گمراہی کر دیا اور ہم ان کو ڈراتے رہتے ہیں لیکن ان کی بڑی سرکشی بڑھتی چلی جاتی ہے۔

**شانِ نزول:** وَ الشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ؕ وَ نُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ؑ۝۶۰ جب اللہ تعالیٰ نے زقوم کا تذکرہ فرمایا تو قریش کی ایک جماعت پر اس سے لرزہ طاری ہوگیا۔ اس پر ابوجہل نے کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ زقوم کیا چیز ہے؟ جس سے محمد تم کو ڈراتے ہیں۔ ان لوگوں نے کہا نہیں ہمیں اس سلسلے میں کچھ بھی علم نہیں ہے۔ اس پر ابوجہل نے کہا کہ زقوم ثرید ہے جس میں مکھن ملا ہوا ہو۔ اور اللہ کی قسم اگر ہم اس کو پالیں گے تو خوب مزے لے کر کھائیں گے اس پر اللہ تعالیٰ نے مذکورہ ٹکڑا نازل فرمایا۔ [۲]

۳۳۲: وَ اِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَ اِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ۝۷۳ وَ لَوْ لَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ۝۷۴ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَ ضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ۝۷۵ وَ اِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَ اِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۷۶ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَ لَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ؑ۝۷۷

[۱] زاد المسیر فی علم التفسیر ص: ۵۱ ج: ۵/اسباب النزول ص: ۱۶۶ معالم التنزیل ص: ۵۰۴ ج: ۳ القمتطف ص: ۲۰۶ ج: ۳/ابن کثیر ص: ۴۶/ج: ۳ روح المعانی ص: ۱۰۳ ج: ۱۵/پارہ نمبر ۱۵

[۲] اسباب النزول ص: ۱۶۶/المقتطف ص: ۲۰۷ ج: ۳/مضمونا معالم التنزیل ص: ۵۰۶ ج: ۳

**ترجمہ:** اور یہ لوگ آپ کو اس چیز سے بچانے ہی لگے تھے جو ہم نے آپ پر وحی کے ذریعہ سے بھیجی ہے تا کہ آپ اس کے سوا ہماری طرف غلط بات کی نسبت نہ کریں اور ایسی حالت میں آپ کو گاڑھا دوست بنا لیتے ہیں۔ اور اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ بنایا ہوتا تو آپ ان کی طرف کچھ کچھ جھکنے کے قریب جا پہنچتے اگر ایسا ہوتا تو ہم آپ کو حالت حیات میں اور بعد موت کے دوہرا عذاب چکھاتے پھر آپ ہمارے مقابلے میں کوئی مددگار نہ پاتے اور یہ لوگ سرزمین سے آپ کے قدم اکھاڑنے لگے تھے تا کہ آپ کو اس سے نکال دیں اور اگر ایسا ہو جاتا تو آپ کے بعد بھی بہت کم ٹھہرنے پاتے۔ جیسا کہ ان صاحبوں کے باب میں قاعدہ رہا ہے جن کو آپ سے پہلے رسول بنا کر بھیجا تھا۔ اور آپ ہمارے قاعدہ میں تغیر نہ پاویں گے۔

**شانِ نزول:** مذکورہ آیات میں سے اول کی تین آیتیں ایک خاص واقعہ سے متعلق ہیں تفسیر مظہری میں اس واقعہ کے تعین کے متعلق چند روایتیں نقل کی ہیں جن سے اقرب اور مؤید باشارات القرآن وہ واقعہ ہے جس کو شریح ابن ابی حاتم نے بروایت جبیر ابن نضیرؓ نقل کیا ہے کہ قریش مکہ کے چند سردار آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اگر آپ واقعی ہماری طرف بھیجے گئے ہیں تو پھر اپنی مجلس سے ان غریب شکستہ حال لوگوں کو ہٹا دیجئے جن کے ساتھ بیٹھنا ہمارے لئے توہین ہے تو پھر ہم آپ کے اصحاب اور دوست ہو جائیں گے ان کی اس بات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خیال پیدا ہوا کہ ان کی بات پوری کر دیں شاید یہ مسلمان ہو جائیں اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں۔

ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو باخبر کر دیا گیا کہ ان کی بات فتنہ ہے ان کی دوستی بھی فتنہ ہے آپ کو ان کی بات نہیں ماننی چاہئے اور پھر ارشاد فرمایا کہ ہماری طرف سے آپ کی تربیت اور ثابت قدم رکھنے کا اہتمام نہ ہوتا تو کچھ بعید نہیں تھا کہ آپ ان کی بات کی طرف میلان کے تھوڑے سے قریب ہو جاتے۔

تفسیر مظہری میں ہے کہ ان آیات سے یہ بات واضح طور پر سمجھی جاتی ہے کہ کفار قریش کی لغویات کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے میلان کا تو کوئی احتمال ہی نہ تھا ہاں میلان کے قریب ہو جانے کا بقدر قلیل حد میں امکان تھا مگر اللہ تعالیٰ نے معصوم بنا کر اس سے بھی

بچالیا۔ غور کیا جائے تو یہ آیت انبیاء علیہم السلام کی اعلیٰ ترین پاکیزہ خلقت وطبیعت پر بڑی دلیل ہے اگر پیغمبرانہ عصمت بھی نہ ہوتی تب بھی نبی کی فطرت ایسی تھی کہ کفار کی لغویات کی طرف میلان ہوجاتا اس سے ممکن نہ تھا ہاں میلان کے کچھ قریب بقدر قلیل کا احتمال تھا، جو پیغمبرانہ عصمت نے ختم کر دیا۔ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَ ضِعْفَ الْمَمَاتِ یعنی اگر بالفرض محال آپ ان کی غلط روش کی طرف میلان کے قریب ہوجاتے تو آپ کا عذاب دنیا میں بھی دوہرا ہوتا اور موت کے بعد قبر یا آخرت میں بھی دوہرا ہوتا کیوں کہ مقربان بارگاہ کی معمولی سی غلطی بھی بہت بڑی سمجھی جاتی ہے اور یہ مضمون تقریباً وہی ہے جو ازواج مطہرات کے متعلق قرآن میں آیا ہے: يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ[1] یعنی اے نبی کی عورتو! اگر تم میں سے کسی نے کھلی بے حیائی کا کام کیا تو اس کو دوہرا عذاب دیا جائے گا۔ وَ اِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ استفز از کے لفظی معنی قطع کرنے کے ہیں یہاں مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے مستقر مکہ یا مدینہ سے نکال دینا ہے۔ اور معنی آیات کے یہ ہیں کہ قریب تھا کہ یہ کفار آپ کو اپنی زمین سے نکال دیں۔ اور اگر وہ ایسا کر لیتے تو اس کی سزا ان کو یہ ملتی کہ وہ آپ کے بعد زیادہ دیر اس شہر میں نہ رہ پاتے۔ یہ ایک دوسرے واقعہ کا بیان ہے اور اس کی تعین میں بھی دو روایتیں منقول ہیں ایک واقعہ مدینہ طیبہ کا ہے کہ یہود مدینہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر آپ اپنی نبوت کے دعوے میں سچے ہیں تو آپ کو چاہئے کہ ملک شام میں جا کر رہیں کیوں کہ ملک شام ہی محشر کی زمین ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ان کے اس کلام کا کچھ اثر ہوا اور غزوۂ تبوک کے وقت جو ملک شام کا سفر ہوا تو آپ کا قصد یہ تھا کہ ملک شام کو اپنا ایک مستقر بنائیں مگر یہ آیت نازل ہوئی۔ وَ اِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ جس میں آپ کو اس ارادہ سے روک دیا گیا مگر ابن کثیر نے اس روایت کو نقل کر کے ناقابل اطمینان قرار دیا۔

اور اس آیت کا مصداق ایک دوسرا واقعہ بتلایا ہے جو کہ مکہ مکرمہ میں پیش آیا اور اس سورت کا مکی ہونا اس کے لئے قوی قرینہ ہے اور وہ واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ کفار قریش نے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ مکرمہ سے نکال دینے کا ارادہ کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، اگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ سے نکال دیں گے تو پھر خود بھی مکہ میں دیر تک چین سے نہ بیٹھ سکیں گے ابن کثیر نے اس واقعہ کا مصداق آیات ہونا راجح قرار دیا ہے اور پھر بتلایا کہ قرآن کریم کی یہ وعید بھی کفار مکہ نے کھلی آنکھوں دیکھ لی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمائی تو مکہ والے ایک دن بھی مکہ میں چین سے نہیں بیٹھ سکے۔ صرف ڈیڑھ سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو میدان بدر میں جمع کر دیا جہاں ان کے ستر سردار مارے گئے اور ان کی قوت ٹوٹ گئی پھر غزوۂ احد کے آخری نتیجہ میں ان پر مزید ہیبت طاری ہوگئی اور غزوۂ احزاب کے آخری معرکہ نے تو ان کی کمر ہی توڑ دی اور ہجرت سے آٹھویں سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پورا مکہ مکرمہ فتح کر لیا۔

سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا: اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عام سنت اور قاعدہ پہلے سے ہی چلا آیا ہے کہ جب کوئی قوم اپنے نبی کو اس کے وطن سے نکالتی یا نکالنے پر مجبور کرتی ہے تو پھر وہ قوم بھی باقی نہیں رکھی جاتی اس پر خدائے تعالیٰ کا عذاب آ ہی جاتا ہے۔ [۱]

واضح رہے کہ جو شانِ نزول مذکورہ آیتوں کے ذکر کیے گئے ہیں ان کے علاوہ اور بھی متعدد شان نزول علامہ جوزی، واحدی، بغوی اور صاحب مقتطف وغیرہ نے بیان کئے ہیں، **فلیطالع ثمه**.

۳۳۳- وَ قُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ اجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا۝۸۰ وَ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۝۸۱

**ترجمہ:** اور آپ یہ دعا کیجئے کہ اے میرے رب مجھ کو خوبی کے ساتھ پہنچائیو اور مجھ کو خوبی کے ساتھ لے جائیو اور مجھ کو اپنے پاس سے ایسا غلبہ دیجئے جس کے ساتھ نصرت ہو

[۱] معارف القرآن ص:۵۱۲ ج:۵/ایضًا ابن کثیر ص:۵۱ تا ۵۲ ج:۳/وایضًا فی اسباب النزول ص:۱۶۶/۱۶۷/وایضًا فی المقتطف ص:۲۱۴ تا ۲۱۶ بتغیر ج:۳/وایضًا فی معالم التنزیل ص:۵۱۲ تا ۵۱۴ ج:۳/وایضًا فی زاد المسیر ص:۶۸ تا ۷۰ ج:۵/وایضًا فی روح المعانی ص:۱۲۰ تا ۱۲۸ ج:۱۵ پارہ ۱۵

اور کہہ دیجئے کہ حق آیا اور باطل گیا، واقعی باطل چیز تو یوں ہی آتی جاتی رہی ہے۔

**شانِ نزول:** شانِ نزول مع فوائد: سابقہ آیات میں اول کفار مکہ کی ایذاؤں اور ان تدبیروں کا ذکر تھا جو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف پہنچانے کے لئے کرتے تھے اس کے ساتھ یہ بھی مذکور ہوا کہ ان کی یہ تدبیریں کامیاب نہیں ہوں گی اور ان کے مقابلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اصل تدبیر کے درجہ میں تو صرف پنجگانہ نماز قائم کرنے اور تہجد گزاری کی تلقین فرمائی اس کے بعد آخرت میں آپ کو سب انبیاء سے اعلیٰ مقام یعنی مقام محمود عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا جو آخرت میں پورا ہوگا۔ مذکورہ آیت **وَقُلْ رَّبِّ** میں حق تعالیٰ نے اس دنیا میں اوّل آپ کو کفار کے مکائد اور ایذاؤں سے نجات دینے کی تدبیر بصورت ہجرت مدینہ ارشاد فرمائی اور اس کے بعد فتح مکہ کی بشارت **وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ** میں ارشاد فرمائی گئی۔

جامع ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ معظمہ میں تھے، پھر آپ کو ہجرت مدینہ کا حکم دیا گیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ **وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ** اس میں لفظ مدخل اور مخرج داخل ہونے میں اسم ظرف ہے اور ان کے ساتھ صفت صدق بڑھانے سے مراد یہ ہے کہ یہ نکلنا اور داخل ہونا سب اللہ کی مرضی کے مطابق خیر وخوبی کے ساتھ ہو کیوں کہ لفظ صدق عربی زبان میں ہر ایسے فعل کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جو ظاہراً اور باطناً درست اور بہتر ہو قرآن کریم میں قدم صدق اور لسان صدق اور مقعد صدق کے الفاظ اسی معنی میں استعمال ہوئے ہیں۔

داخل ہونے کی جگہ سے مراد مدینہ اور خارج ہونے کی جگہ سے مراد مکہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یا اللہ مدینہ میں میرا داخلہ خیر وخوبی کے ساتھ ہو جائے۔ وہاں کوئی خلاف طبع اور ناگوار صورت پیش نہ آئے اور مکہ مکرمہ سے میرا نکلنا خیر وخوبی کے ساتھ ہو جائے کہ وطن اور گھر بار کی محبت میں دل الجھا نہ جائے اس آیت کی تفسیر میں کچھ اور اقوال بھی آئے ہیں مگر یہ تفسیر حضرت حسن بصری اور قتادہ نے کی ہے ابن کثیر نے اس کو واضح الاقوال کہا ہے، ابن جریر نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے ترتیب کا تقاضہ یہ تھا کہ پہلے مخرج پھر مدخل کا ذکر ہوتا مگر یہاں مخرج کو مقدم اور مدخل کو مؤخر کرنے میں شاید اس طرف اشارہ ہو کہ مکہ مکرمہ سے نکلنا

خود کوئی مقصد نہ تھا بلکہ بیت اللہ کو چھوڑنا انتہائی صدمہ کی چیز تھی البتہ اسلام اور مسلمان کے لئے مامن تلاش کرنا مقصد تھا۔ جو داخلہ مدینہ کے ذریعہ ہونے کی امید تھی اس لئے جو مقصد تھا اس کو مقدم رکھا گیا۔ [۱]

۳۳۴- وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَ مَاۤ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۵﴾

**ترجمہ:** اور یہ لوگ آپ سے روح کو پوچھتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ روح میرے رب کے حکم سے بنی ہے اور تم کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔

**شانِ نزول:** مذکورہ آیت میں کفار کی طرف سے روح کے متعلق ایک سوال اور حق تعالیٰ کی طرف سے اس کا جواب مذکور ہے لفظ روح لغات ومحاورات میں نیز قرآن کریم میں متعدد معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے معروف ومشہور معنی تو وہی ہے جو عام طور پر اس لفظ سے سمجھے جاتے ہیں یعنی جان جس سے حیات اور زندگی قائم ہے قرآن کریم میں یہ لفظ جبرئیل امین کے لئے بھی استعمال ہوا ہے **نزل به الروح الامین علی قلبک** اور حضرت عیسیٰ کے لئے بھی کئی آیات میں استعمال ہوا ہے اور خود قرآن کریم اور وحی کو بھی روح کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے **اوحینا إلیک روحا من امرنا**.

لیکن احادیث صحیحہ مرفوعہ میں جو آیت کا شانِ نزول بتلایا گیا ہے وہ تقریباً اس میں صریح ہے کہ سوال کرنے والوں نے روح حیوانی کا سوال کیا تھا اور مقصد سوال روح کی حقیقت معلوم کرنا تھی کہ وہ چیز کیا ہے بدن انسانی میں کس طرح آتی جاتی ہے اور کس طرح اس سے حیوان اور انسان زندہ ہو جاتا ہے؟ صحیح بخاری ومسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ میں ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مدینہ کے غیر آباد حصے میں چل رہا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک میں ایک چھڑی کھجور کی شاخ کی تھی آپ کا گزر چند یہودیوں پر ہوا یہ لوگ آپس میں کہنے لگے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آرہے ہیں ان سے روح کے

[۱] معارف القرآن ص: ۵۲۱/۵۲۰/۵/اسباب النزول ص: ۱۶۸ معالم التنزیل ص: ۵۲۲ ج: ۳ زاد المسیر ص: ۷۷ ج: ۵/روح المعانی ص: ۱۴۳ ج: ۱۵/پارہ نمبر ۱۵/ابن کثیر ص: ۵۶ ج: ۳

متعلق سوال کرو دوسروں نے منع کیا مگر سوال کرنے والوں نے سوال کر ہی ڈالا یہ سوال سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لکڑی پر ٹیک لگا کر خاموش کھڑے ہو گئے جس سے مجھے اندازہ ہوا کہ آپ پر وحی نازل ہونے الی ہے۔ کچھ وقفہ کے بعد وحی نازل ہوئی تو آپ نے یہ آیت پڑھ کر سنائی۔ وَ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ یہاں ظاہر ہے کہ قرآن یا وحی کو روح کہنا یہ قرآن کی ایک خاص اصطلاح تھی۔ ان لوگوں کے سوال کو اس پر محمول کرنا بہت بعید ہے البتہ روح حیوانی وانسانی کا معاملہ ایسا ہے کہ اس کا سوال ہر شخص کے دل میں پیدا ہوتا ہی ہے اس لئے جمہور مفسرین ابن کثیر، ابن جریر، قرطبی، بحر محیط، روح المعانی سبھی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے کہ سوال روح حیوانی کی حقیقت سے تھا۔ رہا یہ معاملہ کے سیاق وسباق میں ذکر قرآن کا چلا آرہا ہے درمیان میں روح کا سوال وجواب بے جوڑ ہے تو اس کا جواب واضح ہے کہ اس سے پہلی آیات میں کفار ومشرکین کی مخالفت ومعاندانہ سوالات کا ذکر آیا ہے۔ جس سے منظور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربارۂ رسالت کا امتحان کرنا تھا، یہ سوال بھی اس سلسلے میں ایک کڑی ہے اس لئے یہ بے جوڑ نہیں خصوصاً شانِ نزول کے متعلق ایک دوسری حدیث صحیح منقول ہے، اس میں یہ بات زیادہ وضاحت سے آگئی ہے کہ سوال کرنے والوں کا مطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا امتحان لینا تھا۔

چنانچہ مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ (قریش مکہ جو بے جا سوالات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کرتے رہتے تھے ان کو خیال پیدا ہوا کہ یہود علم دالے ہیں ان کو پچھلی کتابوں کا بھی علم ہے۔ اس لئے قریش نے یہود سے دریافت کرنے کے لیے اپنے آدمی بھیجے انہوں نے کہا کہ تم ان سے روح کے متعلق سوال کرو اور حضرت ابن عباس ہی سے اس آیت کی تفسیر میں یہ بھی نقل کیا ہے کہ یہود نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے سوال میں یہ بھی کہا تھا کہ آپ ہمیں یہ بتلائیں کہ روح پر عذاب کس طرح ہوتا ہے؟

اس وقت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس بارے میں کوئی آیت نازل نہ ہوئی تھی اس لئے اس وقت آپ نے فوری جواب نہیں دیا پھر جبرئیل امین یہ آیت لے کر نازل ہوئے **قل الروح من امر ربی** (ابن کثیر ملخصًا)

اس سے پہلے ایک بات اور قابل نظر ہے کہ شان نزول کے متعلق جو دو حدیثیں ابن مسعودؓ اور ابن عباس کی اوپر نقل کی گئیں ہیں ان میں سے ابن مسعود کی روایت کے مطابق یہ واقعۂ سوال مدینہ میں پیش آیا۔ اور اس لئے بعض مفسرین نے اس آیت کو مدنی قرار دیا ہے۔ اگر چہ اکثر آیات سورہ بنی اسرائیل کی مکی ہیں اور ابن عباس کی روایت کا تعلق مکہ مکرمہ کے واقعہ سے ہے اس کے مطابق یہ آیت بھی پوری سورت کی طرح مکی باقی رہتی ہے اس لئے ابن کثیر نے اسی احتمال کو راجح قرار دیا ہے۔ اور ابن مسعود کی روایت کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ ممکن ہے کہ اس آیت کا نزول مدینہ میں دوسری مرتبہ ہوا ہو۔ جیسا کہ بہت سی آیات قرآن کا نزول مکرّر سب علماء کے نزدیک مسلم ہے اور تفسیر مظہری نے ابن مسعود کی روایت کو راجح قرار دے کر واقعہ مدینہ کا اور آیت کو مدنی قرار دیا ہے جس کی دو وجہ بتلائی ایک یہ کہ یہ روایت صحیحین میں ہے اور سند اس کی روایت ابن عباس سے زیادہ قوی ہے، دوسری یہ کہ اس میں خود صاحب واقعہ ابن مسعودؓ اپنا واقعہ بیان کر رہے ہیں بخلاف روایت ابن عباس کے کہ اس میں ظاہر یہی ہے کہ ابن عباس نے یہ بات کسی سے سنی ہوگی۔

قرآن کریم نے یہ جواب دیا ہے قُلِ الرُّوۡحُ مِنۡ اَمۡرِ رَبِّیۡ اس جواب کی تشریح میں حضرات مفسرین کے کلمات اور تعبیرات مختلف ہیں ان میں سے زیادہ اقرب اور واضح وہ ہے جس کو تفسیر مظہری میں حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے اختیار کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس جواب میں جتنی بات کا بتلانا ضروری تھا اور جو عام لوگوں کی سمجھ میں آنے کے قابل ہے صرف وہ بتلادی گئی اور روح کی مکمل حقیقت جس کا جواب تھا اس کو اس لئے نہیں بتلایا کہ وہ عوام کی سمجھ سے باہر بھی تھی، اور ان کی کوئی ضرورت اس کے سمجھنے پر موقوف بھی نہ تھی یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ حکم ہوا کہ آپ ان کے جواب میں فرما دیجئے کہ ''روح میرے پروردگار کے حکم سے ہے'' یعنی وہ عام مخلوقات کی طرح نہیں جو مادہ کے تصورات اور توالد وتناسل کے ذریعہ وجود میں آتی ہے۔ بلکہ وہ بلا واسطہ حق تعالیٰ کے حکم کن سے پیدا ہونے والی چیز ہے اس جواب نے تو یہ واضح کر دیا کہ روح کو عام مادیات پر قیاس نہیں کیا جاسکتا جس سے وہ تمام شبہات رفع ہو گئے جو روح کو عام مادیات پر قیاس کرنے کے نتیجہ میں

پیدا ہوتے ہیں اور انسان کے لئے اتنا ہی علم روح کے متعلق کافی ہے۔ اس سے زائد علم کے ساتھ اس کا کوئی دینی یا دنیوی کام اٹکا ہوا نہیں اس لئے وہ ہمہ سوال فضول اور لایعنی قرار دے کر اس کا جواب نہیں دیا گیا خصوصاً جب کہ اس کی حقیقت کا سمجھنا عوام کے لئے تو کیا بڑے بڑے حکماء وعقلاء کے لیے بھی آسان نہیں۔ [1]

۳۳۵-وَ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ
یَنْۢبُوْعًاۙ﴿۹۰﴾ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّ عِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ
خِلٰلَهَا تَفْجِیْرًاۙ﴿۹۱﴾ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَیْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِیَ
بِاللّٰهِ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ قَبِیْلًاۙ﴿۹۲﴾ اَوْ یَكُوْنَ لَكَ بَیْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِی
السَّمَآءِؕ وَ لَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِیِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَیْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗؕ قُلْ
سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا﴿۹۳﴾

**ترجمہ:** اور یہ لوگ کہتے ہیں ہم آپ پر ہرگز ایمان نہ لاویں گے جب تک آپ ہمارے لئے زمین سے کوئی چشمہ جاری نہ کردیں، یا خاص آپ کے لئے کھجور اور انگور کا باغ نہ ہو پھر اس باغ کے بیچ بیچ میں جگہ جگہ بہت سی نہریں جاری کردیں، یا جیسا کہ کہا کرتے ہیں آپ آسمان کے ٹکڑے ہم پر نہ گرادیں یا آپ اللہ کو اور فرشتوں کو سامنے نہ لا کھڑا دیں، یا آپ کے پاس کوئی سونے کا بنا ہوا گھر نہ ہو، یا آسمان آسمان پر نہ چڑھ جاویں، اور ہم آپ کے (آسمان پر) چڑھنے کا کبھی یقین نہ کریں گے جب تک کہ (وہاں سے) آپ ہمارے پاس ایک کتاب نہ لاویں جس کو ہم پڑھ لیں (اور اس میں آپ کے آسمان پر پہنچنے کی تصدیق رسید لکھی ہوئی ہو) آپ (ان سب خرافات کے جواب میں) فرما دیجئے کہ سبحان اللہ میں بجز اس کے کہ آدمی ہوں (مگر) پیغمبر ہوں اور کیا ہوں؟

**شانِ نزول:** ایک مرتبہ قریش کے صنادید اور زعماء حضرات جن میں عتبہ، شیبہ،

[1] معارف القرآن ص:۵۲۷ تا ۵۲۵ ج:۵/اسباب النزول ص:۱۶۸ المقتطف ص:۲۲۲/۲۲۱ ج:۳روح المعانی ص:۱۵۳/۱۵۲ ج:۱۵ پارہ نمبر ۱۵/ابن کثیر ص:۵۸ج:۳/زاد المسیر ص:۸۲/۸۱ج:۵

ابوجہل، عبداللہ بن ابی امیہ اور نضر بن حارث وغیرہ خانہ کعبہ کے پاس اکٹھا ہوئے، اور ان میں سے بعض نے بعض سے کہا کہ محمد کو یہ کہہ کر بلوایا جائے کہ تمہاری قوم کے صاحب وقار اور صاحب عزت حضرات خانہ کعبہ کے پاس جمع ہیں اور تم سے کچھ مسائل پر باتیں کی جائیں گی، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خبر دی گئی کہ اشراف قوم تم سے ملاقات کرنے کے انتظار میں خانہ کعبہ کے پاس جمع ہیں اس لئے وہاں بہت جلد پہنچنا چاہئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو ایسے موقع کی تلاش ہی میں رہتے تھے کہ یہ لوگ اکٹھا ہوں اور دینی امور سے متعلق کچھ باتیں کی جائیں غرض کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوراً وہاں پہنچے اور اشراف قوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخاطب ہوئے اور مندرجہ ذیل باتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے رکھی گئیں۔

۱-عرب میں اب تک کوئی ایسا فرد نہیں گزرا ہے جس نے اپنی قوم کی ناموس وعزت کو پامال کیا ہو جیسا کہ تم نے کیا ہے۔

۲-تم نے آباء واجداد کی عزت کی بے حرمتی کی ہے۔

۳-اس کے دین و مذاہب میں نکتہ چینی کی ہے۔

۴-اپنے سر برآوردہ لوگوں کو بے وقوف بنایا ہے۔

۵-جماعت میں تفریق پیدا کی ہے اور کئی گرہوں میں بانٹ دیا ہے۔

۶-ان تمام امور کے اسباب یا تو یہ ہیں کہ تم مال ودولت یا عزت وسلطنت حاصل کرنا چاہتے ہو یا تمہیں جنون ودیوانگی ہوگئی ہے تو اگر اس سے مقصود دولت وثروت ہے تو تمہارے لئے ہم اتنا مال اکٹھا کر دیتے ہیں کہ تجھ سے زیادہ کوئی مالدار نہ ہو سکے گا۔

اور اگر اس سے مقصد حکومت وسلطنت اور سرداری ہے تو ہم سب تجھے اپنا سردار تسلیم کئے لیتے ہیں اور اگر اس کی وجہ مذکورہ دونوں چیزوں میں سے کوئی چیز بھی نہیں ہے بلکہ جنون اور دیوانگی اور دماغی توازن کے بگڑ جانے کی وجہ سے ایسا کہتے ہو تو ہم اس کے علاج کے لئے اپنے تمام اموال وجائداد صرف کرنے کے لئے تیار ہیں اور جب تک تم اچھے نہ ہو جاؤ اس وقت تک ہماری طرف سے مال کے خرچ کرنے میں ذرا بھی کوتاہی کرنے والے نہ پاؤ گے اور ایسی حالت میں تمہاری کہی ہوئی باتوں کے بارے میں ہم تجھے معذور سمجھیں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان تمام باتوں کو بغور سننے کے بعد مندرجہ ذیل جواب دیا۔

۱-فرمایا میں جن چیزوں کو لے کر آیا ہوں اگر تم اسے برضاء ورغبت قبول کرلو تو اس میں تمہارے لئے دنیا وآخرت دونوں جگہ بہترین بدلہ ہوگا۔

۲-اور اگر تمہیں اس سے انکار ہے تو ایسی صورت میں میرے ذمہ صبر ہے یہاں تک کہ ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کوئی واضح فیصلہ فرما دے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اپنی بات سے فارغ ہوگئے اور انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ ہماری باتوں میں آنے والے نہیں ہیں تو اس پر جماعت قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ اگر تم ہماری پیش کردہ باتوں سے اتفاق نہیں کرتے تو پھر ہمارے چند مطالبات ہیں۔

۱-تم جانتے ہو کہ ہمارا علاقہ کتنا تنگ ہے اور یہاں گزر بسر ہمارے لئے کتنا دشوار ہے جس کی وجہ سے ہمیں راحت وآرام نصیب نہیں ہوتا، تو تم ہمارے لئے اپنے رب سے یہ درخواست کرو کہ پہاڑ کو یہاں سے کہیں اور منتقل کر دے اور پھر اس جگہ ہمارے لئے نہر جاری کر دے جس سے ہم خود بھی فائدہ اٹھائیں اور کھیت اور کھلیان اور باغات کی بھی سچائی کر سکیں۔

۲-ہمارے آباء واجداد جو گزر چکے ہیں انہیں آپ زندہ کردیں تا کہ ان لوگوں میں سے جو ہمارے لئے زندہ کئے جائیں گے ان میں قصی بن کلاب بھی ہوں گے جو بہت نیک دل اور راست گو تھے۔ تو ہم ان سے دریافت کریں گے کہ آیا تم جو کچھ کہہ رہے ہو وہ سچ ہے یا نہیں؟ اب اگر تم نے ایسا کر دکھایا تو پھر ہم تمہاری تصدیق کرلیں گے اور تم پر ایمان لے آویں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس جواب میں فرمایا اس مقصد کے لئے مبعوث نہیں کیا گیا ہوں میں تو جس مقصد کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں وہ مقصد میں نے تمہارے سامنے رکھ دیا اور تم تک پہنچا دیا۔

۳-پھر ان لوگوں نے کہا کہ تم اپنے رب سے یہ درخواست کرو کہ ایک فرشتہ بھیج دیں جو تمہاری رسالت کی تصدیق کریں۔

۴-اور یہ کہ تمہارے لئے باغ اور بہت سارے خزانے سونے چاندی کے اور بہت ساری بلڈنگیں سونے چاندی کی تمہارے لئے تیار کردیں تا کہ تم معاشی تنگی میں جو گھرے

ہوئے ہو اس سے بے نیاز اور بے پرواہ ہو جاؤ اس کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہم ان چیزوں کے سلسلے میں اپنے رب سے درخواست نہیں کر سکتے۔

۵-تو پھر ان لوگوں نے یہ کہا کہ تم اپنے گمان کے مطابق کہ تمہارا رب اگر چاہے تو آسمان کو ہم پر گرا دے تو تم اپنے رب سے کہہ دو کہ ہم پر آسمان گرا دے۔ اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ تو اللہ ہی کے قبضے کی چیز ہے اس میں ہمارے اختیار کو کوئی دخل نہیں۔

۶-ان میں سے بعض لوگوں نے یہ بھی کہا کہ ہم تم پر اسی شرط کے ساتھ ایمان لا سکتے ہیں کہ تم ہمارے پاس فرشتوں کا ایک گروہ لا کر پیش کرو۔

۷-عبداللہ بن امیہ نے کہا کہ میں اس وقت تک تجھ پر ایمان نہیں لا سکتا جب تک تم آسمان تک ایک سیڑھی نہ بنا دو اور تم اس پر چڑھو اور میں تیرے ساتھ رہ کر دیکھ لوں اور ایک نسخہ اور کتاب تمہارے ساتھ ہو اور ملائکہ کا ایک گروہ تمہاری رسالت کی گواہی دے پھر اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حزن وملال میں ڈوبے ہوئے خانہ کعبہ کے پاس سے واپس لوٹے اس کے تھوڑی دیر بعد مذکورہ آیات نازل ہوئیں۔ [1]

۳۳۶-قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ وَ لَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَ لَا تُخَافِتْ بِهَا وَ ابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿۱۱۰﴾ وَ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَ كَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ﴿۱۱۱﴾

**ترجمہ:** آپ فرما دیجئے کہ خواہ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو جس نام سے بھی پکارو گے اس کے بہت سے اچھے اچھے نام ہیں اور اپنی جہری نماز میں نہ تو بہت پکار کر پڑھئے اور نہ بالکل آہستہ ہی پڑھئے اور دونوں کے درمیان ایک طریقہ اختیار کر لیجئے اور کہہ دیجئے کہ تمام خوبیاں اسی اللہ کے لئے ہیں جو نہ اولاد رکھتا ہے اور نہ اس کا کوئی شریک سلطنت ہے اور نہ کمزوری کی وجہ سے کوئی اس کا مددگار ہے اور

[1] زاد المسیر ص: ۸۵/۸۶ ج: ۵/اسباب النزول ص: ۱۷۰ تا ۱۶۸/ابن کثیر ص: ۶۱/۶۰ ج: ۳ معالم التنزیل ص: ۵۲۸/۵۲۹ ج: ۳/المقتطف ص: ۲۲۵ ج: ۳/روح المعانی ص: ۱۷۱/۱۷۰ ج: ۱۵/پارہ نمبر ۱۵

اس کی خوب بڑائی بیان کیا کیجئے۔

**شان نزول: قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ط سے اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى** ج اس آیت کا سبب نزول یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک روز دعاء میں یا اللہ اور یا رحمٰن کہہ کر پکارا تو مشرکین نے سمجھا کہ یہ دو خداؤں کو پکارتے ہیں اور کہنے لگے کہ ہمیں تو ایک کے سوا کسی اور کو پکارنے سے منع کرتے ہیں۔ اور خود دو معبودوں کو پکارتے ہیں اس کا جواب اس ٹکڑے میں دیا گیا کہ اللہ جل شانہ کے دو ہی نہیں بلکہ اور بہت سے اچھے اچھے نام ہیں کسی سے بھی پکاریں مراد ایک ہی ذات ہے تمہارا واہم غلط ہے۔

اور اسی آیت کے سلسلے میں جو ابھی مذکور ہوئی دوسرا سبب نزول یہ ہے کہ شروع زمانے میں جب آپ پر وحی نازل ہوئی اور اس کا آپ املا کرواتے تو پہلے **باسمک اللھم** لکھواتے پھر جب یہ آیت **إنه من سليمان وإنه بسم الله الرحمن الرحيم** نازل ہوئی تو پھر آپ بھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے لکھتے اور لکھواتے اس پر مشرکین عرب نے کہا کہ رحیم کو تو ہم جانتے ہیں رحمٰن کہاں ہے، اس وقت مذکورہ ٹکڑا نازل ہوا۔

توریت میں اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر بکثرت کیا ہے اس وقت مذکورہ ٹکڑا نازل ہوا۔

**۷۳۳- وَ لَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَ لَا تُخَافِتْ بِهَا وَ ابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿۱۱۰﴾**

جب مکہ مکرمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں قرآن بلند آواز سے تلاوت فرماتے تو مشرکین تمسخر واستہزاء کرتے اور قرآن اور جبرئیل امین اور خود حق تعالیٰ کی شان میں گستاخانہ باتیں کہتے تھے۔ اسی کے جواب میں مذکورہ آیت کا ٹکڑا نازل ہوا۔ جس میں آپ کو جہر واخفاء میں میانہ روی کی تلقین فرمائی کہ ضرورت تو اس درمیانہ آواز سے سے پوری ہوجاتی ہے اور تا کہ زیادہ بلند آواز سے جو مشرکین کو موقع ایذاء رسانی کا ملتا تھا اس سے نجات ہو۔

ایک اعرابی تشہد کو زور زور سے اور بلند آواز سے پڑھتا تھا۔ اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

۳۳۸-وَ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّ لَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَ لَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَ كَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا۠ ﴿۱۱۱﴾

اس آیت کا سبب نزول یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد قرار دیتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے مخصوص مقرب نہ ہوں تو اس کی قدر و عزت میں کمی آجاوے ان تینوں فرقوں کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی، جس میں تینوں چیزوں کی نفی ذکر کی گئی ہے۔

**فائدہ:** دنیا میں جس سے مخلوق کو کسی قدر خوف ہوا کرتا ہے وہ کبھی تو اپنے سے چھوٹا ہوتا ہے جیسے اولاد اور کبھی اپنے برابر ہوتا ہے جیسے شریک اور کبھی ان سے بڑا ہوتا ہے جیسے حامی و مددگار۔ حق تعالیٰ نے اس آیت میں بہ ترتیب تینوں کی نفی فرمادی۔ [۱]

❁❁❁

[۱] اسباب النزول ص:۱۷۰، ۱۷۱/معارف القرآن ص:۵۴۲ج:۵زاد المسیر ص:۹۸ تا ۱۰۰ ج:۵/روح المعانی ص:۱۹۴ تا ۱۹۵ پارہ نمبر ۱۵ معالم التنزیل:ص:۵۳۷/۵۳۶ج:۳

# سورۃ الکہف

روح المعانی میں دیلمی سے بروایت حضرت انسؓ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سورۂ کہف پوری کی پوری ایک وقت نازل ہوئی۔ اور ستر ہزار فرشتے اس کے ساتھ آئے ہیں جس سے اس کی عظمت شان ظاہر ہوتی ہے۔ (روح المعانی ص:۱۹۹ ج:۱۵، پارہ نمبر ۱۵)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ یہ سورت مکی ہے یہی قول حضرت حسن اور حضرت مجاہد اور قتادہ کا ہے اور حضرات مفسرین کا بلا اختلاف اس سلسلے میں اجماع ہے، مگر حضرت ابن عباس اور حضرت قتادہ سے ایک دوسری روایت یہ ہے کہ ایک آیت اس سورت میں مدنی ہے۔ اور وہ آیت وَاصْبِرْ نَفْسَكَ الخ ہے یعنی آیت نمبر ۲۸ / حضرت مقاتل نے فرمایا کہ شروع آیت سے صَعِيْدًا جُرُزًا تک یعنی کل آٹھ آیتیں مدنی ہیں اور اللہ تعالیٰ کا قول اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ الخ آیت نمبر ۱۰۸ / ۱۰۷ مدنی ہیں اور باقی مکی ہیں۔ (زاد المسیر ص:۱۰۲ ج:۵)

## شانِ نزول متعلق سورۂ کہف

امام ابن جریر طبری نے بروایت حضرت ابن عباس نقل کیا ہے کہ جب مکہ مکرمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا چرچا ہوا اور قریش مکہ اس سے پریشان ہوئے تو انہوں نے اپنے دو آدمی نضر بن حارث اور عقبہ بن معیط کو مدینہ طیبہ کے علماء یہود کے پاس بھیجا کہ وہ لوگ کتب سابقہ تورات وانجیل کے عالم ہیں وہ آپ کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ علماء یہود نے ان کو بتلایا کہ تم لوگ ان سے تین سوالات کرو اگر انہوں نے ان کا جواب صحیح دیدیا توسمجھ لو کہ وہ اللہ کے نبی ورسول ہیں۔ اور یہ نہ کر سکے تو یہ سمجھ لو کہ یہ بات بنانے والے ہیں۔

رسول نہیں۔ ایک تو ان سے ان نوجوانوں کا حال دریافت کرو جو قدیم زمانہ میں اپنے شہر سے نکل گئے تھے ان کا کیا واقعہ ہے؟ کیوں کہ یہ واقعہ عجیب ہے۔ دوسرے ان سے اس شخص کا حال پوچھو جس نے دنیا کی مشرق ومغرب اور تمام زمین کا سفر کیا؟ اس کا کیا واقعہ ہے؟ تیسرے ان سے روح کے متعلق سوال کرو کہ وہ کیا چیز ہے؟

یہ دونوں قریش مکہ مکرمہ واپس آئے اور اپنی برادری کے لوگوں سے کہا کہ ہم ایک فیصلہ کن صورت حال لے کر آئے ہیں اور علماء یہود کا پورا قصہ سنا دیا۔ پھر یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں یہ سوالات لے کر حاضر ہوئے۔ آپ نے سن کر فرمایا کہ میں اس کا جواب کل دوں گا، مگر آپ اس وقت انشاء اللہ کہنا بھول گئے یہ لوگ لوٹ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وحی الٰہی کے انتظار میں رہے کہ ان کے سوالات کا جواب وحی سے دیا جائے۔ مگر وعدے کے مطابق اگلے دن تک کوئی وحی نہ آئی بلکہ پندرہ دن اسی حال پر گزر گئے کہ نہ جبرئیل امین آئے اور نہ کوئی وحی نازل ہوئی قریش مکہ نے مذاق اڑانا شروع کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس سے سخت رنج وغم پہنچا۔

پندرہ دن کے بعد جبرئیل امین سورۂ کہف لے کر نازل ہوئے جس میں تاخیر وحی کا سبب بیان کر دیا گیا ہے کہ آئندہ زمانے میں کسی کام کے کرنے کا وعدہ کیا جائے تو انشاء اللہ کہنا چاہئے۔ اس واقعہ میں چونکہ ایسا نہ ہوا اس پر تنبیہ کرنے کے لئے وحی میں تاخیر ہوئی، اس سورت میں اس معاملہ کے متعلق یہ آیتیں آگے آئیں گی۔ (وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿۲۳﴾ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ) اور اس سورت میں نوجوانوں کا بھی پورا واقعہ بتلادیا گیا جن کو اصحاب کہف کہا جاتا ہے اور مشرق ومغرب کے سفر کرنے والے ذی القرنین کے واقعہ کا بھی مفصل بیان آ گیا اور روح کے سوال کا جواب بھی (قرطبی ومظہری بحوالہ ابن جریر) مگر روح کے سوال کا جواب اجمال کے ساتھ دینا مقتضائے حکمت تھا اس کو سورۂ بنی اسرائیل کے اخیر میں علیحدہ کر کے بیان کر دیا گیا اور اسی سبب سے سورۂ کہف کو سورۂ بنی اسرائیل کے بعد رکھا گیا ہے۔ (کذا ذکرہ السیوطی) [1]

---

[1] معارف القرآن ص: ۵۴۷، ۵۴۶ ج: ۵/ روح المعانی ص: ۱۹۹ ج: ۱۵

۳۳۹-وَ اصۡبِرۡ نَفۡسَکَ مَعَ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ رَبَّہُمۡ بِالۡغَدٰوۃِ وَ الۡعَشِیِّ
یُرِیۡدُوۡنَ وَجۡہَہٗ وَ لَا تَعۡدُ عَیۡنٰکَ عَنۡہُمۡ ۚ تُرِیۡدُ زِیۡنَۃَ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ۚ وَ
لَا تُطِعۡ مَنۡ اَغۡفَلۡنَا قَلۡبَہٗ عَنۡ ذِکۡرِنَا وَ اتَّبَعَ ہَوٰىہُ وَ کَانَ اَمۡرُہٗ
فُرُطًا ﴿۲۸﴾

**ترجمہ:** آپ اپنے کو ان لوگوں کے ساتھ مقید رکھا کیجئے جو صبح و شام اپنے رب کی عبادت محض اس کی رضا جوئی کے لئے کرتے ہیں اور دنیوی زندگی کی رونق کے خیال سے آپ کی آنکھیں ان سے ہٹنے نہ پاویں اور ایسے شخص کا کہنا نہ مانئے جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے اور وہ اپنی نفسانی خواہش پر چلتا ہے اور اس کا یہ حال حد سے گزر گیا ہے۔

**شان نزول:** وَ اصۡبِرۡ نَفۡسَکَ اس آیت کے شان نزول میں چند واقعات مذکور ہیں ہوسکتا ہے کہ وہ سب ہی اس ارشاد کا سبب بنے ہوں، بغویؒ نے نقل کیا ہے کہ عیینہ بن حصن فزاری مکہ کا رئیس آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ کے پاس حضرت سلمان فارسیؓ بیٹھے ہوئے تھے جو فقراء صحابہ میں سے تھے، ان کا لباس خستہ اور ہیئت فقیرانہ تھی، عیینہ نے کہا کہ ہمیں آپ کے پاس آنے اور آپ کی بات سننے سے یہی لوگ مانع ہیں ایسے خستہ حال لوگوں کے پاس ہم نہیں بیٹھ سکتے آپ ان کو اپنی مجلس سے ہٹادیں یا کم از کم ہمارے لئے علیحدہ مجلس بنادیں اور ان کے لئے علیحدہ۔

ابن مردویہ نے بروایت ابن عباس نقل کیا ہے کہ امیہ بن خلف جمحی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ یہ مشورہ دیا کہ غریب فقیر شکستہ حال مسلمانوں کو آپ اپنے قریب نہ رکھیں بلکہ مکہ اور قریش کے سرداروں کو ساتھ لگائیں یہ لوگ آپ کا دین قبول کرلیں گے تو دین کو ترقی ہوگی اس طرح کے واقعات پر یہ ارشاد ربانی نازل ہوا اور اسی کے ساتھ اس سے پہلے والی آیت اور اس کے بعد والی آیت اِنَّاۤ اَعۡتَدۡنَا لِلظّٰلِمِیۡنَ نَارًا تک جن میں ان کا مشورہ قبول کرنے سے سختی سے منع کیا گیا ہے نازل ہوئی۔

حضرت سلمان فارسیؓ سے مروی ہے کہ جب مذکورہ تینوں آیتیں اتریں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے اور فقراء صحابہ کو یعنی عمارؓ صہیبؓ اور سلمانؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ اور بلالؓ اور اس کے علاوہ دوسرے فقراء صحابہ کی تلاش میں نکلے تو انہیں آپ نے مسجد کے پیچھے والے حصے میں پایا اور وہ اللہ کے ذکر میں مشغول تھے۔ پھر فرمایا تمام تعریف اس اللہ تعالیٰ کی ہے جس نے مجھے موت نہ دے کر اس سے قبل ہی یہ حکم فرمایا کہ میں اپنے نفس کو اپنی امت میں سے تم جیسے لوگوں کے ساتھ روکے رکھوں زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی۔

مذکورہ آیت کے سلسلے میں حضرت ابن عباسؓ سے دو قول ہیں:

۱-ایک قول کے مطابق مدنی ہے اور ایک قول کے مطابق مکی ہے۔ لیکن مفسر ابو حیان نے اس کے مکی ہونے کو ترجیح دیا ہے صاحب روح المعانی نے کہا ہے کہ اگر روایات سے مکی ہونے کا ثبوت ملتا ہے تو یہ ممکن ہے کہ جس روایت میں آیت کے مدنی ہونے کا ذکر ہے دوبارہ نازل کی گئی ہو تو اب اس صورت میں کوئی تعارض بھی نہ رہا جیسا کہ مفسرین کا اس بارے میں اتفاق ہے کہ کبھی کبھی ایک آیت کئی کئی بار نازل ہوئی اس سلسلے میں سابق میں بھی وضاحت ہو چکی ہے۔ [۱]

۳۴۰-وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِی الْقَرْنَيْنِ ؕ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ؕ﴿۸۳﴾ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِی الْاَرْضِ وَ اٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ سَبَبًا ۙ﴿۸۴﴾ فَاَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۵﴾ حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِیْ عَیْنٍ حَمِئَةٍ وَّ وَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ؕ۬ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّاۤ اَنْ تُعَذِّبَ وَ اِمَّاۤ اَنْ تَتَّخِذَ فِیْهِمْ حُسْنًا ﴿۸۶﴾ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰی رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ﴿۸۷﴾ وَ اَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالْحُسْنٰی ۚ وَ سَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ؕ﴿۸۸﴾

**ترجمہ:** آپ سے ذوالقرنین کا حال پوچھتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ میں ابھی اس

---

[۱] روح المعانی ص:۲۶۲ ج:۱۵/پارہ ۱۵/وایضًا فی معارف القرآن ص:۵۸۶/۵۸۷/زاد المسیر ص:۱۳۲ ج:۵/معالم التنزیل ص:۵۶۳/۵۶۲ ج:۳/اسباب النزول ص:۱۷۱/المقتطف ص:۲۵۱/۲۵۲ ج:۳/ابن کثیر ص:۷۶/۷۷ ج:۳

کا ذکر تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں، ہم نے ان کو روئے زمین پر حکومت دی تھی اور ہم نے ان کو ہر قسم کا سامان دیا تھا چنانچہ وہ ایک راہ پر ہو لئے تھے یہاں تک کہ جب غروب آفتاب کے موقع پر پہنچے تو آفتاب ان کو ایک سیاہ رنگ کے پانی میں ڈوبتا ہوا دکھلائی دیا اور اس موقع پر انہوں نے ایک قوم دیکھی ہم نے یہ کہا کہ اے ذوالقرنین خواہ سزا دو اور خواہ ان کے بارے میں نرمی کا معاملہ اختیار کرو ذوالقرنین نے عرض کیا کہ لیکن جو ظالم رہے گا سو اس کو ہم لوگ سزا دیں گے پھر وہ اپنے مالک حقیقی کے پاس پہنچایا جاوے گا پھر وہ اس کو سخت سزا دے گا اور جو شخص ایمان لے آوے گا اور نیک عمل کرے گا تو اس کے لئے بدلے میں بھلائی ہوگی اور ہم اپنے برتاؤ میں اس کو آسان بات کہیں گے۔

**شانِ نزول:** یہود نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ذوالقرنین کے متعلق سوال کیا اس وقت مذکورہ آیتیں نازل ہوئیں جیسا کہ حضرت قتادہ نے فرمایا ہے اور علامہ واحدی نے اس کی وضاحت کی ہے اور پچھلے صفحات میں جو گزرا کہ مشرکین مکہ نے سوال کیا تھا وہ بھی یہودیوں کے بتلانے کی وجہ سے کیا تھا [۱] جیسا کہ سورت کے شروع میں سورۂ کہف کے نزول [۲] سے متعلق مضمون میں تفصیلاً آچکا ہے اب یہاں ذیل میں ذوالقرنین سے متعلق تفصیل پیش کی جارہی ہے۔ (اسباب النزول ص:۱۷۲)

ذوالقرنین کا نام ذوالقرنین کیوں ہوا؟ اس کی وجہ میں بے شمار اقوال اور سخت اختلافات ہیں بعض نے کہا کہ مشرق اور مغرب کے ممالک پر حکمراں ہوئے اس لئے ذو القرنین نام رکھا گیا کسی نے یہ بھی کہا کہ ان کے سر پر کچھ ایسے نشانات تھے جسے سینگ کہتے ہیں بعض روایات میں ہے کہ ان کے سر پر دونوں جانب چوٹ کے نشانات تھے اس لئے ذو القرنین کہا گیا واللہ اعلم مگر اتنی بات متعین ہے کہ قرآن نے خود ان کا نام ذوالقرنین نہیں رکھا بلکہ یہ نام یہود نے بتلایا ان کے یہاں اس نام سے ان کی شہرت ہوگئی، واقعہ ذوالقرنین کا

[۱] اور خود یہود نے بھی کہا تھا۔ (روح المعانی وابن کثیر)

[۲] ابن کثیر ص:۹۵ زاد المسیر ص:۸۱ آیت نمبر ۸۵ رسورہ بنی اسرائیل کے تحت روح المعانی ص:۲۴ر۱۶ رالمقتطف ص:۲۷۷ ج:۳

جتنا حصہ قرآن کریم نے بتلایا ہے وہ صرف اتنا ہی ہے کہ:

''وہ ایک صالح عادل بادشاہ تھے جو مشرق ومغرب میں پہنچے اور ان کے ممالک کو فتح کیا اور ان میں عدل وانصاف کی حکمرانی کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو ہر طرح کے سامان اپنے مقاصد پورا کرنے کے لئے عطا کر دیئے گئے تھے انہوں نے فتوحات حاصل کرتے ہوئے تین اطراف میں سفر کئے مغرب اقصیٰ تک اور مشرق اقصیٰ تک پھر جانب شمال میں کوہستانی سلسلے تک، اسی جگہ انہوں نے دو پہاڑوں کے درمیان درے کو ایک عظیم الشان آہنی دیوار کے ذریعہ بند کر دیا جس سے یاجوج ماجوج کی تاخت وتاراج سے اس علاقے کے لوگ محفوظ ہو گئے۔

یہود نے جو سوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت اور نبوت کا امتحان کرنے کے لئے پیش کیا تھا وہ اس کے جواب سے مطمئن ہو گئے انہوں نے مزید سوالات نہیں کئے کہ ان کا نام ذو القرنین کیوں تھا۔ یہ کس ملک اور کس زمانے میں تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سوالات کو خود یہود نے بھی غیر ضروری اور فضول سمجھا اور یہ ظاہر ہے کہ قرآن کریم تاریخ وقصص کا صرف اتنا ہی حصہ ذکر کرتا ہے جس سے کوئی فائدہ دین یا دنیا کا متعلق ہو، یا جس پر کسی ضروری چیز کا سمجھنا موقوف ہو اس لئے نہ قرآن کریم نے ان چیزوں کو بتلایا اور نہ کسی صحیح حدیث میں اس کی یہ تفصیلات بیان کی گئیں اور نہ قرآن مجید کی کسی آیت کا سمجھنا ان چیزوں کے علم پر موقوف ہے، اسی لئے سلف صالحین صحابہ وتابعین نے بھی اس پر کوئی خاص توجہ نہ دی۔

اب معاملہ صرف تاریخی روایات کا یا موجودہ تورات وانجیل کا رہ گیا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ موجودہ توریت وانجیل کو بھی مسلسل تحریفات نے ایک آسمانی کتاب کی حیثیت میں نہیں چھوڑا اس کا مقام بھی زیادہ سے زیادہ ایک تاریخ ہی کا ہو سکتا ہے، اور زمانہ قدیم کی تاریخی روایات زیادہ تر اسرائیلی قصوں کہانیوں سے ہی پر ہیں، جن کی نہ کوئی سند ہے نہ وہ کسی زمانے کے عقلاء وحکماء کے نزدیک قابل اعتماد پائی گئی ہیں، حضرات مفسرین نے بھی اس معاملہ میں جو کچھ لکھا وہ سب انہیں تاریخی روایات کا مجموعہ ہے اس لئے اس میں اختلافات بے شمار ہیں، اہل یورپ نے اس زمانے میں تاریخ کو بڑی اہمیت دی، اس پر

تحقیق و تفتیش میں بلا شبہ بڑی محنت و کاوش سے کام لیا آثار قدیمہ کی کھدائی اور وہاں کے کتبات وغیرہ کو جمع کر کے ان کے ذریعہ قدیم واقعات کی حقیقت تک پہنچنے میں وہ کام انجام دیئے جو اس سے پہلے زمانے میں نظر نہیں آتے لیکن آثار قدیمہ اور ان کے کتبات سے کسی واقعہ کی تائید میں مدد تو مل سکتی ہے مگر خود ان سے کوئی واقعہ پورا نہیں پڑھا جا سکتا اس کے لئے تو تاریخی روایات ہی بنیاد بن گئی ہیں اور ان معاملات میں زمانہ قدیم کی تاریخی روایات کا حال ابھی معلوم ہو چکا ہے کہ ایک کہانی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں قدیم وجدید علماء تفسیر نے بھی اپنی کتابوں میں یہ روایات ایک تاریخی حیثیت ہی سے نقل کی ہیں یا جن کی صحت پر کوئی قرآنی مقصد موقوف ہے، یہاں بھی اسی حیثیت سے بقدر ضرورت لکھا جاتا ہے اس واقعہ کی پوری تفتیش و تحقیق مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ نے اپنی کتاب قصص القرآن میں لکھی ہے تاریخی ذوق رکھنے والے حضرات اس کو دیکھ سکتے ہیں۔

بعض روایات میں ہے کہ دنیا پر سلطنت و حکومت کرنے والے چار بادشاہ ہوئے ہیں دو مومن اور دو کافر مومن بادشاہ حضرت سلیمانؑ اور ذوالقرنین ہیں اور کافر نمرود اور بخت نصر ہیں۔

ذوالقرنین کے معاملہ میں یہ عجب اتفاق ہے کہ اس نام سے دنیا میں متعدد آدمی مشہور ہوئے ہیں اور یہ بھی عجب بات ہے کہ ہر زمانے کے ذی القرنین کے ساتھ لقب سکندر بھی شامل ہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام سے تقریباً تین سو سال پہلے ایک بادشاہ سکندر کے نام سے معروف و مشہور ہے جس کو سکندر یونانی، مقدونی، رومی وغیرہ کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے، جس کا وزیر ارسطو تھا اور جس کی جنگ دارا سے ہوئی، اور اسے قتل کر کے اس کا ملک فتح کیا سکندر کے نام سے دنیا میں معروف ہونے والا آخری شخص یہی تھا اسی کے قصے دنیا میں زیادہ مشہور ہیں بعض لوگوں نے اس کو بھی قرآن میں مذکور ذوالقرنین کہہ دیا ہے یہ سراسر غلط ہے کیوں کہ یہ شخص آتش پرست مشرک تھا۔ قرآن کریم نے جس ذوالقرنین کا ذکر کیا ہے ان کے نبی ہونے میں تو علماء کا اختلاف ہے مگر مومن صالح ہونے پر سب کا اتفاق ہے اور خود قرآن کی نصوص اس پر شاہد ہیں۔

حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں بحوالہ ابن عساکر اس کا پورا نسب نامہ لکھا ہے جو اوپر جا کر حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے ملتا ہے۔ اور فرمایا کہ یہی وہ سکندر ہے جو یونانی مصری مقدونی کے نام سے معروف ہے جس نے اپنے نام پر شہر اسکندریہ آباد کیا اور آدم کی تاریخ اس کے زمانے سے چلتی ہے اور یہ سکندر ذی القرنین اول سے ایک طویل زمانے کے بعد ہوا ہے جو دو ہزار سال سے زائد بتلایا جاتا ہے اس نے دارا کو قتل کیا اور شاہانِ فارس کو مغلوب کر کے ان کا ملک فتح کیا مگر یہ شخص مشرک تھا اس کو قرآن میں مذکورہ ذوالقرنین قرار دینا سراسر غلطی ہے ابن کثیر کے اپنے الفاظ یہ ہیں:

**فاما ذوالقرنين الثانی فهو اسكندر بن فيلبس بن مصريح بن برس بن مبطون بن رومی بن نعطی بن يونان بن يافث بن بونه بن شرخون بن رومه بن شرخط بن توفيل بن رومی بن الاصفر بن يقزبن العيص بن اسحاق بن ابراهيم الخليل عليه الصلاة والسلام كذا نسبه الحافظ ابن عساكر فی تاريخه المقدونی اليونانی المصری بانی الاسكندرية الذی يؤرخ بايامه الروم وكان متأخرا عن الأول بدهر طويل وكان هذا قبل المسيح بنحو من ثلث مأة سنة وكان ارطاطاليس الفيلسوف وزيره وهو الذی قتل دارا و ازل ملوك الفرس واوطأ ارضهم وانما نبهنا عليه لان كثيرا من الناس يعتقد انهما واحدوا ن المذكور فی القرآن وهو الذی كان ارطاطاليس وزيره فيقع بسبب ذلك خطاء كبير وفساد عريض طويل فان الأوّل كان عبداً مؤمنا صالحًا وملكا عادلًا وكان وزيره الخضر وقد كان نبيا علی ما قررناه قبل هذا: واما الثانی فكان مشركا كان وزيره فيلسوفًا وقد كان بين زمانيهما اذيد من الف سنة فاين هذا من هذا لا يستويان ولا يشتهبان الاعلىٰ غبی لا يعرف حقائق الامور (البداية والنهاية ص:١٠٦ ج:٢)**

حدیث و تاریخ کے امام ابن کثیر کی اس تحقیق سے ایک تو یہ مغالطہ رفع ہوا کہ یہ اسکندر جو حضرت مسیح علیہ السلام سے تین سو سال پہلے گزرا ہے۔ جس کی جنگ دارا اور ملوک فارس

سے ہوئی اور بانی اسکندریہ ہے۔ یہ وہ ذوالقرنین نہیں جس کا قرآن کریم میں ذکر آیا ہے، یہ مغالطہ بعض اکابر مفسرین کو بھی لگا ہے ابوحیان نے بحر محیط میں اور علامہ آلوسی نے روح المعانی میں اسی کو ذوالقرنین مذکور فی القرآن کہہ دیا ہے۔

دوسری بات وَ اَنَّهٗ كَانَ نَبِيًّا کے جملے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابن کثیر کے نزدیک ان کا نبی ہونا راجح ہے اگرچہ جمہور کے نزدیک راجح وہ قول ہے جو خود ابن کثیر نے بروایت ابی الطفیل حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے نقل کیا ہے کہ نہ وہ نبی تھے نہ فرشتہ بلکہ ایک نیک صالح مسلمان تھے اسی لئے بعض علماء نے یہ توجیہ کی کہ **انه كان** کی ضمیر ذوالقرنین کی طرف نہیں حضرت خضرؑ کی طرف راجع ہے، **وهو الاقرب.**

اب مسئلہ یہ رہتا ہے کہ پھر وہ ذوالقرنین جن کا ذکر قرآن میں ہے کون ہیں اور کس زمانے میں ہوئے ہیں اس کے متعلق بھی علماء کے اقوال بہت مختلف ہیں ابن کثیر کے نزدیک ان کا زمانہ اسکندر یونانی مقدونی سے دو ہزار سال پہلے حضرت ابراہیم خلیلؑ کا زمانہ ہے اور ان کے وزیر حضرت خضر علیہ السلام تھے، ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں سلف صالحین سے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ ذوالقرنین پیادہ پا حج کے لئے پہنچے جب حضرت ابراہیمؑ کو ان کے آنے کا علم ہوا تو مکہ سے باہر نکل کر استقبال کیا اور حضرت خلیلؑ نے ان کے لئے دعا بھی کی اور کچھ وصیتیں اور نصیحتیں بھی ان کو فرمائیں۔

(البدایہ ص:۱۰۸ ج:۲) اور تفسیر ابن کثیر میں بحوالہ اذرقی نقل کیا ہے کہ اس نے حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ طواف کیا پھر قربانی دی۔

اور ابوریحان بیرونی نے اپنی کتاب الآثار الباقیہ عن القرون الخالیہ میں کہا ہے کہ یہ ذوالقرنین جن کا ذکر قرآن میں ہے ابوبکر بن سمی بن عمر بن افریقیس حمیری ہے جس نے زمین کے مشارق و مغارب کو فتح کیا اور تبع حمیری یمنی نے اپنے اشعار میں اس پر فخر کیا ہے کہ میرے دادا ذوالقرنین مسلمان تھے ان کے اشعار یہ ہیں۔

**قد كان ذوالقرنين جدی مسلما**

**ملكا علافی الارض غير مبعّد**

بلغ　المشارق　والمغارب　يبتغى
اسباب　ملک　من　کریم　سید

بروایت بحر محیط ابوحیان نے نقل کیا ہے ابن کثیر نے بھی البدایہ والنہایہ میں اس کا ذکر کرنے کے بعد کہا کہ یہ ذوالقرنین تابعہ یمن میں سب سے پہلا تبع ہے اور یہی وہ شخص ہے جس نے بیر سبع کے بارے میں حضرت ابراہیمؑ کے حق میں فیصلہ دیا تھا (البدایہ ص:۱۰۵ ج:۲) ان تمام روایات میں ان کی شخصیت اور نام ونسب کے بارے میں اختلاف ہونے کے باوجود انکا زمانہ حضرت ابراہیمؑ کا زمانہ بتلایا گیا ہے۔

اور مولانا حفظ الرحمن صاحب نے اپنی کتاب قصص القرآن میں خود ذوالقرنین کے متعلق بڑی تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ذوالقرنین مذکور فی القرآن فارس کا وہ بادشاہ ہے جس کو یہودی خورس، یونانی سائرس، فارسی گورش اور عرب کیخسرو کہتے ہیں، جس کا زمانہ حضرت ابراہیمؑ سے بہت بعد انبیاء علیہ السلام بنی اسرائیل میں سے دانیالؑ کا زمانہ بتلایا جاتا ہے جو سکندر مقدونی قاتل دارا کے زمانے کے قریب قریب ہوجاتا ہے مگر مولانا موصوف نے بھی ابن کثیر وغیرہ کی طرح اس کا شدت سے انکار کیا ہے کہ ذوالقرنین وہ سکندر مقدونی جس کا وزیر ارسطو تھا وہ نہیں ہوسکتا وہ مشرک آتش پرست تھا یہ مومن صالح تھے۔

مولانا موصوف کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی سورۂ بنی اسرائیل میں دو مرتبہ بنی اسرائیل کے شر وفساد میں مبتلا ہونے اور دونوں مرتبہ کی سزا کا ذکر تفصیل سے آیا ہے اس میں بنی اسرائیل کے پہلے فساد کے موقع پر جو قرآن کریم نے فرمایا ہے: **بعثنا عليكم عبادًا لنا اولى باس شديد فجاسوا خلٰل الديار** (یعنی تمہارے فساد کی سزا میں ہم مسلط کردیں گے تم پر اپنے کچھ ایسے بندے جو بڑی قوت وشوکت والے ہوں گے وہ تمہارے گھروں میں گھس پڑیں گے) اس میں یہ قوت وشوکت والے لوگ بخت نصر اور اس کے اعوان ہیں جنہوں نے بیت المقدس میں چالیس ہزار اور بعض روایات میں ستر ہزار بنی اسرائیل کو قتل کیا۔ اور ایک لاکھ سے زیادہ بنی اسرائیل کو قید کر کے بھیڑ بکریوں کی

طرح ہنکا کر بابل لے گیا اور اس کے بعد جو قرآن کریم نے فرمایا **ثم رددنا لکم الکرۃ علیھم** (یعنی ہم نے تمہارا غلبہ کیا ان پر) یہ واقعہ اسی کیخسر وخورس بادشاہ کے ہاتھوں ظہور پذیر ہوا یہ مومن صالح تھے، انہوں نے بخت نصر کا مقابلہ کر کے اس کے قیدی بنی اسرائیل کو اس کے قبضہ سے نکالا اور دوبارہ فلسطین میں آباد کیا بیت المقدس کو جو ویران کر دیا تھا اس کو بھی دوبارہ آباد کیا اور بیت المقدس کے خزائن اور اہم سامان جو بخت نصر یہاں سے لے گیا تھا وہ سب واپس بنی اسرائیل کے قبضہ میں دیئے۔ اس لئے یہ شخص بنی اسرائیل (یہود) کا نجات دہندہ ثابت ہوا۔

یہ بات قرین قیاس ہے کہ یہود مدینہ نے جو امتحان نبوت کے لئے قریش مکہ کے واسطے سوالات متعین کئے ان میں ذوالقرنین کے سوال کو یہ بھی خصوصیت حاصل تھی کہ یہود اس کو اپنا نجات دہندہ مان کر اس کی تعظیم وتکریم کرتے تھے۔

مولانا حفظ الرحمن صاحب نے اپنی اس تحقیق پر موجودہ تورات کے حوالہ سے انبیاء بنی اسرائیل کی پیشین گوئی سے پھر تاریخی روایات سے اس پر کافی شواہد پیش کئے ہیں، جو صاحب مزید تحقیق کے درپے ہوں اس کا مطالعہ کر سکتے ہیں، میرا مقصد ان تمام روایات کے نقل کرنے سے صرف اتنا تھا کہ ذوالقرنین کی شخصیت اور ان کے زمانے کے بارے میں علماء امت اور ائمہ تاریخ وتفسیر کے اقوال سامنے آجائیں۔ ان میں سے راجح کس کا قول ہے یہ میرے مقصد کا جز نہیں۔ کیوں کہ ان امور کا نہ قرآن نے دعویٰ کیا اور نہ حدیث نے ان کو بیان کیا ان کے متعین اور مبین کرنے کی ذمہ داری بھی ہم پر نہیں۔ اور ان میں بھی جو قول راجح اور صحیح قرار پائے مقصد قرآنی ہر حال میں حاصل ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ [1]

۳۴۱- قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾

**ترجمہ:** آپ لوگوں سے فرمادیجئے کہ اگر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لئے

[1] معارف القرآن ص:۶۲۸ تا ۶۳۳ ج:۵/روح المعانی ص:۲۴ تا ۳۰ ج:۱۶ تفصیلاً کاملاً ابن کثیر ص:۱۵۱ ج:۳/المقتطف ص:۲۷۷ ج:۳

سمندر روشنائی ہو تو میرے رب کی باتیں ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہوجائے گا اگرچہ اس سمندر کے متصل ایک دوسرا سمندر مدد کے لئے ہم لے آئیں۔

**شانِ نزول:** حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہود نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے یہ عرض کیا اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! تم اپنے تئیں یہ سمجھتے ہو کہ ہم کو حکمت دے دی گئی اور تمہاری کتاب قرآن میں یہ ہے کہ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا جس کو حکمت عطا کی جاتی ہے تو اسے گویا بہت بڑی بھلائی عطا کی گئی اور بہت ساری خیر کی چیزیں دی گئیں لیکن اس کے باوجود تم کہتے ہو وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۸۵ کہ تم کو علم کا جو بھی حصہ عطا کیا گیا ہے وہ حصہ بہت ہی کم ہے اس وقت اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی۔

عبداللہ بن عباسؓ ہی سے دوسری روایت یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان یہودیوں سے کہا وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۸۵ کہ تم کو علم کا جو بھی حصہ عطا کیا گیا ہے وہ حصہ بہت ہی کم ہے اس وقت اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی۔

عبداللہ بن عباسؓ ہی سے دوسری روایت یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان یہودیوں سے کہا کہ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۸۵ اس پر یہود نے کہا یہ کیوں کر اور کیسے ہوسکتا ہے جب کہ ہمیں تورات عطا کی گئی ہے اور جسے تورات عطا کی گئی اسے خیر کثیر عطا کی، اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ [1]

مقتطف میں تفصیل نزول سے متعلق اس طرح ہے کہ یہودیوں نے مسلمانوں سے کہا کہ تمہاری کتاب میں وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا آیا ہے لیکن تم اس کے باوجود وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا پڑھتے ہو اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ (دونوں روایت میں کوئی تعارض نہیں ممکن ہے یہ واقعہ بھی ہو یا یہ کہ صحابۂ کرامؓ سے جب یہودیوں نے یہ کہا ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے صحابہ کرام نے ان کی بات نقل کی ہو اور آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمادی جو پہلے نازل ہوگئی ہو لیکن صحابہؓ نے یہ سمجھا ہو

[1] اسباب النزول ص:۱۷٦ معالم التنزيل ص:۲۰٦ ج:۳/المعروف بتفسير البغوی زاد المسير ص:۱۰۲ ج:۵ المقتطف ص:۲۸٦ ج:۳

کہ یہ آیت ابھی نازل ہوئی ہے اور اس کو نقل کردیا ہو کہ آیت اس موقع سے نازل ہوئی)(روح المعانی ص:۵۲ ج:۱۶، پارہ ۱۶)

روح المعانی میں تفصیل وہ ہے جسے امام ترمذی نے بیان کیا کہ عبداللہ بن عباس کی روایت سے یہ سوال کرنے والا یہودیوں کا سردار حی بن اخطب تھا اور باقی وہی تفصیل ہے جو مذکور ہوئی۔

۳۴۲- قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾

**ترجمہ:** آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سب کی طرح بشر ہوں میرے پاس وحی آتی ہے تمہارا معبود برحق ایک ہی معبود ہے تو جو شخص اپنے رب سے ملنے کی آرزو رکھے تو وہ اچھے کام کرتا رہے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

**شانِ نزول:** فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ الخ امام حاکم نے مستدرک میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے اور اس کو صحیح علی شرط الشیخین فرمایا ہے روایت یہ ہے کہ مسلمانوں میں سے ایک شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرتا تھا اس کے ساتھ اس کی یہ خواہش بھی تھی کہ لوگوں میں اس کی بہادری اور غازیانہ عمل پہچانا جائے، اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی (جس سے معلوم ہوا کہ جہاد میں ایسی نیت کرنے سے جہاد کا ثواب نہیں ملتا)

اور ابن ابی حاتم اور ابن ابی الدنیا نے کتاب الاخلاص میں طاؤسؒ سے نقل کیا ہے کہ ایک صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ذکر کیا کہ میں بعض اوقات کسی نیک کام کے لئے یا عبادت کے لئے کھڑا ہوتا ہوں اور میرا قصد اس سے اللہ تعالیٰ ہی کی رضا ہوتی ہے مگر اس کے ساتھ دل میں یہ خواہش بھی ہوتی ہے کہ لوگ میرے عمل کو دیکھیں آپ نے یہ سن کر سکوت فرمایا یہاں تک کہ آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

اور ابونعیم اور تاریخ ابن عساکر میں برروایت ابن عباسؓ لکھا ہے کہ جندب بن زبیر صحابی جب نماز پڑھتے یا روزہ رکھتے یا صدقہ کرتے پھر دیکھتے کہ لوگ ان اعمال سے ان کی

تعریف وثنا کررہے ہیں تو اس سے ان کو خوشی ہوتی اور اپنے اس عمل کو اور زیادہ کر دیتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

خلاصہ ان تمام روایت کا یہی ہے کہ اس آیت میں جو شرک سے منع کیا گیا ہے وہ ریاکاری کا شرک خفی ہے اور یہ کہ عمل اگرچہ اللہ ہی کے لئے ہو، لیکن اگر اس کے ساتھ کوئی نفسانی غرض، شہرت، وجاہت بھی شامل ہو تو یہ بھی ایک قسم کا شرک خفی ہے جو انسان کے عمل کو ضائع بلکہ مضرت رساں بنادیتا ہے۔

لیکن بعض دوسری احادیث صحیحہ سے بظاہر اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے مثلاً ترمذی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ میں بعض اوقات اپنے گھر کے اندر اپنی جائے نماز پر (نماز میں مشغول) ہوتا ہوں اچانک کوئی آدمی آجائے تو مجھے یہ اچھا معلوم ہوتا ہے سو اس نے مجھے اس حال میں دیکھا (تو کیا یہ ریا ہوگئی) رسول اللہ نے فرمایا ابو ہریرہ خدا تعالیٰ تم پر رحمت فرمائے تمہیں اس وقت دو اجر ملتے ہیں ایک خفیہ عمل کا جو پہلے سے کررہے تھے دوسرا اعلانیہ عمل کا جو اس آدمی کے آجانے کے بعد ہوا (یہ ریاء نہیں ہے) اور صحیح مسلم میں حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ ایسے شخص کے بارے میں جو کوئی نیک عمل کرتا ہے پھر لوگوں سے سنے کہ وہ اس عمل کی تعریف ومدح کررہے ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **تلک عاجل بشری للمومن** یعنی یہ تو مومن کے لئے نقد بشارت ہے (اس کا عمل اللہ کے نزدیک قبول ہوا اس نے اپنے بندوں کی زبانوں سے اس کی تعریف کرادی)

تفسیر مظہری میں ان دونوں قسم کی روایتوں میں جو بظاہر اختلاف نظر آتا ہے اس کی تطبیق اس طرح فرمائی ہے کہ پہلی روایات جن کے بارے میں آیت نازل ہوئی اس صورت میں ہیں جب کہ انسان اپنے عمل سے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں ہے، جب کہ انسان اپنے عمل سے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے ساتھ مخلوق کی رضا جوئی یا اپنی شہرت و وجاہت کی نیت کو بھی شریک کرے یہاں تک کہ لوگوں کی تعریف کرنے پر اپنے عمل کو اور بڑھادے یہ بلاشبہ ریاء اور شرک خفی ہے۔

اور بعد کی روایات ترمذی اور مسلم کی اس صورت سے متعلق ہیں جب کہ اس نے عمل خالص اللہ کے لئے کیا ہو لوگوں میں اس کی شہرت یا ان کی مدح وثنا کی طرف کوئی التفات نہ ہو پھر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کو مشہور کردے اور لوگوں کی زبانوں پر اس کی تعریف جاری فرمادے۔ [1]

[1] معارف القرآن ص: ۶۶۲/۶۶۱ ج:۵/روح المعانی ص:۵۴ ج:۱۶ پارہ ۱۶/اسباب النزول ص:۱۷۲/زاد المسیر ص:۲۰۳/۲۰۲ ج:۵ابن کثیر ص:۱۰۳ ج:۳/المقتطف ص:۲۸۷ ج:۳/ معالم التنزیل ص:۶۰۷ مضموناً ج:۳

# سورۃ مریم

اس سورت کے بارے میں تمام علماء کا اجماع ہے کہ یہ سورت مکی ہے۔ اور حضرت مقاتل نے بیان فرمایا ہے کہ صرف ایک آیت مدنی ہے اور مفسر ہبۃ اللہؒ نے فرمایا کہ تمام آیات سورۂ مریم کی مکی ہیں صرف دو آیتیں یعنی فَخَلَفَ مِنۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ الخ یعنی آیت ۵۹/۶۰/مدنی ہیں۔ (زادالمسیر ص:۲۰۱ ج:۵)

۳۴۳- وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمۡرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيۡنَ اَيۡدِيۡنَا وَمَا خَلۡفَنَا وَمَا بَيۡنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ۚ﴿۶۴﴾

**ترجمہ:** اور ہم بدون آپ کے رب کے حکم کے وقتاً فوقتاً نہیں آسکتے اسی کی ہیں ہمارے آگے کی سب چیزیں اور جو ان کے درمیان میں ہیں، اور آپ کا رب بھولنے والا نہیں ہے۔

**شانِ نزول:** صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبرئیل سے یہ آرزو ظاہر فرمائی کے ذرا زیادہ آیا کرو اس پر مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

دوسرا سبب نزول یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حضرت جبرئیل بہت دیر سے تشریف لائے اور حضرت جبرئیلؑ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ کیا میں نے تاخیر کردی حضرت علیؓ نے فرمایا خود ہی تو تاخیر کرتے ہیں اور خود ہی سوال بھی کرتے ہیں اس پر حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا کہ ہاں کیوں نہیں میں ایسا کروں جب کہ تم لوگ ناخن وغیرہ نہیں کاٹتے پھر مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

تیسرا سبب نزول یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب مشرکین یا یہود نے یا یہود کے کہنے پر مشرکین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اصحاب کہف، ذوالقرنین، اور روح سے متعلق سوال کیا

تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان سوالات کے جوابات سے واقفیت نہ تھی آپ نے اس امید میں کہ جبرئیلؑ کل آئیں گے تو پوچھ کر جواب دے دیں گے وعدہ فرمالیا تھا اور انشاء اللہ نہ کہا تھا، اور جواب میں اور نزول میں خاصی تاخیر ہوگئی تھی پھر چند روز کے بعد حضرت جبرئیلؑ تشریف لائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبرئیلؑ سے اس مشقت کا جو انتظار کرنے میں پیش آئی تھی شکایت کی اس پر حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا کہ میں کیا کرسکتا ہوں، میں تو اللہ کے حکم کا غلام ہوں جب آنے کا حکم فرماتے ہیں تو آجاتا ہوں اور جب روک دیتے ہیں تو رک جاتا ہوں اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ [۱]

۳۴۴- وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا ﴿٦٦﴾

**ترجمہ:** اور انسان یوں کہتا ہے کہ میں جب مرجاؤں گا تو کیا پھر زندہ کر کے قبر سے نکالا جاؤں گا۔

**شانِ نزول:** آیت زیر بحث ابی بن خلف کے بارے میں نازل ہوئی تفصیل اس طرح ہے کہ ایک مرتبہ ابی بن خلف نے ایک سوکھی ہڈی جو بوسیدہ بھی تھی اپنے ہاتھ میں لی اور اسے مسل دیا ہڈی چور چور اور ریزہ ریزہ ہوگئی، اس کے بعد خود ہی بول پڑا کہ محمد اپنے تئیں یہ سمجھتا ہے کہ ہم مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جائیں گے (کیا ہی بیہودہ باتیں ہیں) کہ جب ہم مرجائیں گے اور ہڈی سڑ گل جائے گی اور اس میں کچھ بھی دم وخم نہ رہے گا تو ایسی صورت میں ہم دوبارہ کیوں کر زندہ کئے جائیں گے؟ اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ [۲]

روح المعانی میں اس قدر تفصیل ہے کہ ایک قول کے مطابق ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی، اور ایک قول کے مطابق ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی اور ایک قول کے مطابق عاص بن وائل کے بارے میں نازل ہوئی۔ اور ابی بن خلف کے سلسلے میں گزر

[۱] اسباب النزول ص:۱۷۲/زاد المسیر ص:۲۴۸/۲۴۹ ج:۵/بیان القرآن ص صرف نمبر (۱) دیکھئے معارف القرآن میں ص:۴۷ ج:۶/معالم التنزیل ص: ۶۲۹/ ۶۳۰ ج:۳/ابن کثیر ص:۱۲۳ ج:۳روح المعانی ص:۱۱۳ ج:۱۶ پارہ نمبر ۱۶/المقتطف ص:۳۱۲/۳۱۱ ج:۳

[۲] زادالمسیر ص:۲۵۱/۲۵۲ ج:۵/اسباب النزول ص:۱۷۳/معالم التنزیل ص:۶۳۱ ج:۳ابن کثیر مختصرا ص:۱۲۴ ج:۳/المقتطف ص:۳۱۳ ج:۳/روح المعانی ص:۱۱۲ ج:۱۶ پارہ نمبر ۱۶

ہی چکا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ تمام حضرات ہیں جو مذکور ہوئے اور اسی طرح ان تمام حضرات کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی جو بعث بعد الموت کا انکار کرتے تھے باقی رہا تعارض کا جواب تو معارف النزول کی جلد اول کے شروع میں لکھ دیا گیا ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

**۳۴۵- اَفَرَءَيْتَ الَّذِىْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَ قَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّ وَلَدًا**

**ترجمہ:** کیا تو نے دیکھا اس کو جو منکر ہوا ہماری آیتوں سے اور کہا مجھ کو مل کر رہے گا مال اور اولاد۔

**شانِ نزول:** بخاری و مسلم میں حضرت خباب بن الارت کی روایت ہے کہ ان کا کچھ قرض عاص بن وائل کے ذمہ تھا یہ ان کے پاس تقاضا کے لئے گئے اس نے کہا کہ میں تمہارا قرض اس وقت تک نہیں دوں گا جب تک تم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کفر وانکار کا معاملہ نہ کرو انہوں نے جواب دیا میں یہ کام نہیں کرسکتا جب تک کہ تم مر کر زندہ نہ ہو جاؤ عاص بن وائل نے کہا اچھا کیا میں مر کر پھر زندہ ہوں گا اگر ایسا ہے تو بس تمہارا قرض بھی اسی وقت چکاؤں گا جب دوبارہ زندہ ہوں گا کیوں کہ اس وقت بھی میرے پاس مال اور اولاد ہوگی۔ (قرطبی)

ایک روایت اس بارے میں یہ ہے کہ مذکورہ آیت ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ لیکن صحیح ترین قول اور اکثر مفسرین کا رجحان یہ ہے کہ عاص بن وائل ہی کے بارے میں مذکورہ آیت نازل ہوئی ہے۔ جیسا کہ علامہ جوزی نے اس کی وضاحت کی ہے۔ [1]

۞۞۞

[1] اسباب النزول ص:۱۷۳/۱۷۴/زاد المسیر ص:۲۶۰ ج:۵/روح المعانی ص:۱۲۹ ج:۱۶ پارہ نمبر ۱۶ معالم التنزیل ص:۲۳۸ ج:۳/المقتطف ص:۳۱۷ ج:۳/ابن کثیر ص:۱۲۸ ج:۳

# سورۂ طٰه

سورۂ طٰه بالاجماع مکی ہے اس سورت کی ایک آیت بھی مدنی نہیں ہے۔
زادالمسیر ص:۲٦۸ ج:۵

۳۴٦- طٰهٰ ﴿١﴾ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ﴿٢﴾ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ﴿٣﴾

**ترجمہ:** طٰہٰ (کے معنی تو اللہ ہی کو معلوم ہیں) ہم نے آپ پر قرآن اس لئے نہیں اتارا کہ آپ تکلیف اٹھائیں بلکہ ایسے شخص کی نصیحت کے لئے جو ڈرتا ہو۔

**شانِ نزول:** ابن کثیرؒ نے فرمایا کہ نزول قرآن کی ابتداء میں ساری رات تہجد وتلاوت میں مشغول رہنے سے بعض کفار نے مسلمانوں پر یہ آواز کسی کہ ان لوگوں پر قرآن کیا نازل ہوا ایک مصیبت نازل ہوگئی نہ رات کا آرام نہ دن کا چین۔ اس آیت میں حق تعالیٰ نے اشارہ فرمایا کہ یہ جاہل بدنصیب حقائق سے بے خبر کیا جانیں کہ قرآن اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا پیغام خیر ہی خیر اور سعادت ہی سعادت ہے اس کو مصیبت سمجھنے والے بے خبر اور احمق ہیں صحیحین کی حدیث میں بروایت معاویہؓ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **من یرد اللہ به خیرًا یفقه فی الدین** یعنی اللہ تعالیٰ جس شخص کی بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو دین کا علم اور سمجھ بوجھ عطا فرما دیتے ہیں۔

اس جگہ امام ابن کثیر نے ایک صحیح حدیث دوسری بھی نقل فرمائی ہے جس میں علماء کے لئے بڑی بشارت ہے یہ حدیث طبرانی نے حضرت ثعلبہ بن الحکمؓ سے روایت کی ہے ابن کثیر نے فرمایا کہ اسناد اس کی جید ہے حدیث یہ ہے:

**قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول اللہ تعالیٰ للعلماء یوم القیامة إذا قعد علی کرسیة تقضاء عبادہ انی لم اجعل علمی و حکمتی فیکم إلا و انا ان اغفر لکم علی ما کان منکم و لا ابالی. (ابن کثیر ص: ۱۴۱ ج:۳)**

**ترجمہ:** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز جب اللہ تعالیٰ بندوں کے اعمال کا فیصلہ کرنے کے لئے اپنی کرسی پر تشریف فرما ہوں گے تو علماء سے فرماویں گے کہ میں نے اپنا علم وحکمت تمہارے سینوں میں اس لئے رکھا تھا کہ میں تمہاری مغفرت کرنا چاہتا ہوں باوجود ان خطاؤں کے جو تم سے سرزد ہوئی اور مجھے کوئی پرواہ نہیں۔

مگر یہ ظاہر ہے کہ یہاں علماء سے مراد وہی علماء ہیں جن میں علم قرآن کی علامت خوف الٰہی اور خشیت الٰہی موجود ہو اس آیت میں لفظ **لمن یخشی** اسی طرف اشارہ کرتا ہے جن میں یہ علامت نہ ہو وہ اس کے مستحق نہیں۔ (معارف القرآن ص:۱۵۱ ج:۶ ابن کثیر ص:۱۴۱ ج:۳)

علامہ واحدی اور علامہ جوزی وغیرہ نے مذکورہ آیتوں کے بارے میں ایک دوسرا سبب نزول بھی بیان کیا ہے اور اس کے علاوہ مذکورہ شانِ نزول بھی اور وہ یہ ہے کہ جب ابوجہل، اور نضر بن حارث، اور مطعم بن عدی وغیرہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کثرت عبادت کرتے ہوئے دیکھا تو کہہ پڑے کہ یہ دین جسے تم اپنا اوڑھنا بچھونا بنا رکھا ہے، یہ ایک مشقت ہی مول لے رکھی ہے، اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ [۱]

اور مقتطف اور در منثور میں یہ بھی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیر میں کثرت عبادت اور طویل قیام کی وجہ سے ورم پڑ جاتا اور یہ سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جاری ہی رہا تو اس وقت مذکورہ آیت اتری کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قدر مشقت اور تعب اٹھانے کی بالکل ضرورت نہیں ہے نزول قرآن کا مقصد یہ بالکل نہیں ہے کہ آپ تعب میں مبتلا ہو جائیں۔ [۲]

۳۴۷: وَ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ۬ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَ رِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ﴿۱۳۱﴾

**ترجمہ:** اور ہرگز ان چیزوں کی طرف آپ آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھئے جس سے ہم نے کفار کے مختلف گروہوں کو ان کی آزمائش کے لئے متمتع کر رکھا ہے کہ وہ دنیوی

[۱] زاد المسیر ص:۲۶۸/۲۶۹ ج:۵/در منثور للسیوطی ص:۲۸۹ ج:۴ من روایۃ ابی حاتم عن ضحاک اول سبب نزول اسباب النزول ص:۱۷۴ للواحدی روح المعانی ص:۱۴۹ ج:۱۶ پارہ نمبر ۱۶/معالم التنزیل المعروف بتفسیر البغوی ص:۴/ج:۴

[۲] المقتطف ص:۳۲۵ ج:۳/زاد المسیر ص:۲۶۸ ج:۵/در منثور ص:۲۸۸ ج:۴

زندگی کی رونق ہے، اور آپ کے رب کا عطیہ بدرجہا بہتر اور دیرپا ہے۔

**شانِ نزول:** ابورافع آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ غلام کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک مرتبہ مہمان آیا، اور گھر میں کھانے پینے کا کوئی نظم نہ تھا کہ مہمان کی خدمت کی جاسکے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے بلایا اور ایک یہودی کے پاس کچھ قرضہ لانے کے لئے بھیجا جو غلہ اور اشیاء خوردنی کی خرید وفروخت کرتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابورافع سے یہ کہہ کر روانہ کیا کہ تم یہودی سے یہ کہنا کہ تم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اتنی مدت تک کے لئے آٹا دو چنانچہ میں اس یہودی کے پاس آیا۔ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہدایت نامہ اور پیغام پہنچادیا اس پر یہودی نے کہا کہ واللہ بلا رہن کے میں کوئی بھی معاملہ نہیں کرسکتا، چنانچہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آکر یہودی کی بات نقل کردی اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ کی قسم اگر وہ مجھ سے لین دین کرتے اور مطلوبہ چیز مجھے دیدیتے تو ضرور بالضرور میں اس کو پورا کرتا اور اس میں معمولی درجہ کی بھی کمی نہ ہوتی اور نہ وہ کمی پاتے اور سنو! میں آسمان اور زمین میں امین سے جانا جاتا ہوں اور حقیقت واقعہ بھی ایسا ہی ہے جا اور لوہے کا زرہ لے جا۔ اور اس کے پاس رکھ دے۔ اور اس کے عوض کچھ لے آتا کہ مہمان کی خاطر ہوسکے، اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ [۱]

**فائدہ:** وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب ہے، لیکن دراصل ہدایت کرنا امت کو ہے کہ دنیا کے مالداروں سرمایہ داروں کو قسم قسم کی دنیوی رونق اور طرح طرح کی نعمتیں حاصل ہیں آپ ان کی طرف نظر بھی نہ اٹھایئے کیوں کہ یہ سب عیش فانی اور چندروزہ ہے اللہ تعالیٰ نے جو نعمت آپ کو اور آپ کے واسطے سے مومنین کو عطا فرمائی ہے وہ بدرجہا ان کی اس چندروزہ رونق حیات سے بہتر ہے۔

دنیا میں کفار وفجار کی عیش وعشرت اور دولت وحشمت ہمیشہ ہی سے ہر شخص کے لئے یہ سوال بنتی رہی ہے کہ جب یہ لوگ اللہ کے نزدیک مبغوض اور ذلیل ہیں تو ان کے پاس یہ نعمتیں کیسی اور کیوں ہیں اور اطاعت شعار مومنین کے لئے غربت وافلاس کیوں۔ یہاں تک کہ

[۱] زادالمسیر ص: ۳۳۵ ج: ۵/اسباب النزول ص: ۱۷۵/معالم التنزیل ص: ۳۹ ج ۴

فاروق اعظمؓ جیسے عالی قدر بزرگ کو اس سوال نے متاثر کیا جس وقت وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آپ کے خاص حجرہ میں داخل ہوئے جس میں آپ خلوت گزیں تھے۔اور یہ دیکھا کہ آپ ایک موٹے موٹے ٹیلیوں کے بوریئے پر لیٹے ہوئے ہیں اور ٹیلیوں کے نشانات آپ کے بدن مبارک پر کھڑے ہوگئے ہیں تو بے اختیار رو پڑے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ کسریٰ وقیصر اور ان کے امراء کیسی کیسی نعمتوں اور راحتوں میں ہیں اور آپ ساری مخلوق میں اللہ کے منتخب رسول ﷺ اور محبوب ہیں اور آپ کی معیشت کا یہ حال ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابن خطابؓ کیا تم اب تک شک وشبہ میں مبتلا ہو یہ لوگ تو وہ ہیں جن کی لذات ومحبوبات اللہ نے اسی دنیا میں ان کو دیدی ہیں آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں وہاں عذاب ہی عذاب ہے (اور مومنین کا معاملہ برعکس ہے) یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ دنیا کی زینت اور راحت طلبی سے بالکل بے نیاز اور بے تعلق زندگی کو پسند فرماتے تھے باوجودیکہ آپ کو پوری قدرت حاصل تھی کہ اپنے لئے بہتر سے بہتر راحت کا سامان جمع کرلیں اور جب کبھی دنیا کی دولت آپ کے پاس بغیر کسی محنت ومشقت اور سعی وطلب کے آبھی جاتی تھی تو فوراً اللہ کی راہ میں غرباء وفقراء پر اس کو خرچ کرڈالتے تھے اور اپنے واسطے کل کے لئے بھی کچھ باقی نہ چھوڑتے تھے ابن ابی حاتم نے بروایت ابوسعید خدریؓ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ **ان اخوف ما اخاف علیکم بالفتح اللہ لکم من زھرۃ الدنیا (ابن کثیر)**

ترجمہ: مجھے تم لوگوں کے بارے میں جس چیز کا سب سے زیادہ خوف اور خطرہ ہے وہ دولت وزینت دنیا ہے جو تم پر کھول دی جاوی گے۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے امت کو پہلے ہی یہ خبر بھی دیدی ہے کہ آئندہ زمانے میں تمہاری فتوحات دنیا میں ہوں گی اور مال ودولت اور عیش وعشرت کی فراوانی ہوجائے گی۔وہ صورت حال کچھ زیادہ خوش ہونے کی نہیں بلکہ ڈرنے کی چیز ہے کہ اس میں مبتلا ہوکر اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کے احکام سے غفلت نہ ہوجائے۔ [1]

[1] معارف القرآن ص:۱۶۴/۱۶۵ ج:۶/ابن کثیر ص:۱۶۲ ج:۳/روح المعانی ص:۲۳۸ ج:۱۶ پارہ ۱۶

# سورۃ الانبیاء

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ سورۂ کہف اور سورۂ مریم اور طہٰ اور انبیاء۔ یہ چاروں سورتیں نزول کے اعتبار سے ابتدائی سورتیں ہیں اور یہ میری قدیم دولت اور کمائی ہیں، جن کی میں ہمیشہ حفاظت کرتا ہوں (قرطبی)

۳۴۸-لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا ۚ وَ هُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَ تَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

**ترجمہ:** (جن کے لئے ہماری طرف سے بھلائی مقدر ہو چکی ہے اور اس کا ظہور ان کے اعمال وافعال میں ہوا۔ وہ لوگ اس دوزخ سے اس قدر دور رکھے جائیں گے کہ) اس کی آہٹ بھی نہ سنیں گے اور وہ اپنے جی کے مزوں میں سدا رہیں گے اس بڑی گھبراہٹ میں ان کو نہ غم ہوگا اور ان کو فرشتے لینے آئیں گے (اور کہیں گے) آج کا دن تمہارا ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا (کیوں کہ یہ لوگ جنت میں ہوں گے اور جنت میں بڑا ابعد ہے۔)

**شانِ نزول:** جب آیت کریمہ اِنَّكُمْ وَ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ نازل ہوئی یعنی تمہارے معبود بجز اللہ کے سب کے سب جہنم کا ایندھن بنیں گے اس آیت میں تمام معبودان باطلہ سے جن کی ناجائز پرستش کفار کے مختلف گروہوں نے دنیا میں کی سب کا جہنم میں داخل ہونا بیان فرمایا گیا ہے اس پر یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ ناجائز عبادت تو حضرت مسیح اور عزیر اور فرشتوں کی بھی کی گئی ہے تو سب کے جہنم میں جانے کا کیا مطلب ہوگا؟ اس کا جواب حضرت ابن عباسؓ نے دیا ہے ان کی روایت تفسیر قرطبی میں اس طرح

ہے کہ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ قرآن کی ایک آیت ایسی ہے جس میں لوگ شبہات کرتے ہیں اور عجب اتفاق ہے کہ اس کے متعلق لوگ مجھ سے سوال نہیں کرتے معلوم نہیں کہ شبہات کا جواب ان لوگوں کو معلوم ہو گیا ہے اس لئے سوال نہیں کرتے یا انہیں شبہ اور جواب کی طرف التفات ہی نہیں ہوا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ آیت اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ الخ ہے جب یہ آیت نازل ہوئی تو کفار قریش کو سخت ناگواری ہوئی اور کہنے لگے کہ اس میں تو ہمارے معبودوں کی سخت توہین کی گئی ہے۔ یہ لوگ (عالم اہل کتاب) ابن الزبعری کے پاس گئے اور اس کی شکایت کی اس نے کہا کہ اگر میں وہاں موجود ہوتا تو ان کو اس کا جواب دیتا ان لوگوں نے پوچھا کہ آپ کیا جواب دیتے؟ اس نے کہا کہ میں ان سے کہتا کہ نصاریٰ حضرت مسیح علیہ السلام کی اور یہود حضرت عزیر علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں ان کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟ (کیا معاذ اللہ وہ بھی جہنم میں جائیں گے) کفار قریش یہ سن کر بڑے خوش ہوئے کہ واقعی یہ بات تو ایسی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا کوئی جواب نہیں دے سکتے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جو آگے آئی ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ یعنی جن لوگوں کے لئے ہماری طرف بھلائی اور اچھا نتیجہ مقدر ہو چکا ہے وہ اس جہنم سے بہت دور رہیں گے۔

اور اسی ابن الزبعری کے متعلق قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ یعنی جب ابن زبعری نے حضرت ابن مریم کی مثال پیش کی تو آپ کی قوم کے لوگ قریش خوشی سے شور مچانے لگے۔ [۱]

❁❁❁

[۱] معارف القرآن ص:۲۳۰ج:۶/اسباب النزول ص:۱۷۵/معالم التنزیل ص:۸۹ج:۳/زاد المسیر ص:۳۹۲/۳۹۳ج:۵/ابن کثیر ص:۱۸۸/۱۸۹ج:۳

# سورۃ الحج

## خصوصیاتِ درس

اس سورت کے مکی یا مدنی ہونے میں مفسرین کا اختلاف ہے حضرت ابن عباسؓ ہی سے دونوں روایتیں منقول ہیں جمہور مفسرین کا قول یہ ہے کہ یہ سورت آیات مکیہ یا مدنیہ سے مخلوط سورت ہے قرطبی نے اسی کو اصح قرار دیا ہے نیز فرمایا کہ اس سورت کے عجائب میں سے یہ بات ہے کہ اس کی آیات میں سے بعض کا نزول رات میں بعض کا دن میں بعض کا سفر میں بعض کا حضر میں بعض کا مکہ میں بعض کا مدینہ میں بعض کا جنگ و جہاد کے وقت اور بعض کا صلح و امن کی حالت میں ہوا ہے اس میں بعض آیتیں ناسخ ہیں اور بعض منسوخ بعض محکم ہیں بعض متشابہ، پس یہ سورت تمام اصناف تنزیل پر مشتمل ہے۔ (معارف القرآن ص:۲۳۶ج:۶)

سورت کے مکی اور مدنی ہونے کے بارے میں حضرات مفسرین کا بڑا اختلاف ہے جتنے مفسرین ہیں اتنی ہی باتیں ہیں۔

مفسرین قرآن ابو صالح حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے واسطے سے بیان فرماتے ہیں کہ اس سورت کی تمام آیتیں سوائے دو آیتوں کے مکی ہیں اور وہ دو آیتیں جو مدنی ہیں وہ یہ ہیں وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ اور اس سے متصل یعنی سورۂ حج کی آیت ۱۲/ ۱۳۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی دوسری روایت اس بارے میں یہ ہے کہ سورۂ حج کی تمام آیات مدنی ہیں اور صرف چار آیتیں مکی ہیں (وما ارسلنا سے اخیر تک چار آیتیں ۵۳-۵۴-۵۵-۵۶ اور مفسر قرآن حضرت عطاء بن یسار کا قول اس بارے میں یہ ہے کہ تمام آیات اس سورت کی مکی ہیں مگر تین آیات مدنی ہیں (۲۰-۲۱-۲۲) اور ابو سلمان

دمشقی نے کہا کہ سورۂ حج کی شروع کی ۳۸ر آیتیں مدنی ہیں اور اس کے علاوہ باقی ساری آیات مکی ہیں حضرت ثعلبی نے کہا ہے کہ تمام آیات اس سورت کی مکی ہیں الا چھ آیتوں کے جو مدنی ہیں اور وہ هٰذٰنِ خَصْمٰنِ سے حَمِيْدٌ تک ہیں یعنی آیت (۲۰-۲۱-۲۲-۲۳-۲۴-۲۵)اور ربیۃ اللہ بن سلامہ نے کہا ہے کہ یہ عجیب سورتوں میں شمار ہوتی ہے کہ اس میں مکی آیتیں بھی ہیں اور مدنی بھی اور حضری وسفری بھی اور حربیاً اور صلحاً بھی اسی طرح لیلی اور نہاری اور ناسخ منسوخ بھی (جیسا کہ مقدمہ کتاب میں اس بارے میں تفصیلی مباحث علامہ سیوطی کی اتقان فی علوم القرآن کے حوالے سے آچکی ہیں) خلاصہ یہ ہے کہ تیسوں آیات سمیت آخر تک تمام آیات میں پچیسویں آیت شامل تیسویں آیت تک مدنی آیتیں ہیں اور شروع سے پانچ آیات تک لیلی آیتیں ہیں ۵ر سے ۹ر تک نہاری آیتیں ہیں ۹ر سے ۱۲ر تک سفری آیتیں ہیں ۱۰ر ۱۲ر تک حضری آیتیں ہیں۔ (زادالمسیر ص:۴۰۲ ج:۵)

۳۴۹- يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ۝ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَ تَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَ تَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَ مَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَ لٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ۝

**ترجمہ:** اے لوگوں اپنے رب سے ڈرو یقیناً قیامت کا زلزلہ بڑی بھاری چیز ہوگی، جس کی ہولنا کی کا عالم یہ ہوگا کہ دودھ پلانے والی اپنے دودھ پلانے کو بھول جائے گی اور حمل والی اپنا حمل ساقط کردے گی اور لوگوں کو نشہ کی حالت میں دیکھو گے جب کہ ان پر نشہ نہ ہوگا پر اللہ کا عذاب سخت ہے۔

**شانِ نزول:** يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ یہ آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بحالت سفر نازل ہوئی تو آپ نے بلند آواز سے اس کی تلاوت شروع فرمائی رفقاء سفر صحابۂ کرامؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاوت سن کر جمع ہو گئے۔ آپ نے صحابہ کرام کو خطاب کر کے فرمایا زلزلۂ قیامت جس کا ذکر اس آیت میں ہے آپ جانتے ہیں کہ کس دن میں ہوگا؟ صحابۂ کرام نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ جانتے ہیں! آپ نے فرمایا کہ یہ وہ دن

ہوگا جس میں اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام سے خطاب کر کے فرمائیں گے کہ جہنم میں جانے والوں کو اٹھایئے۔ آدم علیہ السلام دریافت کریں گے کہ جہنم میں جانے والے کون لوگ ہیں؟ تو حکم ہوگا کہ ہر ایک ہزار میں نو سو ننانوے اور فرمایا کہ یہی وہ وقت ہوگا کہ ہول اور خوف سے بچے بوڑھے ہوجائیں گے اور حمل والی عورتوں کا حمل ساقط ہوجائے گا صحابہ کرامؓ یہ سن کر سہم گئے اور پوچھنے لگے پھر یا رسول اللہ ہم میں سے وہ کون ہوگا جو نجات پائے گا؟ تو فرمایا کہ تم بے فکر رہو جہنم میں جانے والے یاجوج ماجوج میں سے ہر ایک ہزار میں سے نو سو ننانوے اور تم میں سے ایک ہوگا۔ یہ مضمون صحیح مسلم وغیرہ کی روایات میں ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے۔ اور بعض روایات میں ہے کہ اس روز تم ایسی مخلوق کے ساتھ ہوں گے کہ جب وہ کسی جماعت کے ساتھ ہوتو وہ ہی تعداد میں غالب اور اکثر رہیں گے ایک یاجوج و ماجوج اور دوسرے ابلیس اور اس کی ذریت اور اولاد آدم میں سے جو لوگ پہلے مر چکے ہیں اسی لئے (نو سو ننانوے میں بڑی تعداد انہیں کی ہوگی) تفسیر قرطبی وغیرہ میں یہ سب روایات نقل کی گئی ہیں۔ (معارف القرآن ص:۲۳۶ ج:۶ ابن کثیر ص:۱۹۳ ج:۳)

روح المعانی میں عمران بن حصین سے یہ مروی ہے کہ جب مذکورہ آیت يَاَيُّهَا النَّاسُ سے عَذَابٌ شَدِيْدٌ سے تک نازل ہوئی یعنی سورۂ حج کی پہلی اور دوسری آیت اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر میں تھے (اور یہ سفر بعض روایت کے مطابق غزوۂ بنی مصطلق کا تھا جو خدیجہ بن سعد بن عمرو کا لقب تھا جو بنی خزاعہ کی شاخ میں سے تھا۔ اس غزوہ کا نام غزوۂ مریسیع بھی ہے اور مدینہ سے ایک دن کی مسافت پر ہے جو ۵ھ [1] میں واقع وا حضرت قتادہ اور حضرت عروہ اور ان دونوں کے علاوہ حضرات نے بھی اسے بیان کیا ہے اور امام حاتم نے اسی کو ترجیح دی ہے اور محمد بن اسحاق نے کہا ہے کہ یہ ۶ھ کا واقعہ ہے اور اسی پر خلیفہ اور طبری وغیرہ نے جزم و یقین ظاہر کیا ہے اور امام بخاری نے موسیٰ بن عقبہ سے روایت کیا ہے کہ یہ ۴ھ کا واقعہ ہے لیکن صحیح ترین بات یہ ہے کہ ۵ھ کا واقعہ ہے تفصیل

[1] سن ہجری میں اختلاف ہے چنانچہ یہ غزوہ ایک قول کے مطابق ۴ر میں اور دوسرے قول کے مطابق ۵ر میں اور تیسرے قول کے مطابق ۶ر میں واقع ہوا ہے۔ زاد المعاد ص:۲۵۶ ج:۳ر علامہ ابن قیم جوزیہ۔

کے لئے زاد المعاد مع تعلیقاتہ وحواشہ ص: ۲۵۶/۲۵۷ کی طرف رجوع کیا جائے غزوۂ مصطلق یا غزوۂ مریسیع کے اسباب کیا تھے شکست اور فتح یابی کا معیار اور اوسط کیا رہا یہ ایک تفصیلی بحث ہے جو ہمارے زیر بحث نہیں۔ غرض کہ جب مذکورہ دونوں آیتیں نازل ہوئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرات صحابہؓ کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ وہ کون سا دن ہے؟ حضرات صحابہ نے فرمایا اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں۔ تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس دن اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام سے کہیں گے کہ جہنم میں جانے والوں کو اٹھایئے، آدم علیہ السلام دریافت کریں گے کہ جہنم میں جانے والے کون لوگ ہیں؟ تو حکم ہوگا کہ ہر ایک ہزار میں نو سو ننانوے اور یہی وہ وقت ہوگا کہ ہول اور خوف سے بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور حمل والی عورت کا حمل ساقط ہو جائے گا صحابہ کرام یہ سن کر سہم گئے اور رونے لگے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو قریب ہو جانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ تم مثالی امت ہو اور میں امید کرتا ہوں کہ آدھے یا تہائی جنّتی تم ہی لوگ رہو گے صحابہ کرامؓ اس خبر سے فرط مسرت میں جھوم اٹھے اور اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ [۱]

دوسری آیت میں یعنی يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ الخ میں قیامت کی جو کیفیت ذکر کی گئی ہے کہ تمام حمل والی عورتوں کے حمل ساقط ہو جائیں گے اور دودھ پلانے والی عورتیں اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائیں گی۔ اگر یہ زلزلہ اسی دنیا میں قبل القیامت ہے تو ایسا واقعہ پیش آنے میں کوئی اشکال نہیں اور اگر حشر ونشر قیامت کے بعد ہے تو اس کی توجیہ یہ ہوگی کہ جو عورت اس دنیا میں حالت حمل میں مری ہے قیامت کے روز اس حالت میں اس کا حشر ہوگا۔ اور جو دودھ پلانے کے زمانے میں فوت ہوگئی ہو تو وہ اسی طرح بچے کے ساتھ اٹھائی جائے گی۔ (راقم الحروف کے نزدیک اس کی توجیہ یہ ہے کہ قیامت کی شدت ہولناکی کو بیان کرنا مقصود ہے کہ بالفرض اگر کوئی عورت اس وقت حالت حمل میں ہو تو شدت خوف کی وجہ سے حمل ساقط کر دے گی اور ممکن ہے امر واقعہ بھی ہو جیسا کہ قرطبی کا

---

[۱] زاد المسیر ص: ۴۰۲/۴۰۳ ج: ۵/ روح المعانی ص: ۱۱۱ ج: ۱۷ پارہ نمبر ۱۷ ابن کثیر ص: ۱۹۳ ج: ۳/ معالم التنزیل ص: ۹۵/۹۶ ج: ۴

خیال ہے) کماذکرہ القرطبی۔واللہ اعلم (معارف القرآن ص:۷۲۳ج:۶ابن کثیرص:۱۹۳ج:۳)

۳۵۰-وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَیْرُ اِطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَ اِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ اِنْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ ﴿۱۱﴾

**ترجمه:** اور بعض آدمی اللہ کی عبادت کرتا ہے گناہ پر پھر اگراس کو کوئی نفع پہنچ گیا تو اس کی وجہ سے قرار پالیا اور اگراس پر کچھ آزمائش ہوگئی تو منہ اٹھا کر چلد یا یعنی کفر اختیار کرلیا دنیا آخرت دونوں کو کھو بیٹھا یہی ہے کھلا نقصان۔

**شانِ نزول:** وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ بخاری اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں مقیم ہوگئے تو بعض ایسے لوگ بھی آ کر مسلمان ہو گئے (جن کے دل میں ایمان کی پختگی نہیں تھی) اگر اسلام لانے کے بعد اس کی اولاد اور مال میں ترقی ہوگئی تو کہتا تھا کہ یہ دین اچھا ہے اور اگر اس کے خلاف ہوا تو کہتا تھا کہ یہ دین برا ہے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے کہ یہ لوگ ایمان کے ایک کنارہ پر کھڑے ہیں اگر ان کو ایمان کے بعد دنیوی راحت اور مال وسامان مل گیا تو اسلام پر جم گئے اور اگر وہ بطور آزمائش کسی تکلیف و پریشانی میں مبتلا ہو گئے تو دین سے پھر گئے۔ [۱]

۳۵۱-مَنْ كَانَ یَظُنُّ اَنْ لَّنْ یَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ فَلْیَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لْیَقْطَعْ فَلْیَنْظُرْ هَلْ یُذْهِبَنَّ كَیْدُهٗ مَا یَغِیْظُ ﴿۱۵﴾

**ترجمه:** جوشخص اس بات کا خیال رکھتا ہو کہ اللہ تعالیٰ رسول کی دنیا وآخرت میں مدد نہ کرے گا تو اس کو چاہئے کہ ایک رسی آسمان تک لے پھر وحی موقوف کرادے تو پھر غور کرنا چاہئے آیا اس کی تدبیر اس کے غیظ وغضب کی چیز کو موقوف کرسکتی ہے۔

[۱] معارف القرآن ص:۲۴۳ج:۶/المقتطف ص:۲۲۲/۲۲۳ج:۳اسباب النزول ص:۱۷۵/ ۱۷۶/معالم التنزیل ص:۹۹ج:۴/ابن کثیر ص:۱۹۸ج:۳ روح المعانی ص:۱۲۴ج:۷ا پارہ ۱۷/زادالمسیرص:۴۱۱ج:۵

**شانِ نزول:** مذکورہ آیت قبیلہ اسد اور غطفان کی ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی جن کا یہ کہنا تھا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اللہ طرف سے مدد نہ کی جائے تو مکمل طور پر ہمیں یہ خدشہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور یہود کے درمیان اور ہمارے درمیان جو ان کا معاہدہ ہے نبھا نہ سکیں اور عہد توڑ دیں اس وقت مذکورہ آیت اتری جس کا حاصل یہ ہے کہ اسلام کا راستہ روکنے والے معاند جو یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول اور اس کے دین کی مدد نہ کرے، ان کو سمجھنا چاہئے کہ یہ تو جب ہی ہوسکتا ہے جب کہ معاذ اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منصب نبوت سلب ہوجائے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی آنا منقطع ہوجائے کیوں کہ اللہ تعالیٰ جس کو نبوت ورسالت سپرد فرماتا ہے اور اس کو وحی الٰہی سے نوازتا ہے اس کی مدد تو دنیا وآخرت میں کرنے کا اس کی طرف سے پختہ عہد ہے اور عقلاً بھی اس کے خلاف نہ ہونا چاہئے تو جو شخص آپ کی اور آپ کے دین کی ترقی کو روکنا چاہتے ہوں تو اگر اس کے قبضہ میں ہو تو ایسی تدبیر کرنی چاہئے کہ یہ منصب نبوت سلب ہوجائے اور وحی الٰہی منقطع ہوجائے اس مضمون کو ایک فرض محال کے عنوان سے اس طرح تعبیر کیا ہے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وحی کو منقطع کرنے کا کام کرنا چاہتا ہے تو کسی طرح آسمان پر پہنچے وہاں جا کر اس سلسلہ وحی کو ختم کردے۔ اور ظاہر ہے کہ نہ کسی کا اس طرح آسمان پر جانا ممکن ہے، نہ اللہ تعالیٰ سے قطع وحی کو کہنا ممکن تو پھر جب تدبیر کوئی کارگر نہیں تو اسلام وایمان کے خلاف غیظ وغضب کا کیا نتیجہ یہ تفسیر بعینہٖ درمنثور میں ابن زید سے روایت کی گئی ہے اور میرے نزدیک یہ سب سے بہتر اور صاف تفسیر ہے۔ (بیان القرآن مع تسہیل)

قرطبی نے اس تفسیر کو ابوجعفر نحاس سے نقل کر کے فرمایا کہ یہ سب سے احسن تفسیر ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی اس تفسیر کو نقل کیا ہے اور بعض حضرات نے اس آیت کی تفسیر یہ کی ہے کہ سماء سے مراد اپنے مکان کی چھت ہے اور مراد آیت کی یہ ہے کہ اگر کسی معاند جاہل کی خواہش یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس کے دین کی مدد نہ کرے اور وہ اسلام کے خلاف غیظ وغضب لئے ہوئے ہے تو سمجھ لے کہ اس کی یہ مراد تو کبھی پوری نہ ہوگی اس احمقانہ غیظ وغضب کا تو علاج یہی ہے کہ چھت میں رسی ڈال کر پھانسی لے لے اور

مرجائے۔ (مظہری وغیرہ معارف القرآن ص:۲۴۵ ج:۶)

اور شانِ نزول جو اوپر نقل کیا گیا ہے وہ زاد المسیر سے ماخوذ ہے اور تفسیر بغوی اور روح المعانی میں اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ اسد اور قبیلہ غطفان کو اسلام کی دعوت دی اور ان دونوں قبیلوں کا یہود سے عہد و معاہدہ تھا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ جواب دیا کہ ہم اسلام اس لئے نہیں لا سکتے کہ ہمیں اس بات کا پورا خطرہ اور خدشہ ہے کہ محمد اور ان کے ساتھیوں کی من جانب اللہ کوئی مدد نہیں جائے گی تو اگر ہم اسلام لے آتے ہیں تو ہمارے اور یہودیوں کے درمیان جو معاہدہ ہے وہ باقی نہ رہ سکے گا اس کے نتیجہ میں ہمیں کوئی جائے پناہ نہ ملے گی اور ہمارا مستقبل تابناک نہ بن سکے گا اور بہت ساری پریشانیوں اور بہت سارے حالات سے نبرد آزما ہونا پڑے گا جو ہماری زندگی کے لئے بہتر ثابت نہ ہوگا اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ [1]

۳۵۲- هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِىْ رَبِّهِمْ ۡ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ؕ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ﴿۱۹﴾ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِىْ بُطُوْنِهِمْ وَ الْجُلُوْدُ ﴿۲۰﴾ وَ لَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ﴿۲۱﴾ كُلَّمَاۤ اَرَادُوْۤا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۗ وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۲۲﴾

**ترجمہ:** یہ دو فریق ہیں جنہوں نے اپنے رب کے بارے میں باہم اختلاف کیا جو لوگ کافر تھے ان کے آگ کے کپڑے قطع کئے جاویں گے، اور ان کے سر کے اوپر سے تیز گرم پانی چھوڑا جائے گا جس سے ان کے پیٹ کی چیزیں اور کھالیں سب گل جاویں گی۔ اور ان کے لوہے کے گرز ہوں گے وہ لوگ جب گھٹے گھٹے اس سے باہر نکلنا چاہیں گے تو پھر اس میں دھکیل دیئے جائیں گے اور کہا جاوے گا کہ جلنے کا عذاب چکھتے رہو۔

**شانِ نزول:** ان مذکورہ آیات کے سبب نزول میں چار اقوال ہیں۔

[1] معالم التنزیل ص:۱۰۲ ج:۴/ روح المعانی ص:۱۲۷ ج:۱۷/ زاد المسیر ص:۴۱۲ ج:۶

۱- ان چھ حضرات کے بارے میں نازل ہوئیں جن کا میدان بدر میں آپس میں مقابلہ اور معارکہ ہوا۔ ان میں تین مسلمان اور مومن تھے جن کے نام یہ ہیں حضرت علی، حضرت حمزہؓ اور عبیدہ بن حارثؓ اور کفار میں سے بھی تین فرد تھے جن کے نام یہ ہیں عتبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ اور اس کا بھائی شیبہ بن ربیعہ ان تینوں بھائی بھتیجے اور بیٹوں نے اجتماعی طور پر میدان بدر میں اول آگے بڑھ کر اسلامی لشکر کو دعوت مبارزت دی تھی ان کے جواب میں اور ان سے مقابلہ کرنے کے لئے پہلے انصار کے چند نوجوان ان کے سامنے آئے لیکن انہوں نے ان سے مقابلہ کرنا اپنی توہین سمجھا اور قریش کے جوانوں کو طلب کیا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے مذکورہ تینوں حضرات مشرکین سے مقابلہ کے لئے میدان میں اترے۔ حضرت علی کی زبانی اس کی مکمل تفصیل اس طرح ہے جسے صاحب مشکوٰۃ نے بیان کیا۔ اور وہ یہ ہے کہ:

**وعن علی قال لما کان یوم بدر تقدم عتبة ابن ربیعة وتبعه ابنه و اخوه فنادی من یبارز فانتدب له شباب من الانصار فقال من انتم فاخبروه فقال لا حاجة لنا فیکم إنما اردنا بنی عمنا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قم یا حمزة قم یا علی قم یا عبیدة بن الحارث فاقبل حمزه إلی عتبة و اقبلت إلی شیبة و اختلف بین عبیدة و الولید ضربتان فاثخن کل واحد منهما صاحبه ثم ملنا علی الولید فقتلناه و احتملناه عبیدة رواه احمد ابو داؤد.**

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں کہ جب معرکہ بدر کا دن آیا اور میدان جنگ میں مجاہدین اسلام اور کفار مکہ، ایک دوسرے کے سامنے صف آرا ہو گئے تو (کفار مکہ میں سے) عتبہ بن ربیعہ (لڑنے کے لئے صف میں سے نکل کر آگے بڑھا اس کے پیچھے اس کا بیٹا (یعنی ولید بن عتبہ) اور اس کا بھائی (یعنی شیبہ بن ربیعہ) بھی آیا عتبہ نے پکار کر کہا کون ہے جو ہمارے مقابلہ پر لڑنے کے لئے آئے؟؛ مجاہدین اسلام کی جانب سے اس کا جواب انصار کے کئی نوجوانوں نے دیا (یعنی وہ عتبہ اور اس کے ساتھیوں سے لڑنے کے لئے صف میں سے نکل کر میدان میں آئے عتبہ نے ان کو دیکھا تو پوچھا کہ ''تم کون ہو''؟ ان جوانوں

نے عتبہ کو بتایا کہ ہم (مدینہ کے) انصار ہیں، عتبہ نے کہا کہ ''ہمیں تمہاری ضرورت نہیں ہے (یعنی ہم تمہارے ساتھ لڑنے کا ارادہ نہیں رکھتے) بلکہ ہم تو اپنے چچا کے بیٹوں (یعنی مکہ سے ہجرت کر کے جانے والے قریشی مسلمانوں) سے لڑنا چاہتے ہیں (یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (اپنی صف کی طرف سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ حمزہ کھڑے ہو جاؤ، علی تم کھڑے ہو جاؤ، عبیدہ ابن حارث تم کھڑے ہو جاؤ (اور آگے بڑھ کر ان نشۂ طاقت کے سرمستوں کا سر غرور و تکبر کچل دو) چنانچہ عتبہ کے مقابلے میں حمزہ ؓ گئے (اور اس کو مار ڈالا) میں (یعنی حضرت علی) شیبہ کے مقابلے پر گیا (اور اس کو مار ڈالا اور عبیدہ اور ولید کے درمیان دو سخت وار ہوئے اور ان میں سے ایک نے اپنے مقابل کو زخمی اور نڈھال کر دیا پھر ہم نے ولید پر حملہ کیا اور اس کو مار ڈالا اور عبیدہ کو (وجو ولید کے وار سے سخت زخمی ہو گئے تھے معرکہ کے میدان سے) اٹھا لائے۔ [۱]

۲- مذکورہ آیتیں اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئیں اہل کتاب نے مومنین سے کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہارے بالمقابل زیادہ بہتر اور زیادہ مرتبہ والے ہیں کیوں کہ ہمیں جو کتاب دی گئی وہ تمہاری کتاب سے پہلے ہے اور ہمارے پاس جو نبی آئے وہ تمہارے نبی سے پہلے ہیں، اس پر مسلمانوں نے کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے یہاں زیادہ مرتبہ والے ہیں کیوں کہ ہم اپنے نبی پر بھی اور تمہارے نبی پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور اس کتاب پر بھی جو ہمارے نبی پر اور تمہارے نبی پر نازل ہوئی ہر ایک پر برابر درجہ کا ایمان رکھتے ہیں اور کسی کا انکار نہیں کرتے اور تم ہو کہ ہمارے نبی کو پہچانتے بھی ہو بلکہ اپنی اولاد سے بھی زیادہ پہنچانتے ہو مگر اس کے باوجود حسد اور بغض کی بنیاد پر ان کی نبوت کو نہیں مانتے اور ان کی رسالت کا انکار کرتے ہو اور ان پر نازل ہونے والی کتاب سے دوری اختیار کرتے ہو اس وقت مذکورہ آیتیں نازل ہوئیں۔

۳- مذکورہ آیتیں تمام مومنین اور کفار کے بارے میں نازل ہوئیں (حضرت حسن اور عطاء اور مجاہد کا یہی قول ہے)

[۱] احمد ابو داؤد، مشکوۃ شریف ص: ۳۴۲ ج: ۲ / مظاہر حق جدید ص: ۱۵۷ ج: ۴

۴- جنت اور دوزخ کے آپس میں مناظرہ اور مباحثہ ہونے کے نتیجہ میں مذکورہ آیتیں نازل ہوئیں کہ جہنم نے کہا کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے سزا دینے کے لئے پیدا کیا ہے اور جنت نے کہا کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے لئے پیدا کیا ہے اس وقت مذکورہ آیتیں نازل ہوئیں۔ [1]

۳۵۳- أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْاؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۙ﴿۳۹﴾

**ترجمہ:** لڑنے کی ان لوگوں کو اجازت دے دی گئی جن سے لڑائی کی جاتی ہے اس وجہ سے کہ ان پر ظلم کیا گیا ہے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کے غالب کر دینے پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

**شانِ نزول:** مکہ مکرمہ میں مسلمانوں پر کفار کے مظالم کا یہ حال تھا کہ کوئی دن خالی نہ جاتا تھا جس میں کوئی مسلمان ان کے دست ستم سے زخمی اور چوٹ کھایا ہوا نہ آتا ہو قیام مکہ کے آخری دور میں مسلمانوں کی تعداد بھی خاصی ہو چکی تھی وہ کفار کے ظلم و جور کی شکایت اور ان کے مقابلے میں قتل و قتال کی اجازت مانگتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جواب میں فرماتے کہ صبر کرو مجھے ابھی تک قتال کی اجازت نہیں دی گئی یہ سلسلہ دس سال تک اسی طرح جاری رہا۔ (قرطبی عن ابن عربی)

جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ چھوڑنے اور ہجرت کرنے پر مجبور کر دیئے گئے اور صدیق اکبرؓ آپ کے رفیق تھے تو مکہ مکرمہ سے نکلتے وقت آپ کی زبان سے نکلا اخرجوا نبیھم لیھلکن یعنی ان لوگوں نے اپنے نبی کو نکال دیا ہے اب ان کی ہلاکت کا وقت آ گیا ہے اس پر مدینہ طیبہ پہنچنے کے بعد آیت مذکورہ نازل ہوئی (جس میں مسلمانوں کو کفار سے قتال کی اجازت دیدی گئی) (رواہ النسائی والترمذی عن ابن عباس قرطبی)

اور حضرت ابن عباسؓ سے ترمذی، نسائی، ابن ماجہ ابن حبان اور حاکم وغیرہ نے

[1] زاد المسیر ص:۴۱۶/۴۱۷ج:۵/اسباب النزول ص:۱۷۷/معالم التنزیل ص:۱۰۴/۱۰۵ المقتطف ص:۴۲۶ج:۳/روح المعانی ص:۱۳۳/۱۳۴ ابن کثیر ص:۲۰۱/معارف القرآن ص:۲۴۹ج:۶

روایت کیا ہے اور ترمذی نے اس کو حسن فرمایا ہے روایت یہ ہے کہ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ پہلی آیت ہے جو قتال کفار اور ان سے مقابلہ کرنے کے بارے میں نازل ہوئی جب کہ اس سے پہلے ستر سے زیادہ آیتوں میں قتال کو ممنوع قرار دیا گیا تھا اور حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد میں نے جان لیا کہ اب قتال کی عام اجازت ہوگئی ہے۔

ابن جریر نے ابوالعالیہ سے روایت کیا ہے کہ سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت جہاد کے بارے میں وَ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ ہے اور حاکم کی اکلیل میں ہے کہ سب سے پہلے نازل ہونے والی اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ ہے (سورۂ توبہ) اور بیہقی کی دلائل میں یہ ہے کہ جب مسلمانوں کی ایک جماعت مشرکین کی تکلیفوں سے عاجز ہو کر سوئے مدینہ ہجرت کے قصد سے روانہ ہوئی تو مشرکین نے راہ چلتے ہوئے گھیر لیا اس وقت جہاد کا حکم نازل ہوا اور مذکورہ آیت اسی سلسلے میں نازل کی گئی۔ ظاہر ہے کہ اس بارے میں اولیت تو کسی ایک ہی آیت کو حاصل ہوگی، لیکن اختلاف کی بنیاد اپنے اپنے علم کے مطابق ہے باقی اس بارے میں اکثر مفسرین کی تصریح یہی ہے کہ سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ الخ ہے اور لفظ اذن سے بھی ہمیں اس بات کی طرف رہنمائی ملتی ہے کہ سب سے پہلی آیت قتال و جہاد کے باب میں مذکورہ آیت ہی ہے جس میں صاف اور کھلے لفظ میں اجازت فی الجہاد کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ [۱]

۳۵۴- وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِیٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓی اَلْقَی الشَّیْطٰنُ فِیْٓ اُمْنِیَّتِهٖ ۚ فَیَنْسَخُ اللّٰهُ مَا یُلْقِی الشَّیْطٰنُ ثُمَّ یُحْكِمُ اللّٰهُ اٰیٰتِهٖ ۗ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۵۲﴾

**ترجمہ:** اور ہم نے آپ کے قبل کوئی رسول اور کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس کو یہ قصہ

---

[۱] روح المعانی ص:۱۶۲/۱۶۱ ج:۱۷ پارہ ۱۷/اسباب النزول ص:۱۷۷/المقتطف ص:۴۳۶ ج:۳/معالم التنزیل ص:۱۲۱/۱۲۰ ج:۴/ابن کثیر ص:۲۱۳ ج:۳/زاد المسیر ص:۴۳۶ ج:۵/معارف القرآن ص:۲۷۹/۲۸۰ ج:۶

پیش نہ آیا ہو کہ جب اس نے کچھ پڑھا شیطان نے اس کے پڑھنے میں شبہ ڈالا پھر اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کو نیست و نابود کر دیتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اپنی آیات کو زیادہ مضبوط کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ خوب علم والا ہے خوب حکمت والا ہے۔

**شانِ نزول:** مذکورہ آیت کے سبب نزول کے بارے میں مفسرین کی رائے یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دیکھا کہ ان کی قوم کے سر برآوردہ لوگ اسلام سے قریب ہونے کے بجائے اسلام اور پیغمبر اسلام سے برگشتہ ہو رہے ہیں جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دلی خواہش اور جذبہ اوران تمام کے ایمان لانے پر حرص کی انتہا نہ تھی ایک دن ایسا ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریش کی مجلس میں جس میں قریش اور سردارانِ قریش اور مکہ کے روٴساء کی خاص تعداد جمع تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دل ہی دل میں اس بات کے خواہاں ہوئے کہ کیا اچھا ہوتا کہ آج اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ایسی ہدایت اور کوئی ایسا پیغام کا نزول نہ ہوتا کہ جو ان سردارانِ قریش اور سردارانِ مکہ کے آزردہ خاطر کا سبب بنے، لیکن ایسا نہ ہو سکا اور سورۂ نجم کی یہ آیت نازل ہوئی یعنی۔

وَ النَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۙ﴿۱﴾ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَ مَا غَوٰى ۚ﴿۲﴾ وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ؕ﴿۳﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۙ﴿۴﴾ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۙ﴿۵﴾ ذُوْ مِرَّةٍ ؕ فَاسْتَوٰى ۙ﴿۶﴾ وَ هُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ؕ﴿۷﴾ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۙ﴿۸﴾ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۚ﴿۹﴾ فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ؕ﴿۱۰﴾ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ﴿۱۱﴾ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ﴿۱۲﴾ وَ لَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۙ﴿۱۳﴾ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ﴿۱۴﴾ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ؕ﴿۱۵﴾ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۙ﴿۱۶﴾ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَ مَا طَغٰى ﴿۱۷﴾ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴿۱۸﴾ اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَ الْعُزّٰى ۙ﴿۱۹﴾ وَ مَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ﴿۲۰﴾

**ترجمہ:** قسم ہے تارے کی جب گرے، بہکا نہیں تمہارا رفیق اور نہ بے راہ چلا، اور نہیں بولتا اپنے نفس کی خواہش سے، یہ تو حکم ہے بھیجا ہوا، اس کو سکھلایا ہے سخت قوتوں والے نے، زور آور نے پھر سیدھا بیٹھا، اور وہ تھا اونچے کنارے پر آسمان

کے، پھر نزدیک ہوا اور اٹک آیا، پھر رہ گیا فرق دو کمان کی برابر یا اس سے بھی نزدیک پھر حکم بھیجا اللہ نے اپنے بندہ پر جو بھیجا، جھوٹ نہیں کہا رسول کے دل نے جو دیکھا، اب کیا تم اس سے جھگڑتے ہو اس پر جو اس نے دیکھا، اور اس نے اس کو دیکھا اترتے ہوئے ایک بار اور بھی، سدرۃ المنتہی کے پاس، اس کے پاس ہے بہشت آرام سے رہنے کی، جب چھا رہا تھا اس بیری پر جو کچھ چھا رہا تھا، بہکی نہیں نگاہ اور نہ حد سے بڑھی بے شک دیکھے اس نے اپنے رب کے بڑے نمونے، بھلا تم دیکھو تو لات اور عزیٰ کو اور منات تیسرے پچھلے کو۔

پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَ الْعُزّٰى ﴿۱۹﴾ وَ مَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ﴿۲۰﴾ کی تلاوت فرمائی تو شیطان نے آپ کی زبان پر یہ تصرف کیا کہ آپ نے اس کے آگے بجائے اس آیت کے جو اس آیت کے بعد تھی تلاوت کرتے یہ کہا **تلک الغرانیق العلی وان شفاعتھن لترتجی**، تو ایک طرف **افرءیتم اللت والعزی ومنوۃ الثالثۃ الاخریٰ** پڑھتے اور دوسری طرف **تلک الغرانیق العلی وان شفاعتھن لترتجی** پڑھتے کفار اور مشرکین نے جب یہ کلمات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنے تو بہت خوش ہوئے پھر اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورۂ نجم کی باقی آیات تلاوت فرمائیں اور سورت کے آخر میں سجدہ فرمایا یعنی سجدۂ تلاوت کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تمام مسلمانوں نے اور وہ تمام کفار جو بیت اللہ شریف میں موجود تھے سبھی سجدہ ریز ہوئے مگر ولید بن مغیرہ اور ابواحیحہ سعید بن العاص یہ کچھ معذوری کی بنا پر نہ کر سکے کیوں کہ یہ دونوں بہت زیادہ بوڑھے تھے اور سجدہ کرنے پر قدرت بھی نہ رکھتے تھے لیکن ان دونوں نے یہ کیا ایک بڑا پتھر جو کافی بلند تھا اس پر پیشانی رکھ کر گویا یہ ثابت کر دیا کہ وہ بھی سجدہ میں شریک ہیں۔ اس کے بعد مجلس برخاست ہوگئی، مسلمان اور کافر سب اپنے اپنے گھر آ گئے آج کا دن کفاروں کے لئے بڑا فرحت و مسرت کا دن تھا اور آج یہ بہت مسرور نظر آ رہے تھے کیوں کہ شیطانی تصرف کی بنیاد پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس نے اپنے معبود کے سلسلے میں اچھے کلمات سنے جو ان کی دیرینہ خواہش اور دلی آرزو تھی، اور انہوں نے اپنی خوشی کو اس طرح ظاہر کیا کہ آج وہ اس لئے خوش ہیں کہ

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے معبودوں کا ذکر بہت اچھے پیرائے اور بہت انوکھے انداز میں کیا ہے اور مزید یہ کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آج کے بیان سے ہم نے یہ جان لیا کہ اللہ تعالیٰ زندہ کرتا ہے اور موت بھی دیتا ہے اور خالق و رازق بھی ہے لیکن ہمارے یہ معبود اس اعتراف کے ساتھ کہ وہ ان اوصاف کے ساتھ متصف نہیں یہ بات ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہمارے سفارشی ہوں گے، لہٰذا آج کے بعد سے اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے معبودوں کو اللہ کے ساتھ شریک جانا تو پھر ہم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ نبھائیں گے، اور ہر ممکن حد تک محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حمایتی بنے رہیں گے لیکن اگر ہمارے معبودوں کی شرکت سے اللہ کو الگ رکھا تو ہمارا ان سے کسی بھی درجے میں نبھانہ ہو سکے گا۔

دن گزر گیا شام ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حضرت جبرئیلؑ آئے اور فرمایا آج آپ نے لوگوں کے سامنے وہ چیز پیش کی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل نہیں ہوئی تھی اور آپ نے وہ چیز کہہ دی ہے جو میں نے آپ سے نہیں کہی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات سے غمزدہ ہوئے اور حزن و ملال کی وجہ سے اس قدر خوفزدہ ہوئے جس کو تحریر میں نہیں لایا جاسکتا اس وقت اللہ تعالیٰ نے سورۂ حج کی مذکورہ آیت نمبر ۵۲ زیر بحث نازل فرمائی۔ اس پر قریش نے کہا کہ محمد اس بات سے بڑے شرمندہ ہوئے جو بات انہوں نے ہمارے معبودوں کے سلسلے میں کہی تھی اس کے بعد مشرکین کی طرف سے طغیانی اور سرکشی اور نامناسب حرکات میں اضافے ہوتے رہے۔ [1]

تنبیہ: مذکورہ آیت میں جو غرانیق کا قصہ ذکر کیا گیا ہے جمہور محدثین کے اصول پر درجہ صحت کو نہیں پہنچتا جیسا کہ علامہ جوزی نے اس واقعہ کو موضوع قرار دیا ہے اور صاحب روح المعانی نے اس واقعہ میں ضعف کا ہونا بتلایا ہے اسی طرح حافظ ابن کثیر نے اور دوسرے بہت سارے مفسرین نے اس واقعہ کی صحت پر بالکلیہ نکیر کی ہے اور یہ بیان کیا

[1] اسباب النزول ص:۱۷۷/۱۷۸/روح المعانی مختصراً ص:۱۷۲ ج:۱۷ پارہ نمبر ۱۷/زاد المسیر ص:۱۴۴۱ ج:۵/ابن کثیر ص:۲۱۷/۲۱۸ ج:۳ معالم التنزیل ص:۱۲۵/۱۲۶ ج:۳ المقتطف ص:۴۴۲/۴۴۳ ج:۳ متن مع تعلیقاته و حواشه.

ہے کہ انبیاء علیہ الصلاۃ والسلام کی شخصیت گناہوں سے معصوم ہوتی ہے اور امت اسلامیہ کا اس پر اجماع ہے اور اس واقعہ میں غرانیق کا لفظ اجماع کی مخالفت کر رہا ہے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث اس کے خلاف ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا کہ جس طرح انسانی نفوس میں خون دوڑتا ہے اسی طرح شیطان کا وسوسہ انسانی نفوس میں سرایت کرتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے ساتھ بھی ایسا ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں! مگر **انہ اسلم** اس لفظ کو دو طریقے سے پڑھا گیا ہے ایک **أَسْلَمَ** ماضی واحد غائب ایک **أَسْلَمُ** متکلم اور اول صورت میں معنی یہ ہوگا کہ وہ شیطان مسلمان ہوگیا ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تابعداری میں ہے اور دوسرے لفظ کا مطلب ہوا کہ میں محفوظ رہتا ہوں، جیسا کہ مشکوٰۃ شریف جلد ۲ روغیرہ میں یہ حدیث موجود ہے اس روایت سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ غرانیق کا یہ قصہ جو مذکورہ زیر بحث آیت کا سبب نزول بتلایا گیا ہے صحیح نہیں ہے حوالہ کے لئے مذکورہ بالا کتابیں دیکھی جاسکتی ہیں۔

اور اگر فی الواقع اس کی کوئی اصل ہے تو شاید یہی ہوگی کہ آپ نے مسلمانوں اور کافروں کے مخلوط مجمع میں یہ سورت پڑھی ہو کفار کی عادت تھی کہ لوگوں کو قرآن سننے نہ دیں اور بیچ میں گڑبڑ مچادیں **کما قال اللہ**: **وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَ الْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ** ﴿۲۶﴾ (حم سجدہ: رکوع ۲۶) جب آپ نے یہ آیت پڑھی تو کسی کافر شیطان نے آپ کی آواز میں آواز ملا کر آپ ہی کے لب ولہجہ سے وہ الفاظ کہہ دیئے ہوں گے جو ان کی زبانوں پر چڑھے ہوئے تھے "**تلک الغرانیق العلی الخ**" آگے تعبیر وادا میں تصرف ہوتے ہوتے کچھ کا کچھ بن گیا ورنہ ظاہر ہے کہ نبی کی زبان پر شیطان کو ایسا تسلط کب حاصل ہوسکتا ہے اور جس چیز کا ابطال آگے کیا جارہا ہے اس کی مدح سرائی کے کیا معنی (تفسیر عثمانی: ۶۹۹ سورۃ النجم) مفتی شفیع دیوبندی نے بھی اور حضرت تھانویؒ نے بھی اس واقعہ کے غیر معتبر اور عدم الصحیح ہونے کی وجہ سے اپنی تفسیر میں ذکر کرنے سے گریز کیا ہے۔ (معارف القرآن ص: ۲۷۷ ج: ۶)

**فائدہ: تفسیر آیت مذکورہ زیر بحث------**

آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے مترجم محقق قدس اللہ روحہ نے اپنے پیش رو حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کی روش اختیار فرمائی ہے جس کی طرف حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے بھی ''حجۃ اللہ البالغہ'' کے آخر میں اشارہ کیا ہے حضرت شاہ صاحب ''موضح القرآن'' میں لکھتے ہیں ''نبی کو ایک حکم (یا ایک خبر) اللہ کی طرف سے آتی ہے اس میں ہرگز ذرہ برابر بھی تفاوت نہیں ہوسکتا۔ اور ایک اپنے دل کا خیال (اور رائے کا اجتہاد) ہے وہ کبھی ٹھیک پڑتا ہے کبھی نہیں جیسے حضرت نبی کریم ﷺ نے خواب میں دیکھا (اور نبی کا خواب وحی ہوتا ہے) کہ آپ مدینہ سے مکہ تشریف لے گئے اور عمرہ کیا خیال میں آیا کہ شاید امسال ایسا ہوگا (چنانچہ عمرہ کی نیت سے سفر شروع کیا لیکن درمیان میں احرام کھولنا پڑا) اور اگلے سال خواب کی تعبیر پوری ہوئی یا وعدہ ہوا کہ کافروں پر غلبہ ہوگا۔ خیال آیا کہ اب کی لڑائی میں، اس میں نہ ہوا، بعد کو ہوا۔ پھر اللہ جتلا دیتا ہے کہ جتنا حکم یا وعدہ تھا اس میں سرمو تفاوت نہیں ہاں نبی کے ذاتی خیال واجتہاد میں تفاوت ہوسکتا ہے گو نبی اصل پیشین گوئی کے ساتھ ملا کر اپنے ذاتی خیال کی اشاعت نہیں کرتا بلکہ دونوں کو الگ رکھتا ہے باقی اس صورت میں ''القاء'' کی نسبت شیطان کی طرف ویسی ہوگی جیسے ''**وما انسانیه إلا الشیطان أن اذکره**'' میں ''انساء'' کی نسبت اس کی طرف کی گئی ہے واللہ اعلم! احقر کے نزدیک بہترین اور سہل ترین تفسیر وہ ہے جس کی مختصر اصل سلف سے منقول ہے یعنی ''تمنیٰ'' کو بمعنی قراءت تلاوت یا تحدیث کے اور ''امنیت'' کو بمعنی متلو یا حدیث کے لیا جائے مطلب یہ ہے کہ قدیم سے یہ عادت رہی ہے کہ جب کوئی نبی یا رسول کوئی بات بیان کرتا ہے یا اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے شیطان اس بیان کی ہوئی بات میں طرح طرح کے شبہات ڈال دیتا ہے۔ ٭ یعنی بعض باتوں کے متعلق بہت سے لوگوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی کر کے شکوک وشبہات پیدا کر دیتا ہے۔ مثلاً نبی نے آیت **حرم علیکم المیتة** پڑھ کر سنائی، شیطان نے شبہ ڈالا کہ دیکھو اپنا مارا ہوا تو حلال اور اللہ تعالیٰ کا مارا ہوا حرام کہتے ہیں یا آپ نے ''**اِنَّکُمۡ وَ مَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ حَصَبُ جَہَنَّمَ**'' پڑھا اس نے شبہ ڈالا کہ **مَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ** میں حضرت مسیح وغیرہ اور ملائکۃ اللہ بھی شامل ہیں یا آپ نے حضرت مسیح کے

متعلق پڑھا وَ کَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۖ شیطان نے سمجھایا کہ اس سے حضرت مسیح کی ابنیت والوہیت ثابت ہوتی ہے۔ اس سے القاء شیطانی کے ابطال ورد میں پیغمبر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی وہ آیات سناتے ہیں جو بالکل صاف اور محکم ہیں اور ایسی پکی باتیں بتلاتے ہیں جن کو سن کر شک وشبہ کی قطعاً گنجائش نہ رہے گویا ''متشابہات'' کی ظاہری سطح کو لے کر شیطان جو اغوا کرتا ہے ''آیات محکمات'' اس کی جڑ کاٹ دیتی ہیں جنہیں سن کر تمام شکوک وشبہات ایک دم کافور ہو جاتے ہیں یہ دو قسم کی آیتیں کیوں اتاری جاتی ہیں؟ شیاطین کو اتنی وسوسہ اندازی اور تصرف کا موقع کیوں دیا جاتا ہے؟ اور آیات کے جو احکام بعد میں بیان کئے جاتے ہیں ابتداء ہی سے کیوں نہیں بیان کر دئے جاتے؟ یہ سب امور حق تعالیٰ کے غیر محدود علم وحکمت سے ناشی ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو علماً وعملاً امتحان گاہ بنایا ہے چنانچہ اس قسم کی کارروائی میں بندوں کی جانچ ہے کہ کون شخص اپنے دل کی بیماری یا سختی کی وجہ سے شکوک وشبہات کی دلدل میں پھنس کر رہ جاتا ہے اور کون سمجھدار آدمی اپنے علم وتحقیق کی قوت سے ایمان ویقین کے مقام بلند پر پہنچ کر دم لیتا ہے، سچ تو یہ ہے کہ اگر آدمی نیک نیتی اور ایمان داری سے سمجھنا چاہے تو اللہ تعالیٰ دستگیری فرما کر اس کو سیدھی راہ پر قائم فرما دیتے ہیں رہے منکرین ومشککین تو ان کو قیامت تک اطمینان حاصل نہیں ہو سکتا ہے ہر چہ گری وعلتی علت شود ہماری اس تقریر میں دور تک کئی آیتوں کا مطلب بیان ہو گیا سمجھدار آدمی اس کے اجزاء کو آیات کے اجزاء پر بے تکلف منطبق کر سکتا ہے یہ آیات جیسا کہ ہم نے سورۂ ''آل عمران'' کے شروع میں بیان کیا تھا ''هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ الخ'' سے بہت مشابہ ہیں چنانچہ **إلا إذا تمنى ألقى الشيطان في أمنيته** میں متشابہات کا اور ''**ثم يحكم الله آيته** میں ''محکمات'' کا ذکر ہوا اور **يجعل ما يلقي الشيطان فتنة الخ** میں زائغین کی دو قسمیں مذکور ہوئیں جن میں **الذين في قلوبهم مرض** کا کام ابتغاء تاویل اور **القاسية قلوبهم** کی غرض ابتغاء فتنہ ہے آگے **وليعلم الذين اوتوا العلم الخ** کو یہ آیت **والراسخون في العلم يقولون الخ** کی جگہ سمجھو اور وہاں جو دعا رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ سے کی تھی یہاں اس

کی اجازت کا ذکر وإن الله لهادالذين آمنوا إلى صراط مستقيم میں کیا گیا اور ربنا إنک جامع الناس ليوم لا ريب فيه کے مناسب ولايزال الذين كفروا فی مرية منه حتی تاتیهم الساعة إلى قوله يحكم بينهم ہوئی۔

(تفسیر عثمانی ص: ۴۵۰ سورۂ حج)

۞۞۞

# سورۃ المومنون

مسند احمد میں حضرت فاروق اعظم عمر بن خطاب کی روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تھی تو پاس والوں کے کان میں ایسی آواز سنائی دیتی تھی جیسے شہد کی مکھیوں کی آواز ہوتی ہے ایک روز آپ کے قریب ایسی ہی آواز سنی گئی تو ہم ٹھہر گئے کہ تا کہ وحی الٰہی سن لیں جب وحی کی اس خاص کیفیت سے فراغت ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبلہ رخ ہو کر بیٹھ گئے اور دعا کرنے لگے :**اَللّٰھُمَّ زِدْنَا وَلَا تَنقُصْنَا وَأَکْرِمْنَا وَلَا تُھِنَّا وَأَعْطِنَا وَلَا تَحْرِمْنَا وَآثِرْنَا وَلَا تُؤْثِرْ عَلَیْنَا وَأَرْضِ عَنَا وَأَرْضِنَا** (یعنی اے اللہ ہمیں زیادہ دے کم نہ کرے اور ہماری عزت بڑھا ذلیل نہ کر اور ہم پر بخشش فرما محروم نہ کر اور ہمیں دوسروں پر ترجیح دے ہم پر دوسروں کو ترجیح نہ دے اور ہم سے راضی ہو اور یہاں بھی اپنی رضا سے راضی کر دے اس کے بعد فرمایا کہ مجھ پر اس وقت دس آیتیں نازل ہوئیں ہیں کہ جو شخص ان پر پورا عمل کرے گا سیدھا جنت میں جائے گا پھر دس آیتیں تلاوت فرمائی۔ جو ذیل میں مع ترجمہ کے ذکر کی جارہی ہیں۔ [1]

۳۵۵- قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ﴿۲﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ﴿۳﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ﴿۴﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ﴿۵﴾ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿۶﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ

[1] معارف القرآن اسباب النزول ص:۱۷۸/زاد المسیر ص:۴۵۹/۴۵۸ج:۵/ابن کثیر ص:۲۲۵ ج:۳/معالم التنزیل ص:۱۳۶ ج:۴/روح المعانی ص:۲ ج:۱۸ پارہ نمبر ۱۷

الْعٰدُوْنَ ۝ وَ الَّذِیْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَ عَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝۸ وَ الَّذِیْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ۝۹ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝۱۰ الَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۱۱

**ترجمہ:** بالتحقیق ان مسلمانوں نے فلاح پائی جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں اور جو لغو باتوں سے برکنار رہنے والے ہیں اور جو اپنا تزکیہ کرنے والے ہیں اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں لیکن اپنی بیبیوں سے یا لونڈیوں سے کیوں کہ ان پر کوئی الزام نہیں ہاں جو اس کے علاوہ طلبہ گار ہوا ایسے لوگ حد سے نکلنے والے ہیں اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا خیال رکھنے والے ہیں اور جو اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں ایسے ہی لوگ وارث ہونے والے ہیں جو فردوس کے وارث ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

**شانِ نزول:** سبب نزول مذکورہ آیتوں سے متعلق تمہیدی مضمون سے معلوم ہو چکا یہاں پر یہ عرض ہے کہ سورۂ مومنوں کی تمام آیات مکی ہیں یا مدنی اس سلسلہ میں تفصیلی کلام شروع کتاب میں اتقان کے حوالہ سے آچکا ہے یہاں پر مختصراً یہ ہے کہ بلا اختلاف یہ سورت مکی ہے۔ اور بعض لوگوں نے اس سورت کی بعض آیتوں کو مدنی قرار دیا ہے جیسے وہ آیات جن میں زکوۃ وغیرہ کا ذکر ہے۔ کیوں کہ زکوۃ کی فرضیت مدینہ میں ہوئی لیکن قائل کے اس قول کو تسلیم کرتے ہوئے جواب دیا گیا ہے کہ زکوۃ مکہ کے اندر واجب تھی لیکن وجوب ادا کا حکم مدینہ کے اندر ہوا۔ لہٰذا یہ کہنا کہ آیت مدنی ہے درست معلوم نہیں ہوتا۔ (روح المعانی ص:۲/ج ۱۸ پارہ نمبر ۱۸)

۳۵۶- الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝۲

**ترجمہ:** جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں۔

**شانِ نزول:** حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں اپنی نگاہ اوپر آسمان کی طرف اٹھاتے تھے اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی یہاں پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ یہ آیت پہلے بھی نازل ہوئی ہے اور بعد میں بھی، تو اس کا جواب یہ ہے

کہ ایک آیت چند آیتیں جو پہلے کبھی نازل ہو چکیں ہوں بعد میں کسی مسلہ کے پیش نظر نازل ہوئی ہیں جیسا کہ مفسرین کا اس پر اتفاق ہے اور سابق میں بھی اس سلسلہ میں متعدد دفعہ گفتگو ہو چکی ہے۔ [۱]

معالم التنزیل میں ہے کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کی حالت میں اپنی نگاہوں کو آسمان کی جانب کرتے رہتے تھے اور بارہا آسمان کی جانب دیکھتے رہتے تھے اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی تو اس حرکت سے رک گئے پھر جب حالت سجدہ میں جاتے تو جو کنکری وغیرہ سجدہ کی جگہ پر ہوتی اسے حالت نماز میں ہی ہٹادیتے اس سلسلے میں **وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ** ۝ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں کنکری وغیرہ کے ہٹانے سے اور لغو عمل میں مشغول ہونے سے منع کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ نماز کی حالت میں خالص توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہونی چاہئے۔ (معالم التنزیل ص:۱۳۸/۱۳۷ ج:۴)

۳۵۷- **فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ** ۝

**ترجمہ:** سو کیسی شان ہے اللہ کی جو تمام صناعوں سے بڑھ کر ہے۔

**شانِ نزول:** حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری چار مقامات پر موافقت فرمائی۔

۱- میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر ہم مقام ابراہیمؑ پر نماز پڑھیں تو کیا ہی اچھا ہو اس وقت **واتخذوا من مقام ابراهيم مصلی** نازل ہوئی۔

۲- اور میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ اپنی عورتوں کو یہ حکم دیں کہ وہ پردہ کیا کریں کیوں کہ آپ کے پاس ہر طرح کے لوگ آتے جاتے ہیں اس وقت اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ **وإذا سألتموهن متاعاً فاسألوهن من وراء حجاب** نازل فرمائی۔

۳- میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں سے کہا جس وقت کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مطالبات کئے تھے کہ تم لوگ بالکلیہ اپنے مطالبات سے رک جاؤ ورنہ تو اللہ تعالیٰ کے یہاں یہ کوئی بعید نہیں کہ تم سے بہتر بیویاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا کریں اس

[۱] **اسباب النزول ص:۱۷۸/زاد المسیر ص:۴۶۰/۴۵۹ ج:۵/المقتطف ص:۴۵۵ ج:۳**

وقت آیت کریمہ لتنتھن او لیبدلنہ اللہ سبحانہ ازواجا خیرا منکن نازل ہوئی۔

۴- جب اللہ تعالیٰ نے وَ لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ سُلٰلَةٍ مِّنۡ طِیۡنٍ ۝۱۲ سے ثُمَّ اَنۡشَاۡنٰهُ خَلۡقًا اٰخَرَ الخ تک نازل فرمائی تو میں نے کہا فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحۡسَنُ الۡخٰلِقِیۡنَ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اور یہ ٹکڑا نازل فرمایا: فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحۡسَنُ الۡخٰلِقِیۡنَ ۝۱۴

اسباب النزول ص:۱۷۹/ ۸/ ۱۷ از زاد المسیر میں ہے کہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آیت وَ لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ سُلٰلَةٍ مِّنۡ طِیۡنٍ ۝۱۲ سے ثُمَّ اَنۡشَاۡنٰهُ خَلۡقًا اٰخَرَ الخ تک نازل ہوئی تو حضرت عمر وہیں پر حاضر تھے فرمایا: فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحۡسَنُ الۡخٰلِقِیۡنَ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس ذات کی قسم جس لفظ کا تم نے تکلم کیا ہے اللہ نے اس آیت کو اسی لفظ پر ختم کر دیا ہے۔ [۱]

ابن کثیر ص:۲۲۸ ج:۳/ میں وہی تفصیل ہے جو اوپر مذکور ہوئی لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک دوسری روایت یہ ہے کہ زید ابن ثابت سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آیت کریمہ وَ لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ الخ کا املا کروایا۔ جب خلقا الخ پر پہنچے تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے جو اس آیت کو لکھ رہے تھے اور کاتبین وحی میں ان کا شمار ہوتا ہے فرمایا: فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحۡسَنُ الۡخٰلِقِیۡنَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی اس بات پر ہنس پڑے حضرت معاذؓ نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کیوں ہنس رہے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا کہ اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ کو یعنی وَ لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ کو فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحۡسَنُ الۡخٰلِقِیۡنَ پر ہی ختم فرمایا ہے۔ لیکن اس روایت کو اس لئے ضعیف قرار دیا گیا ہے کہ حضرت معاذؓ مدینہ میں کاتب بنائے گئے تھے اسی طرح زید بن ثابت کا کاتب وحی ہونا مدینہ میں ثابت ہے اس لئے حضرت زید بن ثابت کی روایت مذکورہ ضعف سے خالی نہیں اور پھر یہ کہ یہ آیت مکی ہے مدنی نہیں۔ اور اس روایت میں ایک

---

[۱] زاد المسیر ص:۴۶۳ ج:۵/ وقد ذکرہ السیوطی فی در منثور وقد نقلہ المحشی لزاد المسیر ص:۶ ج:۵/ در منثور حاشیہ زاد المسیر وایضًا فی المتن وقد بینت رقم الصفحۃ والمجلد الان فلیطالع ثمہ

راوی جابر جعفی ہیں جو محدثین کے نزدیک متکلم فیہ ہیں جیسا کہ مقدمہ مسلم میں امام مسلم نے اس پر بڑی واضح روشنی ڈالی ہے۔ ابن کثیر کے الفاظ یہ ہیں:

**وفی خبره هذا انكارة شديدة، وذالك ان هذه السورة مكية وزيد بن ثابت إنما كتب الوحي بالمدينه وكذالك اسلام معاذ بن جبل إنما كان بالمدينة ايضًا والله اعلم. (ابن كثير ص: ۲۲۸ ج: ۳)**

اور ابن کثیر کی طرح علامہ ابوالفضل شہاب الدین السید محمود الآلوسی البغدادی مصنف روح المعانی نے بھی وضاحت سے زید بن ثابت کی روایت پر گفتگو کی ہے۔ (روح المعانی ص: ۱۶ ج: ۱۸ پارہ نمبر ۱۸)

**۳۵۸- وَ لَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَ مَا يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۷۶﴾**

**ترجمہ:** اور ہم نے ان کو گرفتار عذاب بھی کیا ہے سو ان لوگوں نے نہ اپنے رب کے سامنے فروتنی کی اور نہ عاجزی اختیار کی۔

**شانِ نزول:** ایک مرتبہ ابو سفیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ اے محمد اس وقت ہم سخت پریشانی میں مبتلا ہیں بھوک و پیاس سے نڈھال ہیں اور آپ اپنے تئیں یہ سمجھتے ہیں کہ آپ رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجے گئے ہیں تو آپ نے فرمایا ہاں کیوں نہیں۔ اس پر ابوسفیان نے کہا اس کے باوجود ہمارے آباءواجداد تلواروں سے قتل کئے جارہے ہیں اور ہمارے بچے بھوک سے مرے جارہے ہیں اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشرکین کے لئے بددعاء فرمائی تھی کہ اے اللہ قریش پر اسی طرح سے قحط نازل فرما جس طرح سے یوسف علیہ السلام کے زمانے میں اہل مصر پر سات سال تک کے لئے قحط سالی کا عذاب مسلط کردیا تھا چنانچہ اہل مکہ کو بھی یہ دن دیکھنے پڑے جس کے نتیجہ میں انہیں علھز تک کھانے کی نوبت آئی یعنی وبر اور خون اور وبر اس جانور کو کہتے ہیں جو بلی سے چھوٹا ہوتا ہے اس کے کان چھوٹے چھوٹے اور دم بڑی ہوتی ہے۔

اسی طرح قِدْ یعنی کھال وغیرہ کے کھانے پر مجبور ہو گئے جس کی شکایت ابوسفیان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کی اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباس سے یہ بھی روایت ہے کہ جب ثمامہ بن اثال حنفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے قیدی بنا کر لائے گئے پھر وہ اسلام لے آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو قید سے نجات دے دی تو وہ ثمامہ آگئے ان دنوں مکہ والے پریشانیوں میں مبتلا تھے یہاں تک کہ علہز کھانے پر مجبور ہو گئے ثمامہ بن اثال کا تفصیلی قصہ مشکوٰۃ شریف میں اس طرح ہے۔

**وعن ابی هريرة قال بعث رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم خيلاً قبل نجد فجاءت برجل من بنى حنيفة يقال له ثمامة ابن اثال سيد اهل اليمامة فربطوه لسارية من سوارى المسجد فخرج إليه رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فقال ماذا عندک يا ثمامة فقال عندى يا محمد خير ان تقتل تقتل ذادم وان تنعم تنعم على شاكر وان كنت تريد المال فسل تعط منه ما شئت فتركه رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم حتى كان الغد فقال له ما عندک يا ثمامة فقال عندى ما قلت لک ان تنعم تنعم على شاكر وإن تقتل تقتل ذادم وإن كنت تريد المال فسل تعط منه ما شئت فتركه رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم حتى كان بعد الغد فقال له ما عندک يا ثمامة فقال عندى ما قلت لک ان تنعم تنعم على شاكر وان تقتل تقتل ذادم وإن كنت تريد المال فسل تعط منه ما شئت فقال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم اطلقوا ثمامة فانطق إلى نخل قريب من المسجد فاغتسل ثم دخل المسجد فقال اشهد أن لا إله إلا الله واشهد أنّ محمدًا عبده ورسوله يا محمد والله ما كان على وجه الارض وجه ابغض إلى من وجهک فقد اصبح وجهک احب الوجوه كلها إلى والله ما كان من دين ابغض إلى من دينک فاصبح دينک احب الدين كله إلى ووالله ما كان من بلد ابغض إلى من بلدک فاصبح بلدک احب البلاد كلها إلى وان خيلک اخذتنى وانا اريد العمرة فماذا ترى فبشره رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم وامره ان يعتمر فلما قدم مكة قال قائل اصوت فقال لا ولكنى اسلمت مع رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ولا والله لا ياتيكم من اليمامة**

**حبة حنطة حتى يأذن فيها رسول اللهﷺ رواه مسلم واختصرها البخاري.**

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے ایک لشکر کو نجد کی طرف روانہ کیا لشکر کے لوگ بنو حنیفہ کے ایک شخص کو پکڑ کر لائے جس کا نام ثمامہ بن اثال تھا اور جو شہر یمامہ کے لوگوں کا سردار تھا اس شخص کو مسجد نبوی کے ایک ستون سے باندھ دیا گیا (تا کہ وہ بھاگ نہ سکے) رسول کریمﷺ اس کے پاس تشریف لائے اور اس سے پوچھا کہ ''کہو ثمامہ'' تمہارے پاس کہنے سننے کو کیا ہے یعنی بتاؤ تمہارا کیا حال ہے۔ یا میرے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تمہارے ساتھ کس طرح کا سلوک کروں۔ ثمامہ نے کہا میرے پاس بھلائی ہی بھلائی ہے یا میرے پاس بہت مال ہے اگر آپ مجھ کو قتل کریں گے تو ایک خون والے شخص کو قتل کریں گے (جو قتل ہی کئے جانے کا مستحق ہے ان الفاظ کے ذریعہ گویا ثمامہ نے اپنی تقصیر کا اعتراف واقرار کیا یا اس کے ان الفاظ کا یہ مطلب تھا کہ اگر آپﷺ مجھے قتل کردیں گے تو ایک ایسے شخص کو قتل کردیں گے جس کا خون رائیگاں نہیں جائے گا کیوں کہ میری قوم میرا خون معاف نہیں کرے گی بلکہ آپ سے بدلہ لے گی اس صورت میں اس نے اپنی گویا امارت اور اپنی ریاست ووجاہت کا دعویٰ کیا اور اگر آپ (مجھے باعزت رہائی دے کر میرے ساتھ) اچھا سلوک کریں گے تو ایک شخص کے ساتھ اچھا سلوک کریں گے جو شکر گزار وقدرداں ہے (یعنی میں بھی اس اچھے سلوک کا بدلہ دوں گا) اور اگر آپ مال چاہتے ہیں تو مانگئے جتنا مال چاہیں گے دیا جائے گا، یہ باتیں سن کر آنحضرتﷺ نے اس کو اپنے حال پر چھوڑ دیا پھر جب دوسرا دن ہوا تو آپﷺ نے اس سے پوچھا کہ کہو ثمامہ تمہارے پاس کہنے سننے کو کیا ہے۔ اس نے کہا میرے پاس وہی چیز ہے جو میں کہہ چکا ہوں کہ اگر آپ اچھا سلوک کریں گے تو ایک ایسے شخص کے ساتھ اچھا سلوک کریں گے جو شکر گزار قدرداں ہے۔ اگر قتل کریں گے تو ایک خون والے شخص کو قتل کریں گے اور اگر آپ مال چاہتے ہیں تو مانگئے جتنا چاہیں گے دیا جائے گا۔ آنحضرتﷺ نے اس دن بھی یہ سن کر اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا اور جب تیسرا دن آیا تو آپ نے پھر اس سے پوچھا کہ ''کہو ثمامہ تمہارے پاس کیا ہے؟ اس نے کہا کہ

میرے پاس وہی چیز ہے جو میں کہہ چکا ہوں اگر آپ اچھا سلوک کریں گے تو ایک ایسے شخص کے ساتھ اچھا سلوک کریں گے جو شکر گزار و قدر داں ہے اگر قتل کریں گے تو ایک خون والے شخص کو قتل کریں گے۔ اور اگر آپ مال چاہتے ہیں تو مانگئے جتنا چاہیں گے دیا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سن کر حکم دیا کہ ثمامہ کو رہا کر دیا جائے چنانچہ (رہائی پانے کے بعد کچھ کہے سنے بغیر) کھجوروں کے ان درختوں (کے جھنڈ) میں چلا گیا جو مسجد نبوی کے قریب تھا اور وہاں سے نہا دھو کر پھر مسجد نبوی میں آیا اور (آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے) کہا **اشھد أن لا إلٰه إلّا الله و اشھد أن محمدًا عبدہٗ و رسولہ** یعنی میں (سچے دل سے اعتراف و اقرار کے ساتھ) گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور پھر کہنے لگا کہ اے محمد خدا کی قسم میرے نزدیک روئے زمین پر آپ کے چہرے سے زیادہ نفرت انگیز کوئی چہرہ نہیں تھا (یعنی مجھ کو آپ کی ذات سے جتنی زیادہ نفرت تھی اتنی نفرت اور کسی ذات سے نہیں تھی) لیکن اب آپ کا چہرہ مبارک میرے نزدیک دنیا کے سارے چہروں سے زیادہ پیارا ہے۔ خدا کی قسم! میرے نزدیک آپ کے دین سے زیادہ نفرت انگیزی کوئی دین نہیں تھا لیکن اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین میرے نزدیک سارے دینوں سے زیادہ پیارا ہے اور خدا کی قسم! میرے نزدیک آپ کے شہر سے زیادہ نفرت انگیز کوئی شہر نہ تھا لیکن اب میرے نزدیک آپ کا شہر (دنیا کے) سارے شہروں سے زیادہ پیارا ہے۔ پھر اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے لشکر نے مجھے اس وقت گرفتار کیا تھا جب کہ میں عمرہ (کرنے کے لئے مکہ جانے) کا ارادہ کر رہا تھا تو اب آپ مجھ کو کیا حکم دیتے ہیں (آیا میں عمرہ کے لئے مکہ جاؤں یا نہیں؟) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے تو اس کو بشارت دی (کہ اسلام قبول کر لینے کی وجہ سے تمہیں شرف و عظمت انسانیت حاصل ہو گئی ہے اور تمہارے پہلے سارے گناہ بخش دیئے گئے ہیں) اور پھر ان کو عمرہ کرنے کا حکم دیا۔

اس کے بعد ثمامہ (عمرہ کے لئے) مکہ پہنچے تو کسی کہنے والے نے ان سے کہا کہ ''تم تو بے دین ہو گئے ہو'' ثمامہ نے جواب دیا کہ نہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر

اسلام قبول کیا ہے میں بے دین نہیں ہوا ہوں اور (یاد رکھو) خدا کی قسم! اب یمامہ سے تم کو گیہوں کا ایک دانہ بھی نہیں بھیجا جائے گا جب تک کہ رسول اللہ ﷺ اس کی اجازت نہ دیں (مسلم) اس روایت کو بخاری نے بھی اختصار کے ساتھ نقل کیا ہے۔ یہ شخص یمامہ کا سردار تھا۔ [1]

علامہ ابوالفضل شہاب الدین محمود آلوسی بغدادی اپنی مایہ ناز تصنیف روح المعانی میں مذکورہ زیر بحث آیت کے شانِ نزول کے بارے میں رقم طراز ہیں کہ:

حضرت ثمامہ جب مسلمان ہو کر کعبہ کا طواف کرنے کے لئے روانہ ہوئے تو قریش اور مشرکین نے ان کو اپنی گرفت میں لے لیا اور خوب زدوکوب کیا اس نے یہ کہتے ہوئے کہ میں نے جس دین کو اختیار کیا ہے یقیناً تمام ادیان و مذاہب میں سب سے بہتر ہے اور سنو! تمہاری یہ زیادتی جو میرے ساتھ ہو رہی ہے اس کا بدلہ عنقریب ہی چکھ لو گے کہ یمامہ سے تمہارے لئے سامان خوردنی وغیرہ جو آیا کرتا ہے اس سے یکسر محروم کر دیئے جاؤ گے اور ایک ایک دانہ کے لئے ترسو گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب ثمامہ یمامہ پہنچا تو یمامہ سے وہ تمام سہولیات جو قریش کو میسر تھیں پابندی لگا دی جس کے نتیجہ میں قریش بھوک میں مرتے نہ تو کیا کرتے عِلْھِز وغیرہ سے اپنی زندگی کو باقی رکھا مجبوراً انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں خط لکھا کہ ثمامہ سے یہ سفارش کر دیں کہ یمامہ سے ہمارے لئے جو ضرورت وابستہ تھی اس میں رکاوٹ پیدا نہ کریں کیوں کہ آپ تو ویسے بھی آپ ہی کے کہنے کے مطابق عالمین کے لئے رحمت ہیں چنانچہ آنحضرت ﷺ نے یمامہ ثمامہ کی خدمت میں خط روانہ کیا کہ ان کے ساتھ ترحم کا معاملہ کیا جائے چنانچہ ثمامہ نے آنحضرت ﷺ کی ہدایت پر عمل کیا۔

ابن جریر اور اکثر جماعت نے حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت کیا ہے کہ ثمامہ کا قصہ ہی مذکورہ آیت کے نزول کا سبب ہے لیکن اگر مذکورہ آیت کا سبب نزول کا قصہ جو اوپر ''ابوسفیان'' سے متعلق آیا ہے اسے بھی مان لیا جائے تو کوئی تعارض نہیں ہے، ممکن ہے دونوں ہی ہوں اور دونوں واقعے قریب قریب واقع ہوئے ہوں جس کی وجہ سے ہر ایک کی

[1] مشکوٰۃ شریف ص:۳۴۵/۳۴۴ج:۲/باب حکم الاسراء مظاہر حق جدید ص:۵۷۷/۵۷۶ج:۴

طرف منسوب کردیا گیا ہو اور پھر یہ مضمون آیت گرچہ ثمامہ کے موافق ہے لیکن ابوسفیان کا قصہ ثمامہ کے قصہ کا جز ہے کہ ان لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس خط اس غرض سے لکھا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثمامہ سے سفارش کریں راوی نے ہر جز کو علیحدہ علیحدہ کر دیا جس سے بعد کے لوگوں نے یہ سمجھا کہ دونوں الگ الگ قصے ہیں)

**اخرج ابن جریر، وجماعة عن ابن عباس ماهو نص فی أن قصة ثمامة سبب نزول قول له تعالیٰ "ولقد اخذناهم بالغداب" إلى آخره فيكون الجوع مرادا من الغداب المذكور فيه على ذلك (روح المعانی للمحمود الوسی ص:۵۵ ج:۱۸ پاره ۱۸/اسباب النزول ص:۱۷۹/ زاد المسیر ص:۴۷۵ ج:۵/المقتطف مختصرًا مع تعليقه ص: ۷۷۹ ج:۳/معالم التنزيل المعروف بتفسير البغوى ص:۱۵۵/۱۵۶ ج:۴/ابن كثير ص:۲۳۸ ج:۳**

# سورۃ النور

اس سورت میں میں زیادہ تر احکامات عفت کی حفاظت اور ستر وحجاب کے متعلق ہیں اور اس کی تکمیل کے لئے حد زنا کا بیان آیا پچھلی سورت یعنی مومنوں میں مسلمانوں کی فلاح دنیا و آخرت کو جن اوصاف پر موقوف رکھا گیا ہے ان میں ایک اہم وصف شرمگاہوں کی حفاظت تھی جو خلاصہ ہے ابواب عفت کا۔ اس سورت میں عفت کے اہتمام کے لئے متعلقہ احکام ذکر کئے گئے ہیں اسی لئے عورتوں کے لیے اس سورت کی تعلیم کے سلسلے میں خصوصی ہدایات آئی ہیں۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کے نام ایک فرمان میں تحریر فرمایا:
**علموا انساء کم سورۃ النور** یعنی اپنی عورتوں کو سورۂ نور کی تعلیم دو۔

خود اس سورت کی تمہید جن الفاظ سے کی گئی ہے کہ **سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَ فَرَضْنٰهَا** یہ بھی اس سورت کے خاص اہتمام کی طرف اشارہ ہے بہ اتفاق مفسرین یہ مکمل سورت مدنی ہے۔

۳۵۹- اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۫ وَّ الزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَ حُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۞

**ترجمہ:** زانی نکاح بھی کسی کے ساتھ نہیں کرتا بجز زانیہ یا مشرکہ عورت کے اور زانیہ کے ساتھ بھی اور کوئی نکاح نہیں کرتا بجز زانی یا مشرک کے اور یہ مسلمانوں پر حرام کیا گیا ہے۔

**شانِ نزول:** حضرات مفسرین نے کہا ہے کہ جب حضرات مہاجرین ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ آئے تو ان مہاجرین میں بہت سے حضرات ایسے تھے جن کی مالی حالت بہت کمزور تھی اور معاشی بحران کے شکار تھے اور مدینہ میں بہت ساری عورتیں ایسی تھیں جن

کا پیشہ فحش کاری اور زنا کاری کا تھا وہ اپنے کو کرایہ پر لوگوں کے سپرد کرتیں ان دنوں مدینہ میں ان کی حیثیت مالی اعتبار سے بڑی اچھی سمجھی جاتی تھی اور ان کی زندگی میں بڑی شادابی اور بڑی خوشحالی تھی فقراء مہاجرین کا ارادہ ہوا کہ اگر ان سے نکاح کرلیا جائے تو معاشی کشمکش سے نجات مل سکتی ہے۔

ایسے مہاجرین صحابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس سلسلے میں دریافت کرنا چاہا کہ ان سے اگر ہم نکاح کرلیں تو ہمارے لئے ہمارے تئیں اچھا ثابت ہوگا اور ان کے ساتھ رہ کر ہم ایک حد تک سکون و راحت اور عیش و عشرت کی زندگی گزار سکتے ہیں۔ پھر جب اللہ تعالیٰ ہمیں مالی اعتبار سے اچھا بنادے گا تو پھر ان سے نکاح ختم کرلیں گے۔ تو گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فقراء صحابہ نے زانیہ عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت چاہی اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

ان عورتوں کی تعداد نو تھی ان کے گھروں پر خاص نشان لگے ہوئے تھے جو اس بات کی علامت تھی کہ یہاں اس طرح کے امور انجام دیئے جاتے ہیں اور وہ نو عورتیں یہ تھیں (۱) ام مہدون سائب بن ابی سائب المخز ومی کی باندی (۲) ام غلیظ صفوان بن امیہ کی باندی (۳) وحیہ قبطیہ عاص بن وائل کی باندی (۴) مرمیہ ابن مالک بن عمشلہ ابن سباق کی باندی (۵) جلالہ سہیل بن عمرو کی باندی (۶) ام سوید عمرو بن ثمام مخزومی کی باندی (۷) شریفہ زمعہ بن اسود کی باندی (۸) قرینہ ہشام بن ربیعہ کی باندی (۹) فرتنا ہلال بن انس کی باندی۔ اور ان سب کے گھر کا نام مواخیر تھا ان کے پاس صرف زانی لوگ آتے تھے جو اہل قبیلہ میں سے یا مشرک میں سے ہوتے تھے، کچھ مسلمانوں نے جب ان سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا تا کہ اس سے کچھ اشیاء خورد و نوش میں سہولت حاصل کریں تو اس سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو منع کیا اور یہ عورتیں ان پر حرام کردی گئیں۔ [1]

ابن کثیر اور روح المعانی میں مذکورہ سبب نزول کے علاوہ ایک اور سبب نزول بیان کیا

[1] معالم التنزیل ص:۱۶۷/۱۶۶ج:۳/زاد المسیر ص:۹ج:۶/المقتطف ص:۴۹۵/ج:۳/ابن کثیر، ص:۲۴۸ج:۳/اسباب النزول ص:۱۷۹-۱۸۰ تفسیرات احمدیہ ص:۵۹ ۳ بتغییر قلیل

گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ مرثد نامی شخص جو ایک باحیثیت شخص تھا اسلام لانے سے قبل مکہ میں اس کی ایک محبوبہ تھی اس کا نام عناق تھا ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو ان صحابہؓ کو لانے کے لئے مکہ بھیجا جو قید کر کے مکہ لائے گئے تھے، ابو مرثد جب مکہ پہنچے تو ان کی اپنی محبوبہ عناق سے ملاقات ہوگئی عناق نے مرثد ابن ابو مرثد غنویؓ سے کہا کہ ایک وہ زمانہ تھا کہ ہم دونوں ایک پیالہ اور ایک نوالہ تھے ایک ساتھ سونا اور ایک ساتھ اٹھنا بیٹھنا اور کھانا پینا تھا، اور اب یہ حال ہے کہ تم ہماری خبر بھی نہیں لیتے تم ایسا کیوں نہیں کر لیتے کہ تم اپنے ساتھ ہمیں لے چلو اس نے کہا میں مسلمان ہو چکا ہوں اسلام میں اس طرح کے تعلقات درست نہیں ہیں ہاں اس کی ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ ہم مدینہ چل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بارے میں دریافت کریں گے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر تم سے نکاح کو روا سمجھیں گے تو پھر ہم تم سے نکاح کر لیں گے یہ بات ہو ہی رہی تھی کہ اس کا باپ نکل پڑا اور بہت سارے لوگ جمع ہو گئے شور وغل ہونے لگا آوازیں بلند ہونے لگیں یہاں تک کہ ابو مرثدؓ پر یہ لوگ ٹوٹ پڑے بچتے بچاتے کسی طرح سے وہاں سے نکلے اور جس مقصد کے لئے گئے تھے اس سے نمٹنے کے بعد مدینہ واپس آتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سارا ماجرا سناتے ہیں اور اپنے نکاح کرنے کے سلسلے میں اپنی پرانی محبوبہ سے خیال ظاہر کرتے ہوئے اسلام کی روشنی میں صحیح صورت حال دریافت کرتے ہیں اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی اس طرح کا مضمون پچھلی آیتوں میں بھی آ چکا ہے۔ ممکن ہے کہ دونوں واقعے پیش آئے ہوں لہٰذا دونوں مذکورہ سبب نزول میں کوئی منافات نہیں۔ (ابن کثیر ص: ۲۴۸ ج: ۳/روح المعانی ص: ۸۵ ج: ۱۸/ پارہ نمبر ۱۸)

**فائدہ:** اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ الخ یعنی جو مرد یا عورت اس عادت شنیع میں مبتلا ہیں حقیقت میں وہ اس لائق نہیں رہتے کہ کسی عفیف مسلمان سے ان کا تعلق از دواج وہمبستری قائم کیا جائے ان کی پلید طبیعت اور میلان کے مناسب تو یہ ہے کہ ایسے ہی بدکار وتباہ حال مرد وعورت سے یا ان سے بھی بدتر کسی مشرک ومشرکہ سے ان کا تعلق ہو۔ **کما قال اللہ تعالیٰ:** اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَ الْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَ الطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَ الطَّيِّبُوْنَ

لِلطَّيِّبٰتِ

کند ہم جنس باہم جنس پرواز
کبوتر با کبوتر باز با باز

ان کی حرکت کا اصلی اقتضاء تو یہی تھا اب یہ جداگانہ امر ہے کہ حق تعالیٰ نے دوسری مصلحت وحکمت کی بنا پر کسی نام نہاد مسلمان کا مشرک ومشرکہ سے عقد جائز نہیں رکھا یا مثلاً بدکاری مرد کا پاکباز عورت سے نکاح ہوجائے تو بالکل باطل نہیں ٹھہرایا (تنبیہ) آیت کی جو تفسیر ہم نے کی وہ بالکل سہل اور بے تکلّف ہے اس میں **لاینکح** کے معنی وہ لئے گئے جو السلطان لایکذب وغیرہ محاورات میں لئے جاتے ہیں یعنی نفی لیاقت فعل کو نفی فعل کی حیثیت دے دی گئی۔ (**فافهم** تفسیر عثمانی ص:۴۶۶/۴۶۷)

تو آیت کا مطلب یہ ہے کہ زنا ایک اخلاقی زہر ہے اس کے زہریلے اثرات سے انسان کا اخلاقی مزاج بگڑ جاتا ہے اسے بھلے برے کی تمیز نہیں رہتی بلکہ برائی اور خباثت ہی مرغوب ہوجاتی ہے۔ حلال وحرام کی تمیز نہیں رہتی اور جو عورت اس کو پسند آتی ہے اس کا اصلی مقصود اس سے زنا کرنا اور اس کو زنا کاری پر راضی کرنا ہوتا ہے۔ اگر زنا کے ارادہ میں ناکام ہوجائے تو مجبوری سے نکاح پر راضی ہوتا ہے مگر نکاح کو دل سے پسند نہیں کرتا۔ کیوں کہ نکاح کے جو مقاصد ہیں کہ آدمی عفیف ہوکر رہے اور اولاد صالح پیدا کرے اور اس کے لئے بیوی کے حقوق نفقہ وغیرہ کا ہمیشہ کے لئے پابند ہوجاوے یہ ایسے شخص کو وبال معلوم ہوتے ہیں اور چونکہ ایسے شخص کو دراصل نکاح سے کوئی غرض ہی نہیں اس لئے اس کی رغبت صرف مسلمان عورتوں کی طرف ہی نہیں بلکہ مشرک عورتوں کی طرف بھی ہوتی ہے اور اگر مشرک عورت اپنے مذہب کی وجہ سے یا کسی برادری کی رسم کی وجہ سے نکاح کی شرط لگالے تو مجبوراً وہ اس سے نکاح پر بھی تیار ہوجاتا ہے اس کی اس کو کچھ پرواہ ہی نہیں کہ یہ نکاح حلال اور صحیح ہوگا یا شرعاً باطل ٹھہرے گا اس لئے اس پر یہ بات صادق آگئی کہ اس کی جس عورت کی طرف اصل رغبت ہوگئی۔ اگر وہ مسلمان ہے تو زانیہ کی طرف ہوگی خواہ پہلے زنا کی عادی ہو یا اس کے ساتھ زنا کرکے زانیہ کہلائے یا پھر کسی مشرک عورت کی طرف رغبت ہوگی

جس کے ساتھ نکاح بھی زنا ہی کہ حکم میں ہے یہ معنی ہوئے آیت کے پہلے جملے کے یعنی اَلزَّانِیۡ لَا یَنۡکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوۡ مُشۡرِکَۃً ۫ اس طرح جو عورت زنا کی خوگر ہو اور وہ اس سے توبہ نہیں کرتی تو سچے مومن مسلمان جن کا مقصود اصلی نکاح اور نکاح کے شرعی فوائد و مقاصد ہیں وہ ایسی عورت سے رغبت نہیں رکھتے۔ اس لئے ان کو ایسی عورت کی طرف اصلی رغبت نہیں ہوسکتی خصوصاً جب کہ یہ بھی معلوم ہو کہ یہ عورت نکاح کے بعد بھی اپنی بری عادت زنا نہ چھوڑے گی، ہاں ایسی عورت کی طرف رغبت یا تو زانی کی ہوگی جس کا اصلی مقصد اپنی خواہش پوری کرنا ہے نکاح مقصود نہیں اس میں اگر وہ زانیہ کسی اپنی دنیوی مصلحت سے اس کے ساتھ ملنے کے لئے نکاح کی شرط لگادے تو بادل ناخواستہ نکاح کو بھی گوارا کرلیتا ہے یا پھر ایسی عورت کے نکاح پر وہ شخص راضی ہوتا ہے جو مشرک ہو۔ اور چونکہ مشرک سے نکاح بھی شرعاً زنا ہی ہے اس لئے اس میں دو چیزیں جمع ہوگئیں کہ مشرک بھی اور زانی بھی یہ معنی ہوئے آیت کے دوسرے جملے: وَّ الزَّانِیَۃُ لَا یَنۡکِحُہَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوۡ مُشۡرِکٌ کے۔

مذکورہ تفسیر سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اس آیت میں زانی اور زانیہ سے مراد وہ افراد ہیں جو زنا سے توبہ نہ کریں اور اپنی اس بری عادت پر قائم رہیں اور اگر ان میں سے کوئی مرد خانہ داری یا اولاد کی مصلحت سے پاکدامن شریف عورت سے نکاح کرے یا ایسی عورت کسی نیک مرد سے نکاح کرے تو اس آیت سے اس نکاح کی نفی لازم نہیں آتی یہ نکاح شرعاً درست ہوجائے گا جمہور فقہاء امت امام اعظم ابوحنیفہؒ، مالک، شافعی، وغیرہ رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے اور صحابہ کرام سے ایسے نکاح کرنے کے واقعات ثابت ہیں تفسیر ابن کثیر میں حضرت ابن عباس کا بھی یہی فتویٰ نقل کیا گیا ہے۔ اب رہا آیت کا آخری جملہ وَ حُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۝ اس میں بعض حضرات مفسرین نے تو ذالک کا اشارہ زنا کی طرف قرار دیا ہے تو معنی جملہ کے یہ ہوگئے کہ جب زنا ایسا خبیث فعل ہے تو زنا مومنین پر حرام کردیا گیا اس تفسیر پر معنی میں تو کوئی اشکال نہیں رہتا لیکن ذالک سے زنا مراد لینا سیاق آیت سے کسی قدر بعید ضرور ہے اس لئے دوسرے مفسرین نے ذالک کا اشارہ نکاح زانی وزانیہ اور مشرک ومشرکہ کی طرف قرار دیا ہے۔ اس صورت میں مشرکہ سے مسلمان مرد کا

نکاح اور مشرک سے مسلمان عورت کا نکاح حرام ہونا دوسری نصوص قرآن سے بھی ثابت ہے اور تمام امت کے نزدیک اجمالی مسئلہ ہے اور زانی مرد سے پاکدامن عورت کا نکاح یا زانیہ عورت سے عفیف مرد کا نکاح حرام ہونا جو اس جملے سے مستفاد ہوگا وہ اس صورت کے ساتھ مخصوص ہے جب کہ عفیف مرد زانیہ عورت سے نکاح کر کے اس کو زنا سے نہ روکے بلکہ نکاح کے بعد بھی اس کی زنا کاری پر راضی رہے کیوں کہ اس صورت میں یہ دیوسیت ہوگی جو شرعاً حرام ہے۔ اسی طرح کوئی شریف پاکدامن عورت زنا کے خوگر شخص سے نکاح اور نکاح کے بعد بھی اس کی زنا کاری پر راضی رہے یہ بھی حرام ہے یعنی ان لوگوں کا یہ فعل حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کا باہمی نکاح نہ ہو اور باطل ہو جائے۔ لفظ حرام شریعت کی اصطلاح میں دو معنی کے لئے استعمال ہوتا ہے ایک یہ کہ وہ گناہ ہے اس کا کرنے والا آخرت میں مستحق سزا ہے۔ اور دنیا میں بھی یہ عمل بالکل باطل کالعدم ہے اس پر کوئی شرعی ثمرہ احکام دنیا کا بھی مرتب نہیں ہوگا جیسے کسی مشرک عورت سے یا جو عورتیں ہمیشہ کے لئے حرام ہیں ان میں سے کسی سے نکاح کر لیا تو یہ گناہ عظیم بھی ہے۔ اور ایسا نکاح شرعاً کالعدم ہے۔ زنا میں اور اس میں کوئی فرق نہیں۔ دوسرے یہ کہ فعل حرام ہے یعنی گناہ موجب سزا ہے مگر دنیا میں اس فعل کے کچھ ثمرات رہتے ہیں معاملہ صحیح ہو جاتا ہے جیسے کسی عورت کو دھوکہ دیکر یا اغوا کر کے لے آیا پھر شرعی قاعدے کے مطابق دو گواہوں کے سامنے اس کی مرضی سے نکاح کر لیا تو یہ فعل تو ناجائز وحرام تھا مگر نکاح صحیح ہو گیا۔ اولاد ثابت النسب ہوگی اسی طرح زانیہ اور زانی کا نکاح جب کہ ان کا مقصود اصلی زنا ہی ہو نکاح محض کسی دنیوی مصلحت سے کرتے ہوں اور زنا سے توبہ نہیں کرتے ایسا نکاح حرام ہے مگر دنیوی احکام میں باطل کالعدم ہے نکاح کے ثمرات شرعیہ، نفقہ، مہر، ثبوت نسبت اور میراث جاری ہوں گے اس طرح لفظ حرم اس آیت میں مشرکہ کے حق میں پہلے معنی کے اعتبار سے اور زانیہ اور زانی کے حق میں دوسرے معنی کے اعتبار سے صحیح اور درست ہو گیا۔ اس تفسیر پر

[1] اسباب النزول ص:۱۵۲/وایضا فی زاد المسیر ص:۱۴ ج:۴/وایضا فی معالم التنزیل ص:۱۴۴ ج:۳

آیت کو منسوخ کہنے کی ضرورت بھی نہ رہی جیسا کہ بعض حضرات مفسرین نے فرمایا ہے۔
(واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم) (معارف القرآن ص: ۳۵۲، ۳۵۳/ج:۶)

۳۶۰-وَ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَ لَمْ یَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّاۤ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝۶ وَ الْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَیْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ۝۷ وَ یَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِیْنَ ۝۸ وَ الْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَیْهَاۤ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝۹ وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ وَ اَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِیْمٌ ۝۱۰

**ترجمہ:** اور جو لوگ اپنی بیویوں کو تہمت لگائیں اور ان کے پاس بجز اپنے اور کوئی گواہ نہ ہو تو ان کی شہادت یہی ہے کہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ کہہ دے بے شک میں سچا ہوں اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ مجھ پر خدا کی لعنت ہو اگر میں جھوٹا ہوں اور اس عورت سے سزا اس طرح ٹل سکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ قسم کھا کر کہے کہ بے شک یہ مرد جھوٹا ہے۔ اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ مجھ پر خدا کا غضب ہو اگر یہ مرد سچا ہو اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کا کرم ہے۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا حکمت والا ہے (تو تم بڑی مضرتوں میں پڑ جاتے)

**شانِ نزول:** لعان اور ملاعنت کے معنی ایک دوسرے پر لعنت اور غضب الٰہی کی بدعا کرنے کے ہیں اصطلاح شرع میں میاں اور بیوی دونوں کو چند خاص قسمیں دینے کو لعان کہا جاتا ہے جس کی صورت یہ ہے کہ جب کوئی شوہر اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگادے یا اپنے بچے کو کہے کہ یہ میرے نطفے سے نہیں اور یہ عورت جس پر الزام لگایا گیا ہے اس کو جھوٹا بتلادے اور کہے کہ مجھ پر جھوٹی تہمت لگائی گئی ہے اس لئے میرے شوہر پر تہمت زنا کی سزا اسی ۸۰ کوڑے جاری کی جاوے تو اس وقت شوہر سے مطالبہ کیا جاوے گا کہ الزام زنا میں چار گواہ پیش کرو، اگر اس نے گواہ پیش کردیئے تو عورت پر حد زنا لگائی جائے گی اور

اگر وہ چار گواہ نہ لا سکا تو ان دونوں میں لعان کرائے گا یعنی اول مرد سے کہا جاویگا کہ وہ چار مرتبہ ان الفاظ سے جو قرآن میں مذکور ہیں یہ شہادت دے کہ میں اس الزام میں سچا اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ اگر میں جھوٹ بولتا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔ اگر شوہر ان الفاظ کو کہنے سے رکے تو اس کو قید کر دیا جاوے گا کہ یا تو اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار کرو یا مذکورہ الفاظ کے ساتھ پانچ مرتبہ یہ قسمیں کھاؤ اور جب تک وہ ان دونوں میں سے کوئی کام نہ کرے اس کو قید رکھا جائے گا۔ اگر اس نے اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار کرلیا تو اس پر حد قذف یعنی تہمت زنا کی شرعی سزا جاری ہوگی اور اگر الفاظ مذکورہ کے ساتھ پانچ مرتبہ قسمیں کھالیں تو پھر اس کے بعد عورت سے ان الفاظ میں پانچ قسمیں لی جاویں گی جو قرآن میں عورت کے لئے مذکور ہیں اگر وہ قسم کھانے سے انکار کرے تو اس کو اس وقت تک قید رکھا جاوے گا جب تک کہ وہ شوہر کی تصدیق نہ کرے اور اگر اپنے جرم کا اقرار کرے تو اس پر حد زنا جاری کی جاوے گی یا پھر الفاظ مذکورہ کے ساتھ پانچ قسمیں کھاوے۔ اگر وہ الفاظ مذکورہ سے قسمیں کھانے پر راضی ہو جاوے اور قسمیں کھالے تو اب لعان پورا ہو گیا جس کے نتیجے میں دنیا کی سزا سے دونوں بچ گئے آخرت کا معاملہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہی ہے کہ ان میں سے کون جھوٹا ہے جھوٹے کو آخرت میں سزا ملے گی لیکن دنیا میں بھی جب میاں بیوی میں لعان پورا ہو گیا تو یہ ایک دوسرے پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتے ہیں شوہر کو چاہئے کہ اس کو طلاق دے کر آزاد کر دے اگر وہ طلاق نہ دے تو حاکم ان دونوں میں تفریق کر سکتا ہے جو حکماً طلاق ہوگی بہر حال دونوں کا آپس میں دوبارہ نکاح بھی کبھی نہیں ہو سکتا، معاملہ لعان کی یہ تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے لعان کا قانون شریعت اسلام میں شوہر کے جذبات ونفسیات کی رعایت کی بنیاد پر نافذ ہوا ہے کیوں کہ کسی شخص پر الزام زنا لگانے کا قانون جو پہلی آیات میں گزر چکا ہے اس کی رو سے یہ ضروری ہے کہ الزام زنا لگانے والا چار گواہ عینی پیش کرے اور جو یہ نہ کر سکے تو الٹی اسی پر تہمت زنا کی حد جاری کی جاوے گی عام آدمی کے لئے تو یہ ممکن ہے کہ جب چار گواہ میسر نہ ہو تو وہ الزام زنا لگانے سے خاموش رہے تا کہ تہمت زنا کی سزا سے محفوظ رہ سکے لیکن شوہر کے لئے یہ معاملہ سنگین ہے جب اس نے اپنی آنکھوں

سے دیکھ لیا اور گواہ موجود نہیں اگر وہ بولے تو تہمت زنا کی سزا پائے اور نہ بولے تو ساری عمر خون کے گھونٹ پیتا رہے اور اس کی زندگی وبال جان بن جائے اس لئے شوہر کے معاملہ کو عام قانون سے الگ کر کے اس کا مستقل قانون بنا دیا گیا اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ لعان صرف میاں بیوی کے معاملہ میں ہو سکتا ہے دوسروں کا حکم وہی ہے جو پہلی آیات میں گزر چکا ہے۔

کتب حدیث میں اس جگہ دو واقعے ذکر کئے گئے ہیں ان میں آیات لعان کا شانِ نزول کونسا واقعہ ہے اس میں ائمہ تفسیر کے اقوال مختلف ہیں قرطبی نے آیات کا نزول مکرر مان کر دونوں کو شانِ نزول قرار دیا ہے حافظ ابن حجرؒ شارح بخاری اور نوویؒ شارح مسلم نے دونوں میں تطبیق دے کر ایک ہی نزول میں دونوں واقعے کو ان آیات کا شانِ نزول لعان قرار دیا ہے اس کی توجیہ زیادہ صاف ہے جو آگے آجائے گی ایک واقعہ ہلال ابن امیہ اور ان کی بیوی کا ہے جو صحیح بخاری میں بروایت ابن عباسؓ مذکور ہے اور اس واقعہ میں ابتدائی حصہ حضرت ابن عباسؓ ہی کی روایت سے مسند احمد میں اس طرح آیا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب قرآن کریم میں حد قذف کے احکام کی آیات نازل ہوئیں یعنی وَ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً جس میں کسی عورت پر زنا کا الزام لگانے والے مرد پر لازم کیا گیا ہے کہ یا تو اس الزام پر چار گواہ پیش کرے جن میں ایک یہ خود ہوگا اور جو ایسا نہ کر سکے تو اس کو جھوٹا قرار دے کر اس پر اسّی ۸۰ رکوڑوں کی حد اور ہمیشہ کے لئے مردود الشہادت ہونے کی سزا جاری کی جائے گی۔ یہ آیت سن کر انصار مدینہ کے سردار حضرت سعد بن عبادہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ آیات اسی طرح نازل ہوئیں ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سعد بن عبادہؓ کی زبان سے ایسی بات سن کر بڑا تعجب ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرات انصار کو خطاب کر کے فرمایا آپ سن رہے ہیں کہ آپ کے سردار کیا بات کہہ رہے ہیں لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ ان کو ملامت نہ فرماویں ان کے اس کلام کی وجہ ان کی شدت غیرت ہے پھر سعد بن معاذؓ نے خود عرض کیا یا رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے باپ اور ماں آپ پر قربان، میں پوری طرح جانتا ہوں یہ آیات حق ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہیں لیکن مجھے اس بات پر تعجب ہے کہ اگر میں بے حیا بیوی کو اس حال میں دیکھوں کہ غیر مرد اس پر چڑھا ہوا ہے تو کیا میرے لئے یہ جائز نہیں ہوگا کہ میں اس کو وہاں ڈانٹوں اور وہاں سے ہٹادوں بلکہ میرے لئے یہ ضروری ہوگا کہ چار آدمیوں کو لاکر یہ حالت دکھلاؤں اور اس پر گواہ بناؤں اور جب تک میں گواہوں کو جمع کروں تب تک وہ اپنا کام کر کے بھاگ جائیں گے، حضرت سعدؓ کے الفاظ اس جگہ مختلف منقول ہیں خلاصہ سب کا ایک ہی ہے۔

آیات حد قذف نازل ہونے اور سعد بن معاذؓ کے اس کلام پر تھوڑا ہی وقت گزرا تھا کہ ہلال بن امیہؓ کو یہ واقعہ پیش آیا کہ وہ عشاء کے وقت اپنی زمین سے واپس ہوئے تو اپنی بیوی کے ساتھ ایک مرد کو بچشم خود دیکھا اور ان کی باتیں اپنے کانوں سے سنیں مگر کوئی اقدام نہیں کیا یہاں تک کہ صبح ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں یہ واقعہ عرض کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ واقعہ سن کر دل برا ہوا اور بھاری محسوس کیا ادھر حضرات انصار جمع ہوگئے اور آپس میں تذکرہ کرنے لگے کہ جو بات ہمارے سردار سعد بن عبادہ نے کہی تھی ہم اس میں مبتلا ہوگئے اب قانون شرعی کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہلال بن امیہ کو اسی ۸۰ رکوڑے بطور حد قذف لگائیں گے اور لوگوں میں ان کو ہمیشہ کے لئے مردود الشہادت قرار دیں گے مگر ہلال بن امیہ نے کہا کہ خدا کی قسم مجھے پوری امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مصیبت سے نکالیں گے اور صحیح بخاری کی روایت میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہلال کا معاملہ سن کر قرآنی حکم کے مطابق ہلالؓ سے فرما بھی دیا کہ تو اپنے اس دعوے پر مبینہ (چارہ گواہ) لاؤ ورنہ تمہاری پیٹھ پر حد قذف جاری ہوگی ہلال بن امیہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں اپنے کلام میں سچا ہوں اور ضرور اللہ تعالیٰ کوئی ایسا حکم نازل فرماویں گے جو میری پیٹھ کو حد قذف کی سزا سے بری کر دے گا یہ گفتگو جاری ہی تھی کہ جبرئیل امین یہ آیت جس میں لعان کا قانون ہے لے کر نازل ہوئے۔ (وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ الخ)

ابو یعلی نے یہی روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی نقل کی ہے اس میں یہ بھی ہے کہ جب آیات لعان نازل ہوئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہلال بن امیہ کو بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری مشکل کا حل نازل فرمادیا ہلال نے عرض کیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اللہ تعالیٰ سے اسی کی امید لگائے ہوئے تھا، چناں چہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہلال ابن امیہ کی بیوی کو بھی بلوایا اور جب دونوں میاں بیوی جمع ہو گئے تو بیوی سے معاملہ کے متعلق پوچھا گیا اس نے کہا میرا شوہر ہلال ابن امیہ مجھ پر جھوٹ الزام لگاتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تم میں سے کوئی ایک جھوٹا ہے کیا تم میں کوئی ہے جو (اللہ سے ڈرکر) توبہ کرے اور سچی بات ظاہر کردے اس پر ہلال ابن امیہ نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں میں نے بالکل سچ بات کہی ہے اور جو کچھ کہا ہے حق کہا ہے تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ نازل شدہ آیات قرآن کے مطابق دونوں میاں بیوی سے لعان کرایا جائے پہلے حضرت ہلال سے کہا گیا کہ تم چار مرتبہ ان الفاظ سے شہادت دو جو قرآن میں مذکور ہیں یعنی میں اللہ کو حاضر وناظر سمجھ کر کہتا ہوں کہ میں اپنے الزام میں سچا ہوں۔ ہلال نے اس کے مطابق چار مرتبہ اس کی شہادت دی جب پانچویں شہادت کا نمبر آیا جس کے الفاظ قرآنی یہ ہیں کہ اگر میں جھوٹ بولتا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تاکید کے طور پر ہلال بن امیہ سے فرمایا کہ دیکھو ہلال خدا سے ڈرو کیوں کہ دنیا کی سزا آخرت کے عذاب سے ہلکی ہے۔ اور اللہ کا عذاب لوگوں کی دی ہوئی سزا سے کہیں زیادہ سخت ہے'' اور یہ پانچویں شہادت آخری شہادت ہے۔ اسی پر فیصلہ ہوتا ہے۔ مگر ہلال بن امیہ نے عرض کیا کہ میں بقسم کہہ سکتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس شہادت پر آخرت کا عذاب نہیں دیں گے (کیوں کہ بالکل سچی شہادت ہے) جیسا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے دنیا میں حد قذف کی سزا نہیں دیں گے اور پھر یہ پانچویں شہادت کے الفاظ ادا کردیئے اس کے بعد آپ نے ہلال کی بیوی سے اسی طرح کی چار شہادات یا قسمیں لیں اس نے بھی ہر دفعہ قرآنی الفاظ کے مطابق یہ شہادت دی کہ میرا شوہر جھوٹا ہے، جب پانچویں شہادت کا نمبر آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ذرا ٹھہرو پھر اس عورت سے فرمایا

کہ خدا سے ڈرو کہ یہ پانچویں شہادت آخری بات ہے اور خدا کا عذاب لوگوں کے عذاب یعنی زنا کی حد شرعی سے کہیں زیادہ سخت ہے یہ سن کر وہ قسم کھانے سے جھجکنے لگی کچھ دیر اسی کیفیت میں رہی مگر پھر آخر میں کہا کہ واللہ میں اپنی قوم کو رسوا نہیں کروں گی اور پانچویں شہادت بھی ان لفظوں کے ساتھ ادا کردی کہ اگر میرا شوہر سچا ہے تو مجھ پر خدا کا غضب ہو، یہ لعان کی کارروائی مکمل ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں میاں بیوی میں تفریق کردی یعنی ان کا نکاح توڑ دیا اور یہ فیصلہ فرمایا کہ اس حمل سے جو بچہ پیدا ہو وہ اس عورت کا بچہ کہلائے گا باپ کی طرف منسوب نہیں کیا جائے گا مگر بچے کو مطعون بھی نہ کیا جائے گا۔ [ا]

اور اس واقعہ کی تفصیل امام بغوی نے بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس طرح نقل فرمائی ہے کہ زنا کی تہمت لگانے والے پر حد قذف جاری کرنے کے احکام جن آیات میں نازل ہوئے ہیں یعنی وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الخ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہوکر یہ لوگوں کو سنائی تو مجمع میں عاصم بن عدی انصاری بھی موجود تھے یہ کھڑے ہوگئے اور عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری جان آپ پر قربان ہو اگر ہم میں سے کوئی شخص اپنی عورت کو کسی مرد کے سات مبتلا دیکھے تو اگر وہ اپنے دیکھے ہوئے واقعہ کو بیان کرے تو اس کو اسی ۸۰ کوڑے لگائے جائیں گے اور ہمیشہ کے لئے مردود الشہادت کردیا جائے گا اور مسلمان اس کو فاسق کہا کریں گے ایسی حالت میں ہم گواہ کہاں سے لائیں گے اور اگر گواہوں کی تلاش میں نکلیں گے تو گواہ آنے تک وہ اپنا کام کر کے بھاگ چکا ہوگا یہ وہی سوال تھا جو پہلے واقعہ میں سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کیا تھا اور دوسرے واقعہ میں عاصم بن عدی نے کیا ہے۔

یہ سوال ایک جمعہ کے دن کیا گیا تھا، اس کے بعد یہ قصہ پیش آیا کہ عاصم بن عدی کا ایک چچازاد بھائی عویمر تھا جس کا نکاح بھی عاصم بن عدی کی چچازاد بہن خولہ سے ہوا تھا۔ عویمر رضی اللہ عنہ نے ایک روز دیکھا کہ ان کی بیوی خولہ شریک بن سحماء کے ساتھ مبتلا ہے۔ اور یہ شریک بن سحماء بھی عاصم کا چچازاد بھائی تھا عویمر نے آکر یہ واقعہ عاصم بن عدی کو بتایا عاصم نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور اگلے روز جمعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا

---

[ا] تفسیر مظہری بحوالہ مسند احمد عن ابن عباس رضی اللہ عنہ

کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پچھلے جمعہ کو میں نے جو آپ سے سوال کیا تھا افسوس ہے کہ میں خود اس میں مبتلا ہو گیا۔ کیوں کہ میرے ہی اہل بیت میں ایسا واقعہ پیش آ گیا بغویؒ نے ان دونوں کو حاضر کرنے اور پھر آپس میں لعان کرانے کا واقعہ بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ (مظہری)

اور صحیحین میں اس کا خلاصہ حضرت سہل بن سعد ساعدی کی روایت میں یہ مذکور ہے کہ عویمر عجلانی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر مرد کو دیکھے تو کیا وہ اس کو قتل کر دے جس کے نتیجہ میں لوگ اس کو قتل کر دیں گے یا پھر وہ کیا کرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اور تمہاری بیوی کے معاملہ میں حکم نازل فرما دیا ہے جاؤ بیوی کو لے کر آؤ حضرت سہل بن سعد ساعدی راوی حدیث بیان فرماتے ہیں کہ ان دونوں کو بلا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد کے اندر لعان کرایا (جس کی صورت واقعہ سابقہ میں بیان ہو چکی ہے) جب دونوں طرف سے پانچویں شہادت پوری ہو کر لعان ختم ہوا تو عویمر عجلانی نے کہا یارسول اللہ! اگر میں اب اس کو بیوی بنا کر رکھوں تو گویا میں نے اس پر جھوٹا الزام لگایا ہے اس لئے میں اسے تین طلاق دیتا ہوں۔ (مظہری بحوالہ صحیحین)

ان دونوں واقعوں میں سے ہر ایک میں یہ مذکور ہے کہ آیات لعان اس کے بارے میں نازل ہوئی حافظ ابن حجر اور شیخ الاسلام نوویؒ نے دونوں میں تطبیق کی یہ صورت بیان کی ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں واقعہ ہلال ابن امیہ کا تھا اور آیات لعان کا نزول اسی واقعہ کے بارے میں ہوا اس کے بعد عویمرؓ کو ایسا ہی واقعہ پیش آ گیا اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کیوں کہ ہو سکتا ہے ہلال بن امیہ کا معاملہ سابقہ معلوم نہ ہو گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بتلایا کہ تمہارے معاملہ کا فیصلہ یہ ہے اور قرینہ اس کا یہ ہے کہ ہلال بن امیہ کے واقعہ میں الفاظ حدیث کے یہ ہیں **فنزل جبرئیل** اور عویمرؓ کے واقعہ میں الفاظ یہ ہیں **قد انزل اللہ فیک** جس کا مفہوم یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے جیسے ایک واقعہ میں اس کا حکم نازل فرما دیا ہے واللہ اعلم (مظہری) [1]

[1] زاد المسیر ص: ۱۳ ج: ۶/ تفسیرات احمدیہ ص: ۴۶۵/ معالم التنزیل ص: ۱۷۰ تا ۱۷۴ ج: ۴/ المقتطف ص: ۴۹۸ ج: ۳/ اسباب النزول ص: ۱۸۱، ۱۸۰/ ابن کثیر ص: ۲۵۱/ ۲۵۰ ج: ۳/ روح المعانی ص: ۱۰۴ ج: ۱۸ پارہ ۱۸ معارف القرآن ص: ۳۶۱ تا ۳۵۷ ج: ۶)

۳۶۱-اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ۭ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا
لَّكُمْ ۭ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ وَ
الَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱﴾ لَوْ لَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ
الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّ قَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ
مُّبِيْنٌ ﴿۱۲﴾ لَوْ لَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا
بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ
وَ رَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ
عَظِيْمٌ ﴿۱۴﴾ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَ تَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ
بِهٖ عِلْمٌ وَّ تَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّ هُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾ وَ لَوْ لَآ اِذْ
سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا
بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۶﴾ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ
مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۸﴾ اِنَّ
الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ
فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۭ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَ لَوْ لَا فَضْلُ
اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ وَ اَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾

**ترجمہ:** جن لوگوں نے یہ طوفان برپا کیا ہے وہ تمہارے میں کا ایک گروہ ہے تم اس کو اپنے حق میں برا نہ سمجھو بلکہ یہ تمہارے حق میں بہتر ہی بہتر ہے ان میں سے ہر شخص کو جتنا کسی نے کچھ کیا تھا گناہ ہوا اور ان میں سے جس نے اس میں سب سے بڑا حصہ لیا اس کے لیے بڑا عذاب ہے جب تم لوگوں نے یہ بات سنی تھی تو مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے آپس والوں کے ساتھ نہ کہا کہ یہ صریح جھوٹ ہے یہ لوگ اس پر چار گواہ نہ لائے، سوجس حالت میں یہ لوگ گواہ نہیں لائے تو بس اللہ کے نزدیک یہ جھوٹے ہیں، اور اگر (حمنہ حسان، مسطح) تم پر اللہ کا فضل وکرم نہ ہوتا دنیا میں اور آخرت میں جس شغل میں تم پڑے تھے اس میں تم پر سخت عذاب ہوتا،

جب کہ تم اپنی زبانوں سے نقل در نقل کر رہے تھے، اور اپنے منھ سے ایسی بات کہہ رہے تھے جس کی تم کو مطلق خبر نہیں اور تم اس کو ہلکی بات سمجھ رہے تھے، حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بہت بھاری بات تھی، اور تم نے جب اس کو (اول) سنا تھا تو کیوں نہیں کہا کہ ہم کو زیبا نہیں کہ ایسی بات منھ سے بھی نکالیں، معاذ اللہ یہ تو بڑا بہتان ہے، اللہ تعالیٰ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ پھر ایسی حرکت نہ کرنا اگر تم ایمان والے ہو۔ اور اللہ تعالیٰ تم سے صاف صاف احکام بیان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا جاننے والا اور حکمت والا ہے، جو لوگ چاہتے ہیں کہ بے حیائی کی بات کا مسلمانوں میں چرچا ہو، ان کے لئے دنیا و آخرت میں سزائیں دردناک ہیں، اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم پر اللہ کا فضل و کرم ہے اور یہ کہ اللہ بڑا شفقت والا بڑا رحیم ہے تو تم نہ بچتے۔

**شانِ نزول:** صحیحین اور دوسری کتب حدیث میں یہ واقعہ غیر معمولی طوالت اور تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اس کا مختصر بیان یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ بنی المصطلق [1] میں جس کو غزوۂ مریسیع بھی کہا جاتا ہے ۶ھ میں تشریف لے گئے تو امہات المومنین میں سے حضرت عائشہ صدیقہؓ ساتھ تھیں، حضرت عائشہؓ کا اونٹ جس پر ان کا ہودج (پردہ دار شغدف) ہوتا تھا اور چونکہ اس وقت احکام پردہ کے نازل ہو چکے تھے، تو معمول یہ تھا کہ عائشہ صدیقہؓ اپنے ہودج میں سوار ہو جاتیں پھر لوگ اس ہودج کو اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیتے تھے، غزوہ سے فراغت اور مدینہ طیبہ کی طرف واپسی میں ایک روز یہ قصہ پیش آیا کہ ایک منزل میں قافلہ ٹھہرا آخر شب میں کوچ سے کچھ پہلے یہ اعلان کیا گیا کہ قافلہ روانہ ہونے والا ہے لوگ اپنی اپنی ضرورتوں سے فارغ ہو کر تیار ہو جاویں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کو قضاء حاجت کی ضرورت تھی اس سے فراغت کے لئے جنگل کی طرف چلی گئیں وہاں اتفاق سے ان کا ہار ٹوٹ کر گر گیا اس کی تلاش میں ان کو دیر لگ گئی جب واپس اپنی جگہ پہنچی تو دیکھا کہ قافلہ روانہ ہو چکا ہے ان کے اونٹ کا یہ قصہ ہوا کہ جب کوچ ہونے لگا تو عادت کے مطابق حضرت عائشہ صدیقہؓ کا ہودج یہ سمجھ کر اونٹ پر سوار کر دیا گیا کہ

[1] یہ غزوہ کس سن میں ہوا اس بارے میں اختلاف ہے کسی نے ۴ھ اور کسی نے ۶ھ بتلایا ہے تفصیل زاد المعاد ص: ۲۵۷ ج: ۳

حضرت عائشہ صدیقہؓ اس میں موجود ہیں، اٹھاتے وقت بھی کچھ شبہ اس لئے نہیں ہوا کہ اس وقت حضرت عائشہ صدیقہؓ عمر میں کم اور بدن میں نحیف تھیں، کسی کو یہ اندازہ ہی نہ ہوا کہ ہودج خالی ہے۔

چنانچہ اونٹ کو ہانک دیا گیا حضرت صدیقہؓ نے اپنی جگہ واپس آ کر قافلہ کو نہ پایا تو بڑی دانش مندی اور وقار واستقلال سے کام لیا کہ قافلہ کے پیچھے دوڑنے یا ادھر ادھر تلاش کرنے کے بجائے اپنی جگہ چادر اوڑھ کر بیٹھ گئیں، اور خیال کیا کہ جب آنحضرت ﷺ اور رفقاء کو معلوم ہوگا کہ ہودج میں نہیں ہوں تو ان کی تلاش میں مشکل ہوگی اس لئے اپنی جگہ پر چادر اوڑھ کر بیٹھ رہیں آخر رات کا وقت تھا نیند کا غلبہ ہوا وہیں لیٹ گئیں اور آنکھ لگ گئی۔

دوسری طرف قدرت نے یہ سامان کیا کہ حضرت صفوان بن معطل صحابیؓ جن کو آنحضرت ﷺ نے اسی خدمت کے لئے مقرر کیا تھا کہ وہ قافلہ کے پیچھے رہیں، اور قافلہ روانہ ہونے کے بعد گری پڑی چیز رہ گئی ہو تو اس کو اٹھا کر محفوظ کرلیں وہ صبح کے وقت اسی جگہ پہنچے، ابھی روشنی پوری نہ تھی اتنا دیکھا کہ کوئی آدمی پڑا سو رہا ہے، قریب آئے تو حضرت عائشہ صدیقہؓ کو پہچان لیا انہوں نے پردہ کے احکام نازل ہونے سے پہلے ان کو دیکھا تھا پہچاننے کے بعد انتہائی افسوس کے ساتھ ان کی زبان سے إنا للہ وإنا إلیہ راجعون نکلا، یہ کلمہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے کان میں پڑا تو آنکھ کھل گئی اور چہرہ ڈھانپ لیا حضرت صفوانؓ نے اپنا اونٹ قریب لا کر بیٹھا دیا حضرت عائشہ صدیقہؓ اس پر سوار ہوئیں اور خود اونٹ کی نکیل پکڑ کر پیادہ چلنے لگے یہاں تک کہ قافلہ میں مل گئے۔

عبداللہ بن ابی بڑا خبیث منافق رسول اللہ ﷺ کا دشمن تھا، اس کو ایک بات ہاتھ لگ گئی اور کم بخت نے واہی تباہی بکنی شروع کردی اور بعض بھولے بھالے مسلمان بھی سنی سنائی بات کا تذکرہ کرنے لگے جن میں حضرت حسان حضرت مسطح مردوں میں سے اور حضرت حمنہ عورتوں میں سے تھی، تفسیر درمنثور میں بحوالہ ابن مردویہ حضرت ابن عباس کا یہی قول نقل کیا گیا ہے کہ **اعانہ ای عبداللہ ابن ابی حسان و مسطح و حمنہ۔**

جب اس منافق کے بہتان کا چرچا ہوا تو خود رسول اللہ ﷺ کو اس سے سخت صدمہ

پہنچا اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کو تو انتہائی صدمہ پہنچا ظاہر ہے عام مسلمانوں کو بھی اس سے سخت رنج و افسوس ہوا۔ ایک مہینہ تک یہی فیصلہ چلتا رہا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہؓ کی برأت اور بہتان باندھنے یا اس میں شریک ہونے والوں کی مذمت میں مذکورہ بالا آیات نازل فرمادیں۔

جس کے نتیجے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تہمت لگانے والوں پر شرعی ضابطہ کے مطابق حد قذف جاری کی، ہر ایک کو اسی اسی کوڑے لگائے، بزار اور ابن مردویہ نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین مسلمانوں پر حد قذف جاری فرمائی، مسطح، حمنہ، حسان رضی اللہ عنہم اور طبرانی نے حضرت عمر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس موقع پر عبداللہ بن ابی منافق جس نے اصل تہمت گھڑی تھی اس پر دوہری حد جاری فرمائی پھر مومنین نے توبہ کر لی اور منافقین اپنے حال پر قائم رہے۔ (معارف القرآن بحوالہ بیان القرآن) [۱]

قصہ افک کا بقیہ: اس بے اصل و بے دلیل ہوائی تہمت کی چند روز میں خود ہی حقیقت کھل جاتی مگر ام المومنین کو اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو اس تہمت سے روحانی تکلیف پہنچی تھی حق تعالیٰ نے اس کے ازالہ اور عائشہ صدیقہؓ کی براءت کے لئے وحی الٰہی کے کسی اشارہ پر اکتفا نہ فرمایا بلکہ قرآن کے تقریباً دو رکوع ان کی براءت میں نازل فرمائے اور جن لوگوں نے یہ تہمت گھڑی یا جن لوگوں نے اس کے تذکرے میں حصہ لیا ان سب پر عذاب دنیا و آخرت کی ایسی وعیدیں بیان فرمائیں کہ اور کسی موقع پر ایسی وعیدیں نہیں آئیں۔

درحقیقت اس واقعہ افک نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی عفت و تقدس کے ساتھ ان کے عالی عقل و فہم کے کمالات کو بھی روشن کر دیا، اس لئے واقعہ میں جو آیات اوپر مذکور ہیں ان میں سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس حادثہ کو اپنے لئے شر نہ سمجھو بلکہ یہ

---

[۱] اسباب النزول ص:۱۸۵ تا ۱۸۲/معالم التنزیل ص:۱۷۷ تا ۱۸۲ ج:۴ المقتطف ص:۴۹۹ تا ۵۵۱ ج:۳/زاد المسیر ص:۱۷ ج:۶/مختصرا روح المعانی ص:۱۱۱ تا ۱۱۳/پارہ ۱۸/ابن کثیر ص:۳۵۴ تا ۳۵۶ ج:۳، معارف القرآن ص:۳۶۴ تا ۳۶۶ ج:۶/تفسیر عثمانی ص:۴۶۷، ۴۶۸

تمہارے لئے خیر ہے، اس سے بڑی خیر کیا ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے دس آیات میں ان کی پاکی اور عفت وعصمت کی شہادت دی جو قیامت تک تلاوت کی جائے گی، خود عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ مجھے اپنی جگہ یہ تو یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر میری صفائی اور برأت ظاہر فرمادیں گے مگر میں اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھتی تھی کہ میرے معاملہ میں قرآن پاک کی آیات نازل ہوجائیں گی، جو ہمیشہ پڑھی جاویں گی اس جگہ واقعہ کی کچھ مزید تفصیل بھی آیات کے سمجھنے میں معین ثابت ہوں گی۔ اس لئے اس کو مختصر لکھا جاتا ہے۔

اس سفر سے واپسی کے بعد حضرت عائشہ صدیقہؓ اپنے گھریلو کاموں میں مشغول ہوگئیں، ان کو خبر نہیں تھین کہ ان کے بارے میں منافقین نے کیا خبریں اڑائی ہیں، صحیح بخاری کی روایت میں خود حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بیان یہ ہے کہ سفر سے واپسی کے بعد کچھ میری طبیعت خراب ہوگئی کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ لطف وکرم اپنے ساتھ نہ دیکھتی تھی جو ہمیشہ سے معمول تھا بلکہ اس عرصہ میں آپ کا معمول یہ رہا کہ گھر میں تشریف لاتے اور سلام کرتے اور پھر پوچھ لیتے کیا حال ہے، اور پھر واپس تشریف لے جاتے تھے، مجھے چونکہ اس کی کچھ خبر نہ تھی کہ میرے بارے میں کیا خبر مشہور کی جارہی ہے۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس طرزِ عمل کا راز مجھ پر نہ کھلتا تھا اسی غم میں گھلنے لگی، ایک اور اپنی کمزوری کی وجہ سے مسطح صحابی کی والدہ ام مسطح کو ساتھ لے کر میں نے قضاء حاجت کے لئے باہر جانے کا ارادہ کیا، کیوں کہ اس وقت گھروں میں بیت الخلاء بنانے کا رواج نہ تھا، جب میں قضاء حاجت سے فارغ ہوکر گھر کی طرف آنے لگی تو ام مسطح کا پاؤں ان کی چادر میں الجھا اور وہ گر پڑی، اس وقت ان کی زبان سے نکلا ''**تعس المسطح**'' یہ ایک کلمہ ہے جو عرب میں بددعاء کے لئے استعمال ہوتا ہے اس میں ماں کی زبان سے اپنے بیٹے مسطح کے لئے بددعائیہ کلمہ سن کر عائشہ صدیقہؓ کو تعجب ہوا، ان سے فرمایا کہ یہ بہت بری بات ہے، تم ایک نیک آدمی کو برا کہتی ہو، جو غزوہ بدر میں شریک تھا، اس پر ام مسطح نے کہا کہ بیٹی تم کو خبر نہیں کہ مسطح میرا بیٹا کیا کہتا پھرتا ہے، میں نے پوچھا وہ کیا کہتا ہے، تب ان کی والدہ نے سارا واقعہ اہل افک کی چلائی ہوئی تہمت کا، اور مسطح کا اس میں شریک ہونا بیان کیا، عائشہ صدیقہؓ

فرماتی ہیں کہ یہ سن کر میرا مرض دوگنا ہوگیا، جب میں گھر میں واپس آئی اور حسب معمول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں تشریف لائے سلام کیا اور مزاج پرسی فرمائی تو عائشہ صدیقہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت چاہی کہ والدین کے گھر چلی جاؤں آپ نے اجازت دیدی۔ منشاء یہ تھا کہ والدین سے اس معاملہ کی تحقیق کروں، میں نے جا کر والدہ سے پوچھا تو والدہ نے مجھے تسلی دی کہ تم جیسی عورتوں کے دشمنہوا کرتے ہیں، تم اس غم میں نہ پڑو، خود بخود معاملہ صاف ہوجائے گا میں نے کہا سبحان اللہ! لوگوں میں اس کا چرچا ہے میں اس پر کیسے صبر کروں، میں ساری رات روتی رہی، نہ میرا آنسو تھما نہ میری آنکھ لگی، دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس خبر کے پھیلنے سے غمگین تھے اور اس عرصہ میں اس معاملہ سے متلق کوئی وحی نازل نہ ہوئی تھی، اس لئے حضرت علیؓ اور حضرت اسامہ بن زیدؓ کو یہ دونوں گھر ہی کے آدمی تھے، ان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشورہ کیا کہ ایسی حالت میں ہمیں کیا کرنا چاہئے، حضرت اسامہ بن زیدؓ نے کہا کہ جہاں تک ہمارا علم ہے ہمیں عائشہؓ کے بارے میں کوئی بدگمانی نہیں، ان کی کوئی بات ایسی نہیں جن سے بدگمانی کی راہ پیدا ہو، آپ ان افواہوں کی کچھ پرواہ نہ کریں، حضرت علی کرم اللہ وجہ نے آپ کو غم واضطراب سے بچانے کے لئے یہ مشورہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کچھ تنگی نہیں فرمائی ہے اگر افواہوں کی بناء پر عائشہؓ کی طرف سے کچھ تکدر طبعی ہوگیا ہے تو عورتیں اور بہت ہیں، اور آپ کا یہ تکدر اس طرح بھی رفع ہوسکتا ہے کہ بریرہؓ جو حضرت عائشہ صدیقہؓ کی کنیز ہیں ان سے ان کے حالات کی تحقیق فرمالیجئے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بریرہؓ سے پوچھ گچھ فرمائی، بریرہؓ نے عرض کیا کہ اور تو کوئی بات عیب کی مجھے ان میں نظر نہیں آئی بجز اس کے کہ نو عمر لڑکی ہیں بعض اوقات آٹا گوندھ کر رکھ دیتی ہیں خود سو جاتی ہیں بکری آکر آٹا کھا جاتی ہے۔ (اس کے بعد حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خطبہ دیا اور بر سر منبر تہمت گھڑنے والوں اور افواہ پھیلانے والوں کی شکایت کا ذکر فرمایا اور طویل قصہ مذکور ہے آگے کا مختصر قصہ یہ ہے کہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میرا یہ سارا دن پھر دوسری رات بھی مسلسل روتے ہوئے گزری میرے والدین بھی میرے پاس آگئے تھے وہ ڈر رہے تھے کہ رونے سے میرا کلیجہ پھٹ نہ

جائے ،میرے والدین میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور میرے پاس بیٹھ گئے اور جب سے یہ قصہ چلا تھا اس سے پہلے میرے پاس آکر نہ بیٹھے تھے پھر آپ نے ایک مختصر خطبہ شہادت پڑھا اور فرمایا اے عائشہ مجھے تمہارے بارے میں یہ باتیں پہنچی ہیں۔ اگر تم بری ہو تو اللہ تعالیٰ تمہیں بری کر دیں گے (یعنی براءت کا اظہار بذریعہ وحی فرمادیں گے) اور اگر تم سے کوئی لغزش ہوگئی ہے تو اللہ سے توبہ واستغفار کرو کیوں کہ بندہ جب اپنے گناہ کا اعتراف کر کے توبہ کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتے ہیں، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا کلام پورا فرمالیا تو میرے آنسو بالکل خشک ہو گئے، میری آنکھوں میں ایک قطرہ بھی نہ رہا میں نے اپنے والد ابوبکر صدیقؓ سے کہا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات کا جواب دیجئے ابوبکر نے عذر کیا کہ میں کیا کہہ سکتا ہوں پھر میں نے اپنی والدہ سے کہا کہ آپ جواب دیجئے انہوں نے بھی عذر کر دیا کہ میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ اب مجبور ہو کر مجھ ہی کو بولنا پڑا میں ایک کم عمر لڑکی تھی۔ اب تک قرآن بھی زیادہ نہیں پڑھ سکتی تھی، اس وقت اس رنج وغم اور انتہائی صدمہ کی حالت میں تو اچھے اچھے عقلاء کو بھی کوئی معقول کلام کرنا آسان نہیں ہوتا حضرت عائشہ صدیقہؓ نے جو کچھ فرمایا وہ ایک عجیب وغریب عاقلانہ فاضلانہ کلام ہے اس کے الفاظ بعینہٖ لکھے جاتے ہیں:

**واللہ لقد عرفت لقد سمعتهم هذا الحديث حتى استقر فی انفسكم وصدقتهم به ولئن قلت لكم إنی برئية واللہ يعلم إنی برئية لا تصدقونی ولان اعترفت لكم بامر واللہ يعلم إنی منه برئية لتصدقونی واللہ لا اجدلی ولكم مثلاً الا كما قال ابو يوسف فصبر جميل واللہ المستعان علی ماتصفون.**

بخدا مجھے معلوم ہوگیا ہے کہ آپ نے اس بات کو سنا اور سنتے رہے یہاں تک کہ یہ بات آپ کے دل میں بیٹھ گئی اور آپ نے اس کی (عملاً) تصدیق کر دی اب اگر میں یہ کہتی ہوں کہ میں اس سے بری ہوں جیسا کہ اللہ جانتا ہے کہ واقع میں بری ہوں تو آپ میری تصدیق نہ کریں گے اور اگر میں ایسے کام کا اعتراف کرلوں جس سے میرا بری ہونا اللہ تعالیٰ جانتا ہے تو آپ میری بات مان لیں گے۔ واللہ اب میں اپنے معاملے کی کوئی مثال بجز اس

کے نہیں پاتی جو یوسف علیہ السلام کے والد یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کی غلط بات سن کر فرمائی تھی کہ میں صبر جمیل اختیار کرتا ہوں اور اللہ سے اس معاملہ میں مدد طلب کرتا ہوں جو تم بیان کر رہے ہو۔

عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ اتنی بات کر کے میں الگ اپنے بستر پر جا کر لیٹ گئی اور فرمایا کہ مجھے یقین تھا کہ جیسا کہ میں فی الواقع بری ہوں، اللہ تعالیٰ میری براءت کا اظہار بذریعہ وحی ضرور فرمادیں گے۔ لیکن یہ وہم وخیال بھی نہ تھا کہ میرے معاملہ میں قرآن کی آیات نازل ہوں گی جو ہمیشہ تلاوت کی جاویں گی کیوں کہ میں اپنا مقام بہت کم محسوس کرتی تھی ہاں یہ خیال تھا کہ غالباً آپ کو خواب میں میری براءت ظاہر کر دی جاوے گی۔ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اس مجلس سے ابھی اٹھے بھی نہ تھے اور نہ ہی گھر والوں میں سے کوئی اٹھا تھا کہ آپ پر وہ کیفیت طاری ہوگئی جو نزول وحی کے وقت ہوا کرتی تھی جس سے سخت سردی کے زمانے میں آپ کی پیشانی مبارک سے پسینہ پھوٹنے لگتا تھا۔ جب یہ کیفیت رفع ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنستے ہوئے اٹھے اور سب سے پہلا کلمہ جو فرمایا وہ یہ تھا **أبشری یا عائشة اما الله فقد ابرآک** یعنی اے عائشہ خوشخبری سنو اللہ تعالیٰ نے تو تمہیں بری کر دیا۔ میری والدہ نے کہا کہ کھڑی ہو جاؤ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو۔ میں نے کہا کہ نہ میں اس معاملہ میں اللہ کے سوا کسی کا احسان مانتی ہوں نہ کھڑی ہوں گی میں اپنے رب کی شکر گزار ہوں کہ اسی نے مجھے بری فرمایا۔ (معارف القرآن ص: ۳۷۰ تا ۳۷۴ ج: ۶)

۳۶۲: وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٢﴾

ترجمہ: اور جو لوگ بڑے درجہ اور تم میں سے وسعت والے ہیں وہ اہل قرابت کو اور مساکین کو اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو دینے سے قسم نہ کھا بیٹھیں۔ اور ان لوگوں کو چاہئے کہ معاف کریں اور درگزر کا معاملہ کریں بے شک اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے۔

فائدہ مع شانِ نزول: یَاْتَلِ کے معنیٰ قسم کھانے کے ہیں حضرت صدیقہؓ پر تہمت کے واقعہ میں مسلمانوں میں سے مسطحؓ اور حسانؓ مبتلا ہو گئے تھے، جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نزول آیات براءت کے بعد حد قذف جاری فرمائی حضرت مسطحؓ اور حسانؓ دونوں ہی جلیل القدر صحابی غزوۂ بدر کے شرکاء میں سے ہیں مگر ایک لغزش ہوگئی جس سے توبۂ صادقہ نصیب ہوئی، اور حق تعالیٰ نے جس طرح حضرت صدیقہؓ کی براءت نازل فرمادی اسی طرح ان مومنین کی توبہ قبول کرنے اور معاف کرنے کا بھی اعلان فرمادیا۔

مسطحؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عزیز بھی تھے اور مفلس بھی حضرت صدیق اکبرؓ ان کی مالی مدد فرماتے تھے، جب واقعہ افک میں ان کی ایک گونہ شرکت ثابت ہوئی تو صدیقہؓ کے والد کی شفقت پدری اور بیٹی کو ایسا سخت صدمہ پہنچانے کی وجہ سے طبعی طور پر مسطحؓ سے رنج پیدا ہو گیا اور قسم کھا بیٹھے کہ آئندہ ان کی کوئی مالی مدد نہیں کریں گے، یہ ظاہر ہے کہ کسی خاص فقیر کی مالی مدد کرنا کسی خاص مسلمان پر علی التعیین واجب نہیں۔ اور جس کی مالی مدد کوئی کرتا ہے اگر وہ اس کو روک لے تو گناہ کی کوئی وجہ نہیں مگر صحابہ کرامؓ کی جماعت کو حق تعالیٰ دنیا کے لئے ایک مثالی جماعت بنانے والے تھے اس لئے ایک طرف جن لوگوں سے لغزش ہوئی ان کو سچی توبہ اور آئندہ اصلاحِ حال کی نعمت سے نوازا اور دوسری طرف جن بزرگوں نے طبعی رنج وملال کے سبب ایسے غریب فقیر کی مدد ترک کرنے کی قسم کھالی ان کو اعلیٰ اخلاق کی تعلیم اس آیت میں دی کہ ان کو یہ قسم توڑ دینا اور اس کا کفارہ ادا کرنا چاہئے ان کی مالی امداد سے دستکش ہوجانا ان کے مقام بلند کے مناسب نہیں، جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا ان کو بھی عفو ودرگزر سے کام لینا چاہئے۔

چونکہ حضرت مسطحؓ کی مالی امداد کرنا کوئی شرعی واجب حضرت صدیقؓ کے ذمہ نہیں تھا اس لئے قرآن کریم نے عنوان یہ اختیار فرمایا کہ اہل علم وفضل جن کو اللہ نے دینی کمالات عطا فرمائے ہیں اور جن کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی وسعت وگنجائش بھی ہے ان کو ایسی قسم نہیں کھانی چاہئے آیت میں دولفظ اولوالفضل اور والسعۃ اسی معنی کے لئے آئے ہیں۔

اسی آیت کے آخری جملہ میں جو ارشاد ہوا کہ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ یعنی کیا تم

یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو معاف فرمادیں تو صدیق اکبرؓ نے فوراً کہا کہ **واللہ إنی احب أن یغفر اللہ لی** (رواہ الشیخان) یعنی بخدا میں ضرور چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری مغفرت فرمادیں اور فوراً حضرت مسطح کی مالی امداد جاری فرمادی اور یہ بھی فرمایا اب کبھی یہ امداد بند نہ ہوگی۔ (بخاری ومسلم) چنانچہ مذکورہ آیت اسی واقعہ کے پیش نظر نازل ہوئی۔ [۱]

۳۶۳: اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ۪ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۲۳﴾

**ترجمہ:** جو لوگ تہمت لگاتے ہیں ان عورتوں کو جو پاکدامن ہیں ایسی باتوں سے بے خبر ہیں ایمان والیاں ہیں ان پر دنیا وآخرت میں لعنت کی جاتی ہے اور ان کو بڑا عذاب ہوگا۔

**شانِ نزول:** یہ مذکورہ آیت ان منافقین کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے آیات براءت صدیقہؓ نازل ہونے کے بعد بھی اس مشغلۂ تہمت کو نہ چھوڑا ان کے کافر اور منافق ہونے میں کوئی شبہ نہیں تائبین کے لئے اللہ تعالیٰ نے **فضل اللہ ورحمتہ** فرما کر مرحوم دارین قرار دیا۔ اور جنہوں نے توبہ نہیں کی ان کو اس آیت میں ملعون دنیا وآخرت فرمایا تائبین کو عذاب سے نجات کی بشارت دی اور غیر تائبین کے لئے عذاب عظیم کی وعید فرمائی تائبین کو وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ فرما کر مغفرت کی بشارت دی اور غیر تائبین کو اگلی آیت یَوْمَ تَشْهَدُ عَلَیْهِمْ میں معافی نہ ہونے کی وعید فرمائی۔ (کذا ذکرہ التھانوی فی بیان القرآن)

معارف القرآن ص:۳۸۲ ج:۶/اس آیت میں اس شانِ نزول کے علاوہ بھی بہت سے سبب نزول ہیں جن کو علامہ جوزی نے زاد المسیر ص:۲۵ ج:۶/میں ذکر فرمایا۔ **من شاء فلیطالع ثمہ** لیکن مشہور قول وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا۔ [۲]

---

**[۱] معارف القرآن ص:۳۸۱ ج:۶/زاد المسیر ص:۲۴ ج:۶/المقتطف ص:۵۰۶ ج:۳/ابن کثیر ص:۳۵۹،۳۶۰ ج:۳/معالم التنزیل ص:۱۸۵ ج:۴/روح المعانی ص:۱۲۵ ج:۱۸/پارہ نمبر ۱۸/تفسیر عثمانی ص:۴۷۰ نور**

**[۲] معالم التزیل ص:۱۸۶ ج:۴/روح المعانی ص:۱۲۶ ج:۱۸/پارہ نمبر ۱۸ المقتطف ص:۵۰۶،۵۰۷ ابن کثیر ص:۲۶۰**

ان تمام حوالجات میں زاد المسیر کی طرح مختلف شانِ نزول بیان کئے گئے ہیں جن میں کوئی منافات نہیں ہے، کیوں کہ آیت کے عموم میں سبھی داخل ہو سکتے ہیں۔

(وایضا فی تفسیر العثمانی بعضاً مختصراً ص: ۴۷۰)

۳۶۴- يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَ اِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۲۹﴾

**ترجمہ:** اے ایمان والو! تم اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں داخل مت ہو جب تک اجازت حاصل نہ کرلو، اوران کے رہنے والوں کو سلام نہ کرلو یہی تمہارے لئے بہتر ہے، تاکہ تم خیال رکھو۔ پھر اگر تم سے کہہ دیا جائے کہ لوٹ جاؤ تو تم لوٹ جایا کرو یہی بات تمہارے لئے بہتر ہے، اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی خبر ہے اور تم کو ایسے مکانات میں چلے جانے میں گناہ نہ ہوگا جن میں کوئی نہ رہتا ہو ان میں تمہاری برت ہو اور تم جو کچھ اعلانیہ کرتے ہو یا پوشیدہ کرتے ہو اللہ تعالیٰ سب جانتا ہے۔

**شانِ نزول:** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس ایک انصاری عورت آئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں گھر میں ایسی حالت میں ہوتی ہوں کہ اس حالت میں کسی کو گھر میں آنا پسند نہیں کرتی ہوں۔ اور مسلسل میرے گھر میں میرے اہل خانہ میں سے کوئی نہ کوئی آتا ہی رہتا ہے، اس وقت مذکورہ آیتوں میں سے يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ سے بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸﴾ تک نازل ہوئی ان دونوں آیتوں کے نزول کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب ہم شام وغیرہ کا سفر کرتے ہیں تو شام کی راہ میں سرائے اور مسافر خانہ وغیرہ میں رہنا ہوتا ہے جہاں کوئی مستقل طور پر نہیں رہتا تو وہاں اجازت کی نوعیت کیا ہوگی۔ اس وقت آیت کریمہ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ الخ تک

نازل ہوئی یعنی جن مکانوں میں کوئی خاص آدمی نہیں رہتا نہ کوئی روک ٹوک ہے مثلاً مسجد مدرسہ، خانقاہ سرائے وغیرہ اگر تمہاری وہاں کوئی چیز ہے یا وہاں تمہیں کچھ یوم رہنے کی ضرورت ہے تو بے شک وہاں جاسکتے ہو، اس کے لئے استیذان اور اجازت طلب کرنے کی ضرورت نہیں لیکن فی زماننا حالات ایسے نہیں رہے بلکہ آج تو سرائے اور مسافر خانہ کے صدر دروازے پر واضح طور پر لکھا رہتا ہے (نو ایڈمیشن) یعنی اندر آنے کی اجامت نہیں ہے، لہٰذا آج کے زمانے میں سوائے مسجد کے وہ بھی خاص وقت میں باقی سرائے اور مسافر خانہ میں داخل ہونے کے لئے اجازت اور ایام قیام وغیرہ کی تعیین ضروری اور لازمی شرط سمجھی جاتی ہے۔ (راقم الحروف) [۱]

۳۶۵- وَ الَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ وَّ اٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْۤ اٰتٰىكُمْ ؕ وَ لَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَ مَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۳﴾

**ترجمہ:** اور تمہارے مملوکوں میں سے جو مکاتب ہونے کے خواہاں ہوں تو ان کو مکاتب بنادیا کرو اگر ان میں بہتری پاؤ اور اللہ کے اس مال میں سے ان کو بھی دو جو تم کو اللہ نے دے رکھا ہے اور اپنی لونڈیوں کو زنا کرنے پر مجبور نہ کرو جب وہ پاکدامن رہنا چاہیں محض اس لئے کہ دنیوی زندگی کا کچھ فائدہ تم کو حاصل ہوجائے اور جو شخص ان کو مجبور کرے گا تو اللہ تعالیٰ ان کے مجبور کئے جانے کے بعد بخشنے والا مہربان ہے۔

**شانِ نزول:** حویطب بن عبدالعزیٰ کے پاس ایک غلام تھا اس کے غلام نے حویطب سے بدل کتابت دے کر آزاد ہونا چاہا، اس نے انکار کردیا اس وقت مذکورہ آیت کا ٹکڑا الَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ سے الَّذِيْۤ اٰتٰىكُمْ تک نازل ہوئی اس کے بعد اس نے مزید ملا کر

[۱] اسباب النزول ص:۱۷۶/زادالمسیر ص:۲۷ ج:۶/معالم التنزیل ص:۱۹۰، ج۴/الآیۃ الثالثۃ لیس علیکم جناح الخ روح المعانی ص:۱۳۳ ج:۱۸/پارہ نمبر ۱۸/تفسیرات احمدیہ ص:۳۶۸/معارف القرآن ص:۳۹۳ ج:۶/لیس علیکم جناح

بدل کتابت ادا کر دیا غزوۂ حنین کے دن مارا گیا۔

وَلَا تُكْرِهُوْا سے غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ تک اس ٹکڑے کا شانِ نزول یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں جن لوگوں کے پاس باندیاں ہوتیں ان سے خود تو متمتع ہوتے ہی تھے ساتھ ہی مال و دولت کی حرص نے انہیں اس درجہ کور چشم بنا دیا تھا کہ قبیح چیزیں ان کے یہاں کوئی درجہ ہی نہیں رکھتی تھیں، چنانچہ من جملہ ان میں ایک یہ عادت تھی کہ باندیوں کو زنا کرنے پر مجبور کرتے اور اس کے ذریعہ مال حاصل کرتے تھے چنانچہ عبداللہ بن ابی بن سلول کے پاس چھ باندیاں تھیں (۱) معاذہ (۲) مسیکہ (۳) امیمہ (۴) عمرہ (۵) اروی (۶) قتیلہ۔ چنانچہ جب یہ سب باندیاں زنا کرا کے آتیں تو اجرت میں جو چیز بھی ملتی اسے پیش کر دیتی تھیں، تو دوبارہ ان سے کہتا جاؤ پھر یہی طریقہ اختیار کرو، ایک مرتبہ دو باندیاں جب زنا کر کے آئیں اور ہر ایک نے زنا کے نتیجہ میں جو مال حاصل تھا عبداللہ بن ابی سلول کو سپرد کیا۔ تو پھر اس نے ان دونوں سے کہا کہ جاؤ پھر یہی کام کرو اور اسی طرح مال حاصل کر کے ہمیں دو ،مگر اس مرتبہ ان دونوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اب ہم یہ فعل قبیح بالکل نہ کریں گے، کیوں کہ اسلام آچکا ہے اور اسلام زنا کو حرام قرار دیتا ہے چنانچہ وہ دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں اور سارا قصہ بیان کیا تو اس وقت مذکورہ آیت کا مذکورہ ٹکڑا نازل ہوا۔

دوسری روایت یہ ہے کہ یہ دونوں باندیاں مسلمان ہو چکی تھیں اور ان دونوں کا نام معاذہ اور مسیکہ بتایا جاتا ہے۔ [۱]

۳۶۶- وَ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالرَّسُوْلِ وَ اَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَ اِذَا دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۸﴾

[۱] اسباب النزول ص:۱۸۶ تا ۱۸۸ / ابن کثیر ص:۲۷۳، ۲۷۱، ۲۷۰ / ج:۳ المقتطف ص:۵۱۶ ۵۱۷ ج:۳ / معالم التنزیل ص:۱۹۸ تا ۲۰۱ ج:۴ تفسیرات احمدیہ ص:۲۷۷ تا ۲۷۹ / زاد المسیر ص:۳۸، ۳۷، ج:۶ روح المعانی ص:۱۵۷، ۱۵۶، ۱۵۲ ج:۱۸ / پارہ ۱۸ / معارف القرآن ص:۱۴۱۴ مضموناً ص:۲۱۶ ج:۶ / تفسیر عثمانی ص:۴۷۳

**ترجمہ:** اور یہ منافق لوگ دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور رسول پر ایمان لے آئے اور حکم مانا پھر اس کے بعد ان میں کا ایک گروہ سرتابی کرتا ہے اور یہ لوگ بالکل ایمان نہیں رکھتے یہ لوگ جب اللہ اور اس کے رسول کی طرف اس غرض سے بلائے جاتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے درمیان فیصلہ کر دیں تو ان میں کا ایک گروہ پہلوتہی کرتا ہے۔

**شانِ نزول:** مذکورہ دونوں آیتیں ایک منافق اور ایک یہودی کے بارے میں نازل ہوئیں، واقعہ یہ ہے کہ ایک یہودی اور منافق شخص کا ایک زمین کے معاملہ میں نزاع ہو گیا انصاف طلب کرنے کے لئے یہودی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس معاملہ لے جانا چاہا اور منافق نے کعب بن اشرف کے پاس معاملہ لے جانے کی خواہش ظاہر کی، اور منافق نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیصلہ میرے لئے باعث اطمینان نہیں اس پر مذکورہ آیت نازل ہوئی، اس بارے میں مکمل تفصیل سورۂ نساء کی آیت **یریدون أن یتحاکموا إلی الطاغوت** کے تحت آچکی ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

**۳۶۷-وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ؕ وَ مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۵۵**

**ترجمہ:** تم میں جو لوگ ایمان لاویں اور نیک عمل کریں ان سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ ان کو زمین میں حکومت عطا فرماوے گا جیسا کہ ان سے پہلو کو حکومت دی تھی اور جس دین کو ان کے لئے پسند کیا ہے اس کو ان کے لئے قوت دے گا ان کے اس خوف کے بعد اس کو امن سے بدل دے گا بشرطیکہ میری عبادت کرتے رہیں میرے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کریں اور جو شخص بعد اس کے ناشکری کرے گا تو یہ لوگ نافرمان ہیں۔

**شانِ نزول:** قرطبی نے ابو العالیہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نزول وحی

اور اعلان نبوت کے بعد دس سال مکہ مکرمہ میں رہے تو ہر وقت کفار و مشرکین کے خوف میں رہے پھر ہجرت مدینہ کا حکم ہوا تو یہاں بھی مشرکین کے حملوں سے ہر وقت خطرہ میں رہے کسی شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی ہم پر ایسا دن بھی آئے گا کہ ہم ہتھیار کھول کر امن و اطمینان کے ساتھ رہ سکیں گے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بہت جلد ایسا وقت آنے والا ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (قرطبی)

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے فرمایا کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے جو اس نے امت محمدیہ سے ان کے وجود میں آنے سے پہلے ہی تورات و انجیل میں فرمایا تھا۔ (بحر المحیط)

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تین چیزوں کا وعدہ فرمایا کہ آپ کی امت کو زمین کا خلیفہ اور حکمراں بنایا جائے گا اور اللہ کے پسندیدہ دین اسلام کو غالب کیا جائے گا اور مسلمانوں کو اتنی قوت اور شوکت دی جائے گی کہ ان کو دشمنوں کا کوئی خوف نہ رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ اس طرح پورا فرمایا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں مکہ، خیبر، بحرین، اور پورا جزیرۃ العرب اور پورا ملک یمن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے ذریعہ فتح ہوا اور ہجر کے مجوسیوں سے اور ملک شام کے بعض اطراف سے آپ نے جزیہ وصول فرمایا۔ اور شاہ روم ہرقل نے اور شاہ مصر و اسکندریہ مقوقس اور شاہان عمان اور بادشاہ حبشہ نجاشی وغیرہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدایا بھیجے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم و تکریم کی ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق ؓ خلیفہ ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد جو فتنے پیدا ہو گئے تھے ان کو ختم کیا اور بلاد فارس اور بلاد شام و مصر کی طرف اسلامی لشکر بھیجے اور بصریٰ اور دمشق آپ ہی کے زمانے میں فتح ہوئے اور دوسرے ملکوں کے بھی بعض حصے فتح ہوئے حضرت صدیق اکبر ؓ کی وفات کا وقت آیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں اپنے بعد حضرت عمر بن خطاب ؓ کو خلیفہ بنانے کا الہام فرمایا حضرت عمر بن خطاب ؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے نظام ایسا سنبھالا کہ آسمان نے انبیاء علیہ السلام کے بعد ایسا نظام کبھی نہ دیکھا تھا ان کے زمانے میں ملک شام پورا فتح ہو گیا اسی طرح پورا ملک فارس اور ملک مصر کا اکثر حصہ انہیں کے زمانے میں قیصر و کسریٰ کا خاتمہ ہوا اس کے بعد دولت عثمانیہ کا

وقت آیا تو اسلامی فتوحات کا دائرہ مشارق ومغارب تک وسیع ہوگیا بلاد مغرب، اندلس، اور قبرص تک اور مشرق اقصیٰ میں بلاد چین تک اور عراق، خراسان، اہواز سب آپ کے زمانے میں فتح ہوئے، اور صحیح حدیث میں ہے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مجھے پوری زمین کے مشارق ومغارب سمیٹ کر دکھائے گئے ہیں اور میری امت کی حکومت ان تمام علاقوں تک پہنچے گی جو مجھے دکھائے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ خلافت عثمانیہ کے دور ہی میں پورا فرمادیا (یہ مضمون تفسیر ابن کثیر سے لیا گیا ہے)

اور ایک حدیث میں جو یہ آیا ہے کہ خلافت میرے بعد تیس سال رہے گی اس کی مراد خلافت راشدہ ہے جو بالکل نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر قائم رہی اور حضرت علی مرتضیٰ تک چلی کیوں کہ یہ تیس سال کی مدت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانے تک پوری ہوئی۔

ابن کثیر نے اس جگہ صحیح مسلم کی حدیث بھی نقل کی ہے کہ حضرت جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میری امت کا کام چلتا رہے گا جب تک بارہ خلیفہ رہیں گے، ابن کثیر نے اس کو نقل کر کے فرمایا کہ یہ حدیث بارہ ۱۲/خلیفہ عادل اس امت میں ہونے کی خبر دے رہی ہے جس کا وقوع ضروری ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ سب کے سب مسلسل اور متصل ہی ہوں بلکہ ہوسکتا ہے کہ کچھ وقفوں کے بعد ہوں، ان میں سے چار تو یکے بعد دیگرے ہو چکے جو خلفاء راشدینؓ تھے پھر کچھ وقفوں کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ہوئے ان کے بعد بھی مختلف زمانوں میں ایسے خلیفہ ہوتے رہے اور تا قیامت ہوتے رہیں گے آخری خلیفہ حضرت مہدی ہوں گے روافض نے جن بارہ خلیفہ کو متعین کیا ہے اس کی کوئی دلیل حدیث میں نہیں بلکہ ان میں بعض تو وہ ہیں جن کا خلافت سے کوئی تعلق ہی نہ رہا اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ان سب کے درجات برابر ہوں اور سب کے زمانے میں امن وسکون دنیا کا یکساں ہو، بلکہ اس وعدہ کا مدار ایمان وعمل صالح پر استقامت اور مکمل اتباع پر ہے اس کے درجات کے اختلاف سے حکومت کی نوعیت وقوت میں بھی فرق واختلاف لازمی ہے اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ اس پر شاہد ہے کہ مختلف زمانوں اور مختلف ملکوں میں جب اور جہاں کوئی مسلمان عادل اور صالح

بادشاہ ہوا ہے اس کو اپنے عمل وصلاح کے پیمانے پر اس وعدہ الٰہیہ کا حصہ ملا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں دوسری جگہ فرمایا ہے **إن حزب الله هم الغالبون** یعنی اللہ کی جماعت ہی غالب رہے گی۔ [1]

**فائدہ:** مذکورہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی دلیل بھی ہے، کیوں کہ جو پیشین گوئی اس آیت میں فرمائی گئی تھی وہ بالکل اسی طرح پوری ہوئی اور حرف بحرف صادق آئی، اس طرح یہ آیت خلافت خلفاء راشدین کے حق اور مقبول عند اللہ ہونے کی بھی دلیل ہے، کیوں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جو وعدے فرمائے ہیں انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت سے فرمایا تھا اس کا پورا پورا ظہور انہی حضرات کے زمانے میں ہوا، اگر ان حضرات کی خلافت کو حق نہ مانا جائے جیسا کہ روافض کا خیال ہے تو پھر قرآن کا یہ وعدہ کبھی پورا ہی نہیں ہوا، اور روافض کا یہ کہنا کہ یہ وعدہ حضرت مہدی کے زمانہ میں پورا ہوگا، ایک مضحکہ خیز بات ہے اس کا حاصل تو یہ ہوا کہ چودہ سو برس بلکہ اس سے زائد حضرت مہدی کے زمانہ کے آنے تک ہزاروں سال تو پوری امت ذلت وخواری میں رہے گی، اور قرب قیامت میں جو چند روز کے لئے ان کی حکومت ہوگی وہی حکومت اس وعدہ سے مراد ہے، معاذ اللہ حقیقت یہ ہے کہ یہ وعدہ اللہ تعالیٰ نے جن شرائط ایمان وعمل صالح کی بنیاد پر کیا تھا وہ شرائط بھی انہی حضرات میں سب سے زیادہ کامل ومکمل تھیں، اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ مکمل انہیں کے عہد میں پورا ہوا، ان کے بعد نہ ایمان وعمل کا وہ درجہ قائم رہا اور نہ خلافت وحکومت کا وہ وقار کبھی قائم ہوا۔ (معارف القرآن ص:۴۴۱، ج۶)

۳۶۸- يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَ الَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَ حِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَ مِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ۫ ثَلٰثُ

[1] معارف القرآن ص: ۴۳۹ تا ۴۴۱ ج: ۶/ المقتطف ص: ۱۳ ۵ ج: ۳ معالم التنزیل ص: ۲۱۶، ۲۱۵ ج: ۴/ تفسیر عثمانی ص: ۴۷۷ معنا/ اسباب النزول ص: ۱۸۸/ ۱۸۹، زاد المسیر ص: ۵۷، ۵۸ ج: ۶/ روح المعانی ص: ۲۰۲ ج: ۱۸ پارہ ۱۸/ ابن کثیر ص: ۲۸۲/ ۲۸۳ ج: ۳

عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَ لَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۸﴾

**ترجمہ:** اے ایمان والو! تمہارے مملوکوں کو اور جو تم میں حد بلوغ کو نہیں پہنچے ان کو تین وقتوں میں اجازت لینی چاہئے، نماز صبح سے پہلے اور جب تم دوپہر کو اپنے کپڑے اتار دیا کرتے ہو اور نماز عشاء کے بعد یہ تین وقت تمہارے پردے کے ہیں ان اوقات کے علاوہ نہ تم پر کوئی الزام ہے اور نہ ان پر کوئی الزام ہے وہ بکثرت تمہارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں کوئی کسی کے پاس اور کوئی کسی کے پاس اسی طرح اللہ تعالیٰ تم سے احکام صاف صاف بیان کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے۔

**شانِ نزول:** مذکورہ آیت کے سبب نزول میں دو قول ہیں:

۱- ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک انصاری غلام کو جس کا نام مدلج بن عمر تھا دوپہر کے وقت حضرت عمرؓ کو بلانے کے لئے اسے بھیجا مدلج بن عمر حضرت عمرؓ کے پاس ایسی حالت میں پہنچا کہ اس حالت میں حضرت عمرؓ نے اس کے دیکھنے کو ناپسند کیا چنانچہ پیغام ملتے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آپہنچے، اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری دلی خواہش ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ بھی ایسی چیزوں کا حکم فرمادیں کہ استیذ ان کی صورت میں بھی روکنے اور منع کرنے کا اختیار ہو اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

۲- اسماء بنت مرشدؓ کے پاس ایک بالغ غلام تھا۔ ایک مرتبہ یہ حضرت اسماءؓ کے پاس ایسے وقت پہنچا کہ حضرت اسماءؓ نے اس کے اس فت آنے کو ناپسند کیا، چنانچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور عرض کی کہ میرے خدمت گار اور غلام ایسے ایسے وقت میں آجاتے ہیں کہ ہمیں ناگوار محسوس ہوتا ہے۔ اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ [1]

---

[1] اسباب النزول ص: ۱۸۹ / المقتطف ص: ۵۳۳ ج: ۳ / معالم التنزیل ص: ۲۱۷ ج: ۴ / زاد المسیر ص: ۶۰ ج: ۶ / ابن کثیر ص: ۲۸۵، ۲۸۴ ج: ۳ روح المعانی ص: ۲۱۷، ۲۱۶ ج: ۱۸ / پارہ ۱۸

۴۶۹- لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى
الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّ لَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ
اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ
بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ
خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ
تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ؕ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ
تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ
لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۱﴾

**ترجمہ:** نہ تو اندھے آدمی کے لئے کوئی مضائقہ ہے اور نہ لنگڑے آدمی کے لئے اور نہ بیمار آدمی کے لئے کچھ مضائقہ ہے اور نہ خود تمہارے لئے اس بات میں کہ تم اپنے گھروں سے کھانا کھالو یا اپنے آباء کے گھر سے یا اپنی ماؤں کے گھر سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا ان گھروں سے جن کی کنجیاں تمہارے اختیار میں ہیں یا اپنے دوستوں کے گھروں سے سب مل کر کھاؤ یا الگ الگ پھر جب تم گھروں میں جانے لگو تو اپنے لوگوں کو سلام کرلیا کرو دعاء کے طور پر جو خدا کی طرف سے مقرر ہے اور برکت والی عمدہ چیز ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ تم سے احکام بیان فرماتا ہے تا کہ تم سمجھو۔

**شانِ نزول مع فوائد:** قرآن کریم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عام تعلیمات میں حقوق العباد کی حفاظت و رعایت کے لئے جتنی تاکیدات آئی ہیں ان سے کوئی مسلمان بے خبر نہیں کسی دوسرے کے مال میں بغیر اس کی اجازت کے تصرف کرنے پر سخت وعیدیں آئی ہیں دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے لئے ایسے خوش نصیب لوگوں کو چن لیا تھا کہ جو اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر ہر وقت گوش بر آواز رہتے تھے اور ہر حکم کی تعمیل میں اپنی پوری توانائی صرف کرنے کو تیار رہتے تھے قرآنی تعلیمات پر عمل اور اس کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے مبارک اثر سے اللہ تعالیٰ نے

ایک ایسی جماعت تیار کردی تھی کہ فرشتے بھی ان پر فخر کرتے ہیں۔ دوسروں کے مال میں ان کی مرضی اور اجازت کے بغیر ادنیٰ قسم کا تصرف گوارہ نہ ہونا اور کسی کو ادنیٰ سی تکلیف پہنچانے سے پرہیز کرنا اور اس میں تقویٰ کے اعلیٰ معیار پر قائم ہونا سبھی صحابہ کا وصف تھا۔ اسی سلسلہ کے چند واقعات عہد رسالت میں پیش آئے جن کی وجہ سے آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

حضرات مفسرین نے یہ سب واقعات لکھے ہیں کسی نے ان میں سے کسی کو شان نزول قرار دیا کسی نے کسی دوسرے واقعہ کو مگر صحیح بات یہ ہے کہ ان اقوال میں کوئی تضاد نہیں مجموعہ واقعات اس آیت کا شانِ نزول ہیں واقعات یہ ہیں:

۱- امام بغویؒ اور حضرت سعید بن جبیر اور ضحاک نے ائمہ تفسیر سے نقل کیا ہے کہ دنیا کے عرف اور اکثر لوگوں کی طبیعتوں کا حال یہ ہے کہ لنگڑے، لولے، اندھے، اور بیمار آدمی کے ساتھ بیٹھ کر کھانے سے گھن کرتے ہیں اور ناپسند کرتے ہیں۔

حضرات صحابہ میں سے جو ایسے معذور تھے ان کو خیال ہوا کہ ہم کسی کے ساتھ کھانے میں شریک ہوں گے تو شاید اس کو تکلیف ہو اس لئے یہ لوگ تندرست آدمی کے ساتھ کھانے میں گریز کرنے لگے، نیز نابینا آدمی کو یہ بھی فکر ہوئی کہ جب آدمی کھانے میں شریک ہوں تو عدل و مساوات کا تقاضہ یہ ہے کہ کوئی شریک دوسرے سے زیادہ نہ کھائے سب کو برابر حصہ ملے اور میں نابینا ہونے کی وجہ سے اس کا اندازہ نہیں کرسکتا ممکن ہے کہ میں دوسروں سے زیادہ کھالوں اس میں دوسروں کی حق تلفی ہو۔ لنگڑے آدمی نے خیال کیا کہ عام تندرست لوگوں کی طرح بیٹھ نہیں سکتا دو آدمی کی جگہ لیتا ہوں، کھانے پر دوسروں کے ساتھ بیٹھوں گا تو ممکن ہے کہ ان کو تنگی اور تکلیف پیش آئے ان کی اس غایت احتیاط میں ظاہر ہے کہ خود ان کو تنگی اور تکلیف پیش آتی تھی اس لئے یہ آیت نازل ہوئی جس میں ان کو دوسروں کے ساتھ مل کر کھانے کی اجازت اور ایسی دقیق احتیاط کو چھوڑنے کی تلقین فرمائی کہ جس سے تنگی میں پڑ جائیں۔

۲- اور بغوی نے بروایت ابن جریر حضرت ابن عباسؓ سے ایک دوسرا واقعہ نقل کیا ہے وہ یہ ہے کہ جب قرآن کریم کی آیت لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ نازل ہوئی یعنی نہ کھاؤ ایک دوسرے کا مال ناحق طور پر تو لوگوں کو اندھے لنگڑے بیمار لوگوں کے ساتھ

مل کر کھانے میں یہ تردد پیش آنے لگا کہ بیمار تو عادۃً کم کھاتے ہیں نابینا کو کھانے کی چیزوں میں یہ امتیاز نہیں ہوتا کہ کون سی چیز عمدہ ہے اور لنگڑے کو اپنی نشست ہموار نہ ہونے کی وجہ سے کھانے میں تکلیف ہوتی ہے تو حصہ مساوی ہونا چاہئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں اس تعمق اور تکلیف میں پڑنے سے ان کو آزاد کر دیا گیا کہ سب مل کر کھاؤ، معمولی کمی بیشی کی فکر نہ کرو، اور سعید بن مسیب نے فرمایا کہ مسلمان جب کسی جہاد اور غزوہ کے لئے جاتے تو اپنے گھروں کی کنجیاں ان معذوروں کے سپرد کر دیتے تھے اور کہہ دیتے تھے کہ گھر میں جو کچھ ہے اسے تم کھا پی سکتے ہو۔ مگر یہ لوگ اس احتیاط کی بناء پر ان کے گھروں میں سے کچھ نہ کھاتے کہ شاید ان کی منشاء کے خلاف خرچ ہو جائے، اس پر مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

مسند بزاز میں بسند صحیح حضرت عائشہ سے یہی مضمون نقل کیا گیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی غزوہ میں تشریف لے جاتے تو عام صحابہ کی دلی خواہش یہ ہوتی تھی کہ سب آپ کی رفاقت میں شریک جہاد ہوں، اور اپنے مکان کی کنجیاں ان غریب معذورین صحابہ کے سپرد کر دیتے تھے کہ ہمارے پیچھے ہمارے گھروں میں جو کچھ ہے اس میں تصرف کرنے کی انہیں عام اجازت ہے، مگر یہ لوگ غایت تقویٰ سے اس اندیشہ پر کہ شاید ان کی یہ اجازت بطیب خاطر نہ ہو اس لئے اس سے پرہیز کرتے تھے، بغوی نے حضرت ابن عباس سے یہ نقل کیا ہے کہ آیت مذکورہ میں جو لفظ صَدِيْقِكُمْ کا آیا ہے یعنی اپنے دوست کے گھر میں بھی کھانے پینے میں کوئی حرج نہیں یہ حارث بن عمرو کے واقعہ میں نازل ہوا کہ وہ کسی جہاد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلے گئے اور اپنے دوست مالک بن زید کو اپنے گھر والوں کی نگرانی سپرد کر دی، جب حارث واپس آئے تو دیکھا کہ مالک بن زید بہت کمزور ہو رہے ہیں، وجہ دریافت کرنے پر انہوں نے کہا کہ میں نے آپ کے گھر میں سے آپ کے کھانے میں سے آپ کے پیچھے مناسب نہیں سمجھا اور اس میں کوئی منافات نہیں کہ اس قسم کے تمام واقعات اس آیت کے سبب نزول ہوں۔ [۱]

[۱] مظہری معارف القرآن ص: ۴۵۱، ۴۴۹ ج: ۶/ المقتطف ص: ۵۳۶ ج: ۳/ اسباب النزول ص: ۱۸۹، ۱۹۰، ابن کثیر ص: ۲۸۷، ۲۸۶ ج: ۳/ زاد المسیر ص: ۶۴، ۶۳ روح المعانی ص: ۲۱۸، ۲۱۷ ج: ۱۸/ پارہ ۱۸ معالم التنزیل ص: ۲۲۲، ۲۲۱ ج: ۴/ تفسیرات احمدیہ ص: ۳۸۳ تا ۳۸۵

# سورۃ الفرقان

سورۂ فرقان جمہور مفسرین کے نزدیک مکی ہے، حضرت ابن عباس؄ اور قتادہ نے صرف تین آیتوں کے متعلق کہا ہے کہ مکی نہیں ''مدنی'' ہیں اور باقی سورت ''مکی'' ہے، اور وہ تین آیات یہ ہیں یعنی وَ الَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ سے غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۝ تک (۶۸ سے ۷۰) تک اور بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ سورت ''مدنی'' ہے اور اس میں کچھ آیات مکی ہیں (قرطبی) اور اس سورت میں تین طرح کے مضامین خاص طور سے بیان کئے گئے ہیں۔

۱- قرآن کریم کی عظمت۔

۲- رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت ورسالت کی حقانیت۔

۳- اور قرآن شریف پر ہونے والے اعتراضات کے جوابات۔

(معارف القرآن ص:۴۵۷، ج:۶/ زاد المسیر ص:۱۷، ج:۶/ بعضًا)

**۷۰۳- تَبٰرَكَ الَّذِيْۤ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَ يَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا۝۱۰**

**ترجمہ:** وہ ذات بڑی عالی شان ہے کہ اگر وہ چاہے تو آپ کو (کفار کی اس فرمائش) سے (بھی) اچھی چیز دیدے یعنی بہت سے باغات جس کے نیچے نہریں جاری ہوں، اور آپ کو بہت سے محل دیدے (جوان باغوں میں بنے ہوں یا باہر میں ہوں جس سے ان کی فرمائش اور بھی نعمتوں کے ساتھ پوری ہوجاوے مطلب یہ ہے کہ جو جنت میں ملے گا اگر اللہ چاہے تو آپ کو دنیا ہی میں دیدے لیکن بعض بعض حکمتوں کے پیش نظر نہیں عطاء کیا کہ حکیم کا فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا ہے۔

اور فی نفسہ ضروری بھی نہیں تھا۔ لہٰذا شبہ اور اعتراض اور طعن وتشنیع بے معنی ہیں اور پھر یہ کہ اعتراض کا مقصد حق کی تلاش اور جستجو تو ہے نہیں بلکہ شرارت اور عداوت مقصود ہے۔)

**شانِ نزول:** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا اکثر حصہ فقر و فاقہ اور معاشی تنگی میں گزرا ہے، ایک مرتبہ کئی روز سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی حالت میں تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حالت کو دیکھ کر مشرکین مکہ کو اچھا موقع ہاتھ آ گیا، طعنے کسنے شروع کر دیئے کہ ایک طرف تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے تئیں اللہ کا رسول ہونا اور اللہ کا قریبی ہونا بتلاتا ہے اور دوسری طرف یہ حالت کہ نان شبینہ کا بھی محتاج بنا ہوا ہے اور پھر یہ کہ جس طرح یہ اپنے تئیں نبی ہونا بتلاتا ہے تو نبی کی شان نبوت تو یہ ہے کہ عام لوگوں کی زندگی سے ان کی زندگی الگ تھلگ رہے۔ جب کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عام لوگوں کی طرح کھاتے پیتے بھی ہیں اور عام لوگوں کی طرح بازار سے سودا سلف بھی لاتے ہیں، غرض کہ عام لوگوں کی زندگی میں اور ان کی زندگی میں کوئی ممتاز اور نمایاں فرق نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی ان باتوں سے رنجیدہ خاطر ہوئے، اس وقت حضرت جبرئیلؑ تشریف لائے اور خدمت اقدس میں عرض کیا کہ اللہ سبحانہ نے آپ کی خدمت میں سلام عرض کیا ہے اور یہ تحفہ پیش کیا ہے (وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَ يَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ) جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم نے جتنے انبیاء اور رسل آپ سے قبل مبعوث کئے ہیں وہ تمام ہی خورد و نوش بھی کیا کرتے اور اس کے ساتھ اپنی معاشی ضرورتوں کے لئے بازاروں اور شہروں میں بھی جایا کرتے تھے۔'' (اسباب النزول ص:۱۹۱)

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حضرت جبرئیلؑ نے عرض کیا کہ جہاں تک مشرین مکہ اور قریش مکہ کے طعن وتشنیع کا سوال ہے تو اس بارے میں اللہ کی طرف سے جواب اس طرح ہے کہ اللہ نے آپ کو دو باتوں میں سے ایک بات میں اختیار دیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ آپ نبی کے ساتھ عبدیت کو پسند فرمانا چاہتے ہیں یا نبوت کے ساتھ حکومت وسلطنت کو؟ ادھر حضرت جبرئیلؑ نے آپ کو اس بارے میں یہ مشورہ دیا کہ آپ نبوت کے

ساتھ ملوکیت اور حکومت کو پسند اور اختیار نہ کر کے نبوت کے ساتھ عبدیت کو اختیار فرمائیں تو یہ بہتر رہے گا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبد ہونے کو پسند فرمایا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ٹیک لگا کر کھانا بھی تناول نہیں فرماتے تھے، اور فرماتے کہ ''میں ایک غلام کی طرح کھانا کھاتا ہوں، اور غلام کی طرح بیٹھتا ہوں'' اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی جس کا مفہوم آیت کے ذیل میں ترجمہ کے ساتھ ذکر کردیا گیا ہے گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فقر اختیاری تھا اگر آپ چاہتے تو مکہ کے پہاڑ سونے کے پہاڑ بن کر آپ کے ہمراہ گھومتے پھرتے لیکن انبیاء، اور صلحاء، کی نگاہ میں دنیاداروں کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی، اس لئے ایک موقع پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **''الفقر فخری''**۔ (معالم التنزیل ص: ۲۲۷ ج: ۴)

۷۱-۳- وَمَآ اَرۡسَلۡنَا قَبۡلَكَ مِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ اِلَّاۤ اِنَّهُمۡ لَيَاۡكُلُوۡنَ الطَّعَامَ وَ يَمۡشُوۡنَ فِى الۡاَسۡوَاقِ‌ؕ وَ جَعَلۡنَا بَعۡضَكُمۡ لِبَعۡضٍ فِتۡنَةً ؕ اَتَصۡبِرُوۡنَ‌ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيۡرًا ۝۲۰

**ترجمہ:** اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے سب کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں بھی چلتے تھے (مطلب یہ ہے کہ نبوت اور اکل وشرب میں منافات نہیں چنانچہ جن کی نبوت دلائل سے ثابت ہے گو معترضین اعتراف نہ کریں ان سب سے ان کا صدور ہوا ہے لہٰذا آپ پر بھی جو اعتراض ہو رہا ہے غلط ہے) اور (آپ ان کے بے ہودہ اعتراض سے غمگین نہ ہوں) ہم نے تم میں ایک کو دوسرے کے لئے آزمائش بنایا ہے کیا تم صبر کرو گے (صبر کرنا چاہئے) اور (یہ بات یقینی ہے) کہ آپ کا رب خوب دیکھ رہا ہے (تو وقت موعود پر سزا دے گا تو پھر آپ کیوں ہموم وغموم میں مبتلا ہیں)

**شانِ نزول:** کفار مکہ اور قریش مکہ اپنی جہالت اور حقیقت شناسی سے دوری کی وجہ سے ایک بات یہ کہا کرتے تھے کہ اگر یہ اللہ کے رسول ہوتے تو ان کے پاس دولت کے خزانے ہوتے، اور بہت بڑی جائیداد اور باغات ہوتے تاکہ معاشی تنگی سے دوچار نہ ہوتے اس کا جواب آیت نمبر ۱۵ میں دے دیا گیا ہے جو ابھی گزری۔

دوسری بات کفار یہ کہا کرتے تھے کہ اگر یہ پیغمبر ہوتے تو عام انسانوں کی طرح نہ کھاتے نہ پیتے، اور نہ ہی کسب معاش کے لئے بازار میں پھرتے اس پر مذکورہ آیت نازل ہوئی، اور ان کے اعتراض کا جواب دیا گیا کہ نبوت کے منافی اکل وشرب نہیں ہے، اور اب بھی اگر یہ نہ مانیں تو اپنا ہی نقصان کریں۔ (معالم التنزیل ص: ۲۳۰، ج: ۴/اسباب النزول ص: ۱۹۱)

۲۷-۳ وَ يَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِى اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ۝ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِىْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ۝

**ترجمہ:** اور جس روز ظالم (یعنی کافر غایت حسرت سے) اپنے ہاتھ خود ہی کاٹ کھاوے گا، (اور) کہے گا کہ کیا اچھا ہوتا کہ میں رسول کے ساتھ شامل ہوتا (یعنی ان کے دین کو اپنا لیتا) اور اے خرابی میری کہ فلاں شخص کو میں دوست نہ بناتا۔

**شانِ نزول:** مذکورہ دونوں آیتوں کا نزول ایک خاص واقعہ سے متعلق ہے مگر حکم عام ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ عقبہ ابن ابی معیط مکہ کے مشرک سرداروں میں سے تھا اس کی عادت تھی کہ جب کسی سفر سے واپس آتا تو شہر کے معزز لوگوں کی دعوت کرتا تھا اور اکثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بھی ملا کرتا تھا ایک مرتبہ حسب عادت اس نے معززین شہر کی دعوت کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بھی بلایا جب اس نے آپ کے سامنے کھانا رکھا تو آپ نے فرمایا کہ میں تمہارا کھانا اس وقت تک نہیں کھا سکتا جب تک تم اس کی گواہی نہ دو کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے، اس کا کوئی شریک عبادت میں نہیں ہے، اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں عقبہ نے یہ کلمہ پڑھ لیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے شرط کے مطابق کھانا تناول فرمالیا۔

عقبہ کا ایک گہرا دوست ابی ابن خلف تھا جب اس کو خبر لگی کہ عقبہ مسلمان ہو گیا ہے، تو بہت برہم ہوا عقبہ نے عذر کیا کہ قریش کے معزز مہمان محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میرے گھر پر آئے ہوئے تھے اگر وہ بغیر کھانا کھائے چلے جاتے تو میرے لئے بڑی رسوائی تھی اس لئے میں نے ان کی خاطر سے یہ کلمہ کہہ لیا ابی بن خلف نے کہا کہ میں تیری ایسی باتوں کو قبول نہیں کروں گا، جب تک تو جا کر ان کے منہ پر تھوکے یہ کمبخت بدنصیب دوست کے کہنے سے اس گستاخی پر آمادہ ہو گیا اور یہ گستاخ آمیز حرکت کر گزرا اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھی ان دونوں کو ذلیل کیا کہ غزوۂ

بدر میں دونوں مارے گئے اور آخرت میں ان کے عذاب کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے۔
جب آخرت کا عذاب سامنے دیکھے گا تو اس وقت ندامت وافسوس سے اپنے ہاتھ کاٹنے لگے گا اور کہے گا کاش میں فلاں یعنی ابی بن خلف کو دوست نہ بناتا۔ [۱]

علامہ جوزی نے مذکورہ شانِ نزول کے علاوہ دو سبب نزول اور بیان کئے ہیں، اسی طرح علامہ واحدی نے بھی، تفصیل اس طرح ہے۔

ابی بن خلف گرچہ مسلمان نہ ہوا تھا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت رکھتا تھا، جس کے تئیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آتا جاتا بھی تھا، عقبہ بن ابی معیط کو جب یہ معلوم ہوا تو اس نے ابی بن خلف کو اس سے سختی سے منع کیا اور ڈانٹا، اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت شعبی نے بیان فرمایا کہ عقبہ امیہ بن خلف کا دوست تھا پھر جب عقبہ مشرف باسلام ہو چکا تو امیہ بن خلف عقبہ کے اس عمل سے سخت ناراض ہوا اور کہا کہ اگر تیرا ایسا ہی ارارہ ہے کہ تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کرے تو میرا تیرا اب کوئی رشتہ باقی نہ رہا اور میرے لئے تیری طرف دیکھنا بھی حرام ہے، امیہ بن خلف کی اس بات سے عقبہ بالآخر اسلام سے پھر گیا اور مرتد ہو گیا اس وقت مذکورہ آیت اتری۔ اس میں کوئی تعارض نہیں، ممکن ہے کہ عقبہ کی دوستی ان میں سے ہر ایک سے ہو۔ [۲]

۳۷- وَ الَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَ لَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ لَا يَزْنُوْنَ ۚ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ﴿۶۸﴾ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ يَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ﴿۶۹﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۰﴾

---

[۱] معارف القرآن ص:۴۷۰ج:۶/بحوالہ تفسیر مظھری اور قرطبی، معالم التنزیل ص:۲۳۴ج:۴/اسباب النزول ص:۱۹۲/المقتطف ص:۱۸ج:۴/زادالمسیر ص:۸۵ج:۶/روح المعانی ص:۱۱ج:۱۹/پارہ ۱۹ الدر المنثور ۲۹/قرطبی ص:۱۹ج:۸

[۲] زاد المسیر للجوزی ص:۸۵ج:۱/اسباب النزول واحدی ص:۱۹۱ وایضا فی الدر المنثور ص:۶۸ج:۵/وایضًا فی الطبری ص:۸/ج:۱۹

**ترجمہ:** یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے علاوہ کسی اور معبود کی پرستش نہیں کرتے ہیں اور جس شخص کے قتل کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اس کو قتل نہیں کرتے مگر حق کی بنیاد پر، اور وہ زنا نہیں کرتے، اور جو شخص ایسا کام کرے گا تو سزا سے اس کو سابقہ پڑے گا کہ قیامت کے روز اس کا عذاب بڑھتا چلا جائے گا، اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ ذلیل (خوار) ہو کر رہے گا، مگر جو توبہ کرلے (شرک و معاصی سے) اور اس کے بعد ایمان بھی لے آوے، اور نیک کام کرتا رہے، تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے (گزشتہ) گناہوں کے بدلہ (آئندہ) نیکیاں عنایت فرمائے گا، اور اللہ تعالیٰ غفور ہے (اس لئے سیات کو محو کردیا) اور رحیم ہے (اس لئے حسنات کو قائم فرمایا۔)

**شانِ نزول:** مذکورہ آیتوں کے سبب نزول اور شانِ نزول میں تین اقوال ہیں۔

۱- بخاری اور مسلم شریف میں ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ ''سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ''جس ذات نے تجھے عدم سے وجود بخشا اس کے ساتھ شریک ٹھہرانا سب سے بڑا گناہ ہے'' حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ اس کے بعد سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اپنی اولاد اور نور چشم کو تنگی رزق کے خوف سے قتل کرنا شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ ہے'' عبداللہ بن مسعودؓ نے تیسری دفعہ پھر سوال کیا کہ ان دونوں گناہوں کے بعد سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ان دونوں گناہوں کے بعد سب سے بڑا گناہ پڑوسن کے ساتھ زنا کرنا'' اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق میں اللہ نے مذکورہ آیات نازل فرمائیں۔

۲- مشرکین کے بعض حضرات جو شرک و کفر کے ساتھ قتل و زنا اور دوسری بہت سی معصیتوں میں حد سے آگے نکل چکے تھے، وہ توفیق ایزدی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا کہ ہماری ذات سے اتنے معاصی ہو گئے ہیں جو کہ تعداد و شمار سے باہر ہیں، تو اب آپ ہمیں ایسا عمل بتلایئے جو ہماری سابقہ سیئات کے محو کا ذریعہ بن سکے اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی، آیت کا خلاصہ آیت کے ترجمہ کے تحت قوسین میں ذکر کردیا گیا ہے، وہاں پر دیکھ لیا جائے۔

۳- ایک مرتبہ ایک وحشی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ کی خدمت میں آنے کا مقصد یہ ہے کہ مجھے آپ کی پناہ چاہئے اور میں آپ کی پناہ میں رہنا چاہتا ہوں، اور اس وقت تک رہنا چاہتا ہوں جب تک اللہ تعالیٰ کا کلام نہ سن لوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنے تئیں تو اسے بالکل پسند نہ کرتا تھا کہ تجھے پناہ دوں، لیکن تم نے چونکہ پناہ مانگی ہے اس لئے تیرے لئے اس وقت تک جب تک اللہ کے کلام کو تو سن نہ لے پناہ دیتا ہوں، اس کے بعد پھر وحشی نے کہا یا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ تمام جرائم میں کرچکا ہوں جن کی قباحت وشناعت تمام جرائم کے مقابلے میں بڑھی ہوئی ہے اور اس کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، چنانچہ میں نے اللہ خالق و مالک کے ساتھ بھی شرک کیا ہے اسی طرح قتل نفس اور زنا بھی (اور اپنے اس عمل پر نادم وشرمندہ ہوں) تو کیا کوئی ایسی صورت ہے کہ جسے اپنایا جائے تو اللہ اس کے نتیجہ میں میری توبہ قبول کرلیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھوڑی دیر خاموش رہے اس کے بعد مذکورہ آیتیں اتریں، اس وحشی نے کہا کہ آیتوں میں تو عمل صالح کا تذکرہ ہے، جب کہ میرا دامن عمل صالح سے خالی ہے اس لئے اس وقت تک میں آپ کی پناہ میں رہوں گا جب تک اللہ کا کلام مزید سن نہ لوں اس وقت آیت کریمہ: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (سورۃ نساء۴۸) نازل ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے طلب کیا اور یہ آیت اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ الخ پڑھ کر سنائی، اس پر اس شخص نے کہا کہ میں آپ کی پناہ میں ہوں، اور ممکن ہے اللہ اسے پسند نہ فرماتے ہوں اس لئے اس وقت تک میں آپ کی پناہ میں رہوں گا جب تک میں اس بارے میں مزید اللہ کا کلام نہ سن لوں، اس وقت آیت کریمہ (يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ الخ) نازل ہوئی [۱] زمر ۵۳) [۲]

---

[۱] اس آیت کے بعد وہ شخص اسلام لے آیا۔ حوالہ بالا مزید فتح الباری شرح بخاری ص: ۲۸۴ ج: ۷ میں دیکھیں۔

[۲] اسباب النزول ص: ۱۹۳، ۱۹۲/ زاد المسیر ص: ۱۰۴، ۱۰۳ ج: ۶ معالم التنزیل ص: ۲۴۹، ۲۴۸ ج: ۴/ روح المعانی ص: ۴۸، ۴۷ ج: ۱۹، پارہ ۱۹، المقتطف ص: ۳۷ ج: ۴/ بعضًا ای روایۃ عبداللہ بن مسعود اخرجہ البخاری فی کتاب التفسیر و المسلم فی کتاب الایمان۔

# سورۃ القصص

اس سورت کے مدنی اور مکی ہونے میں، اسی طرح اس سورت کی آیات کی بابت مندرجہ ذیل تفصیلات ہیں۔

۱- مکمل سورت مکی ہے۔ اور صرف ایک آیت (اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ، پ:۲۰ ررکوع:۱۱) القصص:۸۵ جو مقام جحفہ میں ہجرت کرتے وقت نازل ہوئی ہے، یہ تفصیل حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے بیان کے مطابق ہے۔

۲- اور حضرت مقاتل نے بیان فرمایا کہ اس سورت میں مدنی آیات (اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ یُؤْمِنُوْنَ۝) (القصص:۵۲) سے ارشاد باری (لَا نَبْتَغِی الْجٰهِلِیْنَ۝ تک) (القصص:۵۵) ہیں، اور ایک آیت ایسی بھی ہے جو نہ مکی ہے اور نہ مدنی ہے اور وہ آیت (اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ) (قصص:۸۵) ہے جو جحفہ میں نازل ہوئی۔ (زاد المسیر ص:۲۰۰ ج:۶ رللجوزی کذا فی الروح ص:۱۴ ج:۸)

سورۂ قصص مکی سورتوں میں سب سے آخری سورت ہے جو ہجرت کے وقت مکہ مکرمہ اور مقام جحفہ (رابغ) کے درمیان نازل ہوئی بعض روایات میں ہے کہ ہجرت کے سفر میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جحفہ یعنی مقام رابغ کے قریب پہنچے تو جبرئیل امین تشریف لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کا وہ وطن جس میں آپ نے پرورش پائی ہے اور جوان ہوئے ہیں کبھی یاد بھی آتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ بھی پوچھنے کی بات ہے، اس کے بعد حضرت جبرئیلؑ نے قرآن کریم کی مذکورہ سورت سنائی جس کے آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بشارت ہے کہ انجام کار مکہ مکرمہ فتح ہو کر آپ کے قبضہ میں آ کر رہے گا، اور وہ آیت یہ ہے۔ اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰی مَعَادٍ ؕ (القصص ر۸۵) (روح المعانی ص:۱۴ پارہ ۲۰)

سورۂ قصص میں سب سے پہلے حضرت موسیٰ کا قصہ اولاً اجمال کے ساتھ ثانیاً تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے نصف سورت تک حضرت موسیٰؑ کا قصہ فرعون کے ساتھ اور اخیر سورت میں قارون کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

حضرت موسیٰؑ کا قصہ پورے قرآن میں کہیں مختصر اور کہیں مفصلاً بار بار آیا ہے سورۂ کہف میں تو ان کے اس قصہ کی تفصیل آئی ہے، جو حضرت خضرؑ کے ساتھ پیش آیا ہے۔ پھر سورہ طٰہٰ میں پورے قصہ کی تفصیل ہے اور یہی تفصیل سورۂ نمل میں آئی ہے، پھر سورۂ قصص میں اس کا اعادہ ہوا ہے۔ (معارف القرآن ص:۶۱۸ ج:۶)

۳۷۴- اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ ﴿۵۶﴾

**ترجمہ:** آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ اللہ جس کو چاہے ہدایت کر دیتا ہے (اور ہدایت کرنے کی قدرت تو کسی کو کیا ہوتی اللہ کے سوا کسی کو اس کا علم تک نہیں کہ کون ہدایت پانے والا ہے) ہدایت پانے والوں کا علم اسی کو ہے"

**شانِ نزول:** صحیح مسلم میں ہے کہ یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابو طالب کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ آپ کی بڑی تمنا تھی کہ وہ کسی طرح ایمان قبول کر لیں، اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا گیا کہ کسی کو مومن بنا دینا آپ کی قدرت میں نہیں ہے۔

(اسباب النزول ص: ۱۹۳، ۱۹۴ زاد المسیر ص: ۲۳۱ ج: ۶)

**مکمل تفصیل اس بارے میں سورۂ توبہ کی آیت (ما کان للنبی والذین آمنوا أن یستغفروا للمشرکین (آیت نمبر ۱۱۳/سورۂ توبہ) کے تحت آچکی ہے۔**

**مسلم شریف ص:۵۵/ج:۱/ذکرہ السیوطی فی الدر المنثور ص:۱۳۳، ج۵/عن سعید بن مسیب عن ابیه قال: لما حضرت اباطالب الوفاة، جاءہ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوجد عندہ ابا جهل وعبداللہ بن ابی امیه بن المغیرة، فقال ای عم قل لا إله إلّا اللہ کلمة احاج لک بها عند اللہ، فقال ابو جهل وعبد اللہ بن ابی امیه: اترغب عن ملة عبدالمطلب؟ فلم یزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یعرضها**

**علیه ویعیدانه بتلک المقالة، حتی قال ابو طالب آخر ما کلهم: علی ملة عبدالمطلب، وابی أن یقول: لا إله إلا الله، قال:فقال رسول الله ﷺ والله لا ستغفرن لک مالم انه عنه"فانزل الله (ما کان للنبی والذین آمنوا أن یستغفروا للمشرکین)، واللفظ للبخاری واورده السیوطی فی الدر المنثور ص:۲۸۲، ج:۳/معالم التنزیل ص: ۳۵۰، ج:۴/ المقتطف ص:۱۵۳ ج:۴/روح المعانی ص:۹۷، ۹۶ ج: ۲۰/ پاره نمبر ۲۰/ابن کثیر ص:۳۶۹ ج:۳/ معارف القرآن ص:۶۴۸ ج:۶**

**فائدہ:** لفظ ہدایت کئی معنوں کے لئے استعمال ہوتا ہے، ایک معنی راستہ دکھا دینے کے ہیں، جس کے لئے ضروری نہیں ہے کہ جس کو راستہ دکھایا گیا ہے وہ منزل مقصود تک پہنچے، اور ایک معنی ہدایت کے یہ بھی آتے ہیں کہ کسی کو منزل مقصود پر پہنچادینا، اور مطلب یہ ہے کہ آپ تبلیغ کے ذریعہ کسی کے دل میں ایمان ڈال دیں، اور اس کو مومن بنادیں یہ آپ کا کام نہیں یہ تو براہِ راست حق تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ [۱]

شرح تہذیب میں ہدایت کے معنی کے بارے میں جو ہندی کی چندی کی گئی ہے ان ابحاث کو اگر تفصیلا کوئی دیکھنا چاہے تو روح المعانی ص:۹۶، ج:۲۰/ پر دیکھ لے۔

وَ قَالُوْۤا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ؕ اَوَ لَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰۤى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَیْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾

**ترجمہ:** (کفار کو ایمان لانے کی راہ میں بہت سارے موانع حائل تھے من جملہ موانع کے ایک مانع کا بیان اس آیت میں ہے) اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر آپ کے ساتھ ہوکر (اس دین کی) ہدایت پر چلنے لگیں تو فی الفور اپنے مقام سے مار کر نکال دیئے جاویں (کہ بے وطنی کی بھی مضرت ہو اور معاش کی پریشانی الگ ہو،

---

[۱] **روح المعانی ص: ۹۶ ج:۲/پاره نمبر ۲۰/معار ف القرآن مفتی شفیع احمد دیوبندی رحمہ اللہ ص:۶۴۸ ج:۶**

لیکن اس عذر کا بطلان روز روشن کی طرح ظاہر ہے اور اس عذر میں کوئی جان نہیں ہے) کیا ہم نے ان کو امن وامان والے حرم میں جگہ نہیں دی، جہاں ہر طرح کے پھل کھچے آتے ہیں جو ہمارے پاس سے (یعنی ہماری قدرت ورزاقی سے) کھانے کو ملتے ہیں، لیکن ان میں اکثر لوگ (اس کو) نہیں جانتے''۔

**شانِ نزول:** مذکورہ آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ کفار مکہ میں سے حارث بن عثمان وغیرہ نے اپنے ایمان نہ لانے کی ایک وجہ یہ بیان کی کہ اگر چہ ہم آپ کی تعلیمات کو حق مانتے ہیں، مگر ہمیں خطرہ یہ ہے کہ اگر ہم آپ کی ہدایات پر عمل کر کے آپ کے ساتھ ہو جاویں تو سارا عرب ہمارا دشمن ہو جائے گا، اور ہمیں ہماری زمین مکہ سے اچک لے گا اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

قرآن کریم نے، اس کے عذر لنگ کا جواب دیا کہ اَوَ لَمۡ نُمَكِّنۡ لَّهُمۡ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجۡبٰۤى اِلَيۡهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَىۡءٍ یعنی ان کا یہ عذر اس لئے باطل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ اہل مکہ کی حفاظت کا ایک قدرتی سامان پہلے سے یہ کر رکھا ہے کہ ارض مکہ کو حرم بنا دیا اور پورے عرب کے قبائل کفر وشرک اور باہمی عداوتوں کے باوجود اس بارے میں متفق تھے کہ زمین حرم مکہ میں قتل وقتال سخت حرام ہے حرم میں باپ کا قاتل بیٹے کو ملتا تو انتہائی جوش انتقام کے باوجود کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ حرم کے اندر دشمن کو قتل کر دے یا اس سے کوئی انتقام لے لے اس لئے ایمان لانے میں ان کو یہ خطرہ محسوس کرنا کس قدر جہالت ہے کہ جس مالک نے اپنے رحم وکرم سے ان کے کفر وشرک کے باوجود اس زمین میں امن دے رکھا ہے، تو ایمان لانے کی صورت میں وہ ان کو کیسے ہلاک ہونے دے گا، یحییٰ بن سلام نے فرمایا اس آیت کے یہ معنی ہیں کہ تم حرم کی وجہ سے مامون ومحفوظ تھے میرا دیا ہوا رزق فراخی کے ساتھ کھا رہے تھے اور عبادت میرے سوا دوسروں کی کر رہے تھے اپنی اس حالت سے تمہیں تو خوف نہ ہوا الٹا خوف اللہ پر ایمان لانے سے ہوا (قرطبی)

آیت مذکورہ میں حرم مکہ کے چند وصف بیان فرمائے ہیں، ایک یہ کہ وہ جائے امن ہے دوسرا یہ کہ وہاں اطراف دنیا سے ہر طرح کے ثمرات لائے جاتے ہیں تا کہ مکہ کے باشندے اپنی

تمام ضروریات آسانی سے پوری کرسکیں۔

(معارف القرآن ص:۶۵۱ ج:۶/اسباب النزول ص:۱۹۴/زادالمسیر ص:۲۳۲ ج:۶)

زادالمسیر میں حارث بن عثمان کے بجائے حارث بن عامر بن نوفل کا ذکر ہے، اس لئے اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس طرح کی گفتگو کرنے والا کوئی ایک ہی شخص نہ تھا بلکہ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے حضرات تھے اس لئے اگر ایک مفسر نے ایک کا نام ذکر کیا ہے اور دوسرے نے اس کے علاوہ تو یہ محل اعتراض نہ بننا چاہئے۔ (راقم)

(ایضافی درالمنثور ص:۱۳۴ ج:۵، معالم التنزیل ص:۳۵۱، ج:۴، روح المعانی ص:۹۷، ج:۲۰، پارہ ۲۰)

روح المعانی کی وضاحت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص حارث بن نوفل بن عبد مناف تھا اور جوزی نے کہا ہے کہ وہ شخص حارث بن عامر بن عبد مناف تھا تو دونوں میں تعارض اس لیے نہیں ہے کہ دونوں فرد عبد مناف ہی کی فرع تھے۔

(المقتطف ص:۱۵۴، ج:۴، ابن کثیر ص:۳۰۷، ج:۳)

ابن کثیر میں نام کی وضاحت نہیں ہے، بلکہ صرف بعض الکفار کا لفظ ہے۔

**۳۷۵- اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ۝۶۱**

**ترجمہ:** بھلا وہ شخص جس سے ہم نے ایک پسندیدہ وعدہ کر رکھا ہے پھر وہ شخص اس (وعدہ کی چیز) کو پانے والا ہو۔ تو کیا یہ اس شخص جیسا ہوسکتا ہے جس کو ہم نے دنیوی زندگی کا چندروزہ فائدہ دے رکھا ہے، پھر وہ قیامت کے روز ان لوگوں میں سے ہوگا جو گرفتار کر کے لائے جائیں گے'' (پہلے شخص سے مراد مومن ہے جس سے جنت کا وعدہ ہے اور دوسرے شخص سے مراد کافر ہے۔ جو مجرم کی صورت میں پیش کیا جائے گا، اور چونکہ متاع دنیا ہی ان لوگوں کی بھول کا سبب ہے اس لئے اس کی تصریح فرمادی، ورنہ تو ان دونوں کا برابر نہ ہونا دراصل اس وجہ سے ہے کہ وہ گرفتار کر کے لائے جاویں گے۔ اور یہ جنت کی نعمتوں سے سرفراز ہوں گے۔)

**شانِ نزول:** اہل کفر اہل ایمان کے مساوی اور برابر نہیں ہوسکتے۔ دراصل کفار مکہ

اپنے آپ کو مومنین اور مسلمانوں کے برابر خیال کرتے تھے مذکورہ آیت میں اس پر رد ہے کہ مومنین اور مشرکین مساوی کسی بھی صورت میں نہیں ہوسکتے کیوں کہ انجام اور مآل کے اعتبار سے دونوں کے درجے جداگانہ ہیں جس کی تفصیل اس طرح ہے۔

۱- کہ مومنین تو جنت میں ہوں گے۔

۲- کفار قید و بند کی صعوبت اٹھائیں گے اور جہنم میں داخل کردیئے جاویں گے۔ اب شانِ نزول کی تفصیل دیکھئے جو اس طرح ہے۔

۱- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی کہ ابوجہل کفر و ضلالت میں ہونے کے باوجود اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برابر خیال کرتا تھا۔

(طبری ص:۹۷، ج:۲/زاد المسیر ص:۲۳۴ ج:۶/اسباب النزول ص:۱۹۴/بغوی ص:۳۵۲ ج:۴)

۲- حضرت حمزہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما اور ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی۔

(طبری ص:۹۷ ج:۲/اسباب النزول ص:۱۹۴/زاد المسیر ص:۲۳۴ ج:۶)

۳- مومن اور کافر کے بارے میں نازل ہوئی۔

(الدر المنثور ص:۱۳۵ ج:۵/زاد المسیر ص:۲۳۵ ج:۶/بغوی ص:۳۵۲ ج:۴)

۴- حضرت عمار بن یاسرؓ اور ولید بن مغیرہ کے بارے میں مذکورہ آیت نازل ہوئی کہ یہ شخص اپنے کو حضرت عمارؓ کے مساوی خیال کرتا تھا۔

(اسباب النزول ص:۱۹۴ زاد المسیر ص:۲۳۴ ج:۶/بغوی ص:۳۵۲ ج:۴)

**قال القرطبی :قال القشیری والصحیح انها نزلت فی المومن والکافر علی التعمیم ونقل عن الثعلبی أنه قال: وبالجملة فانها نزلت فی کل کافر متمتع فی الدنیا بالعافیة والغنی وله فی الآخرة النار، وفی کل مؤمن صبر علی بلاء الدنیا ثقة بوعد الله وله فی الآخرة الجنة، وقال ابن کثیر: والظاهر انها عامة حاشیة زاد المیسر ص: ۲۳۵ ج:۶ ابن کثیر ص: ۳۷۱ ج:۳/**مذکورہ تمام تفصیلات روح المعانی میں بھی دیکھی جاسکتی ہیں۔ **روح المعانی ص: ۹۹/۱۰۰ ج:۲۰، پارہ نمبر ۲۰**

۷۶۳- وَ رَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَ يَخْتَارُ ؕ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ؕ

سُبۡحٰنَ اللّٰهِ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ﴿۶۸﴾

**توجمه:** اورآپ کا رب جس چیز کو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، اور جس حکم کو چاہتا ہے پسند کرتا ہے (اور انبیاء کے ذریعہ نازل فرماتا ہے پس تشریعی اختیارات بھی اسی کو حاصل ہیں) ان لوگوں کو تجویز (احکام) کا کوئی حق نہیں (کہ جو حکم چاہیں تجویز کرلیں جیسے یہ مشرک اپنی طرف سے شرک کو جائز کر رہے ہیں، اور اس خصوصی اختیار سے ثابت ہوا کہ) اللہ تعالیٰ ان کے شرک سے پاک اور برتر ہے (کیوں کہ جب تکویناً اور تشریعاً خالق ومختار ہونے میں وہ منفرد ہے تو عبادت کا بھی تنہا وہی مستحق ہے، کیوں کہ معبود ہی ہوسکتا ہے جو تکوینی اور تشریعی دونوں حق رکھتا ہو۔)

**شانِ نزول:** بقول بغوی مذکورہ آیت ولید بن مغیرہ اور دوسرے مشرکین کے اس قول کے جواب میں نازل ہوئی کہ لَوۡ لَا نُزِّلَ هٰذَا الۡقُرۡاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الۡقَرۡيَتَيۡنِ عَظِيۡمٍ ﴿۳۱﴾ (الزخرف:۳۱) یعنی یہ قرآن اللہ کو نازل ہی کرنا تھا تو عرب کے دو بڑے شہر مکہ اور طائف میں سے کسی بڑے آدمی پر نازل فرماتا، تاکہ اس کی قدرومنزلت پہچانی جاتی، ایک یتیم مسکین پر نازل فرمانے میں کیا حکمت تھی۔ اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی، جس میں ان کو یہ جواب دیا گیا کہ جس مالک نے تمام مخلوقات کو بغیر کسی شریک کی امداد کے پیدا فرمایا ہے یہ اختیار بھی اسی کو حاصل ہے کہ اپنے کسی خاص اعزاز کے لئے اپنی مخلوق میں سے کسی کو منتخب کرلے اس میں وہ تمہاری تجویزوں کا کیوں پابند ہو کہ فلاں اس کا مستحق ہے اور فلاں نہیں۔ [1]

❁❁❁

[1] تفسیر بغوی المسمی بمعالم التنزیل ص: ۳۵۴ج:۴/التفسیر الکبیر ص: ۹ج:۱۳/معارف القرآن ص: ۶۵۸ج:۶/زاد المسیر ص: ۲۳۷ج:۶/لباب النقول ص: ۱۹۳/للسیوطی، اسباب النزول للواحدی مختصرا ص: ۱۹۴/المقتطف ص: ۱۵۸ج:۴/روح المعانی للمحمود آلوسی ص:۱۰۳ج:۲۰/پارہ نمبر ۲۰

# سورة العنكبوت

## نزول سورۂ عنکبوت

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے مروی ہے کہ سورۂ عنکبوت مکی ہے۔ اور حضرت حسن قتادہ، اور عطاء کا بھی یہی قول ہے حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کی دوسری روایت اس بارے میں یہ ہے کہ یہ سورت مدنی ہے مفسر ھبۃ اللہ بن سلامہ نے کہا کہ اس سورت کی شروع کی دس آیات مکی ہیں، اور باقی آیات مدنی ہیں، اور بعض دوسرے حضرات نے اس کے برعکس کہا ہے یعنی شروع کی دس آیات مدنی ہیں، اور باقی مکی ہیں۔

(زادالمسیر ص: ۲۵۳ ج:۶ تفسیر کبیر ص: ۲۵ ج: ۱۳)

علامہ سیوطی کی وضاحت سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ سورت مکی ہے چنانچہ حضرت امام سیوطی نے عنوان قائم کیا ہے، **"آيات مدنية دخلت في السور المكية"** یعنی مکی سورتوں میں مدنی آیات کا دخول (اتقان ص: ۱۴۱ ج: ۱) اور مزید آگے سورۂ عنکبوت کے بارے میں فرماتے ہیں۔

**العنكبوت (مكية) استثنى منها الذين آتيناهم الكتاب إلى قوله (الجاهلين)** اس وضاحت سے بھی معلوم ہوا کہ یہ سورت مکی ہے گرچہ اس میں مدنی آیات داخل ہو گئیں ہیں۔ (اتقان ص: ۴۵ ج: ۱، اور اس سورت میں ۶۹ / آیات ہیں)

۷۷۳-الٓمّٓ ﴿۱﴾ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَ هُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ﴿۲﴾

**ترجمہ:** الٓمّٓ اس کے معنی تو اللہ ہی کو معلوم ہیں (بعض مسلمان جو کفار کی ایذاؤں سے گھبرا جاتے ہیں تو) کیا ان لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ اتنا کہنے میں چھوٹ جائیں کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کو (طرح طرح کی مصیبتوں سے) آزمایا

نہ جائے (یعنی ایسا نہ ہوگا بلکہ اس طرح کے امتحانات ہوتے رہیں گے)

**شانِ نزول:** مذکورہ آیت کے سبب نزول میں تین اقوال ہیں۔

۱- مذکورہ دو آیت ان حضرات صحابہ کرامؓ کے بارے میں نازل ہوئیں جو اب تک اسلام پر قائم تھے لیکن ہجرت کی عظیم ترین برکت سے محروم تھے، اور بہت سارے حضرات صحابہؓ ہجرت کر چکے تھے، تو مہاجر صحابہ کرامؓ نے اپنے ان بھائیوں کے نام خط بھیجا جو اب تک مکہ ہی میں تھے، اور اسلام پر قائم تھے۔ خط کا مضمون یہ تھا کہ **"لا یقبل منکم اسلامکم حتی تھاجروا"** کہ اے مکہ کے رہنے والو! اسلامی برادران تمہارا ایمان واسلام اسی وقت اللہ کے یہاں قابل قبول ہوسکتا ہے جب تم ہجرت بھی کرو، چنانچہ خط ملتے ہی مکہ میں رہنے والے حضرات صحابہ کرام نے ہجرت کے لئے رخت سفر باندھا اور سوئے مدینہ ہجرت کی غرض سے کوئی پیادہ اور کوئی سواری سے روانہ ہوگیا، لیکن مکہ کے مشرکین جو مسلمانوں کے ہر امور خیر میں روڑے اٹکاتے تھے اسے کب گوارہ کر لیتے، چنانچہ ہجرت کرنے والے مسلمانوں کو روکا۔ اذیتیں دیں اور ہر ممکن طریقے سے پریشان کیا غرض کہ ان کے بس میں جتنا تھا وہ سب کچھ کر لیا، مسلمان حضرات مشرکین کے اس عمل سے رنجیدہ خاطر ہوئے، اور ہموم وغموم کے شکار ہو گئے، اس وقت اس سورت کی شروع کی دس آیات نازل ہوئیں جن کی مزید تفصیل اگلی آیتوں میں آئے گی۔ اس سورت کی دس آیات جب نازل ہوئیں تو مہاجر مسلمانوں نے دوبارہ مکی مسلمانوں کو اس آیت کے نزول کی اطلاع دی جن میں یہ وضاحت ہے کہ اسلام لانے والوں کے لئے کچھ نہ کچھ تو مصائب آتے ہی ہیں اس لئے ایسی صورت میں حرف شکایت زبان پر نہ آنی چاہئے۔

اس خط کے پہنچنے کے بعد مکی مسلمانوں نے رخت سفر باندھا اور ہجرت کے لئے نکل پڑے، جس کے نتیجے میں آپس میں تلوار اور نیزے کی بھی ضرورت پیش آگئی چنانچہ کچھ ان کے قتل کئے گئے کچھ مسلمانوں میں سے بھی قتل ہوئے، لیکن ہجرت کر ہی گزرے، اس وقت ارشاد باری: **ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِیْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا** (النحل: ۱۱۰) نازل ہوئی۔

یہ تفصیل علامہ جوزی کی وضاحت کے مطابق ہے لیکن علامہ واحدی نے یہاں پر

ایک فرق یہ بیان کیا ہے کہ صحابہ کرامؓ میں سے جو ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے اور وہاں سے جو پہلا خط مکی مسلمانوں کے پاس بھیجا گیا اس کے بعد جب مکی مسلمان ہجرت کے لئے روانہ ہوئے تو مصائب سے دوچار ہونا پڑا۔ تو اس موقع پر علامہ واحدی نے کہا ہے اس وقت مذکورہ زیر بحث صرف دو آیت اتریں جب کہ علامہ جوزی نے کہا کہ مذکورہ زیر بحث آیت کے ساتھ ۹/آیات گویا کل دس آیات اس موقع پر نازل ہوئیں۔ دونوں حضرات کے کلام اور وضاحت میں تعارض ظاہر ہے لیکن غور وفکر کے بعد معلوم ہوگا کہ کوئی تعارض نہیں ہے۔ کیوں کہ علامہ واحدی نے اول دو آیتوں کا نازل ہونا بتلایا ہے وہ اس لئے کہ اصل مقصد اسی آیت میں ہے باقی آیات وضاحت اور تفصیل ہیں، اور علامہ جوزی نے جو تفصیل بیان کی ہے اصل مقصد جس آیت میں ہے اس کے ساتھ تفصیل اور وضاحت والی آیت شامل کردی ہے۔ تو اعتبارات کا فرق ہے معنی کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ **لولا الاعتبارات لبطلت الحکمة کما قال الشیخ محب اللہ بہاری فی سلم العلوم.** [۱]

۲- عمار بن یاسر، اور عیاش بن ربیعہ، اور ولید بن ولید اور سلمہ بن ہشام کے بارے میں مذکورہ آیت نازل ہوئی کہ انہیں کفار اور مشرکین اسلام لانے کے نتیجے میں طرح طرح سے ایذائیں دیتے اور ستاتے تھے۔

۳- حضرت امیر المومنین عمر بن خطابؓ کا ایک غلام تھا جو آزاد کردیا گیا تھا، جس کا نام مہجع تھا۔ غزوۂ بدر کے موقع پر کفار کے نرغہ میں آگیا اور قتل کردیا گیا جس کے نتیجے میں اس کے والدین اور اس کی بیوی جزع وفزع کرنے لگے اور صبر وضبط پر ثابت قدم نہ رہ سکے، اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ (حوالۂ سابق) مذکورہ تینوں واقعے درست ہوسکتے ہیں ان میں کوئی تعارض نہیں، جب آیت کے متعلق مختلف سبب نزول ہوں تو اس کے

**[۱] زاد المسیر ص: ۲۵۴ ج: ۶/اسباب النزول ۱۹۵/طبری ص: ۱۲۹ ج: ۲۰ وذکر السیوطی فی الدر المثور ص: ۱۴۱ ج: ۵/المقتطف ص: ۱۶۷ ج: ۴ معالم التنزیل ص: ۳۶۵ ج: ۴/التفسیر الکبیر للامام فخر الدین الرازی ص: ۲۸،۲۷ ج: ۱۳/روح المعانی ص: ۱۳۵، ۱۳۴ ج: ۲۰ پارہ نمبر ۲۰**

اسباب کیا ہوتے ہیں مقدمۃ الکتاب میں ذکر کرچکا ہوں وہاں دیکھ لیا جائے۔

۳۷۸-وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۭ وَ اِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۭ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⑧

**ترجمہ:** اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اور (اس کے ساتھ یہ بھی حکم دیا ہے کہ) اگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کا زور ڈالیں کہ تو ایسی چیز کو میرا شریک ٹھہرائے جس (کے معبود ہونے) کی کوئی (صحیح) دلیل تیرے پاس نہیں ہے (تو اس باب میں) ان کا کہنا نہ ماننا تم سب کو میرے پاس لوٹ کر آنا ہے اس وقت تمہارے سب کام (نیک ہوں یا بد) جتلادوں گا۔

**شانِ نزول:** مذکورہ آیت حضرت سعد بن ابی وقاص کے بارے میں نازل ہوئی، یہ حضرات صحابہ کرامؓ میں سے ان دس حضرات میں شامل ہیں جن کو آپ نے بیک وقت جنتی ہونے کی بشارت دی ہے، جن کو عشرہ مبشرہ کہا جاتا ہے، یہ اپنی والدہ کے بڑے فرمانبردار اور ان کی راحت رسانی میں بڑے مستعد تھے، ان کی والدہ حمنہ بنت ابی سفیان کو جب معلوم ہوا کہ ان کے بیٹے سعد مسلمان ہو گئے، تو انہوں نے بیٹے کو تنبیہ کی، اور قسم کھالی کہ میں اس وقت تک نہ کھانا کھاؤں گی اور نہ پانی پیوں گی جب تک کہ تم پھر اپنے آبائی دین پر واپس نہ آجاؤ یا میں اسی طرح بھوک پیاس سے مرجاؤں گی اور ساری دنیا میں یہ رسوائی تمہارے سر رہے گی کہ تم اپنی ماں کے قاتل ہو (مسلم ترمذی) اس آیت میں قرآن نے حضرت سعد کو والدہ کی بات ماننے سے روک دیا۔

بغوی کی روایت میں ہے کہ حضرت سعد کی والدہ ایک شب و روز اور بعض قول کے مطابق تین شب و روز اپنی قسم کے مطابق بھوکی پیاسی رہی، حضرت سعد حاضر ہوئے ماں کی محبت و اطاعت اپنی جگہ تھی، مگر اللہ تعالیٰ کے فرمان کے سامنے کچھ بھی نہ تھی، اس لئے والدہ کو خطاب کرکے کہا کہ اماں جان! اگر تمہارے بدن میں سو روحیں ہوتیں، اور ایک ایک کر کے نکلتی رہتیں، میں اس کو دیکھ کر بھی کبھی اپنا دین نہ چھوڑتا، اب تم چاہو کھاؤ پیو یا مرجاؤ،

بہر حال! میں اپنے دین سے نہیں ہٹ سکتا، ماں نے ان کی اس گفتگو سے مایوس ہوکر کھانا کھالیا۔ (معارف القرآن ص:۶۷۶ ج:۶/ اسباب النزول ص:۱۹۶/ ۱۹۵ زاد المسیر ص:۲۵۷ ج:۶)

زاد المسیر میں یہ بھی وضاحت ہے کہ مذکورہ آیت کے سبب نزول سے متعلق دوسرا قول عیاش بن ربیعہ کا ہے کہ ان کے اسلام لانے کے بعد ان کی والدہ نے بھی حضرت سعد بن ابی وقاص کی والدہ کی طرح کھانے پینے اور امور خیر نہ کرنے اور نہ برتنے کے بارہ میں قسم کھالی تھی، لیکن حضرت عیاش نے وہی طریقہ اپنایا جو حضرت سعد بن ابی وقاص نے اختیار کیا تھا۔ علامہ جوزی نے یہ بھی وضاحت کی ہے کہ حضرت سعد کے بارے میں چار آیات نازل ہوئیں جنہیں امام ترمذی نے ترمذی کتاب التفسیر میں سورۂ عنکبوت کے تحت بیان کیا ہے حضرات مفسرین نے کہا ہے کہ مذکورہ آیت اور سورۂ لقمان کی آیت نمبر ۱۵/ اور احقاف کی آیت نمبر ۱۰/ [1] حضرت سعدؓ کے قصہ مذکورہ سے متعلق نازل ہوئی ہے۔ حافظ بن حجر عسقلانی نے بھی تخریج الکشفاف ص:۷ ۴/ میں تفصیلاً اس قصہ کی وضاحت کی ہے۔ (معالم التنزیل ص: ۳۶۶ ج:۴/ المقتطف من عیون التفاسیر للعلامہ مصطفی الخیری المنصوری ص:۱۷۰ ج:۴/ روح المعانی ص:۱۳۹ ج:۲۰/ پارہ نمبر ۲۰/ للعلامہ شہاب الدین محمود آلوسی بغدادی المتوفی ۱۲۷۰ھ ابن کثیر ص: ۳۷۹ ج: ۳/ للاسماعیل بن کثیر الدمشقی امام ترمذی نے حدیث سعد کے بارے میں کہا ہے کہ ہذا حدیث حسن صحیح (ابن کثیر)

۳۷۹- وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ؕ وَ لَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ؕ اَوَ لَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۰

**ترجمہ:** اور بعض آدمی ایسے بھی ہیں جو کہہ دیتے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے، پھر جب ان کو راہِ خدا میں کچھ تکلیف پہنچائی جاتی ہے تو لوگوں کی ایذاء رسانی کو ایسا (عظیم) سمجھ بیٹھتے ہیں جیسے خدا کا عذاب اور اگر کوئی مدد آپ کے رب کی طرف سے آپہنچتی ہے تو اس وقت کہتے ہیں کہ ہم تو (دین وعقیدہ میں) تمہارے ساتھ

[1] اور احزاب کی آیت ۱۲/ بغوی ص:۳۶۶ ج:۴

تھے (یعنی مسلمان ہی تھے گو کفار کے اکراہ اور زبردستی کی وجہ سے کفار کے ساتھ ہو گئے تھے، اس پر حق تعالیٰ کا ارشاد یہ ہے کہ) کیا اللہ تعالیٰ کو دنیا والوں کے دلوں کی باتیں معلوم نہیں ہیں۔

**شانِ نزول:** مذکورہ آیت کے سبب نزول میں چار اقوال ہیں۔

۱- مسلمانوں میں سے بہت سے حضرات تو وہ تھے جو ہجرت کر کے مدینہ منورہ اور یثرب چلے گئے تھے، اور کچھ تعداد مسلمانوں کی ایسی تھی جو آنحضرت ﷺ کے مدینہ ہجرت کر جانے کے باوجود مکہ مکرمہ ہی میں تھی، مزید برآں یہ کہ اسلام وکفر کے معرکہ غزوۂ بدر میں کفار اور مشرکین کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلے میں شریک ہوئے اور دین اسلام سے کنارہ کشی اختیار کی، اور مرتد ہو گئے انہی لوگوں کے بارے میں مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

۲- بعض لوگ ایسے تھے کہ ان کی زبان تو مسلمان تھی، لیکن قلب ان کا مسلمان نہ تھا انہیں جب کبھی مصائب سے دوچار ہونا پڑتا، یعنی مالوں میں خسارہ اور جانوں میں کمی ہوتی، تو اسلام اور مسلمانوں اور پیغمبرِ اسلام کے خلاف اور خلاف شرع باتوں کے کہنے میں معمولی درجہ بھی دریغ نہ کرتے، اس پر مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

۳- مکہ مکرمہ میں منافقین کی خاصی تعداد ایسی تھی جو اپنے تئیں تو یہ ظاہر کرتی کہ وہ پکے مسلمان اور جانثار رسول ہیں لیکن جب کبھی مشرکین اور کفار کی جانب سے اذیتیں پہنچتیں تو اس کے مقتضی کے مطابق اور مکی حالات کے تئیں صبر اور ضبط اور رجوع إلی اللہ کے بجائے شرک وکفر اور ضلالت اور گمراہی اختیار کر لیتی۔ ان کے بارے میں مذکورہ آیت اتری۔

۴- مذکورہ آیت عیاش بن ابی ربیعہ کے بارے میں نازل ہوئی، یہ رسول اللہ ﷺ کی ہجرت سے قبل ہی ایمان لانے کے بعد کفار ومشرکین کی اذیت سے بچنے کی خاطر مدینہ چلے گئے تھے، ابوجہل اور حارث بن ہشام جو ان کے ماں شریک بھائی تھے ان سے ان کی ماں نے کہا کہ عیاش نے جو قدم اٹھایا ہے اس کے تئیں یہ اچھا نہیں ہے، اور بھی جزع فزع پر مشتمل کلمات کا اظہار کیا اور یہ کہا کہ جب تک تم دونوں عیاش کو میرے پاس حاضر نہ کرو گے اس وقت تک میرے لئے ہر طرح کا آرام اور ہر طرح کی نعمتیں اور اس سے فائدہ

اٹھانا حرام ہے نہ ہی میں کسی گھر میں رہوں گی اور نہ ہی کھانا کھاؤں گی اور نہ پانی پیوں گی، چنانچہ ہشام کے دونوں بیٹے ابوجہل اور حارث عیاش کی تلاش وجستجو میں نکلے بالآخر اپنے مقصد میں کامیابی ہوئی، جب عیاش ان دونوں کی گرفت میں آ گئے تو مرتے کیا نہ کرتے کے مطابق قید وبند کی صعوبت اٹھاتے ہوئے ماں کے پاس آئے ماں جو اسلام سے بیزار تھیں، ان کو رسیوں سے جکڑ دیا اور کہا اسی صورت میں کھولا جا سکتا ہے جب دین اسلام کا انکار کردو، اس کے ساتھ ہی کوڑوں سے اور کھجور کی شاخوں سے ان کو مارا جاتا، بالآخر ضرب وکرب کی شدت کو برداشت نہ کر سکے اور اس سے بچنے کی خاطر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انکار ہی کر دیا اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی پھر اس کے بعد ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے اور بہترین مسلمانوں میں ان کا شمار ہونے لگا، یہ تفصیل ابن سائب کی تفصیل کے مطابق ہے مقاتل نے کہا کہ جب عیاش کو گرفتار کر کے ان کے دونوں ماں شریک بھائی ان کو مکہ لا رہے تھے تو راستے میں دوسو کوڑے مارے تھے۔ اس وقت انہوں نے اس کلفت وپریشانی سے بچنے کی خاطر دین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیزاری ظاہر کر دی تھی اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی، ممکن ہے سب ہی واقعے نزول آیت کا سبب ہوں یا وہ وجہ ہو جو مقدمہ میں مذکور ہوئی۔ [۱]

۳۸۰- اَوَ لَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّ ذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۵۲﴾

**ترجمہ:** کیا (دلائل نبوت میں) ان لوگوں کو یہ بات کافی نہیں ہوئی کہ ہم نے آپ پر کتاب (معجز) نازل فرمائی ہے جو ان کو (ہمیشہ) سنائی جاتی رہتی ہے بلاشبہ اس کتاب میں (معجزہ ہونے کے ساتھ) ایمان لانے والے لوگوں کے لئے بڑی

[۱] زادالمسیر ص: ۲۵۸/۲۵۹، ج: ۶/ اسباب النزول ص: ۱۹۶، طبری ص: ۱۳۳، ۱۳۲، ج: ۲۰/ لباب النقول للسیوطی ص: ۲۰۵، الدر المنثور ص: ۱۴۲، ج: ۲/ تخریج الکشاف ص: ۴۷، معالم التنزیل ص: ۳۶۸، ۳۶۷، ج: ۴، وفی ھذا المقام مباحث طویلۃ فی التفسیر الکبیر فمن شاء فلیطالع ثمہ ص: ۳۷، ۳۸ ج: ۱۳/ روح المعانی ص: ۴۰، ج: ۲۰، پارہ ۲۰

رحمت اور نصیحت ہے (رحمت یہ ہے کہ اس میں احکام کی تعلیم ہے۔ اور نصیحت ترغیب وترہیب سے ہے) آپ کہہ دیجئے کہ (خیر نہ مانو) اللہ میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے (رسالت پر) اس کو سب چیز کی خبر ہے جو آسمان میں ہے اور جو زمین میں ہے اور جو لوگ جھوٹی باتوں پر یقین رکھتے ہیں اور اللہ کے منکر ہیں وہ لوگ بڑا نقصان اٹھانے والے ہیں۔

یعنی جب اللہ کے ارشاد سے میری رسالت ثابت ہے، تو اس کا انکار کفر باللہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم تمام چیزوں کو شامل اور محیط ہے، تو اسے اس انکار و کفر کی خبر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کفر پر سزا دیتے ہیں تو لامحالہ ایسے لوگ خاسر اور نقصان اٹھانے والے ہوں گے۔

**شانِ نزول:** **أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّآ أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ** الخ اس آیت کے سبب نزول سمجھنے سے قبل ایک تمہیدی مضمون ذکر کیا جاتا ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ اہل کتاب تورات اور انجیل کو ان کی اصلی زبان عبرانی میں پڑھتے تھے اور مسلمانوں کو ان کا ترجمہ عربی زبان میں سناتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے متعلق مسلمانوں کو یہ ہدایت دی کہ تم اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب کرو بلکہ یوں کہو **امنا بالذی انزل إلینا و انزل الیکم** یعنی ہم اجمالاً اس وحی پر ایمان لاتے ہیں، جو تمہارے انبیاء پر نازل ہوئی ہے اور جو تفصیلات تم بتلاتے ہو ہمارے نزدیک وہ قابل اعتماد نہیں اس لئے ہم اس کی تصدیق وتکذیب سے اجتناب کرتے ہیں اس تمہید کے بعد اصل مقصد اور سبب نزول اس طرح ہے۔

(معارف القرآن ص: ۷۰۳ ج: ۶)

ایک مرتبہ بعض حضرات صحابہ کرام نے ان کے ترجمہ شدہ مضمون کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش فرمایا یہ ترجمہ کسی یہودی نے کیا تھا اور اس مضمون کو کچھ اس انداز میں پیش فرمایا کہ اس سے قرآن کے مقابلے میں اہمیت ظاہری ہو رہی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اٹھا کر پھینک دیا اور فرمایا کہ: **کفی بھا حماقۃ قوم، او ضلالۃ قوم ان یرغبوا عما جاء بہ نبیھم إلی قوم غیرھم** یعنی کسی قوم کی ہلاکت اور زیغ وضلال کے لئے بس صرف اتنا

ہی کافی ہے کہ اپنے نبی کے پیغامات وہدایات اور ارشادات کو چھوڑ کر غیر نبی کے پیغامات اور ہدایات پر عمل کرے، اس وقت مذکورہ آیت یعنی او لم یکفھم الخ نازل ہوئی۔

زاد المسیر ص:۲۷۹ ج:۶/طبری ص:۷ ج:۲۱/قال الحافظ فی تخریج الکشاف ص:۱۲۸ الدر المنثور للام سیوطی ص:۱۴۸ ج:۵، وفی روح المعانی التفصیل ھکذا تقریباً بطرق مختلفة و الخلاصة قد ذکرت بلفظ الجوزی الآن وبعد قال الشیخ السید شھاب الدین آلوسی اخرج عبد الرزاق فی المصنف و البیهقي في شعب الإیمان عن الزهري ان حفصة جاءت إلی النبي ﷺ بکتاب من قصص یوسف في کتف فجعلت تقرؤه علیه و النبي ﷺ یتلون وجهه فقاهل: والذي نفسي بیده لو اتاکم یوسف وانا بینکم فاتبعتموه وترکتموني ضللتم أنا حظکم من النبیین وانتم حظی من الامم واخرج عبدالرزاق و البیهقي ایضًا عن ابی قلابة "أن عمر بن الخطاب رضی الله عنه مر برجل یقرأ کتابًا فاستمعه ساعة فاستحسنه فقال للرجل: اکتب لي من هذا الکتاب قال: نعم فاشتری ادیما فهیأه ثم جاء به إلیه فنسخ له في ظهره وبطنه ثم اتی النبي ﷺ فجعل یقرؤه علیه وجعل وجه رسول الله ﷺ منذ الیوم وانت تقرأ علیه هذا الکتاب، فقال النبي ﷺ عند ذالک: فما بعثت فاتحًا و خاتمًا و اعطیت جوامع الکلم و خواتمه واختصر لي الحدیث اختصار افلا یهلنکم المتهوکون "ای الواقعون في کل امر بغیر رویة، وقیل: المتحیرون إلی ذالک من الاخبار وحقق بعضهم أن المنع انما هو عند خوف فساد في الدین و ذالک مما لا شبهة فیه في حدود الإسلام وعلیه تحمل الاخبار روح المعاني ص:۷ ج:۲۱ پاره نمبر ۲۱.

۳۸۱- قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ الخ

ترجمہ ذکر کیا جا چکا۔

**شانِ نزول:** قرآن ورسالت کے انکار کرنے والوں کے بارے میں یہ

آیت نازل ہوئی کہ روشن دلیل آ جانے کے بعد بھی تمہیں انکار ہی پسند ہے تو اب وہاں ہی ساری حقیقت کھل کر سامنے آ جائے گی۔ (زادالمسیر ص:۲۷۹ ج:۶)

۳۸۲-وَ كَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ اللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَ اِيَّاكُمْ ۖ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۞

**ترجمہ:** بہت سے جانور ایسے ہیں جو اپنی غذا اٹھا کر نہیں رکھتے (یعنی جمع نہیں کرتے گو بعض جمع بھی کرتے ہیں) اللہ ہی ان کو (ان کے مقدر کی) روزی پہنچاتا ہے، اور تم کو بھی (پھر ایسا وسوسہ مت لاؤ بلکہ اللہ پر بھروسہ رکھو) اور (وہ بھروسہ کے لائق ہے کیوں کہ) وہ سب کچھ سنتا اور سب کچھ جانتا ہے'' (اسی طرح دوسری تمام صفات میں کامل ہے تو ظاہر ہے کہ وہی بھروسہ کے قابل ہے)

**شانِ نزول:** حضرت ابن عباسؓ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب مسلمانوں کو یہ حکم فرمایا کہ اب مکہ میں رہنا ہمارے لئے کسی طرح سے مناسب نہیں ہے اس لئے کہ یہاں رہ کر دین اسلام کی مکمل طور پر ترویج واشاعت ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے لہٰذا مدینہ کے لئے روانہ ہو جانا چاہئے اور مدینہ کی طرف ہجرت اب ضروری ہے اس پر کچھ مسلمانوں نے کہا کہ یارسول اللہ مدینہ کی سرزمین اور مدینہ کی بستی ہمارے لئے نئی جگہ ہوگی اور ہر نئی جگہ پر جو دشواریاں اٹھانی پڑتی ہیں وہ ظاہر وباہر ہے۔ پھر یہ کہ مدینہ پہنچ کر بہت ساری ضرورتوں میں اہم ضرورت مال ودولت ہے جس پر زندگی کے بقاء کا دارومدار ہے اور ہمارے پاس مدینہ میں یہ چیز فراہم نہیں تو پھر ہمارے معاش کا ذمہ دار وہاں کون ہوگا؟ اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

آیت کی وضاحت ترجمہ کے ضمن میں آ چکی ہے۔

**زادالمسیر ص: ۲۸۲ ج:۶/ذکر ذالک بعض المفسرین والله اعلم،وقد ذكر المفسرون في سبب نزولها حديثا ضعيفا عن ابن عمر وقد اورده السيوطي في الدر ص:۱۴۹ ج:۵/وقد اورده الواحدي في اسباب النزول ص:۱۹۶/هو هذا عن ابن عمر رضى الله عنهما قال: خرجت مع رسول**

اللهﷺ حتى دخل بعض حيطان المدينة،فجعل يلتقط من التمر،ويا كهل، فقال لي:"يا ابن عمر مالک لاتاکل؟"قلت: لا اشتهيه يا رسول الله، قال "لكني اشتهيه، وهذه صبح رابعة منذلم ازق طعامًا ولم اجده، ولو شئت لدعوت ربي فاعطاني مثل ملک کسری وقيصر،فكيف بک يا ابن عمر إذا بقيت في قوم يخبئون رزق سنتهم ويضعف اليقين؟"قال: فوالله مابرحنا ولا رمنا حتى نزلت (وكأين من دابة لا تحمل رزقها الله يرزقها اياكم وهو السميع العليم)فقال رسول اللهﷺ:"إن الله لم يأمرني بكنز الدنيا ولا باتباع الشهوات، آلا واني لااكنز دينار او لا درهما،ولاادخر رزقا لغد" وهكذا قال الشَّيخ اسماعيل بن كثير الدمشقي في ابن كثيرص:۳۹۳ج:۳/وقال ايضا في آخر الكلام هذا حديث غريب، ابو العطوف الجزري ضعيف، يعنى احدرجال السند، وهوالجراح بن الجزري ابن كثير ص:۳۹۳ج:۳/تفسير بغوی ص: ۳۸۳/ ۳۸۴ج:۴/مع روايتين (المقتطف ص: ۱۹۱ ج:۴/مع الرواية الاولیٰ فقط الذي ذكرت اولا فی صورۃ الترجمة،روح المعاني ص: ۱۱ ج: ۲۱،پارہ نمبر ۲۱ يعنی الرواية الاولیٰ اسناده جيد.

۞۞۞

# سورۃ الروم

سورۂ روم بالاجماع مکی ہے۔(زادالمسیر ص:۲۸۶ ج:۶)

الٓمّٓ ۝۱ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝۲ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَ هُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَیَغْلِبُوْنَ ۝۳ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ ؕ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَ مِنْۢ بَعْدُ ؕ وَ یَوْمَىٕذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۴ بِنَصْرِ اللّٰهِ ؕ یَنْصُرُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ۝۵ وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا یُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝۶ یَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚۖ وَ هُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۝۷

**ترجمہ مع التفسیر:** الٓمّٓ (اسکے معنی اللہ کو معلوم ہیں) اہل روم ایک قریب کے موقع پر (یعنی ارض روم کے ایسے مقام میں جو بہ نسبت فارس کے عرب سے قریب تر ہے مراد اس سے اذرعات وبصریٰ ہے جو ملک شام میں دوشہر ہیں، کذا فی القاموس، اور حکومت روم کے تحت میں ہونے سے ارض روم میں داخل ہیں اس پر موقع پر روم اہل فارس کے مقابلہ میں) مغلوب ہوگئے (جس سے مشرکین خوش ہوئے اور وہ (رومی) اپنے (اس) مغلوب کے بعد عنقریب (اہل فارس پر دوسرے مقابلہ میں) تین سال سے لے کر نو سال کے اندر غالب آجائیں گے (اور یہ مغلوب اور غالب ہونا سب خدا کی طرف سے ہے، کیوں کہ مغلوب ہونے سے) پہلے بھی اختیار اللہ ہی کو تھا (جس سے مغلوب کردیا تھا) اور (مغلوب ہونے سے) پیچھے بھی اللہ ہی کو اختیار ہے جس سے غالب کردے گا) اور اس روز (یعنی اہل روم غالب آئیں گے) مسلمان اللہ تعالیٰ کی اس امداد پر خوش ہوں گے (اس امداد سے یا تو یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان کے قول میں سچا اور غالب

فرمادے گا، کیوں کہ اس پیشین گوئی کو مسلمانوں نے کفار پر ظاہر کیا اور انہوں نے تکذیب کی تو اس کے وقوع سے مسلمانوں کی جیت ہو جائے گی، اور یا یہ مراد ہے کہ مسلمانوں کو مقاتلہ میں بھی غالب کردے۔ چنانچہ وہ وقت جنگ بدر میں منصور ہونے کا تھا، اور ہر حال میں نصرت کا محل اہل اسلام ہی ہیں، اور مسلمانوں کی ظاہری مغلوبیت دیکھ کر یہ بات مستبعد نہ سمجھی جائے کہ یہ مغلوب مسلمان مقابلہ کے وقت کفار پر غالب آجائیں گے) کیوں کہ نصرت اللہ کے قبضہ میں ہے وہ جس کو غالب کردیتا ہے اور وہ زبردست ہے کفار کو جب چاہے قولاً یا فعلاً مغلوب کرادے اور رحیم (بھی) ہے مسلمانوں کو جب چاہے غالب کردے) اللہ تعالیٰ نے اس کا وعدہ فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں فرماتا۔ (اس لئے یہ پیشین گوئی ضرور واقع ہوگی) لیکن اکثر لوگ (اللہ تعالیٰ کے تصرفات کو) نہیں جانتے بلکہ صرف ظاہری اسباب کو دیکھ کر ان اسباب پر حکم لگادیتے ہیں (اس لئے اس پیشین گوئی میں استبعاد کرتے ہیں، حالانکہ مسبب الاسباب، اور مالک الاسباب اللہ تعالیٰ ہی ہے اس کو اسباب بدلنا بھی آسان اور اسباب کے خلاف مسبب کا واقع کرنا بھی آسان ہے۔

اور جس طرح پیشین گوئی کے واقع ہونے سے پہلے اسباب ظاہری نہ ہونے کی وجہ سے اس کا انکار کرتے ہیں، اسی طرح پیشین گوئی کو پورا ہوتا دیکھ کر بھی اس کو ایک اتفاقی امر قرار دیتے ہیں، اور وعدہ الٰہیہ کا ظہور نہیں سمجھتے، اس لئے لفظ لایعلمون میں یہ دونوں چیزیں آگئیں ان لوگوں کا اللہ تعالیٰ سے غافل اور جاہل رہنا اس سبب سے ہے کہ یہ لوگ صرف دنیوی زندگی ظاہری کو جانتے ہیں) اور یہ لوگ آخرت سے (بالکل ہی) بے خبر ہیں (کہ وہاں کیا ہوگا، اس لئے ان کو دنیا میں نہ اسباب عذاب سے بچنے کی فکر ہے اور نہ ہی اسباب نجات ایمان اور عمل صالح کی تلاش ہے)

**شان نزول مع فوائد:** سورۂ عنکبوت اس آیت پر ختم ہوئی ہے جس میں حق تعالیٰ نے اپنے راستہ میں جہاد و مجاہدہ کرنے والوں کے لئے اپنے راستے کھول دینے اور ان کے لئے مقاصد میں کامیابی کی بشارت دی تھی، سورۂ روم کی ابتداء جس قصے سے ہوئی ہے وہ

اسی نصرت الٰہیہ کا ایک مظہر ہے اس سورت میں جو واقعہ روم اور فارس کی جنگ کا مذکور ہے یہ دونوں کفار ہی تھے، ان میں سے کسی کی فتح کسی کی شکست بظاہر اسلام اور مسلمانوں کے لئے کوئی دلچسپی کی چیز نہیں مگر ان دونوں کفار میں اہل فارس مشرک آتش پرستی کے مرتکب تھے اور اہل روم نصاریٰ اہل کتاب تھے اور ظاہر ہے کہ دونوں قسم کے کفار میں اہل کتاب مسلمانوں سے نسبتاً قریب ہیں کیوں کہ بہت سے اصول دین آخرت پر ایمان رسالت اور وحی پر ایمان ان کے ساتھ قدر مشترک ہے اسی قدر مشترک سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اس مکتوب میں کام لیا جو روم کے بادشاہ کو دعوت دینے کے لئے بھیجا تھا کہ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍۢ بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمْ الآیۃ اہل کتاب کے ساتھ مسلمانوں کا ایک گونہ قرب ہی اس کا ایک سبب تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قیام مکہ مکرمہ کے زمانے میں فارس نے روم پر حملہ کیا، حافظ ابن حجر وغیرہ کے قول کے مطابق ان کی یہ جنگ بلکہ شام کے مقام اذرعات اور بصری کے درمیان واقع ہوئی۔ اس جنگ کے دوران مشرکین مکہ یہ چاہتے تھے کہ اہل فارس غالب آجائیں جو شرک و آتش پرستی میں ان کے بھائی تھے اور مسلمان یہ چاہتے تھے کہ اہل روم غالب آجائیں، کیوں کہ وہ دین و مذہب کے اعتبار سے اسلام کے قریب تھے مگر ہوا یہ کہ اس وقت اہل فارس روم پر غالب آگئے، یہاں تک کہ قسطنطنیہ بھی فتح کرلیا، اور وہاں عبادت کے لئے ایک آتش کدہ تعمیر کیا اور یہ فتح کسری پرویز کی آخری فتح تھی، اس کے بعد اسکا زوال شروع ہوا، اور پھر مسلمانوں کے ہاتھوں اس کا خاتمہ ہوا۔ (از قرطبی)

اس واقعہ پر مشرکین مکہ نے خوشیاں منائیں اور مسلمانوں کو عار دلائی کہ تم جس کو چاہتے تھے وہ ہار گیا اور جیسا کہ روم اہل کتاب کو بمقابلہ فارس شکست ہوئی ہمارے مقابلہ میں تم کو بھی شکست ہوگی اس سے مسلمانوں کو رنج ہوا۔ (ابن جریر ابن ابی حاتم)

توسورہ روم کی مذکورہ آیتیں اسی واقعہ کے متعلق نازل ہوئیں جن میں یہ پیشین گوئی اور بشارت دی گئی ہے کہ چند سال بعد پھر روم فارس پر غالب آجائیں گے۔

حضرت صدیق اکبرؓ نے جب یہ آیات سنیں تو مکہ کے اطراف اور مشرکین کے مجامع

اور بازار میں اس کا اعلان کیا کہ تمہارے خوش ہونے کا موقع نہیں، چند سال میں پھر اہل روم فارس پر غالب آجائیں گے، مشرکین مکہ میں سے ابی بن خلف نے مخالفت کی، اور کہنے لگا کہ تم جھوٹ بولتے ہو، ایسا نہیں ہوسکتا، حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا خدا کے دشمن تو ہی جھوٹا ہے اور میں تو اس واقعہ پر شرط کرنے کو تیار ہوں کہ اگر تین سال کے اندر اہل روم غالب نہ آگئے تو دس اونٹنیاں تمہیں دوں گا، اور وہ غالب آگئے تو دس اونٹنیاں تمہیں دینی پڑیں گی (یہ معاملہ قمار کا تھا مگر اس وقت قمار حرام نہیں تھا) یہ کہہ کر حضرت صدیق اکبرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس واقعہ کا ذکر کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تو تین سال کی مدت متعین نہیں کی تھی کیوں کہ قرآن میں اصل لفظ بِضْعِ سِنِيْنَ مذکور ہے جس کا اطلاق تین سے نو سال تک ہوسکتا ہے، تم جاؤ اور جس سے یہ معاہدہ ہوا ہے اس سے کہہ دو کہ میں دس اونٹنیوں کے بجائے ۱۰۰؍کی شرط کرتا ہوں مگر مدت تین سال کے بجائے نو سال اور بعض روایات کے رو سے سات سال مقرر کرتا ہوں صدیق اکبرؓ نے حکم کی تعمیل کی اور ابی بن خلف اس نئے معاہدے پر راضی ہوگیا۔

**ابن جرير بسنده عن مجاهد وروى القصة الترمذي عن ابي سعيد الخدري دينار بن مكرم الاسلمي بتغير يسير.**

روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ہجرت سے پانچ سال پہلے پیش آیا ہے اور پورے سات سال ہونے پر غزوۂ بدر کے وقت روم دوبارہ فارس پر غالب آگئے اس وقت ابی بن خلف مرچکا تھا، صدیق اکبرؓ نے اس کے وارثوں سے اپنی شرط کے مطابق ۱۰۰؍اونٹنیوں کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے اونٹنیاں دیدیں۔

بعض روایات میں ہے کہ ہجرت سے پہلے ابی بن خلف کو جب اندیشہ ہوا کہ ابوبکرؓ بھی شاید ہجرت کر کے چلے جائیں گے تو اس نے کہا کہ میں اس وقت تک آپ کو نہ چھوڑوں گا جب تک آپ کوئی کفیل نہ پیش کریں کہ میعاد معین تک روم غالب نہ آئے تو سو اونٹنیاں وہ مجھے دے گا حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنے صاحبزادے عبدالرحمن کو اس کا کفیل بنادیا۔

جب شرط کے مطابق صدیق اکبرؓ شرط جیت گئے اور سو اونٹنیاں ان کے ہاتھ آئیں تو

وہ سب لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے فرمایا کہ ان اونٹنیوں کو صدقہ کردو اور ابو یعلی، ابن عساکر میں حضرت براء بن عازب کی روایت سے اس میں یہ الفاظ منقول ہیں۔ **ھذا سحت تصدق بہ** یہ حرام ہے اس کو صدقہ کردو۔ [۱]

❁❁❁

[۱] روح المعانی ص:۱۹، ۱۸، ۱۷/ج:۲۱ پارہ نمبر ۲۱ المقتطف ص:۱۹۶، ۱۹۵ ج:۴/زاد المسیر ص:۲۸۷، ۲۸۶ ج:۶/ترمذی ص:۱۵۰ ج:۲ طبری ص:۱۷ ج:۲۱/واوردہ السیوطی فی الدر المنثور ص:۱۵۱/ج:۵ واوردہ الواحدی فی "اسباب النزول" ص:۱۹۷/معالم التنزیل للبغوی ص:۳۸۷/۳۸۸ ج:۴/ابن کثیر ص:۳۹۶، ۳۹۵/معارف القرآن ص:۱۹ تا ۲۱ ج:۶

# سورۂ لقمان

اکثر مفسرین کے نزدیک یہ سورت مکی ہے اور حضرت عطاء نے فرمایا کہ یہ سورت مکی ہے لیکن دو آیتیں مدنی ہیں، یعنی آیت نمبر ۲۷، ۲۸ اور حضرت حسن سے مروی ہے کہ صرف ایک آیت مدنی ہے یعنی آیت نمبر ۴ جس میں صلوٰۃ اور زکوٰۃ کا تذکرہ ہے کیوں کہ صلوٰۃ کی آیت مدنی ہے باقی یہ شبہ کہ نماز تو مکہ میں فرض ہوئی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ مکہ میں مغرب کے علاوہ تمام نمازیں دو رکعت کے ساتھ فرض تھیں مدینہ میں مکمل طور پر نماز کے احکام نازل کئے گئے۔ (زادالمسیر مع حاشیہ ص: ۳۱۴ ج: ۶)

۳۸۴- وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّ يَتَّخِذَهَا هُزُوًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝

**ترجمہ:** اور بعض آدمی ایسا ہے جو ان باتوں کا خریدار بنتا ہے جو غافل کرنے والی ہیں تاکہ اللہ کی راہ میں بے سمجھے بوجھے گمراہ کرے اور اس کی ہنسی اڑائے ایسے لوگوں کے لئے ذلت کا عذاب ہے۔

**شانِ نزول: وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ** لفظ اشتراء کے لغوی معنی خریدنے کے ہیں اور بعض اوقات ایک کام کے بدلے دوسرے کام کو اختیاری کر لینے کے لئے بھی لفظ اشتراء استعمال کیا جاتا ہے جیسے: **اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى** وغیرہ آیات قرآن میں یہی معنی اشتراء کے مراد ہیں۔

اس آیت کا شانِ نزول ایک خاص واقعہ ہے کہ نضر بن حارث مشرکین مکہ میں سے ایک بڑا تاجر تھا اور تجارت کے لئے مختلف ملکوں کا سفر کرتا تھا ایک مرتبہ وہ ملک فارس سے شاہانِ عجم کسریٰ وغیرہ کے تاریخی قصے خرید کر لایا اور مکہ کے مشرکین سے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم

کوقوم عاد وثمود وغیرہ کے واقعات سناتے ہیں، میں تمہیں ان سے بہتر رستم اور اسفند یار اور دوسرے شاہان فارس کے قصے سناتا ہوں، یہ لوگ ان کے قصوں کو شوق اور رغبت سے سننے لگے، کیوں کہ ان میں کوئی تعلیم تو تھی نہیں جس پر عمل کرنے کی محنت اٹھانی پڑے صرف لذیذ قسم کی کہانیاں تھیں، ان کی وجہ سے بہت سے مشرکین جو اس سے پہلے کلام الٰہی کے اعجاز اور یکتائی کی وجہ سے اس کو سننے کی رغبت رکھتے اور چوری چوری سنا بھی کرتے تھے ان لوگوں کو قرآن کریم سے اعراض کا بہانہ ہاتھ آ گیا **(ذکرہ فی الروح عن اسباب النزول للواحدی ومقاتل وذکر نحوہ فی الدر المنثور بروایۃ البیهقی)**

اور در منثور میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ مذکور الصدر تاجر باہر سے ایک گانے والی کنیز (لونڈی) خرید کر لایا تھا اور اس کے ذریعہ اس نے لوگوں کو قرآن سننے سے روکنے کی یہ صورت نکالی کہ جو لوگ قرآن سننے کا ارادہ کریں اپنی اس کنیز سے ان کو گانا سنوانا تھا اور کہتا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم کو قرآن سنا کر کہتے ہیں کہ نماز پڑھو روزہ رکھو اور اپنی جان دو جس میں تکلیف ہی تکلیف ہے آؤ تم یہ گانا سنو اور جشن طرب کی محفل کو آراستہ و پیراستہ کرو۔

قرآن کریم کی مذکورہ آیت اسی واقعہ پر نازل ہوئی اور اس میں اشتراء لہو الحدیث سے وہ قصے کہانیاں شاہانِ عجم کے یا یہ لونڈی گانے والی مراد ہے، واقعہ نزول کے اعتبار سے لفظ اشتراء اپنے حقیقی معنی میں خریدنے کے لئے استعمال ہوا ہے، اور لہو الحدیث کے جو عام معنی آگے بیان ہو رہے ہیں ان کے اعتبار سے لفظ اشتراء بھی اسی جگہ عام ہے، یعنی ایک کام کے بدلے میں دوسرے کو اختیار کرنا، اس میں سامان لہو کی خریداری بھی داخل ہے۔

اور لہو الحدیث میں لفظ ''حدیث'' باتوں اور قصے کہانیوں کے معنی میں ہے اور لہو کے لفظی معنی غفلت میں پڑنے کے ہیں، جو چیزیں انسان کو ضروری کاموں سے غفلت میں ڈالے وہ لہو کہلاتی ہیں۔ اور بعض اوقات ایسے کاموں کو بھی لہو کہا جاتا ہے جن کا کوئی معتد بہ فائدہ نہ ہو، محض وقت گزاری کا مشغلہ یا دل بہلانے کا سامان ہو۔

آیت مذکورہ میں لہو الحدیث کے معنی اور تفسیر میں مفسرین کے اقوال مختلف ہیں،

حضرت ابن مسعودؓ ابن عباسؓ وجابرؓ کی ایک روایت میں اس کی تفسیر گانے بجانے سے کی گئی ہے۔(رواہ الحاکم وصححہ والبیھقي فی الشعب وغیرہ)

اور جمہور صحابہ وتابعین اور عام مفسرین کے نزدیک لہو الحدیث عام ہے لہو الحدیث ان تمام چیزوں کے لئے جو انسان کو اللہ کی عبادت اور یاد سے غفلت میں ڈالے اس میں غناء مزامیر بھی داخل ہے اور بے ہودہ قصے کہانیاں بھی، امام بخاریؒ نے اپنی کتاب الادب المفرد میں اور بیہقی نے اپنی سنن میں لہو الحدیث کی یہی تفسیر کی ہے اس میں فرمایا ہے کہ لہو الحدیث ھو الغناء واشباھہ یعنی لہو الحدیث سے مراد گانا اور اس کے مشابہ دوسری چیزیں ہیں یعنی جو اللہ کی عبادت سے غافل کردیں، اور سنن بیہقی میں ہے کہ اشتراء لہو الحدیث سے مراد گانے بجانے والے مرد یا عورت کو خریدنا ہے، اس کی مثال ایسی بے ہودہ چیزوں کا خریدنا ہے جو اللہ کی یاد سے غافل کریں ابن جریر نے بھی اسی عام معنی کو اختیار فرمایا ہے۔(روح ملخصا) اور ترمذی کی ایک روایت سے بھی یہی عموم ثابت ہوتا ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ گانے والی لونڈیوں کی تجارت نہ کرو، اور پھر فرمایا وفی مثل ھذا انزلت ھذہ الآیۃ ومن الناس من یشتری الخ۔

۳۸۵-وَ وَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَّ

[۱] معارف القرآن ص:۱۹ تا ۲۱ ج:۷/اسباب النزول ص:۱۹۸، ۱۹۷ طبر ص:۶۲/۶۳ ج:۲۱/ وذکر السیوطی فی الدر ص:۱۶۰، ۱۵۹/معالم التنزیل ص:۴۰۷ ج:۴/المقتطف ص:۲۱۸ ج:۴/اخرجه الترمذی :في كتاب التفسير رقم الحديث :۳۱۹۳،ابن ماجه فی التجارات رقم الحديث:۲۱۶۸ باب مالا يحل بيعه وقال الترمذي هذا حديث غريب: والغريب هو مايتفرد بروايته شخص واحد فی أي موضع وقع التفرد به من مواضع السند وإن كان واحدا، وينقسم إلى الغريب المطلق والغريب النسبي (ظفر الامانی فی مختصرا الجرجانی ص:۲۹/واعلم أن الغرابة لاتنافی الصحة ويجوز أن يكون الحديث صحيحا غريبا بان يكون كل واحد من رجاله ثقةً والغريب قد يقع بمعنى الشاذ مقدمة مشكوٰة المصابيح ص:۶/روح المعانی ص:۶۷ ج:۲۱،پارہ نمبر ۲۱/روح المعانی میں مذکورہ شخصوں کے علاوہ دوسرے حضرات کے بارے میں مذکورہ آیت کا نازل ہونا بتلایا ہے۔وللتفصیل فلیطالع ثمه، ابن کثیر ص:۴۱۳ بغیر صراحۃ الاسم بل صرحه فقط نزلت هذه الآیة في الغناء والمزامير، تفسير عثمانی ص:۵۴۷

فِصٰلُهٗ فِیۡ عَامَیۡنِ اَنِ اشۡكُرۡ لِیۡ وَ لِوَالِدَیۡكَ ؕ اِلَیَّ الۡمَصِیۡرُ ﴿۱۴﴾ وَ اِنۡ
جَاهَدٰكَ عَلٰۤی اَنۡ تُشۡرِكَ بِیۡ مَا لَیۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ ۙ فَلَا تُطِعۡهُمَا وَ
صَاحِبۡهُمَا فِی الدُّنۡیَا مَعۡرُوۡفًا ۫ وَّ اتَّبِعۡ سَبِیۡلَ مَنۡ اَنَابَ اِلَیَّ ۚ ثُمَّ اِلَیَّ
مَرۡجِعُكُمۡ فَاُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۵﴾

**ترجمہ:** ہم نے انسان کواس کے ماں باپ کے متعلق تاکید کی ہے اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اس کو پیٹ میں رکھا اور دو برس میں اس کا دودھ چھوٹتا ہے کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکرگزاری کیا کر میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے اور اگر وہ تجھ پر اس بات کا زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھہرائے جس کی تیرے پاس کوئی دلیل نہ ہو تو ان کا کہنا نہ ماننا اور دنیا میں ان کے ساتھ خوبی کے ساتھ بسر کرنا اور اس شخص کی راہ پر چلنا جو میری طرف رجوع ہو پھر تم سب کو میرے پاس آنا ہے پھر میں تم کو جتلا دوں گا جو کچھ تم کرتے تھے۔

**شانِ نزول:** سورۃ العنکبوت آیت نمبر ۸ر کے تحت شان نزول ذکر کیا جا چکا ہے وہاں دیکھ لیا جائے یعنی یہ آیت بھی سعد بن ابی الوقاص کے بارے میں نازل ہوئی جن کا تفصیلی واقعہ گزر چکا ہے۔ **وانظر التفصیل ایها القاری ثمه**

۳۸۶- وَّ اتَّبِعۡ سَبِیۡلَ مَنۡ اَنَابَ اِلَیَّ ۚ ثُمَّ اِلَیَّ مَرۡجِعُكُمۡ فَاُنَبِّئُكُمۡ
بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۵﴾

**ترجمہ:** ذکر کیا جا چکا

**شانِ نزول:** مذکورہ ٹکڑا سعد بن ابی وقاص وغیرہ کے بارے میں نازل ہوا ہے لیکن چونکہ ان کے اسلام لانے کا سبب حضرت ابوبکر صدیق بنے ہیں اس لئے درحقیقت حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بارے میں ہی مذکورہ ٹکڑا نازل ہوا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ جب اسلام کی دولت سے نوازے گئے تو ان کے پاس سعد بن ابی وقاص حضرت عثمان، سعید بن زید، حضرت طلحہ اور حضرت زبیرؓ تشریف لائے، اور گویا ہوئے کہ ہمیں یہ معلوم ہوا ہے کہ آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا چکے ہیں اور ان کی تصدیق

کر چکے ہیں، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا ہاں! صحیح خبر ہے پھر یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایمان لے آئے اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی، مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ سے مراد حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں۔[1]

بغوی نے کہا کہ مکمل طور پر مذکورہ دونوں آیتیں سعد بن ابی وقاص کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، لیکن اولاً انہوں نے بھی مذکورہ ٹکڑے کے ذیل میں وہی بات کہی ہے جسے علامہ واحدی اور جوزی وغیرہ نے بیان فرمایا ہے۔ (روح المعانی ص:۸۸، ج:۲۱/ پارہ نمبر ۲۱)

۳۸۷- وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّ الْبَحْرُ یَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۷﴾

**ترجمہ:** جتنے درخت زمین میں ہیں، اگر وہ سب قلم بن جائیں، اور یہ جو سمندر ہے اس کے علاوہ سات سمندر اس میں اور شامل ہو جائیں تو (سب قلم اور روشنائی ختم ہو جائیں اور اللہ) کی باتیں ختم نہ ہوں، بے شک خدا تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے۔ (کہ وہ قدرت میں بھی کامل ہے اور علم میں بھی)

**شانِ نزول:** یہ آیت احبار یہود کے ایک سوال کے جواب میں نازل ہوئی وجہ یہ تھی کہ قرآن کریم وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا، یعنی تمہیں نہیں دیا گیا مگر تھوڑا سا علم، نازل ہوئی اس کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو چند احبار یہود حاضر ہوئے اور اس آیت کے بارے میں معارضہ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ جو کہتے ہیں کہ تمہیں تھوڑا علم دیا گیا ہے اس میں آپ نے اپنی قوم کا ذکر کیا ہے۔ یا اس میں آپ نے ہمیں بھی داخل کیا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری مراد سب ہیں، یعنی ہماری قوم بھی اور یہود و نصاریٰ بھی تو انہوں نے یہ معارضہ کیا کہ ہمیں تو اللہ تعالیٰ نے تورات عطا فرمائی ہے جس کی شان تِبْیَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ یعنی ہر چیز کا بیان ہے، آپ نے فرمایا کہ وہ بھی علم الٰہی کے مقابلہ میں قلیل ہی ہے پھر تورات میں جتنا علم ہے اس کا بھی تمہیں پورا علم

[1] اسباب النزول ص: ۱۹۸ وایضًا فی زاد المسیر ص: ۳۲۰ ج: ۶/ بحوالہ واحدی بغوی ص: ۱۰۴ ج: ۴

نہیں بقدر کفایت ہی ہے اس لئے علم الٰہی کے مقابلہ میں ساری آسمانی کتابوں اور سب انبیاء کے علوم کا مجموعہ بھی قلیل ہی ہے اسی کلام کی تائید کے لئے یہ آیت نازل ہوئی: وَ لَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ (ابن کثیر، ص:۴۲۲ ج:۳/اسباب النزول ص:۱۹۸/زاد المسیر ص:۳۲۵ ج۶/ [1] )

فائدہ: وَ لَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ اس آیت میں حق تعالیٰ نے اپنی معلومات اور اپنی قدرت کے تصرفات اور اپنی نعمتوں کی ایک مثال دی ہے کہ وہ غیر متناہی ہیں، نہ کسی زبان سے وہ سب ادا ہوسکتے ہیں نہ کسی قلم سے سب کو لکھا جاسکتا ہے مثال یہ فرمائی کہ ساری زمین میں جتنے درخت ہیں اگر ان کی سب شاخوں کو قلم بنا لئے جائیں اور تصرفات قدرت کو لکھنا شروع کریں تو سمندر ختم ہوجائے گا اور معلومات وتصرفات ختم نہ ہوں گے اور ایک سمندر نہیں اس جیسے سات سمندر اور بھی شامل کردیئے جائیں جب بھی سمندر ختم ہوجائیں گے۔

اور اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم نہ ہوں گے کلمات اللہ سے مراد اس کے علم وحکمت کے کلمات ہیں (روح المعانی تفسیر مظہری) اور شیون قدرت اور نعمائے الٰہیہ بھی اس میں داخل ہیں اور سات سمندر سے مطلب یہ نہیں کہ کہیں سات سمندر موجود ہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ ایک سمندر کے ساتھ فرض کرلو اور سات سمندر مل جائیں تب بھی ان سب سے کلمات اللہ کو ضبط تحریر میں لایا نہیں جاسکتا اور سات کا عدد بھی بطور مثال ہے حصر مقصود نہیں، اور دلیل اس کی دوسری آیت قرآن ہے جس میں فرمایا ہے کہ: قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَ لَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾ (کہف:۱۰۹)

[1] وقال الجوزي في حسب نزول الآية المذكورة قولان احدها قد ذكرت بعد ترجمة الآية والثاني: أن المشركين قالوا في القرآن: إنما هو كلام (يوشک) ينفد وليقطع فنزلت هذه الآية قاله قتاده: طبرى ص:۸۱ ج:۲۱/الدر المنثور السيوطى ص:۱۶۸، ۱۶۷ ج:۵/معالم التنزيل في سبب نزولها قولان قد ذكرنا كليهما الاول فى المقصد والثاني في تحت قول الجوزي، ص:۴۱۵/ج:۴/تفسير كبير ص:۱۵۷/ج:۱۳/روح المعانى للآلوسى ص:۱۰۰ ج:۲۱/پاره نمبر ۲۱/معارف القرآن ص:۴۸، ۴۷ ج:۷/والفائد ماخوذ من معارف القرآن ايضًا.

یعنی اگر سمندر کلمات اللہ کو لکھنے کے لئے روشنائی بنالیا جائے تو سمندر ختم ہو جائے گا اور کلمات اللہ ختم نہ ہوں گے اور صرف یہی سمندر نہیں اس جیسے اور بھی سمندر شامل کر دیں تب بھی بات یہی رہے گی اس آیت میں بمثلہ فرما کر اشارہ کر دیا کہ یہ سلسلہ دور تک چلا جائے کہ اس سمندر کے مثل دوسرا سمندر مل جائے کلمات اللہ کا احاطہ نہیں کر سکتے عقلی طور پر وجہ ظاہر ہے کہ سمندر سات نہیں بلکہ سات ہزار بھی ہوں تو بھی بہر حال محدود اور متناہی ہیں۔ اور کلمات اللہ یعنی معلومات اللہ غیر متناہی ہیں کوئی متناہی چیز غیر متناہی کا احاطہ کیسے کر سکتی ہے۔

۳۸۷- مَا خَلْقُكُمْ وَ لَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۲۸﴾

**ترجمہ:** تم سب کا (پہلی بار) پیدا کرنا اور (دوسری بار) زندہ کرنا (اس کے نزدیک) بس ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک شخص کا (پیدا کرنا اور زندہ کرنا، گو یہاں مقصود قرینہ مقام سے بعث کا ذکر فرمانا ہے، لیکن ذکر خلق سے استدلال اور قوی ہو گیا ہے) بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا اور سب کچھ دیکھتا ہے (بس جو لوگ باوجود ان دلائل کے قیامت کا انکار کر رہے ہیں اور اس جرأت پر فسق و فجور کرتے ہیں وہ ان سب کو سن رہا ہے دیکھ رہا ہے ان کو سزا دے گا)

**شانِ نزول:** مذکورہ آیت ابی بن خلف اور دوسرے مشرکین مکہ کے بارے میں نازل ہوئی تفصیل اس طرح ہے کہ ابی بن خلف اور مشرکین مکہ کہا کرتے تھے کہ اللہ نے ہمیں مختلف نوعیت سے اور مختلف مرحلوں سے گزار کر کے پیدا کیا اور اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم یہ کہتے ہو اللہ ہمیں از سر نو دوبارہ پیدا کرے گا اور اس دوبارہ پیدا کرنے میں کوئی بھی وقت درکار نہ ہوگا۔ ادھر لفظ کن ہوگا اور ادھر خلق جدید عمل میں آجائے گا یہ بات سمجھ سے باہر معلوم ہوتی ہے۔ اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

(زاد المسیر ص:۳۲۷ ج:۶ / روح المعانی ص:۱۰۱ ج:۲۱ / پارہ نمبر ۲۱)

۳۸۹- اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَ يَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ؕ وَ مَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَ مَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ

بِاَیِّ اَرۡضٍ تَمُوۡتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیۡمٌ خَبِیۡرٌ ﴿۳۴﴾

**ترجمہ:** بے شک اللہ کو قیامت کی خبر ہے اور وہی (اپنے علم کے موافق) مینھ برساتا ہے) (پس اسکا علم اور قدرت بھی اس کے ساتھ خاص ہے) اور وہی جانتا ہے جو کچھ (لڑکا اور لڑکی) رحم میں ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا عمل کرے گا (اسکی بھی اس کو خبر ہے) اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کہاں مرے گا (اس کی بھی اسی کو خبر ہے اور انہی چیزوں کی کیا تخصیص ہے جتنے غیوب ہیں) بے شک اللہ (ہی ان) سب باتوں کا جاننے والا (اور ان سے) باخبر ہے (کوئی دوسرا اس میں شریک نہیں)

**شانِ نزول:** دیہات کا ایک آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ میری عورت حالت حمل میں ہے آپ مجھے یہ بتادیجئے کہ وہ ولادت سے کب فارغ ہوگی، جہاں اور جس جگہ ہم رہتے ہیں وہ علاقہ بالکل خشک ہو چکا ہے آپ ہمیں یہ بتادیجئے کہ بارش کہاں ہوگی۔ اور پھر عرض کیا کہ مجھے اپنی پیدائش کی تاریخ معلوم ہے لیکن موت کہاں ہوگی؟ معلوم نہیں! آپ مجھے یہ بتادیجئے کہ میں کب مروں گا اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ [1]

**فائدہ:** اس آیت میں پانچ چیزوں کے علم کا بالخصوص حق تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہونا، اس کے سوا کسی مخلوق کو ان کا علم نہ ہونا بیان فرمایا گیا ہے اور اسی پر سورۂ لقمان ختم کی گئی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ عِنۡدَهٗ عِلۡمُ السَّاعَةِ ۚ وَ يُنَزِّلُ الۡغَيۡثَ ۚ وَ يَعۡلَمُ مَا فِى الۡاَرۡحَامِ ؕ وَ مَا تَدۡرِىۡ نَفۡسٌ مَّاذَا تَكۡسِبُ غَدًا ؕ وَ مَا تَدۡرِىۡ نَفۡسٌۢ بِاَىِّ اَرۡضٍ تَمُوۡتُ ؕ

"یعنی اللہ ہی کے پاس علم ہے قیامت (کہ کس سال کس تاریخ میں آئے گی) اور وہی بارش کو اتارتا ہے اور وہی جانتا ہے جو شکم مادر میں ہے (کہ لڑکی ہے یا لڑکا اور کس شکل وصورت کا ہے) اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اور کوئی

[1] زاد المسیر ص: ۳۳۰ ج: ۶/ اسباب النزول ص: ۱۹۹/ اسباب میں الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ اور زیادتی کے ساتھ اسی کے قریب قریب اور بھی سبب نزول بیان کئے گئے ہیں۔ طبری ص: ۱۷ ج: ۲۱/ الدر المنثور ص: ۱۶۹ ج: ۵/ تفسیر البغوی ص: ۱۷۴ ج: ۴/ ابن کثیر ج: ۳/ روح المعانی ۱۰۹ ج: ۲۱/ پارہ ۲۱ روح المعانی میں اس آنے والے شخص کا نام وارث بن عمرو بتایا ہے۔

نہیں جانتا کہ وہ کس زمین میں مرے گا۔

پہلی تین چیزوں میں اگر چہ یہ تصریح نہیں کی گئی کہ ان کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے، مگر کلام ایسے عنوان سے ذکر کیا گیا ہے جس سے ان چیزوں کے علم کا انحصار علم الٰہی میں ہونا معلوم ہوتا ہے اور باقی دو چیزوں میں اس کی تصریح موجود ہے، کہ ان کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں، انہی پانچ چیزوں کو سورہ انعام کی آیت میں مفاتح الغیب فرمایا گیا ہے: وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ۔ یعنی صرف اللہ ہی کے پاس علم ہے مفاتح الغیب کا، کوئی نہیں جانتا ان کو بجز اللہ کے، حدیث میں اس کو مفاتح الغیب فرمایا گیا ہے مفاتح اور مفاتیح مفتاح کی جمع ہے کنجی یا چابی کو کہتے ہیں، جس سے قفل کھلتے ہیں۔ مراد اس سے اصول الغیب ہیں جن سے معلومات غیب کھلتے ہیں۔ (معارف القرآن ص:۵۱، ۵۲ ج:۷)

# سورۃ السجدہ

اس سورت کا دوسرا نام ''المضاجع'' بھی ہے اور باجماع مفسرین یہ سورت مکی ہے، کلبی نے کہا کہ اس میں تین آیات مدنی ہیں، ان میں سے ایک آیت (اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا) ہے اور حضرت مقاتل نے فرمایا کہ صرف ایک آیت مدنی ہے وہ آیت یہ ہے۔ (تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ) آیت نمبر ۱۶/ اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس سورت میں پانچ آیتیں مدنی ہیں ان میں پہلی آیت (تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ) ہے یعنی آیت نمبر ۱۶/ یعنی کلبی کے بیان کے مطابق آیت نمبر ۱۸، ۱۹، ۲۰/ مدنی ہیں اور تیسرے قول کے مطابق ۱۶/ ۱۷/ ۱۸/ ۱۹/ ۲۰/ آیات سورۂ سجدہ کی مدنی ہیں۔

(زاد المسیر ص: ۳۳۳ ج: ۶/ روح المعانی ص: ۱۱۵/ ج: ۲۱/ پارہ نمبر ۲۱)

**۳۹۰- تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ۡ وَّ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝**

**ترجمہ:** ان کے پہلو خواب گاہوں سے علیحدہ ہوتے ہیں (خواہ فرض عشاء کے لئے یا تہجد کے لئے بھی اور اس سے سب روایتیں جمع ہوگئیں، اور خالی علیحدہ ہی نہیں ہوئے بلکہ) اس طور پر (علیحدہ ہوتے ہیں) کہ وہ لوگ اپنے رب کو (ثواب کی) امید سے اور (عذاب کے) خوف سے پکارتے ہیں (اس میں نماز اور دعاء وذکر سب آگئے) اور ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے خرچ کرتے ہیں (مطلب یہ کہ یہ ایمان والوں کی صفات ہیں)

**شانِ نزول:** حضرت مالک بن دینارؒ نے فرمایا کہ میں نے انس بن مالکؓ سے اس آیت کے بارے میں دریافت کیا فرمایا کہ یہ آیت کن لوگوں کے بارے میں نازل

ہوئی ہے تو حضرت انس بن مالکؓ نے فرمایا کہ یہ آیت ان صحابہ کرامؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو مغرب سے تہائی رات تک نماز ہی پڑھتے رہتے تھے۔

اور حضرت قتادہ نے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ یہ آیت یعنی **تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ** الخ ہم انصار کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ تفصیل یہ ہے کہ ہم لوگ مغرب کی نماز پڑھنے کے بعد اپنے مکانوں میں اس وقت جاتے تھے جب ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھ لیتے تھے۔ اور حضرت مجاہد نے فرمایا کہ تہجد پڑھنے والوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اور اس پر دلیل حضرت معاذ بن جبل کی روایت ہے، حضرت معاذ بن جبلؓ کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غزوہ تبوک میں تھے، اور سخت گرمی کا موسم تھا سایہ حاصل کرنے کے لئے ہم میں سے ہر ایک ادھر ادھر منتشر ہوگیا، اور میں نے بھی ایک جگہ جہاں سایہ تھا پناہ لے لی۔ تو اچانک میری نگاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پڑی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور لوگوں کی بہ نسبت مجھ سے زیادہ قریب تھے۔ میں نے اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ مجھے ایسا عمل بتا دیجئے جو مجھے جنت میں داخل کردے اور جہنم سے دور کردے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواباً فرمایا کہ تم نے بہت اہم چیز دریافت کی ہے جس پر عمل پیرا ہونا سب کے بس کی بات نہیں، ہاں مگر جس کے لئے اللہ ہی آسان کردے تو اسکے لئے پھر کوئی مشکل نہیں ہے۔ فرمایا کہ اللہ کی عبادت کرو، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اور فرض نمازوں پر کاربند رہو، اس میں ذرا بھی کوتاہی نہ ہونے دو۔ اور اموال میں جب زکوٰۃ فرض ہوجائے تو زکوٰۃ ادا کرو۔ اسی طرح رمضان شریف کے روزے بھی رکھو، اور اگر تم چاہو تو مزید خیر کی چیز بتلادوں، میں نے (حضرت معاذ بن جبلؓ نے) کہا کہ ہاں یا رسول اللہ ﷺ کیوں نہیں اسے تو ضرور ہی بتلائیے، فرمایا: کہ روزہ ڈھال ہے، رووو زہ ڈھال ہے، اور فرمایا کہ "صدقہ گناہوں کے لئے کفارہ ہے" اور آخری جملہ یہ فرمایا کہ "**قیام الرجل فی جوف اللیل لیبتغی وجہ اللہ**" یعنی رات کی تاریکی میں خواب گاہوں سے اٹھ کر آدمی کا اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے

کھڑا ہونا اور تہجد پڑھنا (یہ سب بھلائی اور خیر و برکت کے کام ہیں) پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مذکورہ آیت تلاوت فرمائی، یعنی تَتَجَافٰی جُنُوْبُھُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ الخ

(اسباب النزول و معارف القرآن بتبدیل یسیر)

حضرت ابوالدرداء اور قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ضحاک ؒ نے فرمایا ہے کہ پہلوؤں کے بستر سے الگ ہوجانے کی یہ صفت ان لوگوں پر بھی صادق آتی ہے جو عشاء کی نماز جماعت سے ادا کریں پھر صبح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھیں اور ترمذی میں بسند صحیح حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ تَتَجَافٰی جُنُوْبُھُمْ عشاء کی نماز سے پہلے نہ سونے اور جماعت عشاء کا انتظار کرنے والوں کے بارے میں نازل ہوئی۔

اور بعض روایات میں ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو مغرب اور عشاء کے درمیان نوافل پڑھتے ہیں (رواہ محمد بن نصر) اور حضرت ابن عباس ؓ نے اس آیت کے متعلق فرمایا کہ جو لوگ جب آنکھ کھلے اللہ کا ذکر کریں بیٹھے ہونے کی حالت میں اور کروٹ پر وہ بھی اس میں داخل ہیں۔

ابن کثیر اور دوسرے ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ ان سب اقوال میں کوئی تضاد نہیں، صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت ان سب کو شامل ہے اور آخر شب کی نماز ان سب میں اعلیٰ و افضل ہے، بیان القرآن میں بھی اسی کو اختیار کیا گیا ہے۔

اور حضرت اسماء بنت یزید ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ اولین اور آخرین کو قیامت کے روز جمع فرمائیں گے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک منادی کھڑا ہوگا جس کی آواز تمام مخلوقات سنیں گی وہ ندا دے گا کہ اہل محشر آج جان لیں گے اللہ کے نزدیک کون لوگ عزت و اکرام کے مستحق ہیں، پھر وہ فرشتہ ندا دے گا کہ اہل محشر میں سے وہ لوگ کھڑے ہوں جن کی صفات یہ تھی تَتَجَافٰی جُنُوْبُھُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یعنی ان کے پہلو بستروں سے الگ ہوجاتے ہیں اس آواز پر وہ لوگ کھڑے ہوں گے جن کی تعداد قلیل ہوگی (ابن کثیر) اور اسی روایت کے بعض الفاظ میں ہے کہ یہ لوگ بغیر حساب کے جنت میں بھیج دیئے جائیں گے اس کے بعد اور تمام لوگ کھڑے ہوں گے ان سے

حساب لیا جائے گا۔ [۱]

۳۸۱- اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ۭ لَا يَسْتَوٗنَ ﴿١٨﴾

**ترجمہ:** جو شخص مومن ہو کیا وہ اس شخص کے جیسا ہوسکتا ہے جو بے حکم (یعنی کافر) ہو نہیں وہ آپس میں برابر نہیں ہوسکتے۔

**شانِ نزول:** ایک مرتبہ ولید بن عقبہ بن ابی معیط نے حضرت علیؓ سے کہا کہ اے علی میں تم سے ان تمام چیزوں میں برتری رکھتا ہوں جن چیزوں میں برتری ہونی چاہئے چنانچہ سیادت وقیادت اور سرداری میں بھی میں تم سے فوقیت رکھتا ہوں۔ اور جہاں تک فصاحت بیانی اور طلاقت لسانی کی بات ہے تو اس میں بھی تم مجھ سے آگے نہیں بڑھ سکتے اور جہاں تک خدمت گزار اور آسائش وآرام کے اسباب وآلات کا معاملہ ہے تو اس میں تو میرے مقابل کسی بھی درجہ میں اتر ہی نہیں سکتے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا چپ ہو جا تم تو فاسق ہو اس پر مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

اسی طرح کی گفتگو حضرت عمر بن خطاب اور ابوجہل میں بھی ہوئی اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ [۲]

---

[۱] مظہری، معارف القرآن، اسباب النزول ص: ۲۰۰، ۱۹۹/زاد المسیر ص: ۳۳۹، ۳۳۸، ۳۳۷، ج: ۶/المقتطف ص: ۲۴۰/ج: ۴/تفسیر بغوی ص: ۴۲۵، ۴۲۴، ۴۲۳ج: ۴/ابن کثیر ص: ۴۲۹، ۴۳۰ج: ۳/روح المعانی ص: ۱۳۱ج: ۲۱ پارہ نمبر ۲۱/معارف القرآن ص: ۷۰، ۶۹ج: ۷/واورد حدیث معاذبن جبل الذي ذکرنا فی السابق فی سبب نزول فی "المسند" ای مسند احمد ص: ۲۳۲/وکذالک رواہ الطبری ص: ۱۰۳ج: ۲۱/واوردہ السیوطی فی "الدر" ص: ۱۴۵ج: ۵/قال الحافظ فی تخریج الکشاف ص: ۱۳۱ مستدرک ص: ۴۱۳ج: ۲/والترمذي فی جامعہ ص: ۸۶ج: ۲

[۲] زاد المسیر ص: ۳۴۱/۳۴۲/اسباب النزول ص: ۲۰۰/صرف اوّل لباب النقول فی اسباب النزول وص: ۱۷۴/ونکرہ ابن جریر طبری فی تفسیر ص: ۱۰۷ج: ۲۱/تخریج الکشاف ص: ۱۳۱/معالم التنزیل ص: ۴۲۷ج: ۴

# سورۃ الاحزاب

یہ مدنی سورت ہے اس کے بیشتر مضامین رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محبوبیت اور خصوصیت عنداللہ پر مشتمل ہیں، جس میں آپ کی تعظیم کا واجب ہونا اور آپ کی ایذا رسانی کا حرام ہونا مختلف عنوانات سے بیان ہوا ہے۔ اور باقی مضامین سورت بھی انہی کی تکمیل واتمام سے مناسبت رکھتے ہیں۔ (معارف القرآن)

۳۹۲- یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَ لَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ۙ﴿۱﴾ وَّ اتَّبِعْ مَا یُوْحٰۤی اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ۙ﴿۲﴾ وَّ تَوَكَّلْ عَلَی اللّٰهِ ؕ وَ كَفٰی بِاللّٰهِ وَكِیْلًا ﴿۳﴾

**ترجمہ:** اے نبی اللہ سے ڈرتے رہئے (اور کسی سے نہ ڈریئے اور ان کی دھمکیوں کی ذرا پرواہ نہ کیجئے) اور کافروں کا (جو کھلم کھلا دین کے خلاف مشورے دیتے ہیں) اور منافقوں کا (جو درپردہ ان کے ساتھ متفق ہیں) کہنا نہ مانئے (بلکہ اللہ ہی کا کہنا مانا کیجئے) بے شک اللہ تعالیٰ بڑا علم والا بڑی حکمت والا ہے (اس کا ہر حکم فوائد اور مصالح پر مشتمل ہوتا ہے) اور (اللہ کا کہنا ماننا یہ ہے کہ) آپ کے پروردگار کی طرف سے جو حکم آپ کی طرف وحی کیا جاتا ہے اس پر چلئے (اور اے لوگوں) بے شک تم لوگوں کے سب اعمال کی اللہ تعالیٰ پوری خبر رکھتا ہے (تم میں سے جو ہمارے پیغمبر کی مخالفت اور مزاحمت کر رہے ہیں ہم سب کو سمجھیں گے) اور (اے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم (ان لوگوں کی دھمکیوں کے معاملے میں) اللہ پر بھروسہ رکھئے اور اللہ کافی کارساز ہے (اس کے مقابلے میں ان لوگوں کی کوئی تدبیر نہیں چل سکتی، اس لئے کچھ فکر نہ کیجئے، البتہ اگر اللہ تعالیٰ کی حکمت کسی ابتلاء کو مقتضی

ہواور اس کی وجہ سے کوئی عارضی تکلیف پہنچ جائے تو وہ ضرر نہیں بلکہ منفعت ہے )

**شانِ نزول:** مذکورہ آیات کے سبب نزول میں چند روایات منقول ہیں، ایک یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں تشریف فرما ہوئے تو مدینہ کے آس پاس یہود کے قبائل، قریظہ، نضیر، بنو قینقاع وغیرہ آباد تھے، رحمۃ للعالمین کی خواہش اور کوشش یہ تھی کہ کسی طرح یہ لوگ مسلمان ہو جائیں، اتفاقاً ان یہودیوں میں سے چند آدمی آپ کی خدمت میں آنے لگے، اور منافقانہ طور پر اپنے آپ کو مسلمان کہنے لگے، دلوں میں ایمان نہیں تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو غنیمت سمجھا کہ کچھ لوگ مسلمان ہو جائیں تو دوسروں کو دعوت دینا آسان ہو جائے گا اس لئے آپ ان لوگوں کے ساتھ خاص مدارات کا معاملہ فرماتے، اور ان کے چھوٹے بڑے آنے والوں کا اکرام کرتے تھے اور کوئی بری بات بھی ان سے صادر ہوتی تو دینی مصلحت سمجھ کر اس سے چشم پوشی فرماتے تھے، اس واقعہ پر سورۂ احزاب کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ (قرطبی)

ایک دوسرا واقعہ ابن جریر نے حضرت ابن عباس نے نقل کیا ہے کہ ہجرت کے بعد کفار مکہ میں سے ولید بن مغیرہ اور شیبہ ابن ربیعہ مدینہ طیبہ آئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے یہ پیشکش کی کہ ہم سب قریش مکہ کے آدھے اموال آپ کو دیدیں گے اگر آپ اپنے دعوے کو چھوڑ دیں اور مدینہ طیبہ کے منافقین اور یہود نے آپ کو یہ دھمکی دی کہ اگر آپ نے اپنا دعویٰ اور دعوت سے رجوع نہ کیا تو ہم آپ کو قتل کر دیں گے، اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ (روح المعانی)

تیسرا واقعہ ثعلبی اور واحدی نے بغیر سند یہ نقل کیا ہے کہ ابوسفیان اور عکرمہ ابن ابی جہل اور ابوالاعور اسلمی اس زمانے میں جب واقعہ حدیبیہ میں کفار مکہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مابین ترک جنگ پر معاہدہ ہو گیا تھا تو یہ لوگ مدینہ طیبہ آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ عرض کیا کہ آپ ہمارے معبودوں کا برائی سے ذکر کرنا چھوڑ دیں، صرف اتنا کہہ دیں کہ یہ بھی شفاعت کریں گے اور نفع پہنچائیں گے۔

ان کی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سب مسلمانوں کو سخت ناگوار ہوئی، تو مسلمانوں نے

ان کے قتل کا ارادہ کیا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں ان سے معاہدۂ صلح کر چکا ہوں اس لئے ایسا نہیں ہوسکتا، اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ (روح المعانی)

یہ روایات اگرچہ مختلف ہیں مگر درحقیقت ان میں کوئی تضاد نہیں، یہ واقعات بھی آیت مذکورہ کے نزول کا سبب ہوسکتے ہیں۔ [۱]

**فائدہ:** ان آیتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دو حکم دیئے گئے، پہلا اتَّقِ اللّٰهَ یعنی اللہ سے ڈرو، دوسرا ''لَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ'' یعنی کافروں کا کہنا نہ مانو، اللہ سے ڈرنے کا حکم اس لئے دیا گیا کہ ان لوگوں کو قتل کرنا عہد شکنی ہے جو حرام ہے، اور کفار کی بات نہ ماننے کا حکم اس لئے کہ ان تمام واقعات میں کفار کی جو فرمائشیں ہیں وہ ماننے کے قابل نہیں ہیں۔

اور ابن کثیر نے فرمایا کہ اس آیت میں کفار اور مشرکین کی اطاعت سے منع کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے مشورہ نہ کریں، ان کو زیادہ مجالست کا موقع نہ دیں کیوں کہ ایسے مشورے اور باہمی روابط بسا اوقات اس کا سبب بن جایا کرتے ہیں کہ ان کی بات مان لی جائے، اس لیے ان کے ساتھ ایسے روابط رکھنے، اور ان کو ایسے مشوروں میں شریک کرنے سے بھی آپ کو روک دیا گیا، اور اس کو اطاعت کے لفظ سے اسلئے تعبیر کردیا گیا کہ ایسے مشورے اور باہمی روابط عادۃً ماننے کا سبب بن جایا کرتے ہیں۔ تو یہاں درحقیقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسباب اطاعت سے بھی منع کیا گیا ہے نفس اطاعت کا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے احتمال ہی نہ تھا۔ (معارف القرآن ص:۸۰، ج:۷)

۳۹۳- مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَ مَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَ مَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَ هُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ④

---

[۱] اسباب النزول: ص: ۴۰۱/ المقتطف ص: ۲۴۷ ج: ۴/ روح المعانی ص: ۱۴۳/ پارہ نمبر ۲۱/ معالم التنزیل ص: ۴۳/ ج: ۴/ زاد المسیر ص: ۳۴۸ ج: ۶/ تخریج الکشاف ص: ۱۳۲/ معارف القرآن ص: ۷۸/ ۷۹/ ج: ۷

**ترجمہ:** اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کے سینے میں دو دل نہیں بنائے اور (اسی طرح تمہاری ان بیبیوں کو جن سے ظہار کر لیتے ہو تمہاری ماں نہیں بنایا اور (اسی طرح سمجھ لو کہ) تمہارے منھ بولے بیٹوں کو تمہارا (سچ مچ کا) بیٹا (بھی) نہیں بنا دیا یہ صرف تمہارے منھ سے کہنے کی بات ہے (جو غلط ہے واقع کے مطابق نہیں) اور اللہ تعالیٰ حق بات فرماتا ہے اور وہی سیدھا راستہ بتلاتا ہے۔

**شانِ نزول:** اس آیت کے سبب نزول میں دو قول ہیں:

ا- یہ ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں عرب لوگ ایسے شخص کو جو زیادہ ذہین ہوتا اس کے بارے میں یہ کہا کرتے تھے کہ اس کے سینے میں دو دل ہیں۔اس وضاحت کے بعد یہ سمجھئے کہ جمیل بن معمر الفہری یہ ایک ذہین شخص تھا جو کچھ وہ ایک مرتبہ سن لیتا اسے وہ محفوظ رکھتا اس پر قریش نے کہا کہ جو شخص اس وصف کے ساتھ متصف ہوتا ہے اس کے دو دل ہوتے ہیں، اور اس شخص کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ میرے سینے میں چونکہ دو دل ہیں جس کے تئیں میں تم لوگوں میں سب سے زیادہ عقلمند ہوں۔اسی پر بس نہیں بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی عقل و دانش میں فضیلت اور برتری رکھتا ہوں۔ (نعوذ باللہ)

غزوۂ بدر میں جب مشرکین کو زبردست ہزیمت اور شکست کا منھ دیکھنا پڑا، مشرکین کے افراد میں سے جو قتل کر دیئے گئے تھے تو ان کی رسوائی تو ہوئی ہی جو باقی تھے ان کی ذلت بھی کم نہ تھی، مرتے کیا نہ کرتے، گرتے پڑتے مکہ واپس لوٹے اثناء راہ میں ابوسفیان کی نگاہ معمر پر پڑ گئی دیکھا کہ اپنے ایک جوتے کو ہاتھ میں لٹکائے ہوئے چل رہا ہے اور دوسرا جوتا پیر میں ہے، ابوسفیان نے معمر سے کہا کہ لوگوں کا کیا خیال ہے؟ معمر نے کہا کہ شکست اور رسوائی وذلت اور نتیجہ اور حاصل کچھ نہیں زیر و بٹے زیر وابوسفیان نے دریافت کیا کہ تمہارا کیا حال ہے کہ ایک جوتا تیرے ہاتھ میں ہے اور دوسرا جوتا تیرے پیر میں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں تو اپنے تئیں یہ سمجھ رہا تھا کہ دونوں جوتے میرے پیر ہی میں ہیں، اس دن لوگوں کے سامنے اس کے سارے دعوے باطل ہو گئے کہ اگر دو دل ہوتے تو یہ نہ بھولتا، تو جمیل بن معمر کے بارے میں مذکورہ آیت نازل ہوئی، یعنی مذکورہ

آیت کا یہ ٹکڑا نازل ہوا۔ مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ یعنی اللہ نے کسی شخص کے سینے میں دو دل نہیں بنائے۔

۲-مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ الخ اس ٹکڑا کا دوسرا سبب نزول یہ ہے کہ منافقین آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں کہا کرتے تھے محمد کے دو دل ہیں ایک دل کا تعلق ہمارے ساتھ ہے اور دوسرے دل کا تعلق اپنے صحابیوں اور ساتھیوں کے ساتھ ہے، اس پر مذکورہ ٹکڑا نازل ہوا۔ [1]

۳۹۴-وَ مَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَ مَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَ هُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ④

**ترجمہ:** ذکر کیا جا چکا۔

**شانِ نزول:** جاہلیت کے زمانے میں عرب میں ایک رسم یہ تھی کہ اگر کوئی آدمی کسی دوسرے کے بیٹے کو اپنا متبنی (منہ بولا بیٹا) بنا لیتا تھا اور جو اس طرح بیٹا بنا تا یہ لڑکا اسی کا بیٹا مشہور ہو جاتا اور اسی کا بیٹا کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ اور ان کے نزدیک یہ منہ بولا بیٹا تمام احکام میں اصلی بیٹے کی طرح مانا جاتا تھا، مثلاً میراث میں بھی اس کی اولاد کے ساتھ مثل حقیقی اولاد کے شریک ہوتا تھا اور نسبی رشتہ سے جن عورتوں کے ساتھ نکاح حرام ہوتا ہے، یہ منہ بولے بیٹے کے رشتہ کو بھی ایسا ہی قرار دیتے، مثلاً جیسے اپنے حقیقی بیٹے کی بیوی سے اس کے طلاق دینے کے بعد بھی نکاح حرام رہتا ہے یہ منہ بولے بیٹے کی بیوی کو بھی بعد طلاق اس شخص کے لئے حرام سمجھتے تھے۔

اسلام نے اس رسم کو ختم کر دیا اور باطل قرار دیا، چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے لے پالک اور متبنی بیٹے زید بن حارثہ جو پہلے آپ کے غلام تھے اور بعد میں

[1] اسباب النزول ص:۲۰۱/تخریج الکشاف ص:۱۳۲/طبری ص:۱۱۸ج:۲۱/ترمذی، ص:۱۵۱ج:۲/الدر المنثور ص:۱۸۰ج:۵، المستدرک ص:۴۱۵ج:۲/معالم التنزیل ص:۴۳۱ ج:۲/المقتطف ص:۲۴۸ج:۴/روح المعانی ص:۱۳۴ج:۲۱/پارہ نمبر ۲۱/تفسیر الکبیر ص:۱۹۱ج:۱۳/زادالمسیر ص:۳۴۸،۳۴۹ج:۶

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آزاد کردیئے تھے ان کی بیوی زینب بنت جحش سے ان کے طلاق دیدینے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان سے نکاح کرلیا تو یہود اور منافقین اور مشرکین نے یہ طعن کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھو اپنی بہو اور اپنے لڑکے کی بیوی سے نکاح کرلیا ہے جب کہ لوگوں کو اس سے منع کرتے ہیں اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ میں زید بن حارثہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا لخت جگر اور فرزند ارجمند سمجھتا تھا جب قرآن کی آیت **ادعوھم لِاٰبائھم ھو اقسط عند اللہ** نازل ہوئی تو ہم اپنے اس خیال سے رک گئے۔ (رواہ البخاری، فتح الباری ص:۵۱۷ ج:۸)

**تنبیہ:** مذکورہ سبب نزول آیت کریمہ **وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ** کا ہے اور اس سے پہلا ٹکڑا **وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ** کا شانِ نزول آئندہ آرہا ہے۔

**فائدہ:** دوسرا مسئلہ متبنیٰ بیٹے کا تھا، اس کے متعلق فرمایا: **وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ** ادعیاء دعی کی جمع ہے دَعِیٰ وہ لڑکا ہے جس کو منھ بولا بیٹا کہا جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ جس طرح ایک انسان کے پہلو میں دو دول نہیں ہوتے اور جس طرح بیوی کو ماں کے مثل کہنے سے بیوی ماں نہیں بن جاتی، اسی طرح منھ بولا بیٹا تمہارا بیٹا نہیں بن جاتا یعنی دوسرے بیٹوں کے ساتھ نہ وہ میراث میں شریک ہوگا اور نہ حرمت کے احکام اس پر عائد ہوں گے کہ جس طرح بیٹے کی مطلقہ بیوی باپ پر ہمیشہ کے لئے حرام ہے تو متبنیٰ کی بیوی بھی حرام ہو۔

اور چونکہ اس معاملہ کا اثر بہت سے معاملات پر پڑتا ہے اسلئے یہ حکم نافذ کردیا گیا کہ جب متبنّٰی بیٹے کو پکارو یا اس کا ذکر کرو تو اس اصلی باپ کی طرف منسوب کرکے ذکر کرو، جس نے بیٹا بنالیا اس کا بیٹا کہہ کر خطاب نہ کرو کیوں کہ اس سے بہت سے معاملات میں اشتباہ اور التباس پیدا ہوجانے کا خطرہ ہے۔

بخاری ومسلم وغیرہ میں حضرت ابن عمرؓ کی حدیث ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے

---

[۱] **اسباب النزول: ۲۸۰/قال الواحدی: نزلت فی زید بن حارثہ اعتقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وتبناہ قبل الوحی بدون السند زاد المسیر ص: ۳۵۰ج:۶/فتح الباری صد:۵۱۷:ج:۸/معالم التنزیل ص: ۴۳۱ج:۳/روح المعانی ص:۱۳۶ج:۲۱/پارہ نمبر ۲۱،تفسیر کبیر ص: ۱۹۱ج:۱۶**

سے پہلے زید بن حارثہؓ کو زید بن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہا کرتے تھے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو متبنّٰی بنالیا تھا اس آیت کے نزول کے بعد ہم نے یہ عادت چھوڑ دی۔

(معارف القرآن ص:۸۴ ج:۷)

## ۳۹۵-وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـئِ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ (الخ)

ترجمہ: ذکر کیا جاچکا۔

**شانِ نزول:** جاہلیت کے زمانے میں عرب کے لوگوں میں ایک رسم یہ تھی کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو اپنی ماں کی پیٹھ یا اور کسی عضو سے تشبیہ دی اور کہہ دیا کہ تو میرے لئے ایسی ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ اس کو شریعت میں ظہار کہا جاتا ہے، جو ظہر سے مشتق ہے، ظہر کے معنی پیٹھ کے ہیں، اور ان کا خیال یہ تھا کہ جس شخص نے اپنی بیوی سے ظہار کرلیا وہ ہمیشہ کے لئے اس پر حرام ہوگئی۔

مذکورہ ٹکڑا (وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـئِ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ [1] اُمَّهٰتِكُمْ ۚ الخ) میں اللہ تعالیٰ نے ان کے اس خیال کی تردید فرمائی ہے یعنی تمہارا یہ خیال غلط ہے کہ کسی نے بیوی کو ماں کے برابر یا مثل کہہ دیا تو وہ حقیقی ماں کی طرح ہمیشہ کے لئے اس پر حرام ہوگئی تمہارے کہنے سے بیوی حقیقۃً ماں نہیں ہوجاتی، تمہاری ماں تو وہ ہے جس سے تم پیدا ہوئے، اس آیت نے جاہلیت کے اس خیال کو باطل کردیا کہ ظہار کرنے سے حرمت موکدہ ثابت نہیں ہوتی، دوسرے یہ بات کہ ایسا کہنے پر کوئی شرعی اثر مرتب ہوتا ہے یا نہیں، اس کا حکم مستقلا سورہ مجادلہ میں بتلادیا گیا ہے کہ ایسا کہنا گناہ ہے اس سے پرہیز واجب ہے، اور ایسا کہنے والا اگر کفارۂ ظہار ادا کردے تو بیوی اس کے لئے حلال ہوجاتی ہے۔ کفارۂ ظہار کی تفصیل سورہ مجادلہ میں اس طرح ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں ایک مسلمان (اوس بن الصامتؓ) اپنی عورت (خولہ بنت ثعلبہ) کو یہی کہہ بیٹھا عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچی، اور سب

---

[1] وذكر المفسرون أن قوله (وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـئِ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ) نزلت فى اوس بن الصامت امرأته خوله بنت ثعلبه (زاد المسير ص: ۳۵۱ ج:۶)

ماجرا کہہ سنایا، آپ نے فرمایا کہ اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے کوئی خاص حکم نہیں دیا، اس لئے میرا خیال یہ ہے کہ تو اس پر حرام ہوگئی، اب تم دونوں کیوں کر مل سکتے ہو، وہ شکوہ اور آہ وزاری کرنے لگی کہ گھر ویران ہورہا ہے اولاد پریشان ہورہی ہے، کبھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے جھگڑتی کہ یارسول اللہ! اس نے ان الفاظ سے طلاق کا ارادہ نہیں کیا تھا، کبھی اللہ کے آگے رونے لگتی کہ اللہ میں اپنی مصیبت اور تنہائی کی فریاد تجھ سے کرتی ہوں ان بچوں کو اگر اپنے پاس رکھوں تو بھوکے مریں گے۔ اس کے پاس چھوڑوں تو یوں ہی (کس مپرسی کی حالت میں) ضائع ہوجائیں گے اے اللہ تو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبان سے میری مشکل کو حل فرما اس پر یہ آیات نازل ہوئیں اور ظہار کا حکم نازل ہوا مزید تفصیل سورۂ مجادلہ میں آرہی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ [۱]

۳۹۶- مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾

**ترجمہ:** ان مؤمنین میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ انہوں نے جس بات کا اللہ سے عہد کیا تھا اس میں سچے اترے (اس تقسیم کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بعضے مسلمانوں نے عہد کیا اور سچے نہیں اترے بلکہ تقسیم اس بناء پر ہے کہ بعض نے عہد ہی نہیں کیا تھا اور بلا عہد ثابت قدم رہے ان معاہدین کے ذکر کی تصریح بمقابلہ آیت بالا کے ہے جو منافقین کے حق میں ہے: ''وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ الخ'' اور مراد ان معاہدین سے حضرت انس بن النضر اور ان کے رفقاء ہیں یہ حضرات اتفاق سے غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہوپائے تھے تو ان کو افسوس ہوا اور عہد کیا کہ اگر اب کے کوئی جہاد ہو تو اس میں ہماری جان توڑ کوشش دیکھ لی جائے گی مطلب یہ تھا کہ منھ نہ موڑیں گے گو مارے جاویں پھر ان (معاہدین میں دو قسمیں ہوگئیں) بعضے تو ان میں وہ ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے (مراد وہ عہد ہے جو مثل نذر کے واجب الایقاع ہے، مطلب یہ کہ شہید ہو چکے اور اخیر دم تک منھ نہیں موڑا چنانچہ حضرت انس بن نضر احد میں شہید ہوگئے تھے اسی طرح حضرت مصعب) اور بعضے ان میں (اس کے ایفاء کے آخری

[۱] روح المعانی ص:۱۴۵ ج:۲۱/پارہ نمبر ۲۱/زاد المسیر ص:۳۵۱ ج:۶/تفسیر عثمانی ص:۷۱۹

اثر یعنی شہادت کے ) مشتاق ہیں (ابھی شہید نہیں ہوئے ) اور (اب تک ) انہوں نے (اس میں ) ذرا تغیر وتبدل نہیں کیا (یعنی اپنے عزم پر قائم ہیں پس مجموعہ قوم کا دوسری قسم پر ہے، ایک منافق جن کا اوپر بیان ہوا دوسرے مومنین پھر مومنین کی دو قسمیں ہیں معاہد اور غیر معاہد اور ثبات دونوں میں مشترک ہیں۔

پھر معاہد دو قسم پر ہیں شہید اور منتظر شہادت، تو کل چار قسمیں اس آیت میں مذکور ہیں۔

**شان نزول:** مذکورہ آیت کا شان نزول ترجمہ کے تحت مختصراً مذکور ہوا اور تفصیلاً اس طرح ہے کہ:

حضرت انس بن مالک کا بیان ہے کہ میرے چچا غزوۂ بدر میں شریک نہ ہوسکے جس کا انھیں بڑا غم تھا، انھوں نے قسم کھائی کہ اگر آئندہ مشرکین سے کبھی مقابلہ ہوا تو کفار سے قتل وقتال کرتے کرتے راہ حق میں اپنی جان عزیز قربان کردیں گے، چناں چہ جب آئندہ سال غزوۂ احد پیش آیا تو اس میں انھوں نے جواں مردی اور بہادری اور اپنی تمام تر طاقت کو مخالفین اسلام سے قتل وقتال میں صرف کردیا، بالآخر راہِ حق میں جان دے دی (رضی اللہ عنہ ) اور ۷۰ ر [ا] زخم کھانے کے بعد شہید ہوگئے، انھیں مثلہ کردیا گیا کہ پہچاننا بھی مشکل ہورہا تھا، ان کی ہمشیرہ نے ان کی انگلی کے پوروں سے انھیں پہچانا تو اس وقت مذکور آیت نازل ہوئی۔ (اسباب النزول، ص: ۲۰۲ ر فتح الباری ص: ۵۱۸، ج: ۸ ر ۶۷ زاد المعاد ص: ۱۹۸، ج: ۳)

یہاں یہ بھی واضح رہے کہ اسی جنگ میں سعد بن ربیع شہید ہوئے تھے، جنگ ختم ہونے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی تلاش میں آدمی بھیجے، ایک نے دیکھا کہ زخم خوردگی کی حالت میں پڑے سانس توڑ رہے ہیں پوچھا کیا حال ہے؟ سعد نے کہا تم مجھے اب مردہ ہی سمجھو لیکن مہربانی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں میرا سلام عرض کردینا اور میری طرف سے یہ گزارش کرنا کہ ”اللہ تعالیٰ آپ کو وہ بہترین جزاء عطا فرمائے جو کسی نبی کو کسی امت کی ہدایت پر دی گئی ہو، قوم کو میری طرف سے کہہ دینا کہ جب تک

---

[ا] علامہ واحدی نے ۸۰ ر زخم سے زائد بتلایا ہے ان میں تعارض اسلئے نہیں ہے کہ چھوٹے چھوٹے زخم کو بھی شامل کرلیا گیا ہو، اور بعضے نے اسے شمار نہ کیا ہو، (اسباب النزول، ص: ۲۰۲ چنانچہ زاد المعاد ص: ۱۹۸ ج: ۳ ر میں نضر بن حارث کے بارے میں ہے کہ فقاتل حتی قتل ووجد بہ سبعون ضربۃ

ایک جھپکنے والی آنکھ بھی تم میں باقی رہے اس وقت تک اگر دشمن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچ گیا تو خدا کے حضور میں تم کوئی عذر پیش نہ کر سکو گے۔''

ایک صحابی کا بیان ہے کہ میں ابوبکر سے ملنے گیا ان کی چھاتی پر ایک چھوٹی سی لڑکی بیٹھی تھی جسے وہ بار بار چوم رہے تھے اور پیار کر رہے تھے میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ فرمایا کہ یہ سعد بن ربیع کی لڑکی ہے وہ مجھ سے بھی برتر تھا اور قیامت کے دن نقیبان محمدی میں ان کا شمار کیا جائے گا۔ (رحمۃ للعالمین مصنفہ قاضی محمد سلمان منصور پوری ص ۱۱۰، ج ۱)

زاد المعاد میں ہے کہ انس بن نضرؓ نے اس موقع پر چند بہادر مسلمانوں کو دیکھا کہ انہوں نے ہتھیار پھینک دیئے ہیں اور مغموم بیٹھے ہیں پوچھا کہ کیا حال ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہو گیا ہے انس نے نہایت جوش سے کہا کہ ''**موتوا علی ما مات رسول اللہ**'' آؤ جس کام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جان دی ہے ہم بھی اسی کام میں اپنی جان قربان کر دیں، اس کے بعد لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اس دوران حضرت سعد بن معاذؓ سے ملاقات ہوگئی فرمایا کہ اے سعد! احد کے پیچھے سے جنت کی خوشبو آ رہی ہے پھر یہ جانثار اسی جوش میں حملہ کرتے ہوئے ستر ۷۰ زخم جسم پر کھانے کے بعد شہید ہو گئے۔ [۱]

فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ یہ ٹکڑا حضرت طلحہؓ کے بارے میں نازل ہوا ہے [۲] جیسا کہ زاد المسیر وغیرہ میں ہے۔

۳۹۷- يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ

[۱] **زاد المسیر ص: ۳۶۹ ج: ۶/روح المعانی ص: ۱۷۰ ج: ۲۱/پارہ نمبر ۲۱/معالم التنزیل ص: ۲۵۱ ج: ۴/ابن کثیر ص: ۳۳۳ ج: ۳**

[۲] حضرت طلحہ بن عبید اللہ نے نہایت شاندار جاں نثاری پیش کی، اپنے ہاتھ سے سپر کا کام لیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب آنے والے تیر ہاتھ پر روکے ہاتھ ہمیشہ کے لئے شل ہو گیا تھا (رحمۃ للعالمین ص: ۱۱۱، ج: ۱/مصنفہ قاضی محمد سلمان منصور پوری

**زاد المسیر ص: ۳۷۰ ج: ۶/وقد جعل بعض المفسرین هذا القدر من الآیة فی طلحة واولها فی انس، زاد المسیر ص: ۳۷۱ ج: ۶/رواه السیوطی فی "الدر" ص: ۱۹۱ ج: ۵/قال الحافظ ابن حجر فی "الفتح" ص: ۳۹۷ ج: ۸ رواه الطبری بنحوه ص: ۱۴۷ ج: ۲۱/اسباب النزول ص: ۲۰۲/قالوا اخبرنا عن طلحة قال: ذالک إمرء نزلت فیه آیة من کتاب اللّٰه "فمنهم من قضی نحبة ومنهم من ینتظر" طلحة ممن قضی نحبة لاحساب علیه فیما یستقبل اسباب النزول وغیره)**

زِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَ أُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۲۸﴾ وَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾

**ترجمہ:** اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ اپنی بیبیوں سے فرما دیجئے (تم سے دوٹوک بات کہی جاتی ہے تا کہ ہمیشہ کے لئے قصہ ایک طرف ہو وہ بات یہ ہے کہ) تم اگر دنیوی زندگی (کی عیش) اور اس کی بہار چاہتی ہو تو آؤ (یعنی لینے کے لئے متوجہ ہو) میں تم کو کچھ مال ومتاع (دنیوی) دیدوں (یا تو مراد اس سے وہ جوڑا ہے جو مطلقہ مدخولہ کو بوقت طلاق دینا مستحب ہے یا مراد نان ونفقہ ہے یا دونوں کو شامل ہے) اور (متاع دے کر تم کو خوبی کے ساتھ رخصت کروں (یعنی موافق سنت کے طلاق دیدوں تا کہ جہاں چاہو جا کر دنیا حاصل کرو) اور اگر تم اللہ کو چاہتی ہو (فقر وافلاس کی موجودہ حالت کے ساتھ رسول کے نکاح میں رہنا چاہتی ہو) اور عالم آخرت کے درجات علیہ کو چاہتی ہو جو کہ زوجیت رسول پر مرتب ہونے والے ہیں تو یہ تمہاری نیک کرداری ہے اور) تم میں نیک کرداروں کے لئے اللہ تعالیٰ نے (آخرت میں) اجر عظیم مہیا کر رکھا ہے (یعنی وہ ثواب جو مخصوص ہے زوجات نبی کے لئے اور نیک بیبیوں کے لئے وہ اجر عظیم ہے اور جس کو زوجیت نبی کو اختیار نہ کرنے کی صورت میں محرومی ہوگی گو عموم دلائل سے مطلق ایمان واعمال صالحہ کے ثمرات اس صورت میں بھی حاصل ہوں گے یہاں تک تو مضمون تخییر کا ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ازواج کو اختیار دیا گیا کہ موجودہ حالت پر قناعت کر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجیت میں رہنا پسند کریں یا پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے طلاق حاصل کرلیں۔

**شانِ نزول:** مذکورہ آیات میں جو ازواج مطہرات کو طلاق لینے کا اختیار دینا مذکور ہے اس کے ایک یا چند واقعات ہیں اور یہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی طرف سے پیش آئے جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منشاء کے خلاف تھے جن سے بلا قصد واختیار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف پہنچی ان واقعات میں سے ایک واقعہ وہ ہے جو صحیح مسلم وغیرہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں مفصل آیا ہے اس میں مذکور ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے جمع ہو کر رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا مطالبہ کیا کہ ان کا نان نفقہ بڑھا دیا جائے تفسیر بحر محیط میں ابوحیان نے اس کی تشریح یہ بیان کی ہے کہ غزوہ احزاب کے بعد بنو نضیر پھر بنو قریظہ کی فتوحات اور اموال غنیمت کی تقسیم نے عام مسلمانوں میں ایک گونہ خوش حالی پیدا کر دی تھی، ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو اس وقت یہ خیال ہوا کہ ان اموال غنیمت میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اپنا حصہ رکھا ہوگا اس لئے انہوں نے جمع ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ قیصر و کسریٰ کی بیبیاں طرح طرح کے زیورات اور قیمتی لباسوں میں ملبوس ہیں اور ان کی خدمت کے لئے کنیزیں ہیں اور ہمارا فقر و فاقہ کا حال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیکھتے ہیں اس لئے اب کچھ توسع سے کام لیا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات سے یہ مطالبہ سنا کہ ان کے ستھ وہ معاملہ کیا جائے جو بادشاہوں و اور دنیاداروں میں ہوتا ہے تو آپ کو اس سے بہت رنج ہوا کہ انہوں نے نبوت کی قدر نہیں پہنچانی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو خیال نہ تھا کہ اس سے آپ کو ایذا پہنچے گی عام مسلمانوں میں مالی وسعت دیکھ کر اپنے لئے بھی وسعت کا خیال دل میں آ گیا تھا ابوحیان نے فرمایا کہ اس واقعہ کو غزوۂ احزاب کے واقعہ کے بعد بیان کرنے سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا یہ مطالبہ یہی تخییر طلاق کا سبب بنا بعض روایات حدیث میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے گھر شہد پینے کا واقعہ جو آگے سورہ تحریم میں مفصل آئے گا اس میں ازواج میں باہمی غیرت کے سبب جو صورت پیش آئی وہ اس تخییر طلاق کے سبب بنی، اگر یہ دونوں چیزیں قریبی زمانے میں پیش آئی ہوں تو یہ بھی بعید نہیں کہ دونوں ہی سبب ہوں لیکن آیت میں تخییر کے الفاظ سے زیادہ تائید اسکی ہوتی ہے کہ ازواج مطہرات کی طرف سے کوئی مالی مطالبہ اس کا سبب بنا ہے کیوں کہ اس آیت میں فرمایا ہے: اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا (الآیۃ)

اس آیت نے سب ازواج مطہرات کو اختیار دیدیا کہ وہ نبی کری صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موجودہ حالات یعنی معاشی عسرت و تنگی کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجیت میں رہنا قبول کرلیں یا پھر آپ سے طلاق کے ساتھ آزاد ہو جائیں پہلی صورت میں ان کو عام عورتوں کی بنسبت بہت زیادہ اجر عظیم اور آخرت کے خاص درجات عالیہ عطاء ہوں گے اور دوسری صورت

یعنی طلاق لینے میں بھی ان کو دنیا کے لوگوں کی طرح کسی تلخی و تکلیف کی نوبت نہیں آئے گی بلکہ سنت کے مطابق کپڑوں کا جوڑا وغیرہ دے کر عزت کے ساتھ رخصت کیا جائے گا۔

ترمذی نے ام المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت تخییر نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے اظہار و اعلان کی ابتدا مجھ سے فرمائی اور آیت سنانے سے پہلے فرمایا کہ میں تم سے ایک بات کہنے والا ہوں مگر تم اس کے جواب میں جلدی نہ کرنا بلکہ اپنے والدین سے مشورہ کر کے جواب دینا حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ یہ مجھ پر خاص عنایت تھی کہ مجھے والدین سے مشورہ کے بغیر اظہار رائے سے آپ نے منع فرمایا کیوں کہ آپ کو یقین تھا کہ میرے والدین مجھے کبھی یہ رائے نہیں دیں گے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مفارقت اختیار کرلوں میں نے جب یہ آیت سنی تو فوراً عرض کیا کہ میں اس معاملہ میں اس سے پہلے کہ والدین سے مشورہ لینے جاؤں اللہ کو اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور دار آخرت کو اختیار کرتی ہوں پھر میرے بعد سب ازواج مطہراتؓ کو قرآن کا یہ حکم سنایا گیا سب نے وہی کہا جو میں نے اول کہا تھا (کسی نے بھی دنیا کی فراخی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجیت کے مقابلے میں قبول نہ کیا)

(قال الترمذی ھذا حدیث حسن صحیح، معارف القرآن ص:۱۲۶ تا ۱۲۸)

مذکورہ آیات کے بارے میں مزید وضاحت یہ ہے کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کی جانب سے جب یہ مطالبہ سنا کہ ان کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے جو بادشاہوں اور دنیا داروں کی طرف سے ان کی بیبیوں کے لیے ہوتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی ازواج کے اس عمل سے رنج ہوا آپ نے ایک ماہ کے لئے ازواج مطہرات سے علیحدگی اختیار کرلی اور اپنے مکان کے بالاخانہ پر قیام پذیر ہو گئے، اور ربط وضبط بالکل منقطع کردیا۔

(حضرت جابرؓ کے بیان کے مطابق اسی اثناء میں اور انہی ایام میں ایک دن) حضرت ابوبکر صدیقؓ آئے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت کے طلب گار ہوئے انہوں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دروازے پر لوگ جمع ہیں

اور کسی کو حاضر ہونے کی اجازت نہیں مل رہی ہے، مگر حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اجازت مل گئی اور وہ آپ کی خدمت میں چلے گئے۔ پھر حضرت عمرؓ آئے اور انہوں نے بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت مانگی ان کو بھی اجازت مل گئی، چنانچہ جب حضرت عمرؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے آپ کو اس حالت میں پایا کہ آپ کے اردگرد آپ کی بیویاں بیٹھی ہوئی تھیں، اور آپ اس وقت غمگین اور خاموش تھے، حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے یہ صورت حال دیکھ کر اپنے دل میں) کہا کہ اس وقت مجھے کوئی ایسی بات کہنی چاہئے جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنس پڑے چنانچہ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر آپ دیکھیں کہ خارجہ کی بیٹی (یعنی میری بیوی مجھسے روٹی پانی کا خرچ معمول سے زیادہ طلب کرے تو میں کھڑا ہو کر اس کی گردن پر مار لگاؤں۔ حضرت عمرؓ نے یہ بات کچھ اس انداز سے کہی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنس پڑے، اور فرمایا کہ (میری عورتیں جنہیں تم میرے اردگرد بیٹھی دیکھ رہے ہو مجھ سے معمول سے زیادہ خرچ مانگ رہی ہیں (یہ سنتے ہی) حضرت حفصہؓ کی گردن پر مارنے لگے۔ اور پھر ان دونوں (یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ) نے کہا کہ تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسی چیز کا مطالبہ کر رہی ہو جس کے پاس موجود نہیں ہے (یعنی یہ بات کتنی غیر مناسب ہے کہ تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مالی حالت جانتی ہو اور اس کے باوجود آپ سے اتنے خرچ کا مطالبہ کرتی ہو۔ جس کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پورا کرنے پر قادر نہیں ہیں کیا تمہارا یہ مطالبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پریشانی میں مبتلا کرنے کے مرادف نہیں ہے؟) ان عورتوں نے کہا بے شک ہم نے بے جا مطالبات کئے تھے جس پر ہم نادم ہیں اور آئندہ کے لئے عہد کرتی ہیں کہ خدا کی قسم اب ہم کبھی بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس چیز کا مطالبہ نہیں کریں گے جو آپ کے پاس نہ ہو لیکن آپ کے نے چونکہ علیحدگی کی قسم کھائی تھی اسلئے اس قسم کو پورا کرنے کے لئے) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مہینہ تک یا انتیس دن تک اپنی بیویوں سے علیحدہ رہے اس جگہ حدیث کے کسی راوی کو شک ہوا ہے کہ حضرت جابرؓ نے یہاں ایک مہینہ کہا تھا یا انتیس دن کہا تھا پھر یہ آیت قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ سے اَجْرًا عَظِيْمًا تک نازل ہوئی، حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ اس آیت کے نازل

ہونے کے بعد آپ نے سب سے پہلے حضرت عائشہؓ سے رابطہ قائم کیا کیوں کہ وہی تمام ازواج مطہرات میں سب سے زیادہ عقلمند اور افضل تھیں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ عائشہ میں تمہارے سامنے ایک بات پیش کرنا چاہتا ہوں لیکن ساتھ ہی میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ تم اس کا جواب دینے میں جلدی نہ کرو بلکہ اس کے بارے میں اپنے والدین سے مشورہ کرلو، حضرت عائشہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ کیا بات ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سامنے مذکورہ بالا آیات پڑھیں، حضرت عائشہؓ نے (ان آیتوں کو سن کر) کہا یا رسول اللہ! کیا میں آپ کے معاملے میں اپنے والدین سے مشورہ کروں، یعنی مشورہ تو اس معاملہ میں کیا جاتا ہے، جس میں کوئی تردد ہو جب کہ اس معاملہ میں مجھے کوئی تردد نہیں ہے۔ بلکہ میں نے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آخرت کے گھر کو اختیار کرلیا ہے (یعنی اس معاملے میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مرضی وخواہش کے سامنے سر تسلیم خم کرتی ہوں، کہ اس میں میرے لئے دنیا کی بھی بھلائی ہے اور آخرت کی بھی کامیابی ہے) مگر میں آپ سے یہ درخواست کرتی ہوں کہ اس وقت میں نے آپ سے (جو کچھ عرض کیا ہے اس کا ذکر اپنی کسی اور بیوی سے نہ کریں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بات تو ممکن نہیں ہے کیوں کہ) اگر کوئی بیوی مجھ سے پوچھے کہ عائشہ نے کیا جواب دیا تو میں ان کے سامنے تمہارا ضرور ذکر کروں گا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس لئے نہیں بھیجا ہے کہ کسی کو رنج پہنچاؤں یا کسی کو خواہ مخواہ تکلیف پہنچاؤں بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلئے بھیجا ہے کہ میں مخلوق خدا کو دین کے احکام سکھاؤں اور آسانی یعنی دینی ودنیوی راحت سے ہمکنار کروں۔ (مسلم)

**مشکوٰۃ شریف ص: ۲۸۱ ج:۲/باب عشرۃ النساء ولکل واحد من الحقوق الفصل الاول کی حدیث نمبر ۱۲/المقتطف ص: ۱۶۲ ج:۴ابن کثیر ص: ۴۴۹،۴۴۸ ج:۳/زاد المسیر ص: ۲۷۶ وقد اوردہ ھذا الحدیث السیوطی فی الدرر ص:۱۹۴ ج:۵/تفسیرات احمدیہ ص: ۶۱۰ مختصرا معالم التنزیل ص: ۴۵۹ ج:۴/روح المعانی ص: ۱۸۱ ج: ۲۱/پارہ نمبر ۲۱**

فتح الباری ص:۵۱۹تا ۵۲۰ ج:۸/تفسیر عثمانی ص:۵۶۰معالم التنزیل میں مزید تفصیل اس طرح ہے:

وسبب نزول هذه الآية أن نساء النبي ﷺ ساله شيئًا من عرض الدنيا وطلبن منه زيادة في النفقة واذنيه بغيرة بعضهن على بعض فهجرهن رسول الله ﷺ وإلى أن لا يقربهن سهراً،ولم يخرج إلى اصحابه ، فقالوا ماشانه؟ وكانوا يقولون طلق رسول الله ﷺ نساءه، فقال عمر: لاعلمن لكم شانه، قال فدخلت على رسول الله ﷺ فقلت يا رسول الله: اطلقتهن؟ قال: لا، قلت يا رسول الله: إني دخلت المسجد والمسلمون يقولون طلق رسول الله ﷺ نساءه، افانزل، فاخبرهم انک لم تطلقهن؟ قال: نعم، ان شئت، قال، فقمت على باب المسجد ونادیت اعلیٰ صوتی لم يطلق رسول الله ﷺ نساءه فنزلت هذه الآية: (وإن جاءهم امر من الامن أوالخوف اذاعوا به ولو ردوده إلى الرسول وإلى اولى الامر، وانزل الله آية التخيير، وكان تحت رسول الله يومئذ تسعة نسوة فمن من قريش عائشة بنت ابى بكر الصديق، وحفصة بنت عمر، وام حبيبة بنت ابى سفيان، وام سلمة بنت ابى امية، وسوده بنت زمعه، وغير القرشيات زينت بنت جحش الاسدية، ميمونة بنت الحارث الهلالية، وصفية بنت حى بن اخطب الخيبرية، جويرية بنت الحارث المصطلقية رضوان الله عليهن. (معالم ص:۴۵۹ ج:۴)

خلاصہ اس عبارت کا یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب عورتوں کے مطالبات پر ناراض ہوکر ایک ماہ کے لئے ایلا کرلیا تھا اور لوگوں سے ملنا جلنا ترک کردیا تھا تو صحابہ کرامؓ اپنے تئیں یہ بات آپس میں کرنے لگے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی ازواج کو طلاق دے دی ہے۔ حضرت عمرؓ نے تحقیق کی تو یہ بات نہ تھی چنانچہ آنحضرت ﷺ کی اجازت سے حضرت عمرؓ نے لوگوں میں یہ اعلان کردیا کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی ازواج کو طلاق نہیں دی ہے۔ اس وقت آنحضرت ﷺ کے نکاح میں نو بیبیاں تھیں، پانچ قریشی تھیں

اور چار غیر قریشی، قریش سے تعلق رکھنے والی بیبیوں کے نام یہ ہیں: (۱) حضرت عائشہ بنت ابی بکر (۲) حفصہ بنت عمر (۳) ام حبیبہ بنت ابی سفیان (۴) ام سلمہ بنت ابی امیہ (۵) سودہ بنت زمعہ اور غیر قریشی کے نام یہ ہیں (۱) زینب بنت جحش الاسدیہ (۲) میمونہ بنت الحارث الہلالیہ (۳) صفیہ بنت حی بن اخطب الخیبریہ (۴) جویریہ بنت الحارث المصطلقیہ رضوان اللہ علیہن ناموں کی مذکورہ تفصیل علامہ جوزی نے بھی بیان فرمائی ہے دیکھئے زادالمسیر ص:۶۷ ۳/ج:۶/اس موقع سے مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

۳۹۸- اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾

**ترجمه:** اللہ تعالیٰ کو (ان احکام کے بتانے کا) مقصد اے (پیغمبر کے) گھر والو تم سے (معصیت و نافرمانی کی) آلودگی کو دور رکھے، اور تم کو (ظاہراً و باطناً وعقیدۃً وخلقاً بالکل) پاک صاف رکھے۔

**شانِ نزول:** اس آیت کے سبب نزول کے بارے میں مفسرین کے دو قول ہیں:

۱- ازواج مطہرات کے بارے میں نازل ہوئی، یہ تفصیل ان حضرات کے نزدیک ہے جو حضرات یہ کہتے ہیں اہل بیت سے مراد آیت میں ازواج مطہرات ہیں۔

۲- آل رسول اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں نازل ہوئی، علامہ واحدی لکھتے ہیں: **نزلت في خمس في النبيّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وعلي وفاطمة والحسن والحسين عليهم السلام اسباب النزول ص: ۲۰۳**

**إنما يريد الله ليذهب عنكم (إلى قوله تطهيراً الآية.** کی تفصیل اس طرح ہے۔

آیاتِ سابقہ میں جو ہدایات ازواج مطہرات کو مخاطب کر کے دی گئی ہیں وہ اگرچہ ان کی ذات کے ساتھ مخصوص نہ تھیں بلکہ پوری امت ان احکام کی مکلف ہے، مگر ازواج مطہرات کو خصوصی خطاب اس لئے کیا گیا کہ وہ اپنی شان اور بیت نبوت کے مناسب ان اعمال کا زیادہ اہتمام کریں، اس آیت میں اس خصوصی خطاب کی حکمت مذکور ہے کہ اصلاح اعمال کی خاص ہدایت سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک مطلوب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

اہل بیت کو رجس (گندگی) سے پاک کر دے۔

لفظ ''رِجسٌ'' قرآن میں متعدد معانی کے لئے استعمال ہوا ہے ایک ''رجس'' بتوں کے معنی میں آیا ہے ''فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ'' اور کبھی لفظ رجس مطلق گناہ کے معنی، کبھی عذاب کے معنی میں کبھی نجاست اور گندگی کے معنی میں استعمال ہوا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو شرعاً یا طبعاً قابل نفرت سمجھی جاتی ہو وہ رجس ہے، اس آیت میں یہی عام معنی مراد ہیں۔ (بحر محیط)

اوپر کی آیات میں نساء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب تھا اسلئے بصیغۂ تانیث خطاب کیا گیا۔ اور یہاں اہل بیت میں ازواج مطہرات کے ساتھ ان کی اولاد وآباء بھی داخل ہیں، اس لئے بصیغۂ مذکر فرمایا۔ **عنکم، ویطھر کم** اور بعض ائمہ تفسیر نے اہل بیت سے مراد صرف ازواج مطہرات کو قرار دیا ہے۔

حضرت عکرمہ ومقاتل نے یہی فرمایا ہے، اور سعید بن جبیرؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے بھی یہی روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے آیت میں اہل بیت سے مراد ازواج مطہرات کو قرار دیا، اور استدلال میں اگلی آیت پیش فرمائی، وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ (رواہ ابن ابی حاتم وابن جریر) اور سابقہ آیات میں نساء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے الفاظ سے خطاب بھی اس کا قرینہ ہے، حضرت عکرمہ تو بازار میں منادی کرتے تھے کہ آیت میں اہل بیت سے مراد ازواج مطہرات ہیں کیوں کہ یہ آیت ان ہی کی شان میں نازل ہوئی ہے، اور فرماتے تھے کہ میں اس پر مباہلہ کرنے کے لئے تیار ہوں۔

لیکن حدیث کی متعدد روایات جن کو ابن کثیر نے اس جگہ نقل کیا ہے، اس پر شاہد ہیں کہ اہل بیت میں حضرت فاطمہؓ اور علیؓ اور حضرت حسنؓ وحسینؓ بھی شامل ہیں جیسے صحیح مسلم کی حدیث حضرت عائشہ کی روایت سے ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر سے باہر تشریف لے گئے اور اس وقت آپ ایک سیاہ رومی چادر اوڑھے ہوئے تھے حسن بن علیؓ آ گئے تو ان کو اس چادر میں لے لیا پھر حسینؓ آ گئے پھر ان کو بھی اسی طرح چادر کے اندر داخل فرما لیا اس کے بعد حضرت فاطمہؓ پھر علی مرتضیٰ آ گئے ان کو بھی چادر میں داخل فرما لیا پھر

یہ آیت تلاوت فرمائی:

إِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾

اور بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ آیت پڑھنے کے بعد فرمایا: **اللّٰهُمَّ هٰؤُلاء اهل بيتي. (رواه ابن جرير)**

ابن کثیر نے اس مضمون کی متعدد احادیث معتبرہ نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ درحقیقت ان دونوں اقوال میں جو ائمہ تفسیر سے منقول ہیں کوئی تضاد نہیں جن لوگوں نے یہ کہا کہ یہ آیت ازواج مطہرات کی شان میں نازل ہوئی اور اہل بیت سے یہی مراد ہیں یہ اس کے منافی نہیں کہ دوسرے حضرات بھی اہل بیت میں شامل ہوں اسلئے صحیح یہی ہے کہ لفظ اہل بیت میں ازواج مطہرات بھی داخل ہیں کیوں کہ شان نزول اس آیت کا وہی ہے اور شانِ نزول کا مصداق آیت میں داخل ہونا کسی شبہ کا محتمل نہیں اور حضرت فاطمہ وعلی وحسن وحسین رضی اللہ عنہم بھی ارشاد نبوی علیہ السلام کے مطابق اہل بیت میں شامل ہیں اور اس آیت سے پہلے اور بعد میں دونوں جگہ نساء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عنوان سے خطاب اور ان کے لئے صیغے مونث کے استعمال فرمائے گئے ہیں سابقہ آیات میں فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ سے آخر تک سب صیغے مونث کے استعمال ہوئے ہیں اور آگے پھر وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى میں بھی بصیغہ تانیث خطاب ہوا ہے اس درمیانی آیت کو سیاق وسباق سے کاٹ کر بصیغۂ مذکر مِنْكُمْ اور يُطَهِّرَكُمْ فرمانا بھی اس پر شاہد قوی ہے کہ اس میں صرف ازواج مطہرات داخل نہیں کچھ اور رجال بھی ہیں۔ [1]

**قال فخر الدين الرازي: اختلف الاقوال في اهل البيت والاولى: ان يقال هم واولاده وازواجه والحسن والحسين منهم وعلي منهم.**

(روح المعانی ص: ۱۳، ۱۴ رج: ۲۲ پارہ نمبر ۲۲ /معارف القرآن ص: ۱۳۹، ۱۴۰ ج: ۷)

[1] اسباب النزول ص: ۲۰۳ / زاد المسير ص: ۳۸۱ / ۳۸۲ ج: ۶ / معالم التنزيل ص: ۴۶۳ / ۴۶۴ ج: ۴ / ابن كثير ص: ۴۵۱ / تفسير كبير ص: ۲۰۹ ج: ۱۳

۳۹۹-اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَ الْمُسْلِمٰتِ وَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ وَ الْقٰنِتِیْنَ وَ الْقٰنِتٰتِ وَ الصّٰدِقِیْنَ وَ الصّٰدِقٰتِ وَ الصّٰبِرِیْنَ وَ الصّٰبِرٰتِ وَ الْخٰشِعِیْنَ وَ الْخٰشِعٰتِ وَ الْمُتَصَدِّقِیْنَ وَ الْمُتَصَدِّقٰتِ وَ الصَّآئِمِیْنَ وَ الصّٰٓئِمٰتِ وَ الْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَهُمْ وَ الْحٰفِظٰتِ وَ الذّٰكِرِیْنَ اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّ الذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۳۵﴾

**ترجمہ:** بے شک اسلام کے کام کرنے والے مرد اور اسلام کے کام کرنے والی عورتیں اور ایمان لانے والے مرد اور ایمان لانے والی عورتیں اور فرمان برداری کرنے والے مرد اور فرمانبرداری کرنے والی عورتیں اور راست باز مرد اور راست باز عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور خشوع کرنے والے مرد اور خشوع کرنے والی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں ان سب کے لئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

**شان نزول:** قرآن کریم کے عام احکام میں اگرچہ مرد و عورت دونوں ہی شامل ہیں مگر عموماً خطاب مردوں کو کیا گیا ہے عورتیں اس میں ضمناً شامل ہیں ہر جگہ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا کے الفاظ استعمال فرما کر عورتوں کو اس ضمن میں مخاطب کیا گیا ہے اس میں اشارہ یہ ہے کہ عورتوں کے سب معاملات ستر اور پردہ پوشی پر مبنی ہیں اس میں ان کا اکرام و اعزاز ہے خصوصاً پورے قرآن میں غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ حضرت مریم بنت عمران کے سوا کسی عورت کا نام قرآن میں نہیں لیا گیا بلکہ ذکر آیا تو مردوں کی نسبت کے ساتھ امرأۃ فرعون، امرأۃ نوحؑ، امرأۃ لوطؑ کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے حضرت مریمؑ کی خصوصیت شاید یہ ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت کسی باپ کی طرف نہ ہو سکتی تھی اسلئے ماں کی طرف نسبت کرنا تھا اس نسبت کے لئے ان کا نام ظاہر کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

قرآن کریم کا یہ اسلوب اگرچہ خود ایک بڑی حکمت و مصلحت پر مبنی تھا مگر عورتوں پر اس کا خیال گزرنا امر طبعی تھا اسلئے کتب حدیث میں ایسی متعدد روایات ہیں جن میں عورتوں

نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں یہ عرض کیا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ مردوں ہی کا ذکر قرآن میں فرماتے ہیں انہی کو مخاطب فرماتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ ہم عورتوں میں کوئی خیر نہیں ہمیں ڈر ہے کہ ہماری عبادت قبول نہ ہو، (رواہ البغوی عن الازواج المطہرات) اور ترمذی میں بسند حسن حضرت ام عمارہ انصاریہ سے اور بعض روایات میں حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے اسی طرح کی عرض داشت پیش کرنا منقول ہے، اوران سب روایات میں مذکورالصدر کا سبب نزول اس عرض داشت کو قرار دیا ہے۔

آیات مذکورہ میں عورتوں کی دل جوئی اوران کے اعمال کی مقبولیت کا بالخصوص ذکر فرمایا گیا ہے جس میں یہ بتلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبولیت اور فضیلت کا مدار اعمال صالحہ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ہے اس میں مرد اور عورت میں کوئی امتیاز نہیں۔ [۱]

۴۰۰- وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ؕ﴿۳۶﴾

**ترجمہ:** اور کسی ایمان دار مرد اور کسی ایماندار عورت کو گنجائش نہیں جب کہ اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا حکم دیدیں کہ ان کو اس کام میں کوئی اختیار رہے اور جو شخص اللہ کا اور اسکے رسول کا کہنا نہ مانے گا وہ صریح گمراہی میں پڑا۔

**شانِ نزول:** سورۂ احزاب میں زیادہ تر وہ احکام ہیں جن کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم ومحبت اور مکمل اطاعت سے یا آپ کو کسی قسم کی ایذاء وتکلیف پہنچانے کی ممانعت

[۱] معارف القرآن ص:۱۴۴، ۱۴۳ ج۷/زادالمسیر ص:۳۸۴، ۳۸۳/ ج:۶ طبری، ص:۱۰/ ج:۲۲/طبری ص:۲۲۵ ج:۴/نزلت ھذہ الآیۃ ونزل معہ قولہ لا اضیع عمل عامل منکم (آل عمران ص:۱۹۵/فی ام سلمہ وکذافی الدر ص:۱۱۲ ج:۲/ایضافی الدر ص:۲۰۰/ج:۵/اسباب النزول ص:۲۰۴ معالم التنزیل ص:۴۶۵، ۴۶۶ ج:۴/المقتطف ص:۲۶۶ ج:۴/وکذا فی الترمذی فی کتاب التفسیر عن ام عمارہ الضاریۃ قال اتیت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقلت مالی اری کل شئی إلی الرجال وما اری النساء یذکرون بشئی ؟فنزلت (ان المسلمین -------) رقم الحدیث : ۳۲۰۹/وقال الترمذي ھذا حدیث حسن غریب ومعنی الغریب قد تقدم معناہ وحدّہ ابن کثیر ص:۴۵۵ ج:۳/روح المعانی ص:۲۲، ۲۱/پارہ نمبر ۲۲

سے ہے آیت مذکورہ بھی اسی سلسلے کے چند واقعات سے متعلق نازل ہوئی ہے۔

ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ حضرت زید بن حارثہؓ کسی شخص کے غلام تھے زمانۂ جاہلیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کو بازار عکاظ سے خرید لیا تھا ابھی عمر بھی کم تھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خریدنے کے بعد ان کو آزاد کر کے یہ شرف بخشا کہ عرب کے عام رواج کے مطابق ان کو اپنا منھ بولا بیٹا بنالیا اور ان کی پرورش فرمائی مکہ مکرمہ میں ان کو زید بن محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نام سے پکارا جاتا تھا قرآن کریم نے اس کو جاہلیت کی رسم غلط قرار دے کر اس کی ممانعت کردی کہ منھ بولے بیٹے کو اس شخص کا بیٹا کہہ کر پکارا جائے، اور حکم دیا کہ اس کو اس کے اصلی باپ کی طرف منسوب کیا جائے اس سلسلہ میں وہ آیت نازل ہوئی جو اسی سورت میں پہلے آچکی ہے یعنی اُدۡعُوۡهُمۡ لِاٰبَآئِهِمۡ الآیۃ ان احکام کے نازل ہونے کے بعد صحابہؓ کرامؓ نے ان کو زید بن محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کہنا چھوڑ دیا اور ان کے والد حارثہ کی طرف منسوب کر کے زید بن حارثہ کہنے لگے زید بن حارثہ جوان ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کے نکاح کے لئے اپنی پھوپھی کی لڑکی حضرت زینب بنت جحش کا انتخاب فرما کر پیغام نکاح دیا حضرت زیدؓ پر فرضی عیب لگا ہوا تھا کہ آزاد کردہ غلام تھے، حضرت زینبؓ اور ان کے بھائی عبداللہ بن جحش نے اس رشتہ سے انکار کردیا کہ باعتبار خاندان ونسب کے وہ ان سے اشرف ہیں۔

اس واقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی وَمَا كَانَ لِمُؤۡمِنٍ وَّلَا مُؤۡمِنَةٍ الآیۃ جس میں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کسی کو کسی کام کا حکم بطور وجوب دیدیں تو اس پر وہ کام کرنا واجب ہوجاتا ہے اس کو نہ کرنے کا اختیار شرعاً نہیں رہتا اگرچہ فی نفسہ وہ کام شرعاً واجب وضروری نہ ہو مگر جس کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حکم دیدیا اس کے ذمہ لازم وواجب ہوجاتا ہے اور جو ایسا نہ کرے تو آخر آیت میں اس کو کھلی گمراہی فرمایا ہے۔

اس آیت کو حضرت زینب بنت جحش اور ان کے بھائی نے سنا تو اپنے انکار سے باز آگئے اور نکاح پر راضی ہوگئے چنانچہ یہ نکاح کردیا گیا ان کا مہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی طرف سے ادا کیا جو دس دینار سرخ (جو تقریباً چار تولہ سونا ہوتا ہے) اور ساٹھ دراہم (جس کی مقدار تقریباً اٹھارہ تولہ چاندی ہوتی ہے) اور ایک بار برداری کا جانور اور پورا زنانہ جوڑا

اور پچاس مدآٹا (یعنی تقریباً ۲۵/سیر) اور دس مد (پانچ سیر) کھجور تھا (ابن کثیر) اس آیت کے نزول کا مشہور واقعہ جمہور مفسرین کے نزدیک یہی حضرت زیدؓ اور حضرت زینب بنت جحش کے نکاح کا مشہور قصہ ہے (ابن کثیر قرطبی مظہری ابن کثیر وغیرہ مفسرین نے اسی طرح کے دو واقعے اور بھی نقل کئے ہیں ان میں بھی یہ مذکور ہے کہ آیت مذکورہ ان واقعات کے متعلق نازل ہوئی ہے ان میں سے ایک واقعہ حضرت جلیبیب کا ہے کہ ان کا رشتہ ایک انصاری صحابی کی لڑکی سے کرنا چاہا تو اس انصاری اور اس کے گھر والوں نے اس رشتہ اور نکاح سے انکار کر دیا جب یہ آیت نازل ہوئی تو سب راضی ہو گئے اور نکاح کر دیا گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کے لئے وسعت رزق کی دعاء فرمائی صحابہ کرامؓ کا بیان ہے کہ اللہ نے ان کے گھر میں ایسی برکت دی تھی کہ مدینہ طیبہ کے گھروں میں سب سے زیادہ اہل اور بڑا خرچ اس گھر کا تھا بعد میں حضرت جلیبیب ایک جہاد میں شہید ہو گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کی تجہیز و تکفین اپنے دست مبارک سے فرمائی۔

اسی طرح کا ایک واقعہ روایات حدیث میں ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط کا منقول ہے، (ابن کثیر قرطبی) اور ان میں کوئی تضاد نہیں، ہوسکتا ہے کہ اس طرح کے متعدد واقعات ہی نزول آیت کا سبب بنے ہوں۔ [۱]

۴۰۱- وَ اِذۡ تَقُوۡلُ لِلَّذِیۡۤ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِ اَمۡسِکۡ عَلَیۡکَ زَوۡجَکَ وَ اتَّقِ اللّٰہَ وَ تُخۡفِیۡ فِیۡ نَفۡسِکَ مَا اللّٰہُ مُبۡدِیۡہِ وَ تَخۡشَی النَّاسَ ۚ وَ اللّٰہُ اَحَقُّ اَنۡ تَخۡشٰہُ ؕ فَلَمَّا قَضٰی زَیۡدٌ مِّنۡہَا وَطَرًا زَوَّجۡنٰکَہَا لِکَیۡ لَا یَکُوۡنَ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ حَرَجٌ فِیۡۤ اَزۡوَاجِ اَدۡعِیَآئِہِمۡ اِذَا قَضَوۡا مِنۡہُنَّ وَطَرًا ؕ وَ کَانَ اَمۡرُ اللّٰہِ مَفۡعُوۡلًا ﴿۳۷﴾

[۱] معارف القرآن ص: ۱۵۰ تا ۱۴۸ ج: ۷/ابن کثیر ص: ۴۵۶/۴۵۷ ج: ۳ المقتطف ص: ۲۶۶/ ج: ۴/معالم التنزیل ص: ۴۲۶/ج: ۴/زاد المسیر ص: ۸۵ ج: ۶/طبری ص: ۱۲، ۱۱ ج: ۲۲/ تخریج الکشاف ص: ۱۳۴ التفسیر الکبیر ص: ۲۱۱ ج: ۱۳/روح المعانی ص: ۲۳ ج: ۲۲/پارہ نمبر ۲۲ تفسیرات احمدیہ ص: ۴۱۳/للشیخ احمد المعروف بملا جیون صاحب نور الانوار فی الاصول

**ترجمہ:** جب آپ (فہمائش ومشورہ کے طور سے) اس شخص سے فرما رہے تھے جس پر اللہ نے بھی انعام کیا (کہ اسلام کی توفیق دی جو انعام دینی ہے، اور غلامی سے چھڑایا کہ نعمت دنیویہ ہے) اور آپ ﷺ نے بھی انعام کیا (تعلیم دین فرمائی، اور آزاد کیا، اور پھوپھی زاد بہن سے نکاح کرایا مراد حضرت زید بن حارثہؓ ہیں کہ آپ ان کو سمجھا رہے تھے) کہ اپنی بیوی (زینب) کو اپنی زوجیت میں رہنے دیں (اور اس کی معمولی خطاؤں پر نظر نہ کریں، کہ گاہے اس سے ناموافقت ہوجاتی ہے) اور خدا سے ڈریں (اور اس کے حقوق میں بھی کوتاہی نہ کریں کہ کبھی اس سے ناموافقت پیدا ہوجاتی ہے) اور (جب شکایتیں حد سے تجاوز ہوگئیں اور قرائن سے اصلاح وتوافق کی امید نہ رہی تو اس وقت فہمائش کے ساتھ) آپ ﷺ اپنے دل میں وہ بات (بھی) چھپائے ہوئے تے جس کو اللہ تعالیٰ (آخر میں) ظاہر کرنے والا تھا (مراد اس سے آپ کا نکاح ہے حضرت زینبؓ سے جب کہ زید ان کو طلاق دیدیں جس کو حق تعالیٰ نے زَوَّجْنٰکَهَا میں قولاً اور خود نکاح کردینے سے فعلاً ظاہر فرمایا) اور (اس شرط اور معلق ارادہ کے ساتھ ہی) آپ لوگوں (کے طعن) سے (بھی) اندیشہ کرتے تھے (کیوں کہ اس وقت اس نکاح میں کسی اہم مصلحت دینیہ کا ہونا ذہن مبارک میں آیا ہوگا، محض دنیوی مصلحت خاص حضرت زینبؓ کے خیال میں ہوگی اور امور دینیہ میں ایسا اندیشہ ہونا مضائقہ نہیں، بلکہ بعض حیثیتوں سے مطلوب ہے، جب کہ اعتراض سے دوسروں کے دین کی خرابی کا احتمال ہو اور ان کو اس سے بچانا مقصود ہو) اور ڈرنا تو آپ کو خدا ہی سے زیادہ سزاوار ہے (یعنی چونکہ واقع میں اس میں دینی مصلحت ہے، جیسا کہ آگے لِکَیْ لَا یَکُوْنَ الخ میں مذکور ہے، اس لئے خلق سے اندیشہ نہ کیجئے، چنانچہ بعد اطلاع مصلحت دینیہ کے پھر اندیشہ آپ ﷺ نے نہیں کیا اور ارادۂ نکاح میں تو کیا اندیشہ ہوتا خود نکاح کے بعد بھی اندیشہ نہیں کیا، جس کا قصہ آگے ہے کہ) پھر جب زید کا اس (زینبؓ) سے جی بھر گیا (یعنی طلاق دیدی اور عدت بھی گزر گئی تو) ہم نے آپ سے اسکا نکاح کردیا تاکہ مسلمانوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے (نکاح کے) بارے

میں کچھ تنگی نہ رہے جب وہ (منھ بولے بیٹے) ان سے اپنا جی بھر چکیں (یعنی طلاق دیدیں) مطلب یہ کہ اس تشریع کا اظہار مقصود تھا) اور خدا کا یہ حکم تو ہو ہونے والا تھا ہی۔

**تمہیدی گفتگو:** نکاح ایسا معاملہ ہے جس میں زوجین کی طبیعت میں موافقت نہ ہو تو مقاصد نکاح میں خلل آتا ہے ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے میں خلل واقع ہوتا ہے۔ باہمی جھگڑے اور نزاع پیدا ہوتے ہیں، اس لئے شریعت میں کفائت یعنی باہمی مماثلت کا حکم دیا گیا ہے، مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ کوئی اعلیٰ خاندان کا آدمی اپنے سے ادنی خاندان والے کو حقیر اور ذلیل سمجھے، ذلت وعزت کا دارومدار اسلام میں اصل دین داری ہے۔ جس میں یہ چیزیں نہیں اس کو خاندانی شرافت کتنی بھی حاصل ہو اس کے نزدیک اس کی کوئی حیثیت نہیں، صرف انتظامی معاملات کو استوار رکھنے کے لئے نکاح میں کفاءت کی رعایت کا حکم دیا گیا ہے۔

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لڑکیوں کا نکاح ان کے اولیاء ہی کے ذریعہ ہو جانا چاہئے (یعنی لڑکی کو بھی یہ مناسب نہیں کہ اپنے نکاح کا معاملہ خود طے کرے، حیاء کا تقاضا یہ ہے کہ یہ کام اس کے والدین اور اولیاء کریں) اور فرمایا کہ لڑکیوں کا نکاح ان کے کفو ہی میں کرنا چاہئے، اس حدیث کی سند گرچہ ضعیف ہے، مگر صحابہ کرامؓ کے آثار واقوال سے اس کی تائید ہو کر حدیث قابل استدلال ہو جاتی ہے۔ امام محمدؒ نے کتاب الآثار میں حضرت فاروق اعظمؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ”میں یہ حکم جاری کروں گا کہ کسی بڑے اونچے معروف خاندان کی لڑکی کا نکاح دوسرے کم درجہ والے سے نہ کیا جائے“ اسی طرح حضرت عائشہؓ اور حضرت انسؓ نے بھی اس کی تاکید فرمائی کہ نکاح میں کفاءت کی رعایت کی جائے۔ جو متعدد اسانید سے منقول ہے، امام ابن ہمام نے بھی فتح القدیر میں اس کی تفصیل لکھی ہے۔

حاصل یہ ہے کہ نکاح میں کفاءت ومماثلت کی رعایت کرنا دین میں مطلوب ہے تا کہ زوجین میں موافقت رہے لیکن کوئی دوسری اہم مصلحت اس کفائت سے بڑھ کر سامنے آجائے تو عورت اور اس کے اولیاء کو اپنا یہ حق چھوڑ کر غیر کفو میں نکاح کر لینا بھی جائز ہے۔

خصوصاً جب کہ کوئی دینی مصلحت پیش نظر ہو تو ایسا کرنا افضل و بہتر ہے جیسا کہ صحابہ کرام کے متعدد واقعات سے ثابت ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ ان واقعات سے اصل مسئلہ کفاءت کی نفی نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم

**شانِ نزول:** حضرت زینب بنت جحشؓ کا نکاح بامر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت زید بن حارثہؓ کے ساتھ ہوگیا۔ مگر دونوں کی طبیعتوں میں موافقت نہ ہوئی۔ حضرت زیدؓ ان کی تیز زبانی اور نسبی شرافت کی بناء پر اپنے کو اونچا سمجھنے اور اطاعت میں کوتاہی کرنے کی شکایت کیا کرتے تھے، دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بذریعہ وحی یہ بتلادیا گیا تھا کہ زیدؓ ان کو طلاق دیں گے اس کے بعد زینبؓ آپ کے نکاح میں آئیں گی ایک روز حضرت زیدؓ نے انہی شکایات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کرکے اپنا یہ ارادہ ظاہر کیا کہ ان کو طلاق دیدیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اگرچہ منجانب اللہ یہ علم ہوگیا تھا کہ واقعہ یونہی پیش آنے والا ہے کہ زیدؓ ان کو طلاق دیں گے پھر یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں آئیں گی۔ لیکن دو وجہ سے آپ نے حضرت زید کو طلاق دینے سے روکا۔ اوّل یہ کہ اگرچہ طلاق دینا شریعت اسلام میں جائز ہے مگر پسندیدہ نہیں بلکہ ابغض المباحات یعنی جائز چیزوں میں سب سے زیادہ مبغوض و مکروہ ہے اور تکوینی طور پر کسی کام کا وقوع تشریعی حکم کو متاثر نہیں کرتا۔ دوسرے قلب مبارک میں یہ بھی خیال پیدا ہوا کہ اگر انہوں نے طلاق دیدی اور پھر زینبؓ کا نکاح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہوا تو عرب اپنے دستور جاہلیت کے مطابق یہ طعنہ دیں گے کہ اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرلیا۔ گرچہ قرآن نے اس دستور جاہلیت کو سورۂ احزاب کی ہی سابقہ آیات میں ختم کردیا ہے اس کے بعد کسی مومن کے لئے تو اس کے وسوسہ کا بھی خطرہ نہ تھا مگر کفار جو قرآن ہی کو نہیں مانتے وہ اپنی جاہلانہ رسم یعنی منہ بولے بیٹے کو تمام احکام میں حقیقی بیٹے کی طرح سمجھنے کی بنا پر زبانِ طعن دراز کریں گے یہ اندیشہ بھی حضرت زیدؓ کو طلاق دینے سے منع کرنے کا سبب بنا اس پر حق تعالیٰ کی طرف سے محبوبانہ عتاب بھی قرآن کی اس آیت میں نازل ہوا ہے:

وَ اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ

زَوْجَكَ وَ اتَّقِ اللّٰهَ وَ تُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَ تَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ ؕ

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت کو یاد کریں جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہہ رہے تھے اس شخص کو جس پر اللہ نے انعام کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی انعام کیا مراد اس شخص سے حضرت زیدؓ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے پہلا انعام یہ فرمایا کہ ان کو مشرف باسلام کر دیا دوسرے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کا شرف عطا فرمایا اور آپ نے ان پر ایک انعام تو یہ کیا کہ ان کو غلامی سے آزاد کر دیا۔ دوسرا یہ کہ ان کی تربیت فرما کر ایسا بنا دیا کہ بڑے بڑے صحابہ بھی ان کی تعظیم کرتے تھے آگے وہ قول نقل کیا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زیدؓ سے فرمایا اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَ اتَّقِ اللّٰهَ یعنی اپنی بی بی کو آپ اپنے نکاح میں روکیں طلاق نہ دیں، اور خدا سے ڈریں، خدا سے ڈرنے کا مفہوم اس جگہ اس معنی میں بھی ہوسکتا ہے کہ طلاق ایک مبغوض و مکروہ فعل ہے اس سے اجتناب کریں، اور یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ نکاح میں روکنے کے بعد طبعی منافرت کی وجہ سے ان کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کریں، آپ کا یہ فرمان اپنی جگہ صحیح اور درست تھا مگر منجانب اللہ ہونے والے واقعہ کا علم ہوجانے اور دل میں حضرت زینبؓ سے نکاح کا ارادہ پیدا ہوجانے کے بعد زید کو طلاق نہ دینے کی نصیحت ایک طرح کا اظہار رسمی خیر خواہی کے درجہ میں شانِ رسالت کے مناسب نہ تھی، خصوصاً اسلئے کہ اس کے ساتھ لوگوں کے طعن کا اندیشہ بھی شامل تھا، اس لئے آیت مذکورہ میں عتاب ان الفاظ میں نازل ہوا کہ آپ دل میں وہ بات چھپا رہے تھے، جس کو اللہ ظاہر کرنے والا تھا، جب منجانب اللہ حضرت زینبؓ کے ساتھ آپ کے نکاح کی خبر مل چکی، اور آپ کے دل میں ارادہ نکاح کا پیدا ہو چکا، تو اس ارادہ کو چھپا کر ایسی رسمی گفتگو جو آپ کی شان کے مناسب نہ تھی کی، اور لوگوں کے طعنوں کے اندیشہ پر فرمایا کہ آپ لوگوں سے ڈرنے لگے حالانکہ ڈرنا تو آپ کو اللہ ہی سے سزاوار ہے یعنی جب کہ آپ کو معلوم تھا کہ یہ معاملہ اللہ کی طرف سے ہونے والا ہے تو پھر لوگوں کی ناراضگی کا اس میں کوئی خوف و خطر نہیں تو پھر لوگوں کے طعنوں سے گھبرا کر آپ کے لئے یہ گفتگو مناسب نہ تھی۔

اس واقعہ کی جو تفصیل جو اوپر لکھی گئی ہے یہ سب تفسیر قرطبی، ابن کثیر اور روح المعانی سے لی گئی ہے، اور آیت: تُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ یہ تفسیر کہ وہ چیز جس کو آپ نے دل میں چھپایا تھا وہ یہ ارادہ تھا کہ زید نے طلاق دے دی تو حکم الٰہی کے مطابق آپ ان سے نکاح کرلیں گے یہ تفسیر حکیم ترمذی اور ابن ابی حاتم وغیرہ محدثین نے حضرت علی بن حسین زید بن العابدین کی روایت سے نقل کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

**اوحی الله تعالیٰ إلیه صلّی الله علیه وسلّم أن زینب سیطلقها زید و تزوجها بعده علیه الصلوٰة والسلام (رواه الترمذي)**

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بذریعہ وحی یہ اطلاع دی تھی کہ حضرت زینبؓ کو زیدؓ طلاق دینے والے ہیں، اور اس کے بعد وہ آپ کے نکاح میں آئیں گی۔

اور ابن کثیر نے ابن ابی حاتم کے حوالہ سے یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔

**إن الله اعلم نبیه انها ستکون من ازواجه قبل أن یتزوجها فلما اتاه زید لیشکوها إلیه قال اتق الله وامسک زوجک فقال اخبرتک انی مزوجکها وتخفی نفسک ما الله مبدیه.**

یعنی اللہ نے اپنے نبی کو یہ بتلادیا تھا کہ حضرت زینبؓ بھی ازواج مطہرات میں داخل ہوجائیں گی، پھر جب زیدؓ ان کی شکایت لے کر آپ کی خدمت میں آئے تو آپ نے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اور اپنی بیوی کو طلاق نہ دو، اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے تو آپ کو بتلادیا تھا کہ میں ان سے آپ کا نکاح کرادوں گا اور آپ اپنے دل میں اس کو چھپائے ہوئے تھے جس کو اللہ ظاہر کرنے والا ہے۔

جمہور مفسرین زہری، بکر بن علاء قشیری، قاضی ابوبکر بن العربی، نے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے کہ جس چیز کے دل میں چھپانے کا ذکر کیا گیا وہ بوحی الٰہی ارادۂ نکاح تھا، اس کے علاوہ جن روایات میں مافی نفسک کی تفسیر حب زینبؓ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی غرض سے زید کے پاس گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زینبؓ کو اچھے لباس میں ملبوس دیکھا اور ساتھ ہی وہ خود بھی خوبصورت تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو

بھلی لگیں، اور آپ کے دل میں زینب کی محبت بس گئی (بغوی ص:۴۶۸) ابن کثیر نے ایسی روایات کے بارے میں فرمایا کہ ہم نے ان روایات کو ذکر کرنا اس لئے پسند نہیں کیا کہ ان میں سے کوئی روایت صحیح نہیں ہے۔ (کیوں کہ نبی کی ذات سے یہ بات بعید تر ہے کہ کسی کی محبت ان کے دل میں بس جائے۔ (راقم الحروف)

اور خود الفاظ قرآنی سے اسی تفسیر کی تائید ہوتی ہے جو حضرت زین العابدین کی روایت سے اوپر بیان ہوئی ہے۔ کیوں کہ اس آیت میں اللہ نے خود بتلایا کہ دل میں چھپائی ہوئی چیز وہ تھی جس کو اللہ ظاہر کرنے والا ہے اور جس کو اللہ نے اسی آیت کے اگلے ٹکڑا میں ظاہر فرمایا ہے وہ حضرت زینب کے ساتھ نکاح ہے جیسا کہ فرمایا: وَ زَوَّجْنٰكَهَا (روح المعانی) [1]

۴۰۲-مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا ۟

(اس آیت کے نزول کا سبب ان معترضین کا جواب دینا ہے جو اس نکاح کو مذموم سمجھ کر یہ طعنہ زنی کرتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے لڑکے کی بیوی سے نکاح کرلیا جب کہ خود اس سے منع کرتے ہیں) (زادالمسیر ص:۳۹۳ ج:۶)

**ترجمہ:** محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں (یعنی جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے علاقہ اولاد نہیں رکھتے، جیسا کہ اس آیت میں عام صحابہ ؓ کو مخاطب کرکے فرمایا رِجَالِكُمْ یعنی تمہارے مرد میں سے کسی کے باپ نہیں، اس میں نسبت عام لوگوں کی طرف کی گئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت قطع کی گئی، اس سے اپنے خاندان کے افراد میں سے کسی مرد کا باپ ہونا اس کے منافی نہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ عام امت کے لوگوں کے ساتھ آپ کو ایسی ابوت حاصل نہیں جو کسی دلیل صحیح سے ان کی مطلقہ بیوی کے

[1] معارف القرآن ص:۱۵۲، تا۱۵۴ ج:۷/تفسیر بغوی المسمی بمعالم التنزیل ص:۴۶۷ تا۴۷۰/زاد المسیر ص: ۳۸۶/۳۸۷:۶/المقتطف ص:۲۶۷ تا ۲۶۸ ج:۴/فتح الباری ص:۵۲۳/۵۲۴ ج:۸/روح المعانی ص:۲۳ تا۲۶ ج:۲۲/پارہ نمبر ۲۲

تفسیر القرآن العظیم للحافظ اسماعیل بن کثیر المعروف بابن کثیر ص:۴۵۸/ ۴۵۹ ج:۳/ تفسیرات احمدیہ للشیخ احمد المعروف بملا جیون ص:۴۱۳ تا۴۱۵

ساتھ نکاح حرام ہونے کا موجب ہو) لیکن (ہاں ایک دوسری قسم کی ابوت روحانی ضرور حاصل ہے، چنانچہ) اللہ کے رسول ہیں (اور ہر رسول روحانی مربی ہونے کی وجہ سے امت کا روحانی باپ ہوتا ہے) اور (اس ابوت روحانیہ میں اس درجہ کامل ہیں کہ سب رسولوں سے افضل واکمل ہیں، چنانچہ آپ ﷺ) سب نبیوں کے ختم پر ہیں (اور جو نبی ایسا ہوگا وہ ابوت روحانیہ میں سب سے بڑھ کر ہوگا، کیوں کہ آپ کی ابوت روحانیہ کا سلسلہ قیامت تک چلے گا۔ جس کے نتیجے میں آپ کی روحانی اولاد سب سے زیادہ ہوگی، مطلب یہ ہے کہ امت کے لئے آپ کی ابوت جسمانی اور نسبی نہیں ہے، جس سے حرمت نکاح متعلق ہوتی ہے، بلکہ ابوت روحانی ہے، اس لئے متبنی بیٹے کی مطلقہ سے نکاح کوئی قابل اعتراض نہیں، بلکہ اس روحانی ابوت کا تقاضا یہ ہے کہ سب لوگ آپ ﷺ پر مکمل اعتماد واعتقاد رکھیں آپ کے کسی قول وفعل پر شبہ نہ کریں) اور (اگر یہ وسوسہ ہو کہ یہ نکاح ناجائز تو نہیں تھا، لیکن اگر نہ ہوتا تو بہتر ہوتا تاکہ لوگوں کو اعتراض اور طعن کا موقع ہی نہ ملتا تو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ) اللہ تعالیٰ ہر چیز (کے وجود یا عدم کی مصلحت) کو خوب جانتا ہے۔

**شانِ نزول:** مختصراً مذکور ہوا۔ اور تفصیلاً یہ ہے کہ آیت مذکورہ میں ان لوگوں کے خیال کا رد ہے جو اپنی رسم جاہلیت کے مطابق حضرت زید بن حارثہؓ کو رسول اللہ ﷺ کا بیٹا کہتے تھے اور ان کی طلاق کے بعد حضرت زینبؓ سے آنحضرت ﷺ کے نکاح پر طعن کرتے تھے کہ بیٹے کی بیوی سے نکاح کرلیا اس کے رد کے لئے یہ کہہ دینا کافی تھا کہ رسول اللہ ﷺ زیدؓ کے باپ نہیں بلکہ زیدؓ کے باپ حارثہ ہیں مگر اس مبالغہ اور تاکید کے لئے ارشاد فرمایا: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ (یعنی محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ بھی نہیں) تو ایسے شخص پر جس کی اولاد میں کوئی بھی مرد نہ ہو یہ طعن دینا کیسے ہوسکتا ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہے، اور اس کی مطلقہ بیوی بیٹے کی بیوی ہونے کی وجہ سے آپ پر حرام ہے۔ [۱]

[۱] زاد المسیر ص: ۳۹۳ ج: ۶/ رواہ الترمذی ص: ۱۵۲ ج: ۲/ معالم التنزیل ص: ۴۷۱ ج: ۴/ ان رسول اللہ ﷺ لماتزوج زینب قال الناس أن محمدا تزوج امرأة ابنه فانزل اللہ عزوجل ماکان محمدا باحد نمبر ۴۰ المقتطف ص: ۲۷۰ ج: ۴/ روح المعانی ص: ۲۹ ج: ۲۲/ پارہ نمبر ۲۲/ فتح الباری ص: ۵۲۴ ج: ۸/ تفسیر کبیر ص: ۲۱۴ ج: ۱۳/ تفسیرات احمدیہ ص: ۶۱۵/ معارف القرآن ص: ۱۵۸/ ۱۵۹ ج: ۷

۴۰۳-تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَ تُــْٔوِیْۤ اِلَیْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ وَ مَنِ
ابْتَغَیْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكَ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ تَقَرَّ اَعْیُنُهُنَّ وَ
لَا یَحْزَنَّ وَ یَرْضَیْنَ بِمَاۤ اٰتَیْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ مَا فِیْ قُلُوْبِكُمْ ؕ
وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَلِیْمًا ﴿۵۱﴾

**ترجمہ:** ان میں سے آپ جسکو چاہیں (اور جب تک چاہیں) اپنے نزدیک نہ رکھیں (یعنی اس کو باری نہ دیں) اور جس کو چاہیں (اور جب تک چاہیں) اپنے نزدیک رکھیں (یعنی اس کو باری دیں) اور جن کو دور کر رکھا تھا ان میں سے پھر کسی کو طلب کریں تب بھی آپ پر کوئی گناہ نہیں (مطلب یہ ہوا کہ ازواج میں شب باشی کی باری وغیرہ کی رعایت آپ پر واجب نہیں اور اس میں ایک بڑی ضرور مصلحت ہے وہ یہ کہ) اس میں زیادہ توقع ہے کہ ان (بیبیوں) کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں گی (یعنی خوش رہیں گی) اور آزردہ خاطر نہ ہوں گی اور جو کچھ بھی آپ ان کو دیدیں گے اس پر سب کی سب راضی رہیں گی (کیوں کہ رنج کی وجہ سے عادۃً دعویٰ استحقاق کا ہوتا ہے، اور جب معلوم ہو جائے کہ جب کچھ مال یا توجہ مبذول ہو گی وہ تبرع محض ہے، ہمارا حق واجب نہیں ہے، تو کسی کو کوئی شکایت نہ رہے گی، اور لونڈیوں کا حق باری میں نہ ہونا سب ہی کو معلوم ہے) اور (اے مسلمانو! یہ احکام مختصہ سن کر دل میں یہ خیالات مت پکا لینا کہ یہ احکام عام کیوں نہ ہوئے اگر ایسا کرو گے تو) خدا تعالیٰ کو تم لوگوں کی سب باتیں معلوم ہیں (ایسا خیال پکا لینے پر تم کو سزا دے گا، کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حسد ہے، جو موجب تعذیب ہے) اور اللہ تعالیٰ (یہی کیا) سب کچھ جاننے والا ہے (اور معترضین کو عاجلاً سزا نہیں ہوئی تو اس سے نفی علم لازم نہیں آتی بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ) بردبار (بھی) ہے۔ (اس لئے کبھی سزا میں ڈھیل دیتا ہے)

**شانِ نزول:** یعنی جب آیت تخییر نازل ہوئی اور وہ یہ ہے:

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَ زِیْنَتَهَا
فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا ﴿۲۸﴾ وَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ

اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ وَ الدَّارَ الۡاٰخِرَۃَ فَاِنَّ اللّٰہَ اَعَدَّ لِلۡمُحۡسِنٰتِ مِنۡکُنَّ اَجۡرًا عَظِیۡمًا ﴿۲۹﴾

کہ اے نبی آپ اپنی بیبیوں سے فرما دیجئے کہ تم اگر دنیوی زندگی اور اس کی بہار چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو کچھ مال ومتاع دیدوں اور تم کو خوبی کے ساتھ رخصت کروں، اور اگر اللہ اور اس کے رسول اور عالم آخرت کو چاہتے ہو، جو زوجیت رسول پر مرتب ہونے والے ہیں، اور تم میں نیک کرداروں کے لئے اللہ نے اجر عظیم مہیا کر رکھا ہے۔

اس آیت تخییر کے نزول کا سبب کیا بنا؟ اس بارے میں وضاحت ماقبل میں آچکی ہے مختصراً یہ ہے کہ ازواج نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ مطالبہ کیا کہ ان کے ساتھ بادشاہ اور امراء اور سلاطین اور صاحب تخت وتاج کی بیبیوں جیسا معاملہ کیا جائے بلکہ وہ ان سے اس بات کی زیادہ مستحق ہیں کیوں کہ شاہ انبیاء کی بیویاں ہیں۔ اس وقت مذکورہ آیت تخییر یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ قُلۡ لِّاَزۡوَاجِکَ الخ نازل ہوئی اور ازواج نبی کو اختیار دیا گیا کہ چاہے دنیا اختیار کریں، اور چاہے اللہ اور اسکے رسول اور دار آخرت کو۔ تفصیلی گزر چکی ہے۔

آیات تخییر کے نازل ہونے کے بعد ازواج مطہرات اس بات سے ڈرتی تھیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں طلاق دیدیں، تو اس سے بچنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ جس کیفیت اور جس ڈھنگ سے رکھیں گے ہم اس پر راضی ہیں اس وقت مذکورہ آیت یعنی **ترجی من تشاء منھن الخ** نازل ہوئی، علامہ جوزی کے اپنے الفاظ یہ ہیں:

**وسبب نزولها أنه لما نزلت آية التخيير المتقدمة، اشفقن أن يطلقهن، فقلن: یا نبی اللہ اجعل لنا من مالک ونفسک ماشئت ودعنا على حالنا.**

**زادالمسیر ص:۴۰۷ ج:۶**

مذکورہ آیت کا سبب نزول یہ ہے کہ جب آیت سابقہ جو تخییر کے سلسلہ میں نازل ہوئی تو ازواج مطہرات اس بات سے خوفزدہ سی رہنے لگیں کہ کہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طلاق نہ دیدیں توسبھوں نے عرض کیا کہ آپ اپنی مرضی کے مطابق جس طرح چاہیں رکھیں مگر ہمیں طلاق

نہ دیں، (اس وقت مذکورہ زیر بحث آیت نازل ہوئی)

مذکورہ سبب نزول کے علاوہ اور بھی سبب نزول ہیں اور ممکن ہے سب ہی واقعے نزول آیت کا سبب بنے ہوں۔ [۱]

۴۰۴- يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ﴿۵۳﴾

**ترجمہ:** اے ایمان والو! نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھروں میں (بے بلائے) مت جایا کرو مگر جس وقت تم کو کھانے کے لئے (آنے کی) اجازت دیجائے (تو جانا مضائقہ نہیں، مگر تب بھی جانا) ایسے طور پر (ہو) کہ اس (کھانے) کی تیاری کے منتظر نہ رہو (یعنی بے دعوت تو جاؤ مت اور دعوت ہو تب بھی بہت پہلے سے مت جا بیٹھو) لیکن جب تم کو بلایا جائے (کہ اب چلو کھانا تیار ہے) تب جایا کرو پھر جب کھانا کھا چکو تو اٹھ کر چلے جایا کرو اور باتوں میں جی لگا کر مت بیٹھا کرو (کیوں کہ اس بات سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناگواری ہوتی ہے سو وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں (اور

[۱] اسباب النزول ص:۲۰۵/معالم التنزیل ص:۴۷۸، ۴۷۷ ج:۴/المقتطف ص:۲۷۵ ج:۴/قال صاحبہ وقد كانت التسوية بينهن واجبة عليه صلى الله عليه وسلم فلما غار بعضهن على النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نزلت هذه الآية وسقط عنه الوجوب وصار الاختيار إليه فيهن يفعل كيف يشاء وكان ذالک من خصائصه صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابن كثير: ص:۴۶۷ ج:۳/عن عائشة انها كانت تغير من النساء اللاتى وهبن انفسهن لرسول الله قالت: الاتستحى المرأة ان تعرض نفسها بغير صداق فانزل الله ترجى من تشاء الخ قالت عائشة اني اراک ربک لسارع لک في هواک فتح البارى ص:۵۲۵ ج:۸ روح المعانى ص:۲۲ ج:۲۲/پارہ نمبر ۲۲/تخريج الكشاف ص:۱۳۵

زبان سے نہیں فرماتے کہ اٹھ کر چلے جاؤ) اور اللہ تعالیٰ صاف بات کہنے سے (کسی کا) لحاظ نہیں کرتا (اس لئے صاف صاف کہہ دیا گیا اور (اب سے یہ حکم کیا جاتا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیبیاں تم سے پردہ کیا کریں گی تو اب سے) جب تم ان سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے باہر (کھڑے ہوکر وہاں) سے مانگا کرو (یعنی بے ضرورت تو پردہ کے پاس جانا اور بات کرنا بھی نہ چاہئے لیکن ضرورت میں کلام کا مضائقہ نہیں یہ بات (ہمیشہ کے لئے) تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کے پاک رہنے کا عمدہ ذریعہ ہے (یعنی جیسے اب تک جانبین کے دل پاک ہیں اس سے آئندہ بھی احتمال عدم طہارت کا مندفع ہوگیا جو کہ غیر معصوم کے اعتبار سے فی نفسہ محتمل ہوسکتا تھا اور (حرمت ایذاء نبوی صرف فضول جم کر بیٹھ جانے ہی کی صورت میں منحصر نہیں بلکہ علی الاطلاق حکم ہے کہ تم کو (کسی امر میں) جائز نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کلفت پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ تم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ کی بیبیوں سے کبھی بھی نکاح کرو یہ خدا کے نزدیک بڑی بھاری (معصیت کی) بات ہے۔

**شانِ نزول مع فوائد:** آیت مذکورہ میں اسلامی معاشرت کے چند آداب واحکام کا بیان ہے جس کا تعلق سابقہ آیات سے یہ ہے کہ جو آداب ان آیات میں تلقین کئے گئے وہ ابتداءً آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکان اور آپ کی ازواج کے بارے میں نازل ہوئے ہیں، اگرچہ حکم ان کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کے ساتھ مخصوص نہیں۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَدْخُلُوا۟ بُيُوتَ ٱلنَّبِىِّ إِلَّآ أَن يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَىٰ طَعَامٍ غَيْرَ نَٰظِرِينَ إِنَىٰهُ وَلَٰكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَٱدْخُلُوا۟ فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَٱنتَشِرُوا۟ وَلَا مُسْتَـْٔنِسِينَ لِحَدِيثٍ

اس آیت میں دعوت طعام اور مہمان کے متعلق تین احکام کا بیان ہے اور حکم اگرچہ سب مسلمانوں کے لئے عام ہے، مگر سبب نزول چونکہ خاص واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکان میں ہوا۔ اسلئے عنوان میں بیوت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کیا گیا۔ پہلا یہ ہے کہ نبی کے مکانات میں بغیر اجازت داخل نہ ہوں، لَا تَدْخُلُوا۟ بُيُوتَ ٱلنَّبِىِّ إِلَّآ أَن يُؤْذَنَ لَكُمْ دوسرا ادب یہ ہے کہ جب داخل ہونے کی اجازت بلکہ کھانے کی دعوت بھی ہو تو وقت

سے پہلے آکر کھانا تیار ہونے کے انتظار میں نہ بیٹھ جاؤ، غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ناظر کے معنی اس جگہ منتظر کے ہیں اور لفظ إنا بکسر ہمزہ کھانے پکنے کو کہتے ہیں۔ آیت میں لَا تَدْخُلُوْا سے ایک استثناء تو اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ کا بہ لفظ اِلَّا کیا گیا ہے یہ دوسرا استثناء بہ لفظ غیر ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ نہ بلا اجازت داخل ہو اور نہ وقت سے پہلے آکر کھانا پکنے کا انتظار کرو، بلکہ وقت پر جب بلایا جائے اس وقت مکان میں داخل ہو لٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ.

تیسرا ادب یہ ہے کہ کھانے سے فارغ ہو جاؤ تو اپنے اپنے کاموں میں منتشر ہو جاؤ، دعوت کے گھر میں باہم باتیں کرنے کے لئے جم کر نہ بیٹھو۔ فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَ لَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ.

یہ عام حالات میں ہے جہاں عادۃً مہمانوں کا کھانے کے بعد دیر تک بیٹھے رہنا میزبان کے لئے باعث کلفت ہو خواہ اسلئے کہ وہ فارغ ہو کر اپنے دوسرے کاموں میں لگنا چاہتا ہے یا اس لئے کہ ان کو فارغ کر کے دوسرے مہمانوں کو کھلانا مقصود ہے۔ اور جہاں حالت اور عادت سے یہ معلوم ہو کہ کھانے کے بعد مہمانوں کا دیر تک باہمی باتوں میں مشغول رہنا میزبان کے لئے موجب کلفت نہیں وہ اس سے مستثنیٰ ہوگا۔ جیسا کہ آج کل پارٹیوں اور دعوتوں میں رواج ہو گیا ہے، دلیل اس کی آیت کا اگلا جملہ ہے جس میں ارشاد ہے: اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ۡ وَ اللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ یعنی کھانے کے بعد باتوں میں مشغول ہونے کی ممانعت کا سبب یہ ہے کہ ایسا کرنے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف پہنچتی تھی، کیوں کہ مہمانوں کے کھانے کا انتظام زنانہ مکان میں ہوتا تھا، وہاں مہمانوں کا دیر تک ٹھہرنا گھر والوں کے لئے موجب کلفت ہونا ظاہر ہے۔

آیت میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اگر چہ مہمانوں کو آداب سکھانا آپ کے فرائض میں تھا۔ مگر اپنا مہمان ہونے کی حالت میں آپ نے اس کو بھی مؤخر کیا، یہاں تک کہ خود حق تعالیٰ نے قرآن میں یہ ادب سکھانے کا اہتمام فرمایا۔

وَ اِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَ قُلُوْبِهِنَّ ؕ اس ٹکڑے میں اگر چہ سبب نزول کے خاص واقعہ کی بناء پر بیان اور تفسیر میں

خاص ازواج مطہرات کا ذکر ہے مگر حکم ساری امت کے لئے عام ہے خلاصہ حکم کا یہ ہے کہ عورتوں سے اگر دوسرے مردوں کو کوئی استعمالی چیز برتن کپڑا وغیرہ لینا ضروری ہو تو سامنے آکر نہ لیں، بلکہ پردہ کے پیچھے سے مانگیں اور فرمایا کہ یہ پردہ کا حکم مردوں اور عورتوں دونوں کے دلوں کو نفسانی وساوس سے پاک رکھنے کے لئے دیا گیا ہے۔

اس جگہ یہ بات قابل نظر ہے کہ یہ پردے کے احکام جن عورتوں اور مردوں کو دیئے گئے ہیں ان میں عورتیں تو ازواج مطہرات ہیں جن کے دلوں کو پاک صاف رکھنے کا حق تعالیٰ نے خود ذمہ لے لیا ہے جس کا ذکر اس سے پہلی آیت لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ میں مفصل آچکا ہے۔ دوسری طرف جو مرد مخاطب ہیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام ہیں جن میں بہت سے حضرات کا مقام فرشتوں سے بھی اعلیٰ وارفع ہے۔

لیکن ان سب امور کے ہوتے ہوئے ان کے طہارت قلب اور نفسانی وساوس سے بچنے کے لئے یہ ضروری سمجھا گیا کہ مرد وعورت کے درمیان پردہ کرایا جائے آج کون ہے جو اپنے نفس کو صحابہ کرامؓ کے نفوس سے پاک اور اپنی عورتوں کے نفوس کو ازواج مطہرات کے نفوس سے زیادہ پاک ہونے کا دعویٰ کر سکے اور یہ سمجھے کہ ہمارا اختلاط عورتوں کے ساتھ کسی خرابی کا موجب نہیں ہے؟

ان آیات کے سبب نزول میں چند واقعات بیان کئے جاتے ہیں جن میں کوئی تضاد نہیں کہ مجموعی واقعات نزول آیات کا سبب بنے ہوں شروع آیت جس میں مہمانی کے آداب بیان ہوئے کہ بغیر بلائے کھانے کے لئے نہ جائیں اور کھانے کے انتظار میں نہ بیٹھیں اس کا سبب نزول ابن ابی حاتم نے سلیمان بن ارقم سے یہ نقل کیا ہے کہ یہ آیت ان ثقلاء اور بوجھل لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو بغیر دعوت کے کسی کے مکان میں پہنچ جائیں اور کھانے کا انتظار کریں۔

اور امام عبد بن حمید نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت ان بعض لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو انتظار میں رہتے اور کھانے کے وقت سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکان میں جا کر بیٹھ جاتے اور باہمی باتوں میں مشغول رہتے یہاں تک کہ

کھانا تیار ہوجاتا تو اس میں شریک ہوجاتے تھے ایسے لوگوں کے لئے وہ ہدایات جاری ہوئیں جو شروع آیت میں مذکور ہیں یہ واقعات پردہ کے احکام نازل ہونے سے پہلے کے ہیں کہ جب عام مرد وزن مکان میں آتے جاتے رہتے تھے۔

دوسرا حکم جو عورتوں کے پردہ سے متعلق ہے اس کے شان نزول میں امام بخاریؒ کی دو روایتیں ہیں ایک روایت حضرت انسؓ سے یہ ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے پاس ہر طرح کے لوگ آتے جاتے ہیں اگر آپ ازواج مطہرات کو پردہ کرنے کا حکم دیدیں تو بہتر معلوم ہوتا ہے اس پر یہ آیت حجاب نازل ہوئی۔

بخاری و مسلم میں حضرت فاروق اعظمؓ کا یہ قول منقول ہے انہوں نے فرمایا:

**وافقت ربي في ثلث قلت يا رسول الله لو اتخذت في مقام ابراهيم مصلى فانزل الله تعالىٰ واتخذوا من مقام ابراهيم مصلى وقلت يا رسول الله ان نساءك يدخل عليهن البر والفاجر فلو حجبتهن فانزل الله آية الحجاب وقلت لازواج النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لما تمالأن عليه في الغيرة عسى ربه إن طلقكن أن يبدله ازواجا خيرا منكن فنزلت كذالك:**

میں نے موافقت کی اپنے رب کے ساتھ تین چیزوں میں ایک یہ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ مقام ابراہیم کو اپنی جائے نماز بنالیں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى اور میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ عرض کیا کہ آپ کی ازواج مطہرات کے سامنے ہر ایک نیک و بد انسان آتا ہے بہتر ہے کہ آپ ان سے پردہ کرائیں، اس پر آیت حجاب نازل ہوگئی اور جب ازواج مطہرات میں باہمی غیرت و رشک بڑھنے لگا تو میں نے ان سے کہا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہیں طلاق دیدیں تو بعید نہیں کہ اللہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تم سے بہتر ازواج عطا فرمادیں، چنانچہ ٹھیک انہیں الفاظ کے ساتھ قرآن نازل ہوگیا۔

**فائدہ:** حضرت فاروق اعظمؓ کا اپنے کلام میں ادب قابل نظر ہے کہ بظاہر کہنا یہ تھا

کہ تین چیزوں میں میرے رب نے میری موافقت فرمائی۔

ایک دوسرا واقعہ حضرت انسؓ ہی کی روایت سے صحیح بخاری میں آیا کہ حضرت انسؓ نے فرمایا کہ آیت حجاب کی حقیقت سے میں سب سے زیادہ واقف ہوں، کیوں کہ میں اس واقعہ میں حاضر تھا جب کہ حضرت زینب بنت جحشؓ نکاح کے بعد رخصت ہو کر حرم نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں داخل ہوئیں، اور مکان میں آپ کے ساتھ موجود تھیں، آپ نے ولیمہ کے لئے کچھ کھانا پکوایا اور لوگوں کو دعوت دی، کھانے کے بعد کچھ لوگ وہیں جم کر آپس میں باتیں کرنے کے لئے بیٹھ گئے ترمذی کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی وہیں تشریف رکھتے تھے اور ام المومنین زینبؓ بھی اسی جگہ موجود تھیں جو حیاء کی وجہ سے دیوار کی طرف اپنا رخ پھیرے ہوئے بیٹھی تھیں، ان لوگوں کے اس طرح دیر تک بیٹھنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف ہوئی آپ گھر سے باہر تشریف لائے اور دوسری ازواج مطہرات کے پاس ملاقات وسلام کے لئے تشریف لے گئے جب آپ پھر گھر میں تشریف لائے تو یہ لوگ وہیں موجود تھے، آپ کے لوٹنے کے بعد ان لوگوں کو احساس ہوا تو منتشر ہو گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکان کے اندر تشریف لائے تو تھوڑا سا وقت گزرا تھا کہ آپ پھر باہر تشریف لائے میں وہیں موجود تھا، آپ نے یہ آیت حجاب جو اسی وقت نازل ہوئی تھی پڑھ کر سنائی۔
يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ الخ۔

حضرت انسؓ نے یہ واقعہ نقل کر کے فرمایا کہ میں ان آیات کے نزول میں سب سے زیادہ قریب ہوں کہ میرے سامنے ہی نازل ہوئی ہیں۔ (الترمذي كتاب التفسير)

آیات حجاب کے نزول کے سبب میں تین واقعات روایات حدیث میں مذکور ہیں ان میں کوئی تعارض نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ تینوں واقعات کا مجموعہ ہی ان آیات کے نزول کا سبب بنا ہو۔

وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تَنْكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا ؕ

مذکورہ آیت کے اس ٹکڑے کے سبب نزول کے بارے میں علامہ فخر الدین رازی

نے فرمایا کہ حضرت طلحہ بن عبداللہ نے فرمایا کہ اگر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد زندہ رہا تو حضرت عائشہؓ سے نکاح کروں گا اس وقت مذکورہ ٹکڑا نازل ہوا۔ [۱]

**۳۹۵-اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾**

**ترجمہ:** بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر، اے ایمان والو! تم بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر رحمت بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو (تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حق عظمت جو تمہارے ذمہ ہے ادا ہو جائے)

صحیح بخاری و مسلم وغیرہ سب کتب حدیث میں یہ حدیث آئی ہے کہ حضرت کعب بن عجرہؓ نے فرمایا کہ (جب یہ آیت نازل ہوئی تو) ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ (آیت میں ہمیں دو چیزوں کا حکم ہے صلوٰۃ اور سلام) سلام کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہو چکا ہے۔ (کہ **السلام عليكم ايها النبي** کہتے ہیں) صلوٰۃ کا طریقہ بھی بتلا دیجئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ الفاظ کہا کرو۔

**اَللّٰهُمَّ صلّ علی مُحمد وعلیٰ آل محمد کماصلیت علی ابراهیم وعلی اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّکَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ، اَللّٰهُمَّ بَارِکْ علیٰ مُحَمَّدٍ وَّعلیٰ اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلیٰ اِبْرَاهِيْمَ وَعلیٰ اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّکَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ** دوسری روایات میں اس میں کچھ کلمات اور بھی منقول ہیں۔

اور صحابہ کرامؓ کے سوال کرنے کی وجہ غالباً یہ تھی کہ ان کو سلام کرنے کا طریقہ تو تشہد (یعنی التحیات) میں پہلے سکھایا جا چکا تھا السلام علیکم ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا جائے۔

---

**[۱] اسباب النزول ص: ۲۰۶، ۲۰۵ تفسیرات احمدیہ ص: ۶۲۰ معالم التنزیل ص: ۴۸۱ تا ۴۸۳/ج: ۴/زاد المسیر ص: ۴۱۳ تا ۴۱۵ طبری ص: ۳۷ ج: ۲۲/الدر المنثور ص: ۲۱۳ ج: ۵، المقتطف ص: ۲۷۷ ج: ۴، مسلم شریف باب زواج النکاح بزینب رقم الحدیث نمبر ۱۴۲۸ فتح الباری شرح بخاری للحافظ بن حجر عسقلانی ص: ۵۲۹ ج: ۸ فتح الباری ص: ۵۲۷، ۵۲۸ ج: ۸/روح المعانی ص: ۷۶، ۷۰ پارہ نمبر ۲۲، ابن کثیر ص: ۴۷۱ تا ۴۶۹ ج: ۳، التفسیر الکبیر ص: ۲۲۵ ج: ۱۳، معارف القرآن ص: ۱۹۸ تا ۲۰۲ ج: ۷**

اس لئے لفظ صلوٰۃ میں انہوں نے اپنی طرف سے الفاظ مقرر کرنا پسند نہیں کیا بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کر کے الفاظ صلوۃ متعین کرائے۔ اسی لئے نماز میں عام طور پر انہی الفاظ کے ساتھ صلوٰۃ کو اختیار کیا گیا ہے۔ اگرچہ کوئی ایسا تعین نہیں جس میں تبدیلی ممنوع ہو کیوں کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صلوٰۃ یعنی درود شریف کے بہت سے مختلف صیغے منقول و ماثور ہیں، صلوٰۃ وسلام کے حکم کی تعمیل ہر اس صیغہ سے ہوسکتی ہے جس میں صلوٰۃ وسلام کے الفاظ ہوں۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بعینہٖ منقول بھی ہوں، بلکہ جس عبارت سے بھی صلوٰۃ وسلام کے الفاظ ادا کئے جائیں اس حکم کی تعمیل اور درود شریف کا ثواب حاصل ہوجاتا ہے۔ مگر یہ ظاہر ہے کہ جو الفاظ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہیں وہ زیادہ بابرکت اور زیادہ ثواب کے موجب ہیں اسی لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے الفاظ صلوٰۃ آپ سے متعین کرانے کا سوال فرمایا تھا۔

(فتح الباری شرح بخاری کتاب التفسیر ص:۵۳۲ ج:۸/معارف القرآن ص:۲۲۳ ج:۷)

**تنبیہ:** علامہ واحدی نے اس آیت کا سبب نزول یہ بتلایا ہے کہ کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ صحابی نے فرمایا کہ ایک صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلام کا طریقہ تو معلوم ہوگیا صلوۃ کا کیا طریقہ ہے؟ اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

(اسباب النزول ص:۲۰۷)

لیکن سابقہ وضاحت علامہ واحدی کے بیان کی تردید کرتی ہے کیوں کہ سابقہ وضاحت میں یہ ہے کہ مذکورہ آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے استفسار فرمایا کہ سلام تو معلوم ہے صلوٰۃ معلوم نہیں تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلوٰۃ کی وضاحت فرمائی جو اولاً ذکر کردی گئی۔ (راقم الحروف)

۴۰۶- اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِى الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۸﴾

**ترجمہ:** بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قصداً ایذاء دیتے

ہیں اللہ تعالیٰ ان پر دنیا و آخرت میں لعنت کرتا ہے اور ان کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کررکھا ہے اور اسی طرح جو لوگ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو بدون اس کے کہ انہوں نے کچھ (ایسا کام) کیا ہو (جس سے وہ مستحق سزا ہوجاویں) ایذا پہنچاتے ہیں تو وہ لوگ بہتان اور صریح گناہ کا (خود پر) بار لیتے ہیں (یعنی اگر وہ ایذاء قولی ہے تو بہتان ہے اور اگر فعلی ہے تو مطلق گناہ ہی ہے۔

**شانِ نزول:** **اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا** اس آیت کے شان نزول میں تین اقوال ہیں:

۱- جب آنحضرت ﷺ نے صفیہ بنت اخطب ؓ سے شادی فرمائی تو مشرکین نے آپ ﷺ پر طعن کسے اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی: (الدر المنثور ص:۲۲۰ ج:۵ / زاد المسیر ص:۴۲۰ ج:۶ طبری ص:۴۵ ج:۲۲) (حضرت صفیہ ؓ جو ایک جنگ میں فتح ہونے کے نتیجے میں قیدی بنا کر لائی گئی تھیں جو دراصل ایک صحابی کے حصہ میں آئی تھیں چونکہ یہ ایک سردار کی بیٹی تھیں پھر آنحضرت ﷺ نے اس صحابی سے اسے طلب کرلیا تھا اور بعد میں خود ان سے نکاح فرمالیا تھا مال غنیمت وغیرہ میں آنحضرت ﷺ کو خمس نکالنے کا حق حاصل تھا۔ اس لئے اب کسی طرح کا کوئی شبہ نہ ہونا چاہئے۔

۲- تصویر بنانے والے کے بارے میں مذکورہ آیت اتری کہ تصویر بنانا اور مجسمہ بنانا دراصل خالق و مالک سے مشابہت ہے، جو دراصل اللہ اور اس کے رسول کی ایذاء کا سبب ہے۔ (زاد المسیر ص:۴۲۷ ج:۶ بغوی وغیرہ)

۳- مشرکین اور یہود و نصاریٰ کے بارے میں مذکورہ آیت نازل ہوئی کہ یہود و نصاریٰ اللہ کے لئے لڑکا ہونا بتلاتے اور لڑکیاں بھی کہ عزیرؑ و عیسیٰؑ کو اللہ جل سبحانہ کا بیٹا قرار دیتے، اور ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں اور مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کی کہ کذاب، ساحر، مجنون، دیوانہ، کہا اور جنگ احد کے موقع پر جسمانی تکلیف دی کہ آپ کے رباعی داندان مبارک کو شہید کیا۔ گویا کہ اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف دے کر لعنت کے مستحق بنے۔

(ص:۲۲۰ ج:۵، زاد المسیر ص:۴۲۰ ج:۶ و بغوی)

۴۰۷-وَ الَّذِيۡنَ يُؤۡذُوۡنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ بِغَيۡرِ مَا اكۡتَسَبُوۡا فَقَدِ احۡتَمَلُوۡا بُهۡتَانًا وَّ اِثۡمًا مُّبِيۡنًا ۝۵۸

**ترجمہ:** ذکر کیا جاچکا۔

**شانِ نزول:** اس آیت کے سبب نزول میں چار اقوال ہیں:

۱-حضرت عائشہؓ اور صفوان بن معطلؓ پر بہتان کے متعلق نازل ہوئی ہے، جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جس زمانہ میں حضرت عائشہ صدیقہؓ پر بہتان باندھا گیا تو عبداللہ بن ابی منافق کے گھر میں کچھ لوگ جمع ہوئے اور اس بہتان کو پھیلانے کی باتیں کرنے لگے اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے اس کی شکایت فرمائی کہ یہ شخص مجھے ایذاء پہنچاتا ہے۔(مظہری) حضرت عائشہؓ کے افک کا قصہ سورۂ نور کے تحت تفصیلاً بیان کیا جاچکا ہے۔اس لئے یہاں ترک کیا جاتا ہے۔

(اسباب النزول ص:۲۰۸، زادالمسیر ص:۴۲۱)

۲-حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ ایک باندی کو دیکھا کہ برہنہ سر زیب وزینت سے مزین ہے آپ کی حرارت ایمانی کو جوش آیا۔ حضرت عمرؓ نے اس کی پٹائی کردی اور اس طرح بن سنور کر باہر نکلنے سے منع کیا، اس نے اپنے اہلِ خانہ سے شکایت کی۔ اس کے اہل خانہ حضرت عمرؓ پر ٹوٹ پڑے اور تکلیف دی۔ اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

(اسباب النزول ص:۱۸، زادالمسیر :۴۲۱ ج:۶)

۳-مدینہ کی گلی کوچوں میں کچھ آوارہ اور اوباش قسم کے لڑکے گردش کرتے رہتے اور کوئی خاتون کبھی اپنی ضرورت سے باہر نکلتی تو اس سے چھیڑ چھاڑ کرتے خصوصاً رات کے وقت میں یہ سلسلہ کچھ اور ہی بڑھ جاتا کہ جب خواتین قضاء حاجت کے لئے نکلتیں تو اس وقت یہ لڑکے انہیں چھیڑتے اور اشارہ بازی کرتے۔ عورتیں ان اوباشوں کی ان حرکتوں سے بہت زیادہ پریشانیوں میں گھر چکی تھیں۔ حضراتِ صحابہ کرام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے یہ سارا ماجرا سنایا اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

۴-بعض منافقین حضرت علیؓ کو طرح طرح سے اذیتیں دیتے تھے اس وقت مذکورہ

آیت اتری ممکن ہے سارے ہی واقعات مذکورہ آیت کے نزول کا سبب ہوں، لہٰذا کوئی تعارض نہیں کیوں کہ آیت کا عموم سب ہی صورتوں کو شامل اور حاوی ہے۔

(اسباب النزول ص:۱۸۱، زاد المسیر :۴۲۱ ج:۶، وبغوی وغیرہ)

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵۹﴾

**ترجمہ:** اے پیغمبر اپنی بیبیوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور دوسرے مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ نیچے لٹکالیں اپنے اوپر تھوڑی سی اپنی چادریں اس سے جلدی پہچان ہو جایا کرے تو آواز نہ دیا جایا کریں گی (یعنی کسی ضرورت سے باہر نکلنا پڑے تو چادر سے سر اور چہرہ بھی چھپالیا جائے۔ چونکہ کنیزوں کے لئے سرفی نفسہ داخل ستر نہیں اور چہرہ کھولنے میں ان کو آزاد عورتوں سے زیادہ رخصت ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے آقاء کی خدمت میں لگی رہتی ہیں۔ اس لئے کام کاج کے لئے ان کو باہر نکلنے اور چہرہ وغیرہ کھولنے کی ضرورت پڑتی ہے بخلاف آزاد عورتوں کے کہ وہ اتنی مجبور نہیں، اور چونکہ اوباش لوگ آزاد عورتوں کو چھیڑنے کی ہمت انکی خاندانی وجاہت اور شرافت کی وجہ سے نہ کرتے تھے، کنیزوں کو چھیڑتے تھے بعض اوقات کنیزوں کے دھوکے میں آزاد عورتوں کو بھی چھیڑنے لگتے تھے، اس آیت نے آزاد عورتوں کو کنیزوں سے ممتاز کرنے کے لئے بھی اور اسلئے بھی کہ سر اور گردن وغیرہ ان کا ستر میں داخل ہے۔ یہ حکم بیان فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ازواج و بنات اور عام مسلمانوں کی بیبیوں کو یہ حکم دیا کہ لمبی چادروں میں ملبوس ہو کر نکلیں جس کو سر سے نیچے چہرے پر لٹکالیا کریں (جس کو اردو میں گھونگٹ کرنا کہتے ہیں) اس حکم سے پردہ شرعی کے حکم کی تعمیل بھی ہو جائے گی اور بہت سہولت کے ساتھ اوباش اور شریر لوگوں سے حفاظت بھی، رہ گئیں غیر حراء یعنی کنیزیں سو ان کی حفاظت کا انتظام اگلی آیت میں آئے گا) اور (اس چہرہ کے اور سر کے ڈھانکنے میں اگر کوئی کمی یا بے احتیاطی بلا قصد

ہوجائے تو) اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ (اس کو معاف کردے گا)

**شان نزول:** شروع اسلام میں مدینہ کے مکانات تنگ تھے، بیت الخلاء کا نظم گھر میں نہ ہوتا تھا اور قضاء حاجت کے لئے جنگل اور میدان میں جانا پڑتا تھا۔ خواتین اسلام عام طور پر رات میں اپنی ضرورت سے نکلتی تھیں، منافقین ان سے چھیڑ چھاڑ کرتے پھر جن پر لمبی چادریں ہوتیں انہیں نہ چھیڑتے، اپنے تئیں وہ یہ سمجھتے تھے کہ یہ آزاد عورتیں ہیں اور جن پر اس طرح کی چادر نہ ہوتی اس سے چھیڑ خوانی کرتے تھے کبھی ایسا ہوتا کہ وہ باندی اور لونڈی سمجھ کر ایسا کرتے جب کہ وہ آزاد عورتیں ہوتی تھیں، تو ان اوباشوں سے ہوشیار رہنے کے لئے اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی جس میں پردہ کا طریقہ بتلایا گیا۔ [۱]

❁❁❁

[۱] اسباب النزول ص: ۲۰۸ / زاد المسیر ص: ۲۲۴ ج: ۶ / الدر المنثور ص: ۲۲۲ ج: ۵ / المقتطف ص: ۲۸۱ ج: ۴ / ابن کثیر ص: ۴۸۳ ج: ۳

# سورۂ یٰسٓ

اس سورت کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ یہ مکی ہے۔اور یہی جمہور کا قول ہے مگر اس سورت کی ایک آیت مدنی بتلائی جاتی ہے۔اور وہ آیت یہ ہے کہ **واذا قیل لھم انفقوا مما رزقکم اللہ** دوسرا قول یہ ہے کہ یہ سورت مدنی ہے۔

(حکاہ ابوسلیمان الدمشقی وقال لیس بمشھور (زاد المسیر ص:۳،ج:۷)

۴۰۹- **اِنَّا نَحْنُ نُحْیِ الْمَوْتٰی وَ نَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَ اٰثَارَهُمْ ؕ وَ كُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰهُ فِیْۤ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ۠ ﴿۱۲﴾**

**ترجمہ:** بے شک ہم (ایک روز) مردوں کو زندہ کریں گے (اس وقت ان سب کا ظہور ہو جائے گا) اور (جن اعمال پر جزا و سزا ہوگی) ہم (ان کو برابر) لکھتے جاتے ہیں وہ اعمال بھی جن کو لوگ آگے بھیجتے ہیں اور ان کے وہ اعمال بھی جن کو پیچھے چھوڑے جاتے ہیں (**مَا قَدَّمُوْا** سے مراد جو کام اپنے ہاتھ سے کئے اور **اٰثَارَهُمْ** سے مراد وہ اثر جو اس کام کے سبب پیدا ہوا ہو اور بعد موت بھی باقی رہا، مثلاً کسی نے کوئی نیک کام کیا اور وہ سبب ہو گیا دوسروں کی بھی ہدایت کا یا کسی نے کوئی برا کام کیا اور وہ سبب ہو گیا دوسروں کی بھی گمراہی کا، غرض یہ سب لکھے جا رہے ہیں اور وہاں ان سب پر جزا و سزا مرتب ہو جاوے گی) اور (ہمارا علم تو ایسا وسیع ہے کہ ہم اس کی کتابت کے بھی محتاج نہیں جو بعد الوقوع ہوئی ہے کیوں کہ) ہم نے (تو) ہر چیز کو (جو کچھ قیامت تک ہوگا وقوع سے پہلے ہی) ایک واضح کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں ضبط کر دیا تھا (محض حکمتوں سے اعمال کی کتابت ہوئی ہے۔پس جب قبل وقوع ہم کو سب چیزوں کا علم ہے تو بعد وقوع تو کیوں نہ ہوگا اسلئے کسی عمل سے مکرنے یا پوشیدہ رکھنے کی گنجائش نہیں ضرور سزا ہوگی۔اور لوح محفوظ کو واضح باعتبار تفصیل

اشیاء کے کہا گیا ہے)

**شانِ نزول:** حضرت جریر بن عبداللہ بجلیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

**من سن سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها من بعده من غير ان ينقص من اجورهم شئی ومن سن سنة سئية كان عليه وزرها ووزر من عمل بها من بعده لا ينقص من اوزارهم شيئاً، ثم تلا ونكتب ما قدموا وآثارهم.** (ابن کثیر عن ابن ابی حاتم)

''جس شخص نے کوئی اچھا طریقہ جاری کیا تو اس کو اس کا ثواب ملے گا اور جتنے آدمی اس طریقہ پر عمل کریں گے ان کا بھی ثواب اس کو ملے گا بغیر اس کے کہ ان عمل کرنے والوں کے ثواب میں کوئی کمی آوے۔ اور جس نے کوئی برا طریقہ جاری کیا تو اس کو اس کا گناہ ہوگا اور جتنے آدمی جب تک اس برے طریقہ پر عمل کرتے رہیں گے ان کا گناہ بھی اس کو ہوتا رہے گا بغیر اس کے کہ عمل کرنے والوں کے گناہوں میں کمی آوے''

آثار کے ایک معنی نشان قدم کے بھی آتے ہیں، حدیث میں ہے کہ انسان جب نماز کے لئے مسجد کی طرف چلتا ہے تو اس کے ہر قدم پر نیکی لکھی جاتی ہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں آثار سے مراد یہی نشان قدم ہے، جس طرح نماز کا ثواب لکھا جاتا ہے اسی طرح نماز کے لئے جانے میں جتنے قدم پڑتے ہیں، ہر قدم پر ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔ ابن کثیر نے ان روایات کو اس جگہ جمع کردیا ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ مدینہ طیبہ میں بنوسلمہ کے مکانات مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دور تھے انہوں نے ارادہ کیا کہ مسجد کے قریب مکان بنالیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا کہ جہاں رہتے ہو وہیں رہو، دور سے چل کر آؤ گے تو یہ وقت بھی ضائع نہ سمجھو جتنے قدم زیادہ ہوں گے اتنا ہی تمہارا ثواب بڑھے گا اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

اس پر جو شبہ ہوسکتا ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور جو واقعہ ان احادیث میں مذکور ہے وہ مدینہ طیبہ کا ہے اس کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ آیت اپنے عام معنی میں ہو کہ اعمال کے اثرات بھی لکھے جاتے ہیں اور یہ آیت مکہ ہی میں نازل ہوئی ہو۔ پھر مدینہ طیبہ میں جب یہ واقعہ

پیش آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور استدلال کے اس آیت کا ذکر فرمایا۔ اور نشان قدم کو بھی ان آثار باقیہ میں شمار فرمایا جن کے لکھے جانے کا ذکر قرآن کریم کی اس آیت میں ہے۔ اس طرح ان دونوں تفسیروں کا ظاہری تضاد بھی رفع ہو جاتا ہے۔ (کما صرح ابن کثیر واختارہ) [۱]

۴۱۰- اَوَ لَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ
مُّبِيْنٌ ۝۷۷ وَ ضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّ نَسِيَ خَلْقَهٗ ؕ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَ
هِيَ رَمِيْمٌ ۝۷۸ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَ هُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ
عَلِيْمُ ۝۷۹ ۙ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ
تُوْقِدُوْنَ ۝۸۰ اَوَ لَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ
يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؕ بَلٰى ۗ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۝۸۱ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا
اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝۸۲ فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ
شَيْءٍ وَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝۸۳

**ترجمہ:** اس نے ہماری شان میں ایک عجیب مثال بیان کی ہے، اور اپنی اصل کو بھول گیا، (کہ ہم نے اس کو ایک حقیر نطفہ سے ایک کامل انسان بنایا) کہتا ہے کہ ہڈیوں کو جب وہ بوسیدہ ہوگئی ہوں کون زندہ کرے گا؟ آپ جواب دیجئے کہ ان کو وہ زندہ کرے گا جس نے پہلی مرتبہ اسکو پیدا کیا ہے، (کہ پہلی مرتبہ پیدا کرنا کوئی مشکل نہ تھا تو اب کیا مشکل ہے) وہ ہر طرح کا پیدا کرنا جانتا ہے، اور وہ ایسا ہے کہ ہرے درخت سے تمہارے لئے آگ پیدا کر دیتا ہے پھر تم اس سے اور آگ سلگا لیتے ہو (جیسا کہ عرب میں ایک درخت مرخ اور عقار دوسرا تھا، دونوں درختوں سے چقماق کا کام لیتے تھے دونوں کے ملانے سے آگ پیدا ہوتی تھی) اور جس

[۱] معارف القرآن ص:۳۶۶ ج:۷/ اسباب النزول ص:۲۰۹،۲۰۸/ زاد المسیر ص:۸ ج:۷ ترمذی ص:۱۵۵ ج:۲، وقال ھذا حدیث حسن غریب طبری ص:۱۵۴ ج:۲۲، الدر المنثور ص:۲۶۰ ج:۵، مسلم شریف ص:۳۶۲ حاکم ص:۴۲۸ ج:۲، المقتطف ص:۳۳۸ ج:۴، مسلم شریف حدیث نمبر ۱۰۱۷/ معالم التنزیل ص:۵۳۴ ج:۴/ ابن کثیر ص:۵۲۷،۵۲۶ ج:۳، روح المعانی ص:۲۱۸ ج:۲۲/ پارہ نمبر ۲۲/ تفسیر کبیر ص:۹۴ ج:۱۳

نے آسمان اور زمین پیدا کئے ہیں کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ ان جیسے آدمیوں کو دوبارہ پیدا کر دے خوب قادر ہے اور بڑا پیدا کرنے والا جاننے والا ہے، (اس کی قدرت ایسی ہے کہ) جب وہ کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو بس اس کا معمول تو یہ ہے کہ اس چیز کو کہہ دیتا ہے ہوجا! وہ ہوجاتی ہے، (لہٰذا ثابت ہوگیا کہ) اس کی پاک ذات ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا پورا اختیار ہے (اور یہ بات یقینی ہے کہ) تم سب کو اس کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ (قیامت کے روز)

**شانِ نزول:** سورۂ یٰسین کی مذکورہ پانچ آیتیں ایک خاص واقعہ میں نازل ہوئی ہیں جو بعض روایت میں ابی بن خلف کی طرف منسوب کیا گیا ہے، اور بعض میں عاص بن وائل کی طرف، اور اس میں بھی کوئی بعید نہیں کہ دونوں سے ایسا واقعہ پیش آیا ہو، پہلی روایت بیہقی نے شعب الایمان میں اور دوسری روایت ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس سے نقل کی ہے، اور وہ یہ ہے کہ عاص بن وائل نے بطحاء مکہ سے ایک بوسیدہ ہڈی اٹھائی، اور اس کو اپنے ہاتھ سے توڑ کر ریزہ ریزہ کیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ کیا اللہ اس ہڈی کو زندہ کرے گا؟ جس کا حال آپ دیکھ رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں اللہ تجھے موت دے گا، پھر زندہ کرے گا، پھر تجھ کو جہنم میں داخل کرے گا۔ [۱]

---

[۱] ابن کثیر معارف القرآن ص: ۴۱۲ ج:۷/زاد المسیر ص: ۴۰ ج:۷/ابن جریر طبری ص: ۳۰ ج:۲۲/الدر ص: ۲۶۹ ج:۵/اسباب النزول ص: ۲۰۹/ابن کثیر ص: ۵۴۱ ج:۳/تفسیر کبیر ص: ۱۰۷ ج:۲۶/المقتطف ص: ۳۶۳ ج:۴

# سورۃ ص

سورۃ ص کا دوسرا نام سورۃ داؤد ہے اور اس سورت کی مکمل آیات مکی ہیں۔ (زاد المسیر)

۴۱۱- صٓ وَ الۡقُرۡاٰنِ ذِی الذِّکۡرِ ؕ﴿۱﴾ بَلِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فِیۡ عِزَّۃٍ وَّ
شِقَاقٍ ﴿۲﴾ کَمۡ اَهۡلَکۡنَا مِنۡ قَبۡلِهِمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ فَنَادَوۡا وَّ لَاتَ حِیۡنَ
مَنَاصٍ ﴿۳﴾ وَ عَجِبُوۡۤا اَنۡ جَآءَهُمۡ مُّنۡذِرٌ مِّنۡهُمۡ ۫ وَ قَالَ الۡکٰفِرُوۡنَ هٰذَا
سٰحِرٌ کَذَّابٌ ۖ﴿۴﴾ اَجَعَلَ الۡاٰلِهَۃَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ اِنَّ هٰذَا لَشَیۡءٌ
عُجَابٌ ﴿۵﴾ وَ انۡطَلَقَ الۡمَلَاُ مِنۡهُمۡ اَنِ امۡشُوۡا وَ اصۡبِرُوۡا عَلٰۤی اٰلِهَتِکُمۡ ۚۖ اِنَّ
هٰذَا لَشَیۡءٌ یُّرَادُ ۖ﴿۶﴾ مَا سَمِعۡنَا بِهٰذَا فِی الۡمِلَّۃِ الۡاٰخِرَۃِ ۚۖ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا
اخۡتِلَاقٌ ۖ﴿۷﴾

**ترجمہ:** ص (اس کے معنی تو اللہ کو معلوم ہیں) قسم ہے قرآن کی جو نصیحت سے پر ہے (کہ کفار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا انکار کرتے ہوئے جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ ٹھیک نہیں) (خود) یہ کفار (ہی) تعصب اور (حق کی) مخالفت میں پڑے ہیں (اور) اس تعصب ومخالفت کا وبال ایک روز ان پر پڑنے والا ہے ان سے پہلے بہت سی امتوں کو ہم (عذاب سے) ہلاک کر چکے ہیں سو انہوں نے (ہلاکت کے وقت) بڑی ہائے پکار کی (اور بہت شوروغل مچایا) اور (اس وقت شوروغل سے کیا ہوتا ہے کیوں کہ) وہ وقت خلاصی کا نہ تھا (اس لئے کہ جب عذاب آچکے تو توبہ بھی قبول نہیں ہوتی) اور ان کفار نے اس بات پر تعجب کیا کہ ان کے پاس ان (ہی) میں سے (یعنی جو کہ ان کی طرح بشر ہے) ایک (پیغمبر) ڈرانے والا آ گیا (تعجب کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنی جہالت کی وجہ سے بشریت کو نبوت کے منافی سمجھتے تھے) اور انکار رسالت میں یہاں تک پہنچ گئے کہ آپ کے معجزات اور دعوئ نبوت کے

بارے میں ) کہنے لگے کہ (نعوذ باللہ) یہ شخص (خوارق عادت کے معاملہ میں) ساحر اور کذاب ہے (اور) کیا اس نے اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود رہنے دیا، واقعی یہ بات بہت ہی عجیب بات ہے، اور ان کفار میں کے رئیس (مجلس سے اٹھ کر لوگوں سے ) یہ کہتے ہوئے چلے کہ چلو اور اپنے معبودوں پر قائم رہو، یہ کوئی مطلب کی بات ہے ہم نے تو یہ بات پچھلے مذہب میں نہیں سنی، ہو نہ ہو یہ اس شخص کی من گھڑت ہے پچھلے مذہب کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں بہت سے طریقے کے لوگ ہوئے ہیں، سب سے پیچھے ہم آئے ہیں اور حق پر ہیں سو ہم نے اپنے بزرگوں سے اسطرح کی کوئی بات نہیں سنی۔

**شانِ نزول:** مذکورہ آیات کا پس منظر یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابوطالب مسلمان نہ ہونے کے باوجود آپ کی پوری نگہداشت کر رہے تھے، جب وہ ایک بیماری میں مبتلا ہوئے تو قریش کے بڑے بڑے سرداروں نے ایک مجلس مشاورت منعقد کی جس میں ابوجہل، عاص بن وائل، اسود بن مطلب، اسود بن عبد یغوث اور دوسرے روساء شریک ہوئے، مشورہ یہ ہوا کہ ابوطالب بیمار ہیں، اگر وہ اس دنیا سے گزر گئے، اور اس کے بعد ہم نے (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ان کے دین سے باز رکھنے کے لئے کوئی سخت اقدام کیا، تو عرب کے لوگ ہمیں یہ طعنہ دیں گے کہ جب تک ابوطالب زندہ تھے اس وقت تک یہ لوگ (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا کچھ نہ بگاڑ سکے، اور جب انکا انتقال ہو گیا تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدف بنالیا، لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ہم ابوطالب کی زندگی ہی میں ان سے (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے معاملہ کا تصفیہ کرلیں، تاکہ وہ ہمارے معبودوں کو برا کہنا چھوڑ دیں۔

چنانچہ یہ لوگ ابوطالب کے پاس پہنچے، اور جا کر ان سے کہا کہ تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتا ہے، آپ انصاف سے کام لے کر ان سے کہئے کہ وہ جس خدا کی چاہیں عبادت کریں، لیکن ہمارے معبودوں کو کچھ نہ کہیں، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بھی ان کے بتوں کو اس کے سوا کچھ نہ کہتے تھے کہ بے حس اور بے جان ہیں، نہ تمہارے خالق ہیں اور نہ تمہارے رازق ہیں، اور نہ ہی تمہارا کوئی نفع اور نقصان ان کے قبضے میں ہے،

ابوطالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مجلس میں بلوایا اور آپ سے یہ کہا کہ بھتیجے یہ لوگ تمہاری شکایت کر رہے ہیں کہ تم ان کے معبودوں کو برا کہتے ہو، انہیں ان کے مذہب پر چھوڑ دو، اور تم اپنے خدا کی عبادت کرتے رہو، اس پر قریش کے لوگ بھی ہاں میں ہاں ملاتے رہے۔

بالآخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''چچا جان'' کیا میں انہیں اس چیز کی دعوت نہ دوں جس میں ان کی بہتری ہے؟ ابوطالب نے کہا: وہ کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ''میں ان سے ایک ایسا کلمہ کہلوانا چاہتا ہوں جس کے ذریعہ سارا عرب ان کے آگے سرنگوں ہوجائے، اور یہ پورے عرب اور عجم کے مالک ہوجائیں، اس پر ابوجہل نے کہا کہ: ''بتادو وہ کلمہ کیا ہے؟'' تمہارے باپ کی قسم! ''ہم ایک کلمہ نہیں دس کلمہ کہنے کو تیار ہیں'' اس پر آپ نے فرمایا کہ بس لا إلہ إلا اللہ کہہ دو'' یہ سن کر تمام لوگ کپڑے جھاڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے ''کیا سارے معبودوں کو چھوڑ کر صرف ایک کو اختیار کرلیں؟ یہ تو بڑی عجب بات ہے'' اس موقع پر سورہ ''ص'' کی آیات مذکورہ اتریں۔ [1]

**في سبب نزولها قولان الأول قد ذكرت في اوّل الصفحة والثاني أن عمر بن الخطاب اسلم فشق ذالک علی قریش، وفرح به المؤمنون، فقال الوليد بن المغيرة للملاء من قريش هم صناديد والاشراف وكانوا خمسة وعشرين رجلا اكبرهم سنا الوليد بن المغيرة (والتفصل الباقي كبيان السابق الذي كتبت اولا تحت الآيات الكريمة بعد الترجمة والتفسير معالم واسباب وغيرهم.**

۞۞۞

[1] معارف القرآن ص:۲۰۹ ج:۷/اسباب النزول ص:۲۰۹/المقتطف ص:۲۰۷،ج:۴/روح المعانی ص:۱٦٦ ج:۲۳/ابن کثیر ص:۲٦،۲۵ ج:۴ التفسیر الکبیر الامام الفخر الدین الرازی ص:۱۷۷ ج:۲٦/زاد المسیر ص:۹٦ ج:۷/ترمذی ص:۱۵۵ ج:۲/مستدرک ص:۴۳۲ ج:۲/طبری ص:۱۲۵ ج:۲۳/الدر السیوطی ص:۲۹۵ ج:۵/معالم التنزیل ص:۵۸۷،۵۸۸ ج:۴

# سورۃ الزمر

اس سورت کا دوسرا نام ''غرف'' بھی بتلایا جاتا ہے، مفسر قرآن عوفی نے فرمایا کہ حضرت ابن عباس نے بیان فرمایا ہے کہ سورہ ''زمر'' مکی ہے، یہی قول حضرت حسن، مجاہد، اور حضرت عکرمہ، اور حضرت قتادہ اور جابر بن زید رحمہا اللہ کا ہے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اس بارے میں دوسری روایت یہ ہے کہ مکمل سورت تو مکی ہے لیکن صرف دو آیت مدنی ہیں اور وہ آیتیں یہ ہیں: (۱) اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِيۡثِ آیت ۲۳، (۲) قُلۡ يٰعِبَادِیَ الَّذِيۡنَ اَسۡرَفُوۡا آیت نمبر ۵۳ / حضرت مقاتل نے بیان فرمایا کہ اس سورت کی دو آیتیں مدنی ہیں: (۱) قُلۡ يٰعِبَادِیَ الَّذِيۡنَ اَسۡرَفُوۡا آیت ۵۳ / (۲) لِلَّذِيۡنَ اَحۡسَنُوۡا فِیۡ هٰذِهِ الدُّنۡيَا حَسَنَةٌ ؕ آیت نمبر ۱۰ / حضرت مقاتل ہی کی اس بارے میں دوسری روایت یہ ہے کہ اس سورت میں دو آیتیں مدنی ہیں (۱) قُلۡ يٰعِبَادِیَ الَّذِيۡنَ اَسۡرَفُوۡا آیت ۵۳ / (۲) قُلۡ يٰعِبَادِ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوۡا رَبَّكُمۡ ؕ آیت ۱۰ / بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس سورت میں تین آیات مدنی ہیں، قُلۡ يٰعِبَادِیَ الَّذِيۡنَ اَسۡرَفُوۡا (اِلٰی قولہ) وَّ اَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ ۙ﴿۵۵﴾ (۵۳، ۵۴، ۵۵)

۴۱۲ - اَمَّنۡ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيۡلِ سَاجِدًا وَّ قَآئِمًا يَّحۡذَرُ الۡاٰخِرَةَ وَ يَرۡجُوۡا رَحۡمَةَ رَبِّهٖ ؕ قُلۡ هَلۡ يَسۡتَوِی الَّذِيۡنَ يَعۡلَمُوۡنَ وَ الَّذِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ﴿۹﴾ ع

**ترجمہ:** بھلا جو شخص اوقات شب میں سجدہ قیام کی حالت میں عبادت کر رہا ہو، آخرت کی پکڑ سے بچتے ہوئے اور امید رکھتا ہے اپنے رب کی مہربانی کی، کہئے کہ علم والے اور جہل والے (کہیں) برابر ہوسکتے ہیں، وہی لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں جو اہل عقل (سلیم) ہیں۔

شانِ نزول: اس آیت کے سبب نزول میں پانچ اقوال ہیں۔

۱-ابوبکر صدیقؓ کے بارے میں مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

(اسباب النزول ص:۲۱۰ بغوی ص:۷، ج:۵ رزادالمسیر ص:۱۶۶ ج:۷)

۲-عثمان بن عفانؓ کے بارے میں مذکورہ آیت کا نزول ہوا۔

(الدر المنثور ص:۳۲۳ ج:۵، زادالمسیر ص:۱۶۷، ج:۷)

۳: عمار بن یاسر کے بارے میں مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

(اسباب النزول ص:۲۱۰، الدر المنثور ص:۳۲۳ ج:۵، زادالمسیر ص:۱۶۷ ج:۷)

۴-ابن مسعودؓ اور حضرت عمار، صہیب اور ابوذر غفاریؓ کے بارے میں مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ (زادالمسیر ص:۱۶۷ ج:۷، الدر المنثور للسیوطی ص:۳۲۵ ج:۵)

**عن ابن عباس رضي الله عنه قال: نزلت هذه الآية في ابن مسعود، وعمار، وسالم مولى حذيفة رضي الله عنهم وذكر البغوى عن الكلبى بدون سند انها نزلت في ابن عباس وعمار وسلمان، وذكر الآلوسى عن المقاتل بدون سندان المراد بمن هو قانت: عمار وصهيب، وابن مسعود، وابوذر. روح المعاني ص: ۲۴۶ ج:۲۳**

۵- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مذکورہ آیت نازل ہوئی، **حكاه يحيى بن سلام ذكره الآلوسى عن يحى بن سلام بدون سند والآية عامة في كل من الصنف بماتقدم روح المعانى ص: ۲۴۶ / ج:۲۳۔**

**۱۴۳-وَ الَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَ اَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ۝١٧ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَ اُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝١٨**

**ترجمہ:** اور جولوگ شیطان کی عبادت سے بچتے ہیں اور اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں وہ خوشخبری سنائے جانے کے مستحق ہیں سو آپ میرے ان بندوں کو خوشخبری سنا دیجئے جو اس کلام کو کان لگا کر سنتے ہیں پھر اس کی اچھی باتوں پر (اور اللہ کے احکام سب اچھے ہیں جیسا کہ آگے آیت احسن الحدیث میں آتا ہے) چلتے ہیں یہی ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی ہے اور یہی ہیں جو اہل عقل ہیں۔

**شانِ نزول:** وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ یہ آیت زید بن عمرو بن نفیل، ابوذر غفاری اور سلمان فارسی رضوان اللہ عنہم کے بارے میں نازل ہوئی، زید بن نفیل زمانہ جاہلیت میں بھی شرک و بت پرستی سے نفرت کرتے تھے حضرت ابوذر غفاری اور سلمان فارسیؓ نے مختلف اہل مذاہب مشرکین، پھر یہود و نصاریٰ کی باتیں سنیں اور انکے طور و طریق دیکھنے کے بعد ایمان لائے اور قرآنی تعلیمات کو سب سے احسن پا کر ان کو ترجیح دی۔ (قرطبی)

(زادالمسیر ص: ۱۷۰ ج: ۷، طبری ص: ۲۰۷ ج: ۲۳، الدرالمنثور ص: ۳۲۴ ج: ۵، اسباب النزول ص: ۲۱۰)

**عن عبدالرحمن بن زيد بدون سند و كذالك ذكر ابن كثير سبب النزول هذا عن عبدالرحمن بن زيد بن اسلم بدون سند، ثم قال: والصحيح أنها شاملة لهم ولغيرهم ممن اجتنب عبادة الأوثان وأناب إلى عبادة الرحمن، فهولاء هم الذين لهم البشرى في الحياة الدنيا وفي الآخرة.** (ابن کثیر ص: ۴۴ ج: ۴)

۴۱۴- فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿۱۷﴾ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۸﴾

**ترجمہ:** سابق میں ذکر کیا جا چکا۔

**شانِ نزول:** حضرت ابو بکر صدیقؓ جب دامن اسلام میں داخل ہو گئے اور دل و جان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی تو اس کی خبر جب عثمان بن عفان، عبدالرحمن بن عوف، طلحہ، زبیر، سعد بن وقاصؓ اور سعید بن زیدؓ کو معلوم ہوئی تو یہ سبھی حضرات ابو بکر صدیقؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایمان سے متعلق سوالات کئے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ایمانیات کے مباحث اور ایمان کی حقیقت بتلائی۔ اس کے بعد تمام حضرات مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

(معالم التنزیل ص: ۹، ج: ۵، اسباب النزول ص: ۲۱۰)

۴۱۵- اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۲﴾

**ترجمہ:** سو جس شخص کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام (کے قبول کرنے) کے لئے کھول

دیا (یعنی اسلام کی حقیقت کا اس کو یقین ہو گیا) اور وہ اپنے پروردگار کے (عطا کئے ہوئے) نور (یعنی ہدایت کے مقتضاء) پر چل رہا ہے (یعنی یقین لا کر اس کے موافق عمل کرنے لگا) کیا وہ شخص اور اہل قساوت برابر ہیں۔ (جن کا ذکر آگے آتا ہے) سو جن لوگوں کے دل خدا کے ذکر سے (اس میں احکام و مواعید سب آ گئے) متاثر نہیں ہوتے (یعنی ایمان نہیں لاتے) یہی وہ لوگ ہیں جو صریح گمراہی میں ہیں۔

شانِ نزول: اس آیت کے سبب نزول میں پانچ اقوال ہیں:

۱- حضرت مجاہد نے بیان فرمایا کہ یہ آیت حضرت علیؓ اور حضرت حمزہؓ اور ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی۔

۲- مفسر سدی نے کہا ہے کہ حضرت عمارؓ اور ولید بن مغیرہؓ کے بارے میں اس آیت کا نزول ہوا ہے۔

۳- تیسرا قول اس بارے میں یہ ہے کہ مذکورہ آیت حضرت رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوجہل لعنۃ للعالمین کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (اسباب النزول ص:۲۱۱)

۴- حضرت ابوبکر صدیقؓ اور ابی بن خلف کے بارے میں مذکورہ آیت نازل ہوئی۔
(رواہ ضحاک عن ابن عباسؓ)

۵- حضرت علیؓ، حمزہؓ اور ابولہب اور اس کے لڑکے کے بارے میں مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ (زاد المسیر ص:۱۷۴ ج:۷، روح المعانی ص:۲۵۸ ج:۲۳)

**فائدہ:** اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ شرح کے لفظی معنی کھولنے پھیلانے اور وسیع کرنے کے ہیں۔ شرح صدر کے معنی وسعت قلب کے ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ قلب میں اس کی استعداد موجود ہو کہ وہ تکوینی آیات الٰہیہ آسمان و زمین اور خود اپنی پیدائش وغیرہ میں غور و فکر کے عبرت اور فوائد حاصل کرکے اسی طرح جو آیات الٰہیہ بصورت کتاب و احکام نازل کی جاتی ہیں ان میں غور کر کے استفادہ کر سکے۔ اس کے بالمقابل دل کی تنگی اور قساوت قلب ہے قرآن کریم میں ایک آیت **يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا** اور اس کی جگہ اگلی آیت میں **لقیاسة قلوبهم** اسی شرح صدر کے بالمقابل آیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ آیت

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ تلاوت فرمائی تو ہم نے آپ سے شرح صدر کا مطلب پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ جب نور ایمان انسان کے قلب میں داخل ہوتا ہے تو اس کا قلب وسیع ہوجاتا ہے۔(جس سے احکام الٰہیہ کا سمجھنا اور عمل کرنا اس کے لئے آسان ہوجاتا ہے) ہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ اس شرح صدر کی علامت کیا ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا:

**الانابة إلى دار الخلو دوالتجافي عن دار الغرور والتأهب للموت قبل نزوله.**

ہمیشہ رہنے والے گھر کی طرف راغب اور مائل ہونا اور دھوکے کے گھر یعنی دنیا (کی لذائذ اور زینت) سے دور رہنا اور موت کے آنے سے پہلے اس کی تیاری کرنا۔

آیت مذکورہ کو حرف استفہام اَفَمَنْ سے شروع کیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ایسے شخص کا دل اسلام کے لئے کھول دیا گیا ہو اور وہ اپنے رب کی طرف سے آئے ہوئے نور یعنی اس کی روشنی میں سب کام کرتا ہے، اور وہ آدمی تنگ دل اور سنگ دل اور سخت دل ہو کہیں ان اہل ایمان کے برابر ہوسکتے ہیں، جن کا دل اسلام کے لئے کھول دیا گیا ہو اس کے بالمقابل سخت دل کا ذکر اسی زیر بحث آیت میں عذاب ویل کے ساتھ کیا گیا ہے۔

"**ویل للقاسیة قلوبهم**" قاسیہ قساوت سے مشتق ہے جس کے معنی سخت دل ہونا جس کو کسی پر رحم نہ آوے اور جو اللہ کے ذکر اور اس کے احکام سے کوئی اثر قبول نہ کرے۔

(معارف القرآن ص:۵۵۱/۵۵۰ ج:۷)

۴۱۶- اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۲۳﴾

**ترجمہ:** اللہ تعالیٰ نے بڑا عمدہ کلام نازل فرمایا ہے جو ایسی کتاب ہے کہ باہم ملتی جلتی ہے۔ بار بار دہرائی گئی جس سے ان لوگوں کے جو کہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں بدن کانپ اٹھتے ہیں پھر ان کے بدن اور دل نرم ہوکر اللہ کے ذکر کی طرف متوجہ

ہوجاتے ہیں، یہ اللہ کی ہدایت ہے جس کو وہ چاہتا ہے اس کے لئے ذریعہ ہدایت کرتا ہے اور خدا جس کو گمراہ کرتا ہے اس کا کوئی ہادی نہیں۔

**شانِ نزول:** ایک مرتبہ حضرات صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر یہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے لئے کچھ اچھی اچھی باتیں بیان فرمائیں اور عالمی خبریں بھی۔ اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

(روح المعانی ص:۲۵۸ ج:۲۳، اسباب النزول ص:۲۱۱)

۴۱۷- قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۳﴾

**ترجمہ:** آپ (ان سوال کرنے والوں کے جواب میں میری طرف سے) کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو! جنہوں نے (کفر وشرک کرکے) اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں کہ تم خدا کی رحمت سے ناامید مت ہو (اور یہ خیال کرو کہ ایمان لانے کے بعد گذشتہ کفر وشرک پر مواخذہ ہوگا سو یہ بات نہیں بلکہ) بالیقین اللہ تعالیٰ (اسلام کی برکت سے) تمام (گذشتہ گناہوں کو (کفر وشرک ہی کیوں نہ ہوں) معاف فرمادے گا واقعی وہ بڑا بخشنے والا بڑی رحمت والا ہے۔

**شانِ نزول:** قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا سعید بن جبیرؓ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ کچھ لوگ ایسے تھے جنہوں نے ناحق قتل کئے اور بہت قتل کئے اور زنا کا ارتکاب کیا، اور بہت کیا انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ جس دین کی طرف آپ دعوت دیتے ہیں وہ ہے تو بہت اچھا لیکن فکر یہ ہے کہ جب ہم اتنے بڑے گناہوں کا ارتکاب کرچکے ہیں اب اگر مسلمان بھی ہوگئے تو کیا ہماری توبہ قبول ہوسکے گی؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت مذکورہ نازل فرمائی۔ (ذکرہ البخاری بمعناہ، قرطبی)

(اس لئے خلاصہ آیت کے مضمون کا یہ ہوا کہ مرنے سے پہلے پہلے ہر بڑے سے بڑا گناہ یہاں تک کہ کفر وشرک بھی اسلام لانے سے معاف ہوجاتے ہیں، اسلئے کسی کو اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا چاہئے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ یہ آیت گناہ گاروں کے لئے قرآن کی سب

آیتوں سے زیادہ امید افزا ہے مگر حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا کہ سب سے زیادہ رجاء وامید کی یہ آیت ہے اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ [1]

۲- مذکورہ آیت عیاش بن ربیعہ اور ولید بن ولید اسی طرح دوسرے بہت سے مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی تفصیل اس طرح ہے کہ جب مذکورہ حضرات اوران کے ساتھ اور دوسرے بہت سے حضرات اسلام سے شرف یاب ہوگئے تو اسلام لانے کے نتیجے میں انہیں بہت سارے حالات ناگفتہ بہ کا سامنا کرنا پڑا۔ اور بہت ساری آزمائشوں اور مصائب وآلام سے دور چار ہونا پڑا جس کی وجہ سے یہ حضرات مکمل طور پر اسلامی احکام پر عمل پیرا نہ ہو سکے اور اسلام پر قائم نہ رہ سکے اور ہجرت نہ کر سکے صحابہ کرام ان کے بارے میں یہ کہا کرتے تھے کہ ان کا کوئی عمل عند اللہ کبھی بھی قابل قبول نہیں ہوسکتا۔

اسی طرح ایک جماعت اسلام قبول کرنے کے بعد عذاب کی شدت کے باعث اسلام پر باقی نہ رہ سکی اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی، اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت عمرؓ نے عیاش بن ربیعہ اور ولید بن ولید کے پاس خط لکھا اور مذکورہ آیت میں جو امید افزا خبر دی گئی ہے اسے لکھا اور اس کے ساتھ ہی مذکورہ آیت کو بھی لکھا، پھر یہ حضرات دوبارہ اسلام کے دامن عفو میں آگئے اور ہجرت کر کے کامل مسلمان بن گئے۔

(طبری ص:۱۵ ج:۲۴، اسباب النزول ص:۲۱۱، زاد المسیر ج:۷، ص:۱۹۰)

۳- حضرت ابن عباس ؓ کا بیان ہے کہ مذکورہ آیت اہل مکہ کے بارے میں نازل ہوئی تفصیل اس طرح ہے کہ یہ حضرات کہا کرتے تھے کہ ہم اگر اسلام قبول کر بھی لیں تو اس کا کچھ حاصل نہیں۔ کیوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کہنا ہے کہ جس نے بتوں کی پرستش کی اور ناحق کسی جان کو قتل کیا تو اللہ اس کی کبھی مغفرت نہیں فرمائیں گے ایسی صورت میں ہمارا اسلام قبول کرنا لاحاصل اور ہجرت بے فائدہ ہے کیوں کہ ہم نے اللہ کے علاوہ بے شمار معبودوں اور بتوں

[1] معارف القرآن ص:۵۶۹ ج:۷، فتح الباری ص:۵۴۹ ج:۸، حدیث نمبر ۴۸۱۰، اسباب النزول ص: ۲۱۱، طبری ص:۱۴، ج:۲۴، الدرر ص:۷۷ ج:۵، زاد المسیر ص: ۱۹۰ ج:۷، زاد المسیر ص:۱۰۳ ج:۶، سورۃ الفرقان آیت نمبر ۶۷

کی پرستش کی ہے اور بے شمار جانوں کو ناحق قتل کیا ہے اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔
(اسباب النزول ص:۲۱۱ رطبری ص:۱۴ر، ج:۲۴۔ الدر المنثور ج:۵ ص:۳۳۱ زاد المسیر ص:۱۹۱ ج:۷)

۴-مذکورہ آیت وحشی کے بارے میں نازل ہوئی مکمل وضاحت سورۂ فرقان کی آیت وَ الَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللهِ اِلٰهًا اٰخَرَ (الی قولہ) وَ كَانَ اللهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا آیت نمبر ۶۷ تا ۸۰ر کے تحت آچکی ہے۔

اعلم: عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال: نزلت هذه الآية في عياش بن ربيعة التفصيل الباقي قدتقدم الآن. (روح المعانی ص:۱۵ ج:۲۳)

وقد صرح الآيات الواحدي في اسباب النزول ص: ۲۱۱، فقال! نزلت في الواقعات المذكورة "قل يا عبادى الذين اسرفوا (إلى قوله) اليس في جهنم مثوى للمتكبرين (۶۰-۵۳)

يعني نزلت في الواقعات المذكورة الآية ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، وقال محمد بن اسماعيل في البخاري في "باب" يا عبادى الذين اسرفوا على انفسهم لاتقنطوا من رحمة الله، إن الله يغفر الذنوب جميعا إنه هو الغفور الرحيم (فتح البارى ص: ۵۴۴ ج:۸) وهكذا في ابن كثير ص: ۵۲ ج:۴، وقد نقل ابن كثير عن البخاري ايضا في سبب نزول الآية المذكورة الواقعات المذكورة اعنى الآية الاولى قل يا عبادى الذين اسرفوا على انفسهم لا تقنطوا من رحمة الله، إن الله يغفر الذنوب جميعا إنه هو الغفور الرحيم. فقط و لايزيد عليها.

مع أنه الآلوسى و الواحدى يزيد عليها الآية ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰/من سورة الزمر، كما بينته اولا فوقع التعارض بين قول الآلوسى والواحدى وبين قول ابن كثير و البخاري. كما لا يخفى على الناظر.

---

[1] زاد المسير ص:۱۰۴ ج:۶، فرقان) الدر المنثور ص:۳۳۰ ج:۵/زاد المسير ص:۱۹۰ ج:۷/ اسباب النزول ص: ۲۱۲ وكذا فى ابن كثير على حسب السابق ص:۵۲ ج:۴، وايضا فى معالم التنزيل ص:۲۲، ۲۱ ج:۵ روح المعانى ص:۱۵، ۱۴ ج:۲۳

فعند الراقم العبد الضعيف اخلاق الرحمن القاسمی فقول البخاري وابن کثیر راجح في هذا الباب لان روایۃ ابن عباس مؤید لهما.

والثاني: المقصود في هذه الآیۃ (قل یا عبادی الذین اسرفوا - إلی قوله) انه هو الغفور الرحیم فقط والآیات الباقیات فیهم تفصیل وتوضیح للمقصود.

وصورۃ التطبیق: ان الواحدی والالوسی استدلا بقولهما روایۃ عمر رضی اللہ عنہ.

عن عمر: قوم عرفوا الله ورسوله ثم رجعوا عن ذالک لبلاء اصابهم من الدنیا فانزل الله (قل یا عبادی الذین اسرفوا (إلی قوله) الیس في جهنم مثوی المتکبرین، اسباب النزول ص: ۲۱۱، والروح المعاني ص: ۱۵، ج: ۲۴،

فبین کل واحد منهما اعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ بحسب علمهما، والثاني: عمر رضی اللہ عنہ: قال ما قال نظرا إلی المقصود والتفصیل والتوضیح ونظر ابن عباس رضی الله عنهما إلی المقصود فلذا نقول فلا تعارض بین الروایتین.

۴۱۸- وَ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَ الْاَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَ السَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌۢ بِیَمِیْنِهٖ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۶۷﴾

**ترجمہ:** ان لوگوں نے خدا تعالیٰ کی عظمت وقدر نہ پہچانی جیسا کہ پہچاننی چاہئے تھی، حالانکہ ساری زمین اسی کی مٹھی میں ہوگی قیامت کے دن، اور تمام آسمان لپٹے ہوئے ہوں گے اس کے داہنے ہاتھ میں، وہ پاک اور برتر ہے ان کے شرک سے۔

شانِ نزول: ایک مرتبہ اہل کتاب کا ایک آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اورعرض کیا کہ اے ابوالقاسم آپ تک یہ بات پہنچی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ (قیامت کے دن) اپنی تمام مخلوق کو ایک انگلی پر اور تمام زمین کی جملہ باطنی چیزوں کو ایک انگلی پر اٹھالے گا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس یہودی کی اس بات سے ہنس پڑے یہاں تک کہ آپ کے نواجذ دکھائی دینے لگے، اس وقت مذکورہ آیت اتری، نواجذ ناجذ کی جمع ہے ڈاڑھ **ضحک حتی بدت نواجذہ** یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھل کھلا کر ہنس پڑے (آنے والا

شخص یہود کا عالم شخص تھا۔) (فتح الباری ص:۵۵۰ ج:۸) [۱]

فائدہ: قیامت کے روز زمین کا اللہ تعالیٰ کی مٹھی میں ہونا، اور آسمانوں کا لپیٹ کر اس کے ہاتھوں میں ہونا اسلاف متقدمین کے نزدیک اپنے حقیقی معنوں میں ہے۔ مگر مضمون آیت متشابہات میں سے ہے جس کی حقیقت بجز خدائے تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں عام لوگوں کو اس کی حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کرنا بھی ممنوع ہے۔ بس اس پر ایمان لانا ہے کہ جو کچھ اس سے اللہ تعالیٰ کی مراد ہے وہ حق اور صحیح ہے، اور چونکہ اس آیت کے ظاہری الفاظ سے اللہ تعالیٰ کے لئے مٹھی اور داہنے ہاتھ کا ہونا معلوم ہوتا ہے جو اعضاء وجوارح جسمانی ہیں اور اللہ تعالیٰ جسمانیات سے پاک ہیں اس کی طرف آیت کے خاتمہ میں اشارہ کر دیا کہ ان الفاظ کو اپنے اعضاء پر قیاس مت کرو اللہ تعالیٰ ان سے پاک ہے۔ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۷﴾

اور علماء متاخرین نے اس آیت کو ایک تمثیل ومجاز قرار دے کر یہ معنی کئے کہ کسی چیز کا مٹھی میں ہونا اور داہنے ہاتھ میں ہونا کنایہ ہوتا ہے اس پر پوری طرح قبضہ وقدرت سے یہاں مکمل قبضہ وقدرت ہی مراد ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

(معارف القرآن ص:۵۷۳ ج:۷)

---

[۱] زاد المسیر:۱۹۵ ج:۷/للجوزی اسباب النزول ص:۲۱۲، فتح الباری ص:۵۵۰ ج:۸/حدیث نمبر ۴۸۱۱/الحدیث نمبر ۴۸۱۱، اطرافہ فی :۷۰۱۳-۷۴۵۱-۷۴۱۵-۷۴۱۴ نواجذ معناہ انیاب ناب کی جمع ہے اس کے معنی ہیں کچلی کے دانت فتح الباری ص:۵۵۱ ج:۸/معالم التنزیل ص:۲۵ ج:۵/روح المعانی ص:۲۶ ج:۲۴/ابن کثیر ص:۵۶ ج:۴

# سورة حم السجدة

سات سورتیں جو حٰمٓ سے شروع ہوئی ہیں جن کو آل حم یا حوامیم کہا جاتا ہے باہم امتیاز کے لئے ان کے ساتھ نام میں کچھ اور الفاظ شامل کئے جاتے ہیں۔ مثلاً سورہ مومن کے حٰمٓ کو حٰمٓ الْمُؤْمِنُوْن اور اس سورت کے حٰمٓ کو حٰمٓ السجدۃ یا حٰمٓ فُصِّلَتْ بھی کہا جاتا ہے۔ اس سورت کے یہ دونوں نام معروف ہیں حٰمٓ فُصِّلَتْ اور حٰمٓ السجدۃ (معارف القرآن ص:۶۲۶ ج:۷)

اور اس سورت کو سجدہ مومن اور مصابیح بھی کہا جاتا ہے۔ (زادالمسیر ص:۲۴۰ ج:۷)

اس سورت کے پہلے مخاطب قریش عرب ہیں جن کے سامنے یہ قرآن نازل ہوا۔ اور ان کی زبان میں نازل ہوا۔ انہوں نے قرآن کے اعجاز کا مشاہدہ کیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بے شمار معجزات دیکھے اس کے باوجود قرآن سے اعراض کیا اور سمجھنا کیا سننا بھی گوارا نہ کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مشفقانہ نصیحتوں کے جواب میں بالآخر یہ کہہ بیٹھے کہ آپ کی باتیں نہ ہماری سمجھ میں آتی ہیں، نہ ہمارے دل ان کو قبول کرتے ہیں نہ ہمارے کان ان کو سننے کے لئے آمادہ ہیں ہمارے اور آپ کے درمیان تو دوہرے پردے حائل ہیں بس آپ اپنا کام کریں اور ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دیں۔ (معارف القرآن ص:۶۲۶ ج:۷)

۴۱۸- وَ مَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَ لَاۤ اَبْصَارُكُمْ وَ لَا جُلُوْدُكُمْ وَ لٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝۲۲ وَ ذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۲۳

**ترجمہ:** تم (دنیا میں) اس بات سے تو اپنے کو (کسی طرح) چھپا (اور بچا) ہی نہ

سکتے تھے کہ تمہارے کان اور آنکھیں اور کھالیں تمہارے خلاف میں گواہی دیں (کیوں کہ حق تعالیٰ کی قدرت مطلقہ اور علم محیط واقع میں ثابت ہے جس کا مقتضاء یہ تھا کہ برے اعمال سے بچتے (لیکن تم (اس سے نہ بچے) اس گمان میں رہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے بہت سے اعمال کی خبر بھی نہیں اور تمہارے اسی گمان نے جو تم نے اپنے رب کے ساتھ کیا تھا تم کو برباد کیا (کیوں کہ اس گمان سے اعمال کفریہ کے مرتکب ہوئے اور وہ موجب بربادی ہوئے)

**شانِ نزول:** حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بیان فرمایا کہ میں ایک مرتبہ خانہ کعبہ کے پردہ سے چپکا ہوا تھا اور اللہ سے مناجات میں محو تھا کہ اسی اثناء میں تین نفر آئے، جن میں ایک قریشی تھا اور دو اس کے داماد تھے جو قبیلہ ثقیف سے تعلق رکھتے تھے یا ایک ثقفی تھا دو اس کے داماد تھے جو قریشی تھے یہ سب سے عظیم الجثہ اور لحیم شحیم تھے لیکن ان کے قلوب روشن نہ تھے اور سمجھداری کے اعتبار سے اچھے نہ تھے۔

یہ لوگ خالی جگہ میں جاکر سرگوشی کرنے لگے اور چپکے چپکے باتیں کرنے لگے اثنائے گفتگو ان میں سے ایک نے کہا کہ تم مجھے یہ بتاؤ کہ ہم لوگ آپس میں جو باتیں کر رہے ہیں کیا اسے اللہ سنتا ہے، ان میں سے ایک نے کہا کہ جو باتیں ہم بلند آواز سے کرتے ہیں اسے تو اللہ سنتا ہے اور جو باتیں آہستہ کرتے ہیں اسے نہیں سنتے ہیں۔ دوسرے نے کہا نہیں یہ بات نہیں بلکہ جب وہ ہماری بعض باتیں سنتا ہے تو ہماری ساری باتیں سنتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اس ماجرے کا تذکرہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں کیا، اس وقت مذکورہ آیت خَاسِرُوْن تک نازل ہوئی۔ [1]

۴۱۹- اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۰﴾ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَ لَكُمْ

[1] فتح الباری ص:۵۶۲ ج:۸/زاد المسیر ص:۵۵۱، ۵۵۰ ج:۷/اسباب النزول ص:۲۱۳/ابن کثیر ص:۸۶ ج:۴/معالم التنزیل ص:۲۳ ج:۵/روح المعانی ص:۱۱۷ ج:۲۴ طبری ص:۱۰۹ ج:۲۴/الدر المنثور ص:۳۶۲ ج:۵

فِيهَا مَا تَشْتَهِيٓ اَنْفُسُكُمْ وَ لَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُوْنَ ﴿۳۱﴾ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ﴿۳۲﴾

**ترجمہ:** جن لوگوں نے (دل سے) اقرار کرلیا ہمارا رب (حقیقی صرف) اللہ ہے (مطلب یہ ہے کہ شرک چھوڑ کر توحید اختیار کرلی) پھر (اس پر) مستقیم رہے (یعنی اسکو چھوڑا نہیں) ان پر (اللہ کی طرف سے رحمت وبشارت کے) فرشتے اتریں گے (اور موت کے وقت پھر قبر میں پھر قیامت میں جیسا کہ در منثور میں حضرت زید بن اسلم کی روایت سے ثابت ہے اور کہیں گے) کہ تم نہ (احوال آخرت سے) اندیشہ کرو اور نہ (دنیا کے چھوڑنے پر) رنج کرو (کیوں کہ آگے تمہارے لئے اس کانعم البدل اور امن وعافیت ہے (اور تم جنت کے ملنے) پرخوش رہو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا ہم تمہارے رفیق تھے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی رہیں گے اور تمہارے لئے اس (جنت) میں جس چیز کو تمہارا جی چاہے گا موجود ہے اور نیز تمہارے لئے اس میں جو مانگو گے موجود ہے (یعنی جو کچھ زبان سے مانگو گے وہ تو ملے ہی گا۔ بلکہ مانگنے کی بھی ضرورت نہ ہوگی جس چیز کو تمہارا دل چاہے گا موجود ہوجائے گی) یہ بطور مہمانی کے ہوگا غفور رحیم کی طرف سے۔

**شانِ نزول:** مذکورہ آیات حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بارے میں نازل ہوئیں تفصیل اس کی یہ ہے کہ مشرکین نے ایک مرتبہ یہ کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور ملائکہ خدا کی بیٹیاں ہیں اور اللہ کے یہاں یہ ہماری سفارشی ہوں گی، اسی طرح یہود نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے نبی نہیں ہیں گویا راہ راست سے بھٹک گئے اور صراط مستقیم پر قائم نہ رہ سکے۔ حضرت ابوبکر جو وہیں پر تھے ان کے جواب میں فرمایا کہ اللہ ہمارا رب ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور اسی پر قائم رہے اس وقت مذکورہ آیات نازل ہوئیں۔

(اسباب النزول ص: ۲۱۳، زاد المسیر ص: ۲۵۴ ج: ۷، الدر المنثور ص: ۳۶۳ ج: ۵)

**فائدہ:** اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا (اِلی آخر الآیات) یعنی جن

لوگوں نے سچے دل سے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب یقین کرلیا اوراس کا اقرار بھی کرلیا تو یہ تو اصل ایمان ہوا۔ آگے اس پر مستقیم بھی رہے یہ عمل صالح ہوا۔ اسطرح ایمان اور عمل صالح کے جامع ہوگئے لفظ استقامت کا جو مفہوم خلاصہ تفسیر میں بیان ہوا ہے کہ ایمان وتوحید پر قائم رہے اس کو چھوڑا نہیں یہ تفسیر حضرت صدیق اکبرؓ سے منقول ہے اور تقریباً یہی مضمون حضرت عثمان غنی سے منقول ہے، انہوں نے استقامت کی تفسیر اخلاص عمل سے فرمائی ہے اور حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ:

**الاستقامة ان تستقيم على الامر والنهي ولا تروغ روغان الثعالب.** (مظہری)

استقامت یہ ہے کہ تم اللہ کے احکام اور امر اور نواہی پر سیدھے جمے رہو، اس سے ادھر ادھر راہ فرار لومڑیوں کی طرح نہ نکالو۔

اس لئے علماء نے فرمایا کہ استقامت کا لفظ تو مختصر ہے مگر تمام شرائع اسلامیہ کو جامع ہے جس میں تمام احکام الٰہیہ پر عمل اور تمام محرمات ومکروہات سے اجتناب دائمی طور پر شامل ہے تفسیر کشاف میں ہے کہ انسان کا ربنا اللہ کہنا بھی جب ہی صحیح ہوسکتا ہے جب کہ وہ دل سے یقین کرے کہ میں ہر حال اور ہر قدم میں اللہ تعالیٰ کے زیر تربیت ہوں مجھے ایک سانس بھی اس کی رحمت کے بغیر نہیں آسکتی اوراس کا تقاضہ یہ ہے کہ انسان طریق عبادت پر ایسا مضبوط ومستقیم رہے کہ اس کا قلب اور قالب دونوں اس کی عبودیت سے سرمو انحراف نہ کریں۔

اسلئے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی نے یہ سوال کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے اسلام کی ایک جامع بات بتلادیجئے جس کے بعد مجھے کسی اور سے کچھ نہ پوچھنا پڑے تو آپ نے فرمایا، **قل امنت بالله ثم استقم** (رواہ مسلم) یعنی تم اللہ پر ایمان لانے کا اقرار کرو پھر اس پر مستقیم رہو، مستقیم رہنے کی ظاہری مراد یہ ہے کہ ایمان پر بھی مضبوطی سے جمے رہو اور اس کے اقتضاء کے مطابق اعمال صالح پر بھی۔

اسی لئے حضرت علیؓ اور ابن عباسؓ نے استقامت کی تعریف ادائے فرائض سے فرمائی اور حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا، استقامت یہ ہے کہ تمام اعمال میں اللہ کی اطاعت کرو اور اس کی معصیت سے اجتناب کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ استقامت کی جامع

تعریف وہی ہے جو اوپر حضرت فاروق اعظمؓ سے نقل کی گئی ہے، اور حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عثمان غنیؓ کی تعریف اسی کی طرف راجع ہے جس میں اعمال صالحہ کے ساتھ اخلاص عمل کی تاکید ہے۔ (تفسیر مظہری) جصاص نے بھی مذکورہ آیت کو ابوالعالیہ سے نقل کر کے اختیار کیا ہے اور ابن جریر نے بھی۔

**تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ**: فرشتوں کا نزول اور وہ خطاب جو اس آیت میں آیا ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ موت کے وقت ہوگا اور وکیع جراح نے فرمایا کہ تین وقتوں میں ہوگا، اول موت کے وقت پھر قبروں کے اندر پھر محشر میں قبروں سے اٹھنے کے وقت اور ابوحیان نے بحر محیط میں فرمایا ہے کہ میں تو کہتا ہوں کہ مومنین پر فرشتوں کا نزول ہر روز ہوتا ہے، جس کے آثار و برکات ان کے اعمال میں پائے جاتے ہیں۔ البتہ مشاہدہ اور انکے کلام کا سننا یہ انہیں مواقع میں ہوگا۔

اور ابونعیم نے حضرت ثابت بنانیؒ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے **حٰمٓ السجدۃ** کی تلاوت فرمائی یہاں تک کہ آیت **تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ** پر پہنچے تو فرمایا کہ ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ مومن جس وقت اپنی قبر سے اٹھے گا تو دو فرشتے جو دنیا میں اسی کے ساتھ رہا کرتے تھے وہ ملیں گے اور اس کو کہیں گے کہ تم خوف و غم نہ کرو بلکہ جنت کی بشارت سنو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا ان کا کلام سن کر مومن کو اطمینان ہو جائے گا۔

(مظہری معارف القرآن ص: ۶۵۰، ۶۵۱ ج: ۷ روح المعانی وغیرہ)

**۴۲۰- اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ۭ اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْٓ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۴۰**

**ترجمہ**: بلاشبہ جو لوگ ہماری آیتوں میں کجروی کرتے ہیں (یعنی یہ کہ ہماری آیتوں کا تقاضہ ان پر ایمان لانے پھر ان پر استقامت رکھنے کا ہے۔ اس کو چھوڑ کر ان کی تکذیب کرتے ہیں) (کمافی الدرالمنشور عن قتادہ) وہ لوگ ہم پر مخفی نہیں (ان کو ہم جہنم کا عذاب دیں گے) سو بھلا جو جہنم میں ڈالا جائے (جیسے کافر) وہ اچھا ہے

یا وہ شخص جو قیامت کے روز امن وایمان کے ساتھ (جنت میں) آئے (آگے ان کو ڈرانے کے لئے ارشاد ہے کہ) جو جی چاہے (خوب) کرلو وہ تمہارا سب کچھ کیا ہوا دیکھ رہا ہے۔

**شانِ نزول:** مذکورہ آیت ابو جہل کے بارے میں نازل ہوئی۔

(معالم التنزیل ص:۶۹ ج:۵ زاد المسیر ص:۲۶۱ ج:۷)

لحد اور الحاد کے لغوی معنی ایک طرف مائل ہونے کے ہیں، قبر کی لحد کو بھی اسی لئے لحد کہتے ہیں کہ وہ ایک طرف مائل ہوتی ہے۔ قرآن وحدیث کی اصطلاح میں آیات قرآنی سے عدول وانحراف کو الحاد کہتے ہیں۔ لغوی معنی کے اعتبار سے تو یہ عام ہے صراحۃً انکار وانحراف کرے یا تاویلات فاسدہ کے بہانہ سے انحراف کرے۔ لیکن عام طور سے الحاد ایسے انحراف کو کہتے ہیں کہ ظاہر میں تو قرآن اور اس کی آیات پر ایمان وتصدیق کا دعویٰ کرے مگر ان کے معانی اپنی طرف سے ایسے گھڑے جو قرآن وسنت کی نصوص اور جمہور امت کے خلاف ہوں۔ اور جس سے قرآن کا مقصد ہی الٹ جائے۔ حضرت ابن عباسؓ سے اس آیت کی تفسیر میں الحاد کے معنی یہی منقول ہیں فرمایا۔

**الالحاد هو وضع الكلام على غير موضعه.**

یعنی کلام کو غیر محل میں رکھنا۔ (ابن کثیر ص:۹۱، ج۵)

آیت مذکورہ میں ارشاد باری تعالیٰ لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا بھی اس کا قرینہ ہے کہ الحاد کوئی ایسا کفر ہے جس کو یہ لوگ چھپانا چاہتے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ ہم سے اپنا کفر نہیں چھپا سکتے۔

اور آیت مذکورہ میں صراحۃً یہ بتلا دیا کہ آیات قرآنی سے انکار وانحراف صاف اور کھلے لفظوں میں ہو یا معانی میں تاویلات باطلہ کر کے قرآن کے احکام کو بدلنے کی فکر کرے یہ سب کفر وضلال ہے۔ (معارف القرآن ص:۶۵۹، ۶۵۸ ج:۷)

۴۲۱- اِلَیۡهِ یُرَدُّ عِلۡمُ السَّاعَةِ ؕ وَ مَا تَخۡرُجُ مِنۡ ثَمَرٰتٍ مِّنۡ اَکۡمَامِهَا
وَ مَا تَحۡمِلُ مِنۡ اُنۡثٰی وَ لَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلۡمِهٖ ؕ وَ یَوۡمَ یُنَادِیۡهِمۡ اَیۡنَ

شُرَكَآءِیْ ۙ قَالُوْۤا اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنْ شَهِیْدٍ ﴿۴۷﴾ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَدْعُوْنَ مِنْ قَبْلُ وَ ظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِیْصٍ ﴿۴۸﴾

**ترجمہ:** قیامت کے علم کا حوالہ خدا ہی کی طرف دیا جا سکتا ہے (یعنی اس سوال کے جواب میں کہ قیامت کب آوے گی جیسا کہ کفار بغرض انکار ایسا کہا کرتے تھے یہی کہا جاوے گا کہ اس کا علم خدا ہی کو ہے، مخلوق کو اس کا علم نہ ہونے سے اس کا عدم وقوع لازم نہیں آیا) اور (قیامت ہی کی کیا تخصیص ہے اس کا علم ہر شئے کو محیط ہے حتی کہ) کوئی پھل اپنے خول میں سے نہیں نکلتا اور نہ کسی عورت کو حمل رہتا ہے اور نہ وہ بچہ جنتی ہے مگر یہ سب اس کی اطلاع سے ہوتا ہے۔ (اور اس اطلاع کی وجہ اس کی صفت علم کا ذاتی ہونا ہے جو بوجہ اعلیٰ درجہ کے کمال ہونے کی دلیل توحید بھی ہے، اور دلیل علم قیامت کی بھی ہے پس اس سے دونوں مضمونوں کی تائید ہوگئی اور (آگے اس قیامت کے ایک واقعہ کا ذکر ہے جس سے اثبات توحید وابطال شرک بھی ہوتا ہے یعنی) جس روز اللہ تعالیٰ ان مشرکین کو پکارے گا (اور کہے گا) کہ (جن کو تم نے میرا شریک قرار دے رکھا تھا وہ) میرے شریک (اب) کہاں ہیں (انکو بلاؤ کہ تم کو اس مصیبت سے بچاویں وہ کہیں گے کہ (اب تو) ہم آپ سے یہی عرض کرتے ہیں کہ ہم میں کوئی (اس عقیدہ کا) مدعی نہیں (یعنی اپنی غلطی کے معترف ہیں چونکہ وہاں حقائق عقائد منکشف ہوجاویں گے، پس یہ اقرار یا تو اضطراری ہے یا اس لئے کہ اس سے کچھ توقع نجات کی ہو) اور جن جن کی یہ لوگ پہلے سے (یعنی دنیا میں) پوجا کرتے تھے وہ سب غائب ہوجاویں گے اور (جب یہ احوال دیکھیں گے تو) یہ لوگ سمجھ لیں گے کہ ان کے لئے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں (اس وقت جھوٹے خداؤں کا بے بس ہونا اور الٰہ واحد کا حق ہونا معلوم ہوجاوے گا)

**شانِ نزول:** یہود نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ ہمیں قیامت کے بارے میں بتائیں کہ قیامت کب آئے گی اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی، سورۂ اعراف کی ۱۸۷ نمبر آیت میں اس کی تفصیلی وضاحت آچکی ہے۔

**زاد المسير ص: ۲۶۴ ج:۷، قال الشوكاني في تفسيره المشهور في**

"فتح القدير" وقد روى ان المشركين قالوا: يا محمد ان كنت نبيًا فخبرنا متى تقوم الساعة؟ فنزلت وقد تقدم في سورة "الاعراف" الخ ١٨٧، عند قوله تعالٰى: (يسئلونک عن الساعة ايان مرساها قل إنما علمها عند ربي لا يجليها لوقتها إلا هو)قولان في سبب نزولها: احدهما: ان قوما من اليهود قالوا: يا محمد أخبرنا متى الساعة؟فنزلت ، والثاني: أن قريش قالت: يا محمد بيننا وبينک قرابة فبين لنا الساعة؟فنزلت، وقد قال ابن جرير الطبرى هناک والصواب من القوال في ذالک أن يقال: أن قوماً سألوا رسول الله ﷺ عن الساعة، فأنزل الله هذه الآية، وجائز أن يكون كانوا من قريش، وجائز أن يكون كانوا من اليهود، ولا خبر بذالک عندنا يجوز قطع القول على أي ذالک كان.

(زادالمسیر ص:۲۶۴ج:۷)

❁❁❁

# سورۃ الشوریٰ (حٰمٓ عٓسٓقٓ)

یہ پوری سورت مکی ہے یہی قول مفسر عوفی اور اس کے علاوہ دوسرے مفسرین کا ہے۔ حضرت ابن عباس ؓ، حضرت حسن، حضرت عکرمہ، حضرت مجاہد، قتادہ اور جمہور مفسرین نے بھی یہی وضاحت کی ہے مگر ابن عباس ؓ اور قتادہ کی دوسری روایت اس سلسلہ میں یہ ہے کہ اس کی چار آیتیں مدنی ہیں۔ یعنی آیت نمبر ۲۳/ ۲۴/ ۲۵/ ۲۶/ اور حضرت مقاتل نے کہا کہ اس سورت میں پانچ آیات مدنی ہیں یعنی آیت نمبر ۲۳/ ۲۴/ ۳۹/ اور ۴۰/ ۴۱۔ (زاد المسیر ص: ۲۷۰ ج: ۷)

۴۲۲- ذٰلِكَ الَّذِيْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ قُلْ لَّآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ۭ وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۲۳﴾

**ترجمہ:** یہی ہے جس کی بشارت اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دے رہا ہے جو ایمان لائے اور اچھے عمل کئے آپ کہیے کہ میں تم سے اور کچھ مطلب نہیں چاہتا بجز رشتہ داری کی محبت کے اور جو شخص کوئی نیکی کرے گا ہم اس میں اور خوبی زیادہ کر دیں گے بے شک اللہ بڑا قدرداں ہے۔

**شان نزول:** اس آیت کے سبب نزول کے بارے میں تین اقوال ہیں۔

۱- مشرکین حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ میں طرح طرح کی ایذائیں اور تکلیفیں دیتے تھے جو کسی سے مخفی نہیں ہیں اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی، قُلْ لَّآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا (الیٰ آخرہ) پہلے ٹکڑے کا تعلق سبب نزول سے نہیں ہے۔

(رواہ الضحاک عن ابن عباس زاد المسیر ص: ۲۸۳ ج: ۷/ الدر المنثور ص: ٦ ج: ٦)

**أخرج ابن ابی حاتم، وابن مردوية من طريق الضحاک عن ابن عباس**

**رضی اللہ عنھما قال: نزلت هذه الآية بمكة، وكان المشركون يؤذون رسول اللہ ﷺ فأنزل اللہ تعالیٰ (قل) لهم يا محمد ﷺ (لا اسئلکم عليه) يعنی علی ما أدعوكم إليه (اجرًا) عوضًا من الدنيا (الا المودة في القربی) إلا الحفظ في قرابتي فيكم.** (زادالمسیر ص: ۲۸۳ ج:۷)

۲- رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے اس وقت آپ کا ہاتھ مال واسباب سے بالکل خالی تھا، کھانے وغیرہ کا مسئلہ حضرات انصار کے باہمی تعاون اور تناصر کے ذریعہ باری باری حل ہوتا تھا، ایک مرتبہ انصار نے کہا یہ شخص (یعنی محمد ﷺ) جس کے ذریعہ سے تمہیں ہدایت اور صراط مستقیم کی روشنی ملی ہے، یہ بے سروسامانی کی حالت میں ہے۔ لہٰذا ایسا کیوں نہ ہو کہ ہم سب باہم مل کر ان کے لئے اتنی مقدار میں مال جمع کریں جو ان کے لئے بھی آرام وراحت کا سبب بنے اور ہمارے لئے بھی اتنی مقدار مال نکالنے میں کوئی خسارہ کا سبب نہ بنے گی چنانچہ سب نے باہمی اتفاق سے بہت سارا مال اکھٹا کر کے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیا اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

(زادالمسیر ص: ۲۸۳ ج:۷، اسباب النزول ص: ۲۱۳ عن ابن عباس بدون سند)

۳- ایک مرتبہ مشرکین ایک جگہ جمع ہوئے اور ان میں سے بعض نے بعض سے کہا کہ تمہیں محمد ﷺ کے بارے میں کچھ خبر بھی ہے کہ وہ جو کچھ بھی بتلاتے ہیں اس کے اجر کے طلب گار اور اس کے عوض کے خواست گار ہیں اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ [1]

**فائدہ:** اس آیت کی تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا میرا اصل حق تم سب پر یہ ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں تم اس کا اعتراف کرو، اور اپنی صلاح وفلاح کے لئے میری اطاعت کرو، مگر میری نبوت ورسالت کو تم تسلیم نہیں کرتے تو نہ سہی مگر میرا ایک انسانی اور خاندانی حق بھی تو ہے جس کا تم انکار نہیں کر سکتے کہ تمہارے اکثر قبائل میں میری رشتہ داری اور قرابتیں ہیں، قرابت کے حقوق اور صلہ رحمی کی ضرورت سے تمہیں بھی انکار نہیں، تو

---

[1] زاد المسیر ص: ۲۸۳ ج:۷/اسباب النزول ص: ۲۱۳/فتح الباری شرح البخاری للحافظ عسقلانی ص: ۵۶۴ ج:۸/باب "إلا المودة فی القربی" حدیث نمبر ۴۸۱۸/بخاری شریف

میں تم سے اپنی اس خدمت کا جو تمہاری تعلیم وتبلیغ اور اصلاح اعمال واحوال کے لئے کرتا ہوں، کوئی معاوضہ تم سے نہیں مانگتا صرف اتنا چاہتا ہوں کہ رشتہ داری کے حقوق کا تو خیال کرو بات کا ماننا یا نہ ماننا تمہارے اختیار میں ہے مگر عداوت اور دشمنی سے تو کم از کم یہ نسبت وقرابت کا تعلق مانع ہونا چاہئے۔

اب یہ ظاہر بات ہے کہ رشتہ داری کے حقوق کی رعایت یہ خود ان کا اپنا فرض تھا، اس کو کسی خدمت تعلیمی تبلیغی کا معاوضہ نہیں کہا جاسکتا، آیت مذکورہ میں جو اس کو بلفظ استثناء ذکر فرمایا ہے تو یہ یا تو اصطلاحی الفاظ میں استثناء منقطع ہے جس میں مستثنٰی اس مجموعہ مستثنٰی منہ کی خبر نہیں ہوتا یا پھر اس کو مجازاً اور ادعاء معاوضہ قرار دیا گیا جس کا حاصل یہ ہے کہ میں تم سے صرف اتنی بات چاہتا ہوں جو اگرچہ حقیقتاً کوئی معاوضہ نہیں تم اس کو معاوضہ سمجھو تو یہ تمہاری اپنی غلطی ہے۔ اس کے نظائر عرب وعجم ہر زبان میں پائے جاتے ہیں۔ متنبی شاعر نے ایک قوم کی شجاعت بیان کرتے ہوئے کہا کہ ان میں کوئی عیب نہیں بجز اس کے کہ ان کی تلواروں میں کثرت حرب وضرب کی وجہ سے دندانے پڑ گئے ہیں، ظاہر ہے کہ شجاعت وبہادر کے لئے یہ کوئی عیب نہیں بلکہ بہتر ہے اس کا عربی شعر یہ ہے۔

**ولا عیب فیھم غیر ان سیوفھم**

**بھن غلول من تراع الکتائب**

ایک اردو شاعر نے اسی طرح کا مضمون اس طرح لکھا ہے۔

مجھ میں ایک عیب بڑا ہے کہ وفادار ہوں میں

اس نے وفاداری کے لفظ سے تعبیر کرکے اپنی بے گناہی کو بہت اونچا کرکے دکھلایا ہے خلاصہ یہ ہے کہ حقوق قرابت کی رعایت جو فی الواقع کوئی معاوضہ نہیں میں تم سے اس کے سوا کچھ نہیں چاہتا۔

آیت مذکورہ کی یہی تفسیر صحیحین میں حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے اور ائمہ تفسیر میں مجاہد، قتادہ اور بہت بڑی جماعت نے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے، یہی تمام انبیاء علیہم السلام کی آواز ہر دور میں رہی ہے کہ اپنی قوم کو کھول کر بتادیا کہ میں جو کچھ تمہاری بھلائی اور خیر

خواہی کے لئے کوشش کرتا ہوں، تم سے اس کا کوئی معاوضہ میں نہیں مانگتا۔ ہمارا معاوضہ صرف اللہ تعالیٰ دینے والا ہے، سید الانبیاء کی شان تو ان سب میں اعلیٰ وارفع ہے وہ کیسے قوم سے کوئی معاوضہ طلب کرتے؟

امام حدیث سعید بن منصور اور ابن سعد اور عبد بن حمید اور حاکم اور بیہقی نے امام شعبی سے یہ واقعہ نقل کیا ہے اور حاکم نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ شعبی کہتے ہیں کہ لوگوں نے ہم سے اس آیت کی تفسیر کے متعلق سوالات کئے تو ہم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو خط لکھ کر اس کی صحیح تفسیر دریافت کی آپ نے جواب میں لکھا کہ:

**ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کان وسط انسب في قریش بطن من بطونهم الا وقد ولدوه فقال اللہ تعالیٰ قل لا اسئلکم اجرًا علی ما ادعوکم علیه إلا المودة في القربی ودونی لقرابتي منکم وتحفظولي بها. (روح المعانی)**

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریش کے ایسے نسب سے تعلق رکھتے تھے کہ اس کے ہر ذیلی خاندان سے آپ کا رشتہ ولادت قائم تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ آپ مشرکین سے کہئے کہ اپنی دعوت پر میں تم سے کوئی معاوضہ بجز اس کے نہیں مانگتا کہ تم ہی سے قرابت داری کی مروت ومودت کا معاملہ کر کے بغیر کسی تکلیف کے اپنے درمیان رہنے دو اور میری حفاظت کرو۔ (معارف القرآن ص:۶۹۰-۶۸۹ ج:۷)

۴۲۳- وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۲۷﴾

**ترجمہ:** اور (اللہ کی صفت حکمت کے آثار میں سے یہ ہے کہ اس نے سب آدمیوں کو زیادہ مال نہیں دیا کیوں کہ) اگر اللہ تعالیٰ اپنے سب بندوں کے لئے (بحالات موجودہ جیسی ان کی طبیعتیں ہیں) روزی فراخ کر دیتا تو وہ دنیا میں (بالعموم) شرارت کرنے لگتے (کیوں کہ جب سارے انسان مالدار ہوتے اور کوئی کسی کا مطلق محتاج نہ ہوتا تو کوئی بھی کسی کو نہ دبتا) لیکن (یہ بھی نہیں کیا کہ بالکل ہی کسی کو کچھ نہ دیا بلکہ) جتنا رزق چاہتا ہے انداز (مناسب) سے (ہر ایک کے لئے

اتارتا ہے (کیوں کہ) وہ اپنے بندوں (کے مصالح) کو جاننے والا (اور ان کا حال) دیکھنے والا ہے۔

یہ آیت ان مومنین کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو کافروں کے مال ومتاع، دولت وثروت کو دیکھ کر تمنا کیا کرتے تھے کہ یہ وسعت فراخی ہمیں بھی مل جائے، امام بغوی نے خباب بن ارتؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ہم نے بنوقریظہ، بنوقینقاع، کے مال ودولت کو دیکھا تو ہمارے دلوں میں بھی مالداری کی تمنا پیدا ہوئی، اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت عمرو بن حریث ایک صحابی ہیں انہوں نے کہا ہے کہ اصحاب صفہ میں سے بعض حضرات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ خواہش ظاہر کی اللہ ہمیں مالدار بنادے اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔[1]

**فائدہ:** یہ بات بکثرت مشاہدہ میں آتی ہے کہ مسلمان اپنے کسی دنیوی مقصد کے لئے دعا کرتا ہے۔ لیکن وہ مقصد پورا نہیں ہوتا، اس اشکال کا جواب مذکورہ آیت میں دیا گیا ہے، اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کی ہر خواہش کا پورا ہونا بعض اوقات خود انسان کی انفرادی اور اجتماعی مصلحت کے خلاف ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر کسی وقت کسی انسان کی کوئی دعا بظاہر قبول نہ ہو تو اس کے پیچھے کائنات کی وہ عظیم مصلحتیں ہوتی ہیں جنہیں اس کے علیم وحکیم خالق کے سوا کوئی نہیں جانتا اگر دنیا کے ہر انسان کو ہر قسم کا رزق اور ہر قسم کی نعمتیں عطا کر دی جائیں تو دنیا کا یہ نظام حکمت کے ساتھ چل ہی نہیں سکتا۔ (تفسیر کبیر، معارف القرآن ص:۲۹۸ ج:۷)

۴۲۴-وَ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿۵۱﴾

**ترجمہ:** اور کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام فرماوے مگر یا تو الہام سے یا حجاب کے باہر سے یا کسی فرشتہ کو بھیج دے کہ وہ خدا کے حکم سے جو خدا کو منظور ہوتا ہے پیغام پہنچا دیتا ہے وہ بڑا عالی شان ہے بڑی حکمت والا ہے۔

---

[1] زادالمسیر ص:۲۸۷ ج:۷/الدر المنثور للسیوطی ص:۸ ج:۶/اسباب النزول ص:۲۱۳-۲۱۴/روح المعانی ج:۲۵/۲۵/معالم التنزیل ص:۸۴ ج:۵ للبغوی معارف القرآن ص:۶۸۹ ج:۷)

**شانِ نزول:** مذکورہ آیت یہود کے ایک معاندانہ مطالبہ کے جواب میں نازل ہوئی جیسا کہ بغوی اور قرطبی وغیرہ میں لکھا ہے کہ یہود نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ ہم آپ پر کیسے ایمان لے آئیں جب کہ نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدائے تعالیٰ کو دیکھتے ہیں اور نہ اس سے بالمشافہ کلام کرتے ہیں جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کرتے اور اللہ کو دیکھتے تھے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کہنا غلط ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کو دیکھا ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں بتلایا گیا ہے کہ کسی انسان کے لئے اللہ کے ساتھ بالمشافہ کلام کرنا اس دنیا میں ممکن نہیں خود حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی مشافہۃً کلام نہیں سنا بلکہ پس پردہ صرف آواز سنی۔ [1]

فائدہ: اس آیت میں یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ کسی بشر سے اللہ تعالیٰ کے کلام کرنے کی صرف تین صورتیں ہوسکتی ہیں ایک وحیاً یعنی کسی مضمون کو قلب میں ڈال دینا یہ جاگتے ہوئے بھی ہوسکتا ہے اور نیند میں بصورت خواب بھی جیسا کہ بہت سی احادیث میں منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **القی في روحي** یعنی یہ بات میرے دل میں القاء کی گئی ہے اور انبیا علیہم السلام کے خواب بھی وحی ہوتے ہیں۔ ان میں شیطانی تصرف نہیں ہوسکتا اس صورت میں عموماً الفاظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوتے صرف ایک مضمون قلب میں آتا ہے جس کو وہ اپنے الفاظ میں تعبیر کرتے ہیں۔

دوسری صورت میں وراء حجاب ہے یعنی جاگے ہوئے کوئی کلام پس پردہ سنے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر پیش آیا کہ اللہ تعالیٰ کا کلام سنا مگر زیارت نہیں ہوئی، اسی لئے زیارت کی درخواست کی رَبِّ اَرِنِیۡۤ اَنۡظُرۡ اِلَیۡکَ جس کا جواب نفی میں دیا گیا لَنۡ تَرٰىنِیۡ۔

اور جو حجاب دنیا میں انسان کو حق تعالیٰ کی زیارت سے مانع ہے، وہ کوئی ایسی چیز نہیں جو حق تعالیٰ کو چھپا سکے کیوں کہ اس کے نور محیط کو کوئی شئے چھپا نہیں سکتی۔ بلکہ انسان کی قوت بینائی کا ضعف ہی اس کے لئے زیارت حق کے درمیان حجاب ہوگا اسی لئے جنت میں جب

---

[1] اسباب النزول ص: ۲۱۴/معالم التنزیل ص: ۹۰ ج: ۵/زاد المسیر ص: ۲۹۷ ج: ۷/المقتطف ص: ۵۴۹ ج: ۴/تفسیرات احمدیہ ص: ۴۳۶، معارف القرآن ص: ۷۱۳ ج: ۷

کہ اس کی بینائی قوی کر دی جائے گی تو وہاں وہ جنتی حق تعالیٰ کی زیارت سے مشرف ہوگا جیسا کہ احادیث صحیحہ کی تصریح کے مطابق اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے۔

یہ قانون جو آیت مذکورہ میں ارشاد فرمایا ہے دنیا کے متعلق ہے کہ دنیا میں کوئی انسان اللہ تعالیٰ سے کلام مشافہۃً یعنی بے حجاب نہیں کر سکتا اور انسان کی تخصیص کلام میں اس لئے ہے کہ گفتگو انسان ہی کے متعلق تھی ورنہ ظاہر یہ ہے کہ فرشتوں سے بھی اللہ تعالیٰ کا کلام بالمشافہہ نہیں ہوتا۔ جیسا کہ ترمذی کی روایت میں جبرئیل علیہ السلام سے منقول ہے کہ میں بہت قریب ہو گیا تھا اور پھر بھی ستر ہزار حجاب رہ گئے تھے اور شب معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حق تعالیٰ سے بالمشافہہ کلام اگر ثابت ہو جائے جیسا کہ بعض علماء کا قول ہے تو وہ اس دنیا کے منافی نہیں کیوں کہ وہ کلام اس عالم میں نہیں ہوا تھا، عالم سموات میں ہوا تھا۔ واللہ اعلم

تیسری صورت اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا ہے یعنی جبرئیل وغیرہ کو اپنا کلام دے کر بھیجا جائے، اور وہ رسول کو پڑھ کر سنا دے اور یہی طریقہ عام رہا ہے۔ قرآن مجید پورا اسی طرح بواسطہ ملائکہ نازل ہوا ہے۔ مذکورہ تفصیل میں لفظ وحی کو صرف القاء فی القلب کے معنی میں لیا گیا ہے، مگر اکثر یہ لفظ تمام اقسام کلام ربانی کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ صحیح بخاری کی ایک طویل حدیث میں وحی کی اقسام میں بذریعہ فرشتہ کلام کو بھی شمار فرمایا ہے۔ اور اس میں یہ بھی تفصیل ہے کہ فرشتہ کے ذریعہ جو وحی آتی ہے اس کی بھی دو صورتیں ہیں۔ کبھی تو فرشتہ اپنی اصلی ہیئت میں ہوتا ہے اور کبھی بشکل انسانی سامنے آتا ہے۔ (واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم)

(معارف القرآن ص: ۱۷۴ ج: ۷)

# سورۃ الزخرف

یہ سورت مکی ہے، البتہ حضرت مقاتل کا قول ہے کہ آیت وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ الخ مدنی ہے، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ سورت معراج کے وقت آسمان پر نازل ہوئی۔

۴۲۴- وَ لَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ﴿۵۷﴾ وَ قَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ ؕ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ﴿۵۸﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَ جَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۵۹﴾ وَ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَ اِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَ اتَّبِعُوْنِ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۱﴾ وَ لَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۶۲﴾ وَ لَمَّا جَآءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَ لِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ﴿۶۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۴﴾ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿۶۵﴾

**ترجمہ:** اور جب ابن مریم کے متعلق ایک عجیب مضمون بیان کیا تو یکا یک آپ کی قوم کے لوگ اس سے چلانے لگے، اور کہنے لگے کہ ہمارے معبود زیادہ بہتر ہیں یا عیسیٰ؟ ان لوگوں نے جو یہ آپ سے بیان کیا ہے تو محض جھگڑنے کی غرض سے بلکہ یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو عیسیٰ تو محض ایک ایسے بندے ہیں جن پر ہم نے فضل کیا اور ان کو بنی اسرائیل کے لئے ہم نے ایک نمونہ بنایا تھا۔ اور اگر ہم چاہتے تو ہم تم سے

فرشتوں کو پیدا کر دیتے کہ وہ زمین پر یکے بعد دیگرے رہا کرتے اور وہ قیامت کے دن کا ذریعہ ہیں، تو تم لوگ اس میں شک مت کرو، اور تم لوگ میری اتباع کرو یہ سیدھا راستہ ہے اور تم کو شیطان روکنے نہ پاوے وہ بے شک تمہارا صریح دشمن ہے اور جب معجزے لے کر آئے تو انہوں نے کہا کہ میں تمہارے پاس سمجھ کی باتیں لے کر آیا ہوں اور تاکہ بعض باتیں جن میں تم اختلاف کر رہے ہو تم سے بیان کردوں تو تم لوگ اللہ سے ڈرو، اور میرا کہا مانو بے شک اللہ ہی میرا رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے سو اسی کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے سو مختلف گروہوں نے باہم اختلاف ڈال لیا سو ان ظالموں کے لئے ایک پُر درد دن کے عذاب سے بڑی خرابی ہے۔

**شانِ نزول: وَ لَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ** ﴿۵۷﴾ ان آیات کے شان نزول میں مفسرین نے تین روایتیں بیان فرمائی ہیں، ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبیلہ قریش کے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا، "**یا معشر قریش لا خیر فی احد یعبد من دون اللہ**" یعنی اے قریش کے لوگو! اللہ کے سوا جس کسی کی عبادت کی جاتی ہے اس میں کوئی خیر نہیں، اس پر مشرکین نے کہا کہ نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں لیکن آپ خود مانتے ہیں کہ وہ اللہ کے نیک بندے اور اس کے نبی تھے۔ ان کے اس اعتراض کے جواب میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ (قرطبی)

دوسری روایت یہ ہے کہ جب قرآن کریم کی یہ آیت **اِنَّكُمْ وَ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ** (بلاشبہ اے مشرکو! تم اور تم جن کی عبادت کرتے ہو وہ جہنم کا ایندھن بنیں گے۔ نازل ہوئی تو اس پر عبداللہ بن الزبعریٰ نے جو اس وقت کافر تھے یہ کہا کہ اس آیت کا تو میرے پاس بہترین جواب موجود ہے اور وہ یہ کہ نصاریٰ حضرت مسیح علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں اور یہود حضرت عزیز علیہ السلام کی، تو کیا یہ دونوں بھی جہنم کا ایندھن بنیں گے یہ بات سن کر قریش کے مشرکین بہت خوش ہوئے اس پر اللہ تعالیٰ نے ایک تو یہ آیت نازل فرمائی کہ **اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ** ﴿۱۰۱﴾ اور دوسرے سورہ زخرف کی مذکورہ بالا آیات۔ (ابن کثیرؒ وغیرہ)

تیسری روایت یہ ہے کہ ایک مرتبہ مشرکین مکہ نے یہ بیہودہ خیال ظاہر کیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدائی کا دعویٰ کرنا چاہتے ہیں ان کی مرضی یہ ہے کہ جس طرح نصاریٰ حضرت مسیح علیہ السلام کو پوجتے ہیں اسی طرح ہم بھی ان کی عبادت کیا کریں، اس پر مذکورہ بالا آیات نازل ہوئیں اور درحقیقت تینوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں کفار نے تینوں ہی باتیں کہی ہوں گی جن کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ایسی جامع آیات نازل فرمادیں جن سے ان کے تینوں اعتراضات کا جواب ہوگیا، اس آخری اعتراض کا جواب تو مذکورہ بالا آیات میں بالکل واضح ہے کہ جن لوگوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کی عبادت شروع کردی ہے انہوں نے نہ کسی خدائی حکم سے ایسا کیا ہے نہ خود حضرت مسیح علیہ السلام کی ایسی خواہش تھی اور نہ قرآن کی تائید کرتا ہے، انہیں تو حضرت عیسیٰؑ کے باپ کے بغیر پیدا ہونے سے مغالطہ لگا تھا اور قرآن اس مغالطہ کی تردید کرتا ہے پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (معاذ اللہ) عیسائیوں کی دیکھا دیکھی اپنی خدائی کا دعویٰ کر بیٹھیں۔

پہلی اور دوسری روایتوں میں کفار کے اعتراض کا حاصل تقریباً ایک ہی ہے، ان کا جواب مذکورہ آیات سے اس طرح نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا تھا کہ اللہ کے سوا جتنوں کو لوگوں نے معبود بنا رکھا ہے وہ جہنم کا ایندھن ہوں گے یا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو فرمایا تھا کہ ان میں خیر نہیں اس سے مراد وہ معبود تھے جو یا تو بے جان ہوں جیسے پتھر کے بت یا جاندار ہوں مگر خود اپنی عبادت کا حکم دیتے یا اسے پسند کرتے ہوں جیسے شیاطین، فرعون اور نمرود وغیرہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان میں کیسے داخل ہوسکتے ہیں جب کہ وہ کسی بھی مرحلہ پر اپنی عبادت کو پسند نہیں کرتے تھے نصاریٰ ان کی کسی ہدایت کی بناء پر ان کی عبادت نہیں کرتے بلکہ انہیں ہم نے اپنی قدرت کا نمونہ بنا کر بغیر باپ کے پیدا کیا تھا۔ تاکہ لوگوں پر یہ واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی تخلیق میں اسباب کے کسی واسطے کی ضرورت نہیں لیکن نصاریٰ نے اس کا غلط مطلب لے کر انہیں معبود بنا لیا حالانکہ ان کا یہ معبود بنانا عقلاً بھی غلط ہے اور خود حضرت عیسیٰ کی دعوت کے بھی بالکل خلاف تھا۔ کیوں کہ انہوں نے ہمیشہ توحید کی تعلیم دی تھی غرض حضرت عیسیٰؑ کا اپنی عبادت سے بیزار ہونا اس بات سے مانع ہے کہ انہیں

دوسرے باطل معبودوں کی صف میں شامل کیا جائے۔

اس سے کفار کا یہ اعتراض بھی ختم ہو گیا جس کا ذکر خلاصہ تفسیر میں آیا ہے کہ جن کو آپ خود خیر کہتے ہیں (یعنی حضرت عیسیٰؑ) ان کی بھی عبادت ہوئی ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ کی عبادت بری بات نہیں مذکورہ آیات میں اس کا جواب واضح ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی جو عبادت ہوئی وہ اللہ کی مرضی کے بھی خلاف تھی اور خود حضرت عیسیٰؑ کی دعوت کے بھی، لہٰذا اس سے مشرک کی صحت پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

**وَ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓىِٕكَةً فِی الْاَرْضِ یَخْلُفُوْنَ ۝۶۰** یہ نصاریٰ کے اس مغالطہ کا جواب ہے جس کی بناء پر انہوں نے حضرت عیسیٰ کو معبود قرار دیا تھا، انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بغیر باپ کے پیدا ہونے سے ان کی خدائی پر استدلال کیا تھا باری تعالیٰ ان کی تردید فرماتے ہیں کہ یہ تو محض ہماری قدرت کا ایک مظاہرہ تھا، اور ہم تو اس سے بھی بڑھ کر خلاف عادت کاموں پر قادر ہیں۔ بغیر باپ کے پیدا ہونا تو کوئی بہت زیادہ خلاف عادت نہیں، کیوں کہ حضرت آدم علیہ السلام تو بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے تھے اگر ہم چاہیں تو ایسا کام بھی کر سکتے ہیں، جس کی اب تک کوئی نظیر نہیں، اور وہ یہ ہے کہ انسانوں سے فرشتے پیدا کر دیں۔

**وَ اِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ** (اور بلاشبہ حضرت عیسیٰؑ قیامت کا یقین کرنے کے لئے ایک ذریعہ ہیں) اس کی دو تفسیریں بیان کی گئی ہیں۔

۱- حضرت عیسیٰؑ کا خلاف عادت بغیر باپ کے پیدا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ بغیر ظاہری اسباب کے بھی لوگوں کو پیدا کر سکتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ مردوں کو دوبارہ زندہ کر دینا اس کے لئے کچھ مشکل نہیں لیکن اکثر مفسرین نے اس آیت کا مطلب یہ بتایا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ آسمان سے نازل ہونا قیامت کی علامت ہے، چنانچہ آپ کا آخری زمانے میں دوبارہ تشریف لانا اور دجال کو قتل کرنا احادیث متواترہ سے ثابت ہے، اس مسئلہ کی کچھ تفصیل سورۂ آل عمران میں آیت **إِنِّي متوفيك ورافعك إِلَيَّ** میں آچکی ہے وہاں دیکھ لی جائے۔

وَ لِاُبَیِّنَ لَکُمۡ بَعۡضَ الَّذِیۡ تَخۡتَلِفُوۡنَ فِیۡہِ ۚ (اور تا کہ میں بیان کروں تم سے بعض وہ باتیں جن میں تم اختلاف کرتے ہو) چونکہ بنی اسرائیل میں عناد اور ہٹ دھرمی کا غلبہ تھا، اسلئے انہوں نے بعض احکام شرعیہ میں تحریف کر ڈالی تھی، حضرت عیسیٰؑ نے اس کی حقیقت واضح فرمادی اور بعض باتیں اس لئے فرمائیں کہ بعض امور خالص دنیوی تھے، حضرت عیسیٰؑ نے ان میں اختلاف رفع کرنے کی ضرورت نہ سمجھی ہوگی۔ [۱]

۴۲۶- اَلۡاَخِلَّآءُ یَوۡمَئِذٍۭ بَعۡضُہُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۶۷﴾

**ترجمہ:** تمام (دنیا کے دوست) اس روز ایک دوسرے کے دشمن ہوجاویں گے بجز خدا سے ڈرنے والوں (یعنی اہل ایمان) کے۔

**شانِ نزول:** یہ آیت امیہ بن خلف اور عقبہ بن ابی معیط کے بارے میں نازل ہوئی کہ یہ دونوں آپس میں دوست تھے، علامہ جوزی کی زاد المسیر میں اسی طرح کی روایت ملتی ہے، یہ دونوں اپنے تئیں یہ گمان رکھتے تھے کہ جس طرح ہم دنیا میں ایک دوسرے کے دوست ہونے کے سبب باہم تعاون وتناصر کرتے رہتے ہیں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گمان کے مطابق اگر ہمیں دوبارہ زندہ بھی کیا جائے اور حساب وکتاب بھی سامنے ہو تو وہاں بھی ہماری یہ دوستی ہمارے آپسی تعاون میں معین ومددگار ثابت ہوگی۔ اس قت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ (زادالمسیر ص:۳۲۷ ج:۷/روح المعانی ص:۹۷ ج:۲۵ [۲])

ابن کثیر اور علامہ بغوی وغیرہ نے اس آیت کے تحت مندرجہ ذیل تفصیلات لکھی ہیں وہ اس طرح ہیں کہ اَلۡاَخِلَّآءُ یَوۡمَئِذٍۭ بَعۡضُہُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۶۷﴾ (تمام دوست اس روز ایک دوسرے کے دشمن ہوجائیں گے بجز خدا سے ڈرنے والوں کے) اس آیت نے یہ

---

[۱] بیان القرآن /معارف القرآن ص:۷۴۷،۷۴۶،۷۴۵ ج:۷/اسباب النزول ص:۲۱۴/التفسیر الکبیر ص:۳۲۱ ج:۲۷/روح المعانی ص:۹۲ ج:۲۵، المقتطف ص:۵۲۹ ج:۴/معالم التنزیل ص:۱۰۵،۱۰۴ ج:۵/ابن کثیر ص:۱۱۸ ج:۴ تفسیرات احمدیہ ص:۴۳۶/زاد المسیر ص: ۳۲۴،۳۲۳

[۲] روح المعانی میں ابی ابن خلف اور عقبہ بن ابی معیط کا تذکرہ ہے کہ ان دونوں کے بارے میں نازل ہوئی تو دونوں میں کوئی تعارض نہیں ممکن ہے کہ عقبہ کی دوستی دونوں سے ہو۔

بات کھول کر بتادی کہ یہ دوستانہ تعلقات جن پر انسان دنیا میں ناز کرتا ہے اور جن کی خاطر حلال وحرام ایک کرڈالتا ہے قیامت کے روز صرف یہ کہ کچھ کام نہ آئیں گے بلکہ عداوت میں تبدیل ہوجائیں گے۔

دو دوست مومن تھے اور دو کافر، مومن دوستوں میں سے ایک کا انتقال ہوا اور اسے جنت کی خوشخبری سنائی گئی تو اسے اپنا دوست یاد آیا، اس نے دعا کی کہ یا اللہ میرا فلاں دوست مجھے آپ کی اور آپ کے رسول کی اطاعت کی تاکید کرتا، بھلائی کا حکم دیتا اور برائی سے روکتا تھا اور یہ یاد دلاتا رہتا تھا کہ مجھے ایک دن آپ کے پاس حاضر ہونا ہے لہٰذا اس کو میرے بعد گمراہ نہ کیجئے گا تاکہ وہ بھی وہ مناظر دیکھ سکے جو آپ نے مجھے دکھائے ہیں اور آپ مجھ سے جس طرح راضی ہوئے ہیں اسی طرح اس سے بھی راضی ہوجائیں اس دعا کے جواب میں اس سے کہا جائے گا کہ جاؤ اگر تمہیں معلوم ہوجائے کہ میں نے تمہارے اس دوست کے لئے کیا اجر وثواب رکھا ہے تو تم روؤ کم اور ہنسو زیادہ اس کے بعد جب دوسرے دوست کی وفات ہوچکے گی تو دونوں کی روحیں جمع ہوں گی باری تعالیٰ ان سے فرمائے گا کہ تم میں سے ہر شخص ایک دوسرے کی تعریف کرے تو ان میں سے ہر ایک دوسرے کے بارے میں یہ کہے گا کہ وہ بہترین بھائی ہے اور بہترین ساتھی ہے اور اس کے برخلاف جب دو کافر دوستوں میں سے ایک کا انتقال ہوگا اور اسے بتایا جائے گا اس کو جہنم میں ڈالا جائے گا تو اسے بھی اپنا دوست یاد آئے گا اس وقت وہ یہ دعا کرے گا کہ یا اللہ میرا فلاں دوست تھا آپ کی اور آپ کے رسول کی نافرمانی کرنے کا حکم دیتا تھا برائی کی تاکید کرتا اور بھلائی سے روکتا تھا اور مجھ سے کہا کرتا تھا کہ میں کبھی آپ کے حضور حاضر نہ ہوں گا، لہٰذا یا اللہ اس کو میرے بعد ہدایت نہ دیجئے گا تاکہ وہ بھی وہ مناظر دیکھے جو آپ نے مجھے دکھائے ہیں اور آپ جس طرح مجھ سے ناراض ہوئے ہیں اسی طرح اس سے بھی ناراض ہوں اس کے بعد دوسرے دوست کا بھی انتقال ہوجائے گا تو دونوں کی روحیں جمع کی جائیں گی اور ان سے کہا جاوے گا کہ تم میں سے ہر شخص اپنے ساتھی کی تعریف کرے تو ان میں سے ہر ایک دوسرے کے بارے میں کہے گا کہ یہ بدترین بھائی بدترین ساتھی اور بدترین دوست ہے۔

اسی لئے دنیاوآخرت دونوں کے لحاظ سے بہترین دوستی وہ ہے جو اللہ کے لئے ہو جن دومسلمانوں میں صرف اللہ کے لئے محبت ہوانکے بڑے فضائل احادیث میں وارد ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ میدان حشر میں یہ لوگ اسکے عرش کے سایہ میں ہوں گے اور اللہ کے لئے محبت کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے سے اس بناء پر تعلق ہو کہ وہ اللہ کے دین کا سچا پیرو ہو چنانچہ علوم دین کے استاذ شیخ پیر مرشد، علماء اور اہل اللہ سے نیز عالم اسلام کے تمام مسلمانوں سے بے لوث محبت اس میں داخل ہے۔

(معارف القرآن ص:۵۰۷/۷۴۹ ج:۷/معالم التنزیل ص:۱۰۶-۱۰۷ ج:۵/ابن کثیر ص:۱۲۰ ج:۴)

۴۲۷- وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾

**ترجمه:** خدا کے سوا جن معبودوں کو یہ لوگ پکارتے ہیں (یعنی عیسیٰؑ وعزیر اور ملائکہ وغیرہ کو) وہ سفارش (تک) کا اختیار نہ رکھیں گے ہاں جن لوگوں نے حق بات (یعنی کلمہ ایمان) کا اقرار کیا تھا اور وہ (دل سے) تصدیق بھی کیا کرتے تھے (وہ البتہ باذن الٰہی اہل ایمان کی سفارش کرسکیں گے مگر اس سے کفار کو کیا فائدہ؟)

**شانِ نزول:** نضر بن حارث اور مشرکین کی ایک جماعت نے یہ کہا کہ اگر وہ چیز جسے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیش کررہے ہیں حق ہوا تو ہم فرشتوں کو اس دن کی سختی سے بچنے کے لئے سفارشی بنالیں گے کیوں کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلے میں سفارشی بننے کے اور شفاعت کرنے کے زیادہ مستحق ہیں، اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

**زاد المسير ص:۳۳۳ ج:۷: وهكذا ذكره سبب نزول هذه الآية في تفسيره المسمى "الخازن" ولم يعزه لاحد بل قال: سبب نزولها أن النضر بن حارث ونفرًا معه قالوا:**

**والتفصيل الباقي بحسب السابق كما مر الآن سابقاً.**

(روح المعانی ص:۱۰۷، ج:۲۵/زاد المسیر ص:۳۳۴ ج:۷ معالم التنزیل ص:۱۱۰ ج:۵)

# سورۃ الدخان

۴۲۸- ذُقۡ ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡكَرِيۡمُ ﴿۴۹﴾

**ترجمہ:** لے چکھ! تو بڑا معزز مکرم ہے (یہ تیری تعظیم ہو رہی ہے جیسے تو دنیا میں اپنے آپ کو معظم ومکرم سمجھ کر ہمارے احکام سے عار کیا کرتا تھا۔)

**شان نزول:** ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ابوجہل سے ملاقات ہوئی تو ابوجہل نے یہ کہا کہ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ میں اہل بطحاء کو اسلام لانے سے اور ایک خدا کی عبادت سے اور تمہیں نبی ماننے سے اسلئے منع کرتا ہوں کہ میں ہی عزیز ہوں کریم ہوں اللہ تعالیٰ نے اس کے یہ کہنے کی وجہ سے بدر میں موت کے گھاٹ اتار دیا اور ذلیل ورسوا کیا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی جس میں کہا گیا ہے کہ چکھو عذاب کو اس لئے کہ عزیز وکریم ہے۔

(اسباب النزول ص:۲۱۵/معالم التنزیل ص:۱۲۰: ۵/المقتطف ص:۵۹۲ ج:۴/ابن کثیر ص:۱۳۱ ج:۴)

**ابو بكر الهذلي عن عكرمة قال: لقى رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ابا جهل لعنة الله عليه فقال: إن الله تعالىٰ أمرني أن أقول لک! أولىٰ لک فأولىٰ ثم اولى لک فأولى) قال فنزع ثوبه من يده وقال! ما تستطيع لي أنت ولا صاحبک من شئى، ولقد علمت أني أمنع أهل البطحاء وأنا العزيز الكريم، قال: فقتله الله تعالىٰ يوم بدر وأذله وعيره بكلمة وأنزل الله تعالىٰ هذه الآية المذكورة: ذُقۡ ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡكَرِيۡمُ ﴿۴۹﴾** ابن كثير ص: ۱۳۱ ج: ۴

# سورۃ الجاثیہ

اس سورت کا دوسرا نام شریعہ ہے، مفسر عوفی اور ابن ابی طلحہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ یہ سورت مکی ہے اور یہی قول حضرت حسن، قتادہ، مجاہد اور حضرات جمہور کا ہے، حضرت مقاتل نے بھی یہی کہا ہے کہ یہ مکمل سورت مکی ہے۔ لیکن انہوں نے ایک روایت ابن عباسؓ اور قتادہ کی، یہ بیان کی ہے کہ ان دونوں حضرات نے فرمایا یہ سورت مکی ضرور ہے مگر ایک آیت آیت نمبر ۱۴/ قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا مدنی ہے۔
(زادالمسیر ص: ۳۵۴ ج: ۷)

جمہور نے یہ بھی وضاحت کی ہے کہ یہ پوری سورت ہجرت سے پہلے نازل ہوئی ہے۔

۴۲۹- وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ۙ﴿۷﴾

**ترجمہ:** بڑی خرابی ہوگی ہر ایسے شخص کے لئے جو (عقائد سے متعلق اقوال میں) جھوٹا ہو (اور اعمال میں) نافرمان ہو۔

**شانِ نزول:** اس آیت کے سبب نزول میں متعدد روایات ہیں، بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی، بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ حارث بن کلدہ کے بارے میں نازل ہوئی، اور بعض کا کہنا ہے کہ اس سے مراد ابو جہل اور اس کے اصحاب ہیں (قرطبی) اور درحقیقت قرآنی مفہوم کی تشریح کے لئے کسی ایک شخص کو متعین کرنے کی ضرورت نہیں ''کل'' کا لفظ بتا رہا ہے کہ خواہ نزول آیت کے پس منظر میں یہ تینوں افراد ہوں لیکن مراد ہر وہ شخص ہے جو ان جیسی صفات کا حامل ہو۔ [1]

---

[1] زاد المسیر ص: ۳۵۵ ج: ۷/ قال البغوی: (وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ) كذاب صاحب إثم، يعني نضر بن حارث، معالم التنزيل ص: ۱۲۳ ج: ۵/ المعروف بتفسير البغوی)

وقال الألوسي في روح المعاني والآية نزلت في أبي جهل وقيل في نضر بن حارث وكان يشترى حديث الأعاجم ويشغل به الناس عن استماع القرآن، قال! لكنها عامة كماهو مقتضى "كل" ويدخل من نزلت فيه دخولا أوليًا- روح المعاني ص: ۱۴۲ ج:۲۵، معارف القرآن ص: ۷۷۸ ج:۷/التفسير الكبير ص: ۲۶۱ ج:۲۷.

۴۳۰-قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًۢا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾

**ترجمہ:** آپ ایمان والوں سے فرما دیجئے کہ ان لوگوں سے درگزر کریں جو خدا تعالیٰ کے معاملات (یعنی آخرت کی جزا وسزا) کا یقین نہیں رکھتے تا کہ اللہ تعالیٰ ایک قوم کو (یعنی مسلمانوں کو) ان کے (اس) عمل (نیک) کا (اچھا) صلہ دے۔

**شانِ نزول:** اس آیت کے سبب نزول میں دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ مکہ مکرمہ میں کسی مشرک نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر دشنام طرازی کی تھی، حضرت عمرؓ نے اس کے بدلے میں اسے کچھ تکلیف پہنچانے کا ارادہ فرمایا اس پر یہ آیت نازل ہوئی، اس روایت کے مطابق یہ آیت مکی ہے دوسری روایت یہ ہے کہ غزوہ بنی مصطلق [۱] کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے مریسیع نامی ایک کنویں کے قریب پڑاؤ ڈالا منافقین کا سردار عبداللہ بن ابی بھی مسلمانوں کے لشکر میں شامل تھا۔ اس نے اپنے غلام کو کنویں سے پانی بھرنے کے لئے بھیجا اسے واپسی میں دیر ہوگئی۔

عبداللہ بن ابی نے وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ حضرت عمرؓ کا ایک غلام کنویں کے ایک کنارے پر بیٹھا ہوا تھا، اس نے اس وقت تک کسی کو پانی بھرنے کی اجازت نہ دی جب تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر کے مشکیزے نہ بھر گئے اس پر عبداللہ بن ابی نے کہا کہ ہم پر اور ان لوگوں پر تو وہی مثل صادق آتی ہے **سمن کلبک یأکلک** (اپنے کتے کو موٹا کرو تو وہ تم کو کھا جائے گا) حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ تلوار سنبھال کر

[۱] یہ غزوہ ۶/۵/۴ھ میں باختلاف روایات واقع ہوا دیکھئے زاد المعاد ص:۲۵۸ ج:۳

عبداللہ بن ابی کی طرف چلے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس روایت کے مطابق یہ آیت مدنی ہے۔ (قرطبی وروح المعانی)

ان روایتوں کی اسنادی تحقیق سے اگر دونوں کی صحت ثابت ہو تو دونوں میں تطبیق اس طرح ہوسکتی ہے کہ دراصل یہ آیت مکہ مکرمہ میں نازل ہو چکی تھی پھر جب غزوۂ بنی المصطلق کے موقع پر اس سے ملتا جلتا واقعہ پیش آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت کو اس موقع پر بھی تلاوت فرما کر واقعہ کو اس پر بھی منطبق کیا اور شان نزول کی روایات میں ایسا بکثرت ہوا ہے، یا پھر یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت جبرئیل یاددہانی کے لئے غزوہ بنی مصطلق کے واقعہ میں دوبارہ یہ آیت لے آئے ہوں کہ یہ موقع اس آیت پر عمل کرنے کا ہے اصول تفسیر کی اصطلاح میں اسے ''نزول مکرر'' کہا جاتا ہے، اور آیت میں اَیَّامَ اللّٰہِ کے لفظ سے مراد بیشتر مفسرین کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے وہ معاملات ہیں جو وہ آخرت میں انسانوں کے ساتھ کرے گا، یعنی جزا کیوں کہ ''ایام'' کا لفظ ''واقعات ومعاملات'' کے معنی میں بکثرت استعمال ہوتا ہے، مقدمہ میں اس سلسلے میں تفصیلی مباحث آچکی ہیں۔ وہاں بھی دیکھ لیا جائے۔

فائدہ: یہاں دوسری بات یہ قابل غور ہے کہ بات یوں بھی کہی جاسکتی تھی کہ آپ ایمان والوں سے فرمادیجئے کہ وہ مشرکین سے درگزر کریں، اس کے بجائے کہا یوں گیا ہے کہ ''ان لوگوں سے درگزر کریں'' جو خدا تعالیٰ کے معاملات کا یقین نہیں رکھتے اس سے شاید اسی بات کی طرف اشارہ ہو کہ ان لوگوں کو اصل سزا آخرت میں دی جائے گی اور چونکہ یہ لوگ آخرت کا یقین نہیں رکھتے یہ سزا ان کے لئے غیر متوقع اور اچانک ہوگی اور غیر متوقع تکلیف بہت زیادہ ہوتی ہے اس لئے انکو پہنچنے والا عذاب سخت ہوگا، اور اس کے ذریعہ ان کی تمام بدعنوانیوں کا پورا پورا بدلہ لیا جائے گا، دنیا میں آپ ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر ان کی گرفت کی فکر نہ کیجئے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ اس آیت کا حکم جہاد کے احکام نازل ہونے کے بعد منسوخ ہو گیا، لیکن بیشتر محقق مفسرین کا کہنا ہے کہ آیت کا جہاد کے حکم سے کوئی تعلق نہیں، یہ تو عام معاشرت میں چھوٹی چھوٹی باتوں کا انتقام نہ لینے کی تعلیم ہے جو ہر زمانے کے لئے

عام ہے، اور آج بھی اس کا حکم باقی ہے لہٰذا اسے منسوخ قرار دینا درست نہیں، خصوصاً اگر اس کا شانِ نزول غزوہ بنی مصطلق کا واقعہ ہو تو آیات جہاد اس کے لئے ناسخ نہیں بن سکتیں کیوں کہ آیات جہاد اس سے پہلے نازل ہو چکی تھیں۔

معارف القرآن ص:۷۸۰ ج:۷/زاد المسیر ص:۳۵۷/ ۳۵۸ ج:۷، التفسیر الکبیر ص:۲۶۳ ج:۷/اسباب النزول ص:۲۱۵ زاد المسیر میں مذکورہ دو سبب نزول کے علاوہ دو اور سبب نزول ذکر کئے گئے ہیں اور وہ یہ ہیں:

ایک یہ کہ ارشاد باری: مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا (بقرہ:۲۴۵) نازل ہوئی تو فخاص نامی یہودی نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رب محتاج ہے حضرت عمرؓ نے جب اس کی یہ بات سنی تو اپنی تلوار کو سونت لیا اور اس کی تلاش میں نکل پڑے اس وقت جبرئیلؑ مذکورہ آیت لے کر اترے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت حضرت عمرؓ کو واپس بلانے کی غرض سے ایک آدمی کو روانہ کیا پھر جب حضرت عمرؓ آچکے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمرؓ اپنی تلوار رکھ دو اور پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی۔

**قُلْ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَغْفِرُوْا الی آخرہ**

(التفسیر الکبیر ص:۲۶۳ ج:۲۷، زاد المسیر ص:۳۵۸ ج:۷/اسباب النزول ص:۲۱۵)

دوسرا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ صحابہ کرام نے مکہ والوں کی اذیتوں سے تنگ آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ان کی اذیتوں اور اپنی بے بسی کی شکایت کی اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی واضح رہے کہ اس وقت قتال کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ [1]

تنبیہ: یہاں پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ ابھی ماقبل میں یہ کہا گیا ہے کہ اگر اس آیت کا شانِ نزول غزوۂ بنی مصطلق کا واقعہ ہو تو آیات جہاد اس کے لئے ناسخ نہیں بن سکتیں کیوں کہ آیات جہاد اس سے پہلے نازل ہو چکی تھیں، جب کہ علامہ جوزیؒ کی وضاحت کے مطابق اس آیت کے نازل ہونے کے وقت تک جہاد کا حکم نازل نہیں ہوا تھا'' تو دونوں قول میں

[1] زاد المسیر ص:۳۵۸ ج:۷/معالم التنزیل ص:۱۲۴ ج:۵/المقتطف ص:۵۹۹/روح المعانی ص:۱۴۷ ج:۲۵، قال الآلوسی فی سبب نزول ھذہ الآیۃ اربعۃ اقوال وقد ذکرنا کلھم.

تعارض ظاہر ہے تو اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ یہ قول بعض مفسرین کا ہے کہ ''آیات جہاد مذکورہ زیر بحث آیات سے پہلے نازل ہو چکی تھیں۔ لیکن اکثر مفسرین کا قول یہ ہے کہ اس وقت تک قتال کا حکم نازل نہیں ہوا تھا، اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تو آیت زیر بحث کا تعلق عام معاشرت سے ہے۔ (راقم الحروف)

۴۳۱- ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸﴾ اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ۚ وَ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹﴾

**ترجمہ:** ہم نے آپ کو (نبوت دی اور آپ کو) دین کے خاص طریقے پر کر دیا سو آپ اسی طریقہ پر چلے جایئے (یعنی عمل میں بھی اور تبلیغ میں بھی) اور ان جہلاء کی خواہشوں پر نہ چلئے (یعنی ان کی خواہش تو یہ ہے کہ آپ تبلیغ ترک کر دیں اور اسی لئے یہ طرح طرح سے پریشان کرتے ہیں تا کہ آپ تنگ ہو کر تبلیغ چھوڑ دیں سو آپ سے گو یہ احتمال نہیں مگر امر تبلیغ کے اہتمام کے لئے آپ کو پھر اس کا حکم ہوتا ہے آگے اسی طرز پر اس حکم کی علت فرماتے ہیں کہ) یہ لوگ خدا کے مقابلے میں آپ کے ذرا کام نہیں آسکتے (پس ان کی اتباع نہ ہونے پائے) اور ظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں (اور ایک دوسرے کا کہنا مانتے ہیں) اور اللہ دوست ہے اہل تقویٰ کا (اور اہل تقویٰ اس کا کہنا مانا کرتے ہیں سو جب آپ ظالم نہیں ہیں بلکہ سردار متقین ہیں تو آپ کو ان کی اتباع سے کیا نسبت؟ البتہ احکام الٰہی کی اتباع سے خاص نسبت ہے، غرض آپ صاحب نبوت و شریعت حقہ ہیں)

**شانِ نزول: ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ** الخ رؤساء قریش اور ایک روایت کے مطابق بنو قریظہ اور بنو نضیر کے لوگوں نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ﷺ ان کے آباء واجداد کے دین کو قبول کر لیں اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ مضمون آیت کا خلاصہ تفسیر میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ (زاد المسیر ص:۳۶۰ ج:۷)

**اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ** الخ بغوی نے کہا ہے کہ کفار قریش رسول اللہ ﷺ سے یہ کہا کرتے تھے کہ تم اپنے آباء واجداد کے دین کو اختیار کر لو کیوں کہ وہ لوگ تم سے بہر حال

افضل تھے۔ اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

(روح المعانی ص:۱۴۹ ج:۲۵، زاد المسیر ص:۳۶۰ ج:۷، معالم التنزیل ص:۱۲۵ ج:۵)

۴۳۲- اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّ خَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَ قَلْبِهٖ وَ جَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۳﴾

**ترجمہ:** سو کیا (توحید و آخرت کے ان واضح بیانات کے بعد) آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی جس نے اپنا خدا اپنی خواہش نفسانی کو بنا رکھا ہے (کہ جو دل میں آتا ہے اسی کے پیچھے چلتا رہتا ہے) اور خدا تعالیٰ نے اس کو باوجود سمجھ بوجھ کے گمراہ کر دیا ہے (کہ حق کو سنا اور سمجھا بھی مگر نفسانی خواہش کی پیروی سے گمراہ ہوگیا) اور (خدا تعالیٰ نے) اس کے کان اور دل پر مہر لگادی ہے اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا ہے (یعنی نفس پرستی کی بدولت قبول حق کی صلاحیت نہایت کمزور ہوگئی) سو ایسے شخص کو بعد خدا کے (گمراہ کر دینے کے) کون ہدایت کرے (اس میں تسلی بھی ہے، آگے ان منکرین کو زجر کے طور پر خطاب کیا ہے کہ) کیا تم (ان بیانات کو سن کر) پھر بھی نہیں سمجھتے (یعنی ایسا سمجھنا جو نافع ہو، اگرچہ عام معنی کے اعتبار سے سمجھتے ہیں)

**شانِ نزول:** مذکورہ آیت حارث بن قیس سہمی کے بارے میں نازل ہوئی۔ کہ یہ شخص اور لوگوں کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا مذاق اڑاتا اور استہزا کرتا۔ اور ساتھ ہی اپنی من چاہی جس چیز کی چاہتا پرستش کرتا۔

(زاد المسیر ص:۳۶۲ ج:۷/ روح المعانی ص:۱۵۲ ج:۲۵،)

**قال الآلوسي: حارث بن قيس السهمي كان لا يهوي شيئا إلا ركبه، وحكمها عام وفيها من ذم اتباع هوى النفس ما فيها.**

**فائدہ:** مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ، یعنی وہ شخص جس نے اپنی خواہشات نفسانی کو اپنا معبود بنالیا، یہ تو ظاہر ہے کہ کوئی کافر بھی اپنی نفسانی خواہشات کو اپنا خدا یا معبود نہیں کہتا مگر قرآن کریم کی اس آیت نے یہ بتلایا کہ عبادت درحقیقت اطاعت کا نام ہے جو شخص خدا کی

اطاعت کے مقابلے میں کسی دسرے کی اطاعت اختیار کرے وہی اس کا معبود کہلائے گا، تو جس شخص کو حلال وحرام اور ناجائز وجائز کی پرواہ نہیں ہو خدا تعالیٰ نے جس کو حرام کہا ہے وہ اس میں خدا کا حکم ماننے کے بجائے اپنے نفس کی پیروی کرے تو گو وہ اپنے نفس کو زبان سے اپنا معبود نہ کہے گا مگر حقیقۃً وہی اس کا معبود ہوا اسی مضمون کو کسی عارف نے ایک شعر میں کہا ہے۔

سودہ گشت از سجدۂ راں بتاں پشپانیم
چند بہ خود تہمت دین مسلمانی نہم

اس میں خواہشات نفسانی کو بتوں سے تعبیر کیا ہے جس نے اپنی خواہشات کو ہی امام ومقتداء بنالیا اور ان کے پیچھے چلنے لگا تو گویا یہ خواہشات ہی اس کے بت ہیں، حضرت ابوامامہؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ زیر آسمان دنیا میں جتنے معبودوں کی عبادت کی گئی ہے ان میں سب سے زیادہ مبغوض اللہ کے نزدیک ہویٰ ہے یعنی خواہشات نفسانی، حضرت شداد بن اوسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دانش مند وہ شخص ہے جو اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور مابعد الموت کے واسطے عمل کرے اور فاجر وہ ہے جو اپنے نفس کو اس کی خواہش کے پیچھے چھوڑ دے اور اس کے باوجود اللہ سے آخرت کی بھلائی کی تمنا کرتا رہے اور حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ نے فرمایا کہ تمہاری بیماری نفسانی خواہشات ہیں، ہاں اگر تم ان کی مخالفت کرو تو یہ بیماری ہی تمہاری دوا بھی ہے (یہ سب روایات قرطبی سے لی گئی ہیں) (معارف القرآن ص: ۸۱۲، ج: ۷)

# سورۃ الاحقاف

حضرت عوفی اور ابن ابی طلحہ اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ سورت مکی ہے۔ اور یہی قول حضرت حسن، حضرت مجاہد حضرت عکرمہ، حضرت قتادہ اور جمہور کا ہے۔ اور ابن عباسؓ اور قتادہ سے مروی ہے کہ ان دونوں نے فرمایا کہ اس سورت میں ایک آیت مدنی ہے اور وہ یہ ہے (**قل أرایتم إن کان من عند اللہ**) اور حضرت مقاتل فرماتے ہیں کہ یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی سوائے دو آیتوں کے۔ اور وہ دونوں آیتیں یہ ہیں (**قل أرایتم إن کان من عند اللہ**) (الاحقاف ۱۰) اور (**فاصبر کما صبر اولوالعزم من الرسل**) (الاحقاف ۳۵) یہ دونوں آیتیں مدینہ میں نازل ہوئیں۔

۴۳۳- قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ۭ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ عَلٰي مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۰

**ترجمہ:** آپ کہہ دیجئے کہ میں کوئی انوکھا رسول تو ہوں نہیں اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور نہ تمہارے ساتھ میں تو صرف اسی کی اتباع کرتا ہوں جو میرے پاس وحی کے ذریعہ سے آتا ہے۔ میں تو صرف صاف ڈرانے والا ہوں۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم مجھ کو یہ بتلادو کہ اگر یہ قرآن منجانب اللہ ہو اور تم اس کے منکر ہو اور بنی اسرائیل میں سے کوئی گواہ اس جیسی کتاب پر گواہی دے کر ایمان لے

آئے اور تم تکبر ہی میں رہو بے شک اللہ تعالیٰ بے انصاف لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔

**شان نزول :** آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین کی مکی زندگی کن کن دشواریوں میں گزری ہے یہ کسی سے مخفی نہیں، اسی اثناء میں ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب دیکھا خواب کیا تھا؟ ہجرت کا ایک پیغام تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ آپ ایک سرسبز وشاداب علاقہ کی طرف ہجرت کر رہے ہیں جہاں کھجوروں کے گھنے باغات واشجار اور پانی کے ابلتے چشمے اور ہر طرح کی سہولت کے اسباب وآلات مہیا ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے خواب کا تذکرہ حضرات صحابہ کرامؓ سے کیا اور انہیں بشارت دی اور فرمایا کہ اب قریب ہی اللہ تعالیٰ تمہاری مشکلات کا حل اور کشادگی اور سہولت کے راستے فراہم کرے گا۔

اس کے بعد تھوڑے دنوں تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اس سلسلہ میں سکوت رہا جب کہ صحابہ کرامؓ مشتاق تھے کہ ہجرت کا حکم ہو کہ ہم یہاں سے ہجرت کر جائیں اور ہر اعتبار سے حریت کی زندگی بسر کریں۔

بالآخر صحابۂ کرام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھ ہی لیا کہ ہم اس ارض مقدس کی طرف ہجرت کب کریں گے جس کی آپ کو خواب میں بشارت دی گئی ہے، صحابہ کرام کے دریافت کرنے پر آپ نے جواب عرض کرنے کے بجائے سکوت فرمایا اس وقت مذکورہ دو آیتیں نازل ہوئیں۔ [۱]

**فائدہ :** اس جملہ میں اِنْ اَتَّبِعُ بمعنی استثناء کے ہے۔ یعنی میں نہیں جانتا بجز اس کے کہ جو مجھ پر وحی کی جائے اسی بناء پر امام تفسیر ضحاک سے اس آیت کی تفسیر وہ منقول ہے جو خلاصۂ تفسیر مذکور میں اختیار کی گئی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ امور غیبیہ کا علم مجھے صرف وحی کے ذریعہ ہوسکتا ہے۔ جس معاملے کے متعلق وحی سے مجھے علم نہ ہو۔ خواہ وہ میری ذات سے متعلق ہو یا امت کے مومن وکافر لوگوں سے اور خواہ وہ معاملہ دنیا کا ہو یا آخرت کا اس

[۱] زاد المسیر ص: ۳۷۲ ج: ۷/ اسباب النزول ص: ۲۱۵/ معالم التنزیل ص: ۱۳۳ ج: ۵/ روح المعانی ص: ۹ ج: ۲۶/ التفسیر الکبیر ص: ۸ ج: ۲۸)

کی مجھے خبر نہیں۔ امور غیبیہ سے متعلق جو کچھ میں کہتا ہوں وہ سب وحی الٰہی سے کہتا ہوں چنانچہ قرآن کریم میں خود مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بے شمار علوم امور غیبیہ کے متعلق عطا فرمائے ہیں۔ تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَاۤ اِلَیْكَ ۚ کا یہی مطلب ہے۔ امور آخرت دوزخ، جنت، حساب و کتاب، سزا و جزاء سے متعلق تفصیلات تو خود قرآن کریم میں بے شمار ہیں اور دنیا میں پیش آنے والی بہت سی چیزوں کی تفصیلات احادیث صحیحہ متواترہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے منقول ہیں جس سے ثابت ہوا کہ آیت مذکورہ کا حاصل صرف اتنا ہے کہ میں امور غیبیہ کے علم محیط میں خدا تعالیٰ کی طرح نہیں اور ان کے علم میں خود مختار نہیں بلکہ مجھے بواسطۂ وحی خداوندی جو کچھ بتلا دیا جاتا ہے وہ میں ذکر کر دیتا ہوں۔

تفسیر روح المعانی میں اس قول کو نقل کر کے لکھا ہے کہ میرا اعتقاد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس دنیا سے اس وقت تک رخصت نہیں ہوئے جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور آخرت اور دنیا میں پیش آنے والے اہم معاملات سے آپ کو بذریعہ وحی باخبر نہیں کر دیا گیا، رہا اشخاص و افراد کے جزوی حالات و معاملات کا علم کہ زید کل کو کیا کرے گا اور اس کا انجام کیا ہوگا عمر بکر اپنے گھروں میں کیا کیا کام کر رہے ہیں یا کریں گے ان امور غیبیہ کا علم نہ کوئی کمال ہے، نہ ان کے نہ ہونے سے کمال نبوت میں کوئی فرق آتا ہے۔

(معارف القرآن ص:۷۹۶ ج:۷)

۴۳۴- وَ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَیْرًا مَّا سَبَقُوْنَاۤ اِلَیْهِ ؕ وَ اِذْ لَمْ یَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَیَقُوْلُوْنَ هٰذَاۤ اِفْكٌ قَدِیْمٌ ⑪

**ترجمہ:** اور یہ کافر ایمان والوں کی نسبت یوں کہتے ہیں کہ اگر یہ قرآن کوئی اچھی چیز ہوتی تو یہ لوگ اس کی طرف ہم سے پہلے سبقت نہ کرتے، اور جب ان لوگوں کو قرآن سے ہدایت نصیب نہ ہوئی تو یہی کہیں گے کہ یہ قدیمی جھوٹ ہے۔

شانِ نزول: اس آیت کے سبب نزول میں پانچ اقوال ہیں:

۱- کفار نے یہ کہا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دین بہتر ہوتا تو ہم سے پہلے یہود نے کیوں نہیں اسے قبول کیا، اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی (قال لہ مسروق)

۲-ایک عورت جس کی بینائی کمزور ہوگئی تھی، جب وہ اسلام لے آئیں تو قریش کے سرداراس کا مذاق اڑاتے اور ٹھٹھا کرتے اور یہ کہتے کہ اگر محمد کا دین اور محمد کا لایا ہوا پیغام صداقت پر مبنی ہوتا تو پھر ہم اس کی جانب سبقت کیوں نہیں کرتے اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔(قال لہ ابوالزناد)

۳-حضرت ابوذر غفاریؓ نے جب اسلام قبول کیا اور ساتھ ہی اپنی قوم کو اسلام کے پیغامات اور ارشادات اور ہدایات سے روشناس کرایا اور اسلام کی دعوت دی تو قریش نے کہا کہ اگر یہ دین بہتر ہوتا تو ہم اس کی طرف سبقت کرنے کے زیادہ مستحق تھے، اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔(قال لہ ابوالمتوکل)

۴-جب قبیلہ مزینہ اور جہینہ کے لوگ اسلام قبول کر چکے اور ایمانی حرارت سے ان کے قلوب ودماغ منور ہوگئے تو اس پر اسد اور غطفان کے لوگوں نے کہا کہ اگر دین محمد بہتر ہوتا تو ان بکری چرواہوں سے ہم سبقت کیوں نہ لے جاتے، ان سے مراد مزینہ اور جہینہ کے لوگ تھے اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی (قال لہ ابن السائب)

۵-یہود نے یہ کہا کہ اگر دین محمد مبنی برحق اور مبنی برصداقت ہوتا تو اس کی جانب سب سے پہلے ہم پہل کرتے، اس بات سے تمہیں جان لینا چاہئے کہ دین محمدی اور محمد کا پیغام بے حقیقت ہے۔(ذکرہ ابوسلیمان الدمشقی)

**اعلم هذا هو قول من يقول! إن الآية نزلت بالمدينة، ومن قال: هي مكية، قال)هو قول المشركين فقد خرج في "الذين كفروا" قولان أحدهما: أنهم المشركون والثاني اليهود.** [1]

**قال الفخر الرازي في التفسير الكبير قد تقدم ذكره الآن في سبب نزولها وجوه الاول:ان هذا الكلام كفار مكة قالوا إن عامة من يتبع محمد الفقراء والأرازل مثل عمار وصهيب وابن مسعود، ولو كان هذا الدين خيرًا ما سبقنا إليه**

[1] زاد المسير ص:۳۷۵ ج:۷/معالم التنزيل ص:۱۳۵ ج:۵/روح المعانی ص:۱۴ ج:۲۶ المقتطف ص:۹ ج:۵ التفسیرالکبیرص:۱۱ ج:۲۸

هولاء الثاني: قيل لما أسلمت جهينة ومزينة وأسلم غفار، قالت بنو عامر وغطفان وأسد وأشجع لو كان هذا خيرا ما سبقنا إليه رعاء إليهم الثالث: قيل ان امة لعمر أسلمت وكان عمر يضربها حتى يفتر، ويقول لولا أني فترت لزدتك ضربًا (وقد وقعت هذه الواقعة قبل قبول الاسلام من عمر رضی اللہ عنہ فكان كفار قريش يقولون لو كان مايدعوا محمد إليه حقا ما سبقنا إليه فلانة الرابع: قيل كان اليهود يقولون هذا الكلام عند اسلام عبدالله بن سلام، قدتقدم رقم الصفحة والمجلد، وفي ابن كثير، قالوا عن المومنين بالقرآن لو كان القرآن خيرا ما سبقنا هولاء إليه، يعنون بلالا، وعمار، صهيبًا وخبابا رضی الله عنهم اشباههم واضرابهم من المستضعفين والعبيد والاماء وماذاك الالانهم عند انفسهم يعتقدون أن لهم عند الله وجاهة وله بهم عناية وقد غلطوا في ذالك غلطا فاحشًا واخطاؤا خطأ بينًا. (ابن كثير ص: ۱۴۱ ج: ۴)

**فائده: لو كان خير ما سبقونا إليه.**

تکبر اور غرور انسان کی عقل کو بھی مسخ کر دیتا ہے، متکبر آدمی اپنی عقل اور اپنے عمل کو معیار حسن وقبح سمجھنے لگتا ہے، جو چیز اس کو پسند نہ ہو خواہ دوسرے لوگ اسے کتنا اچھا سمجھیں یہ ان سب کو بیوقوف سمجھتا ہے حالانکہ خود بیوقوف ہے کفار کے اس درجہ غرور اور تکبر کا اس آیت میں بیان ہے کہ اسلام وایمان چونکہ ان کو پسند نہیں تھا تو دوسرے لوگ جو ایمان کے دل دادہ تھے ان کو یہ کہتے تھے کہ اگر یہ ایمان کوئی اچھی چیز ہوتی تو سب سے پہلے ہمیں پسند آتی، ان دوسرے غریب فقیر لوگوں کی پسند کا کیا اعتبار۔

ابن منذر وغیرہ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جب مسلمان نہیں ہوئے تھے تو ان کی ایک کنیز جس کا نام زنین تھا مسلمان ہوگئی تھی، یہ اس کو اس کے اسلام لانے پر مارتے اور دھمکاتے تھے، کہ کسی طرح یہ اسلام کو چھوڑ دے اور کفار وقریش کہا کرتے تھے کہ اسلام کی کوئی اچھی چیز ہوتی تو زنین جیسی حقیر عورت اس میں ہم سے آگے نہ ہوتی اس کے متعلق آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ (مظہری، معارف القرآن ص: ۷۹۸-۷۹۹ ج: ۷)

۴۳۵- حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَ بَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَ عَلٰى وَالِدَيَّ وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَ اَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ۚ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَ اِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۵﴾

**ترجمہ:** یہاں تک کہ اپنی جوانی کو پہنچ جاتا ہے، اور چالیس برس کو پہنچتا ہے تو کہتا ہے کہ اے میرے پروردگار! مجھ کو اس پر مداومت دیجئے کہ میں آپ کی ان نعمتوں کا شکر کیا کروں جو آپ نے مجھکو اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی ہیں۔ اور میں نیک کام کیا کروں جس سے آپ خوش ہوں اور میری اولاد میں بھی میرے لئے صلاحیت پیدا کر دیجئے میں آپ کی جناب میں توبہ کرتا ہوں اور میں فرمان بردار ہوں۔

**شانِ نزول:** ۱-حضرت ابوبکر صدیقؓ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شروع زمانہ ہی سے ساتھ رہے ہیں چنانچہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ کا تجارت کی غرض سے شام جانا ہوا راستے میں ایک بیری کا درخت تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک بیری کے درخت کے سایہ میں بغرض آرام ٹھہر گئے اور حضرت ابوبکرؓ وہاں سے قریب ایک جگہ میں راہب تھا اس کے پاس کچھ دینی معلومات حاصل کرنے کے لئے چلے گئے، راہب نے حضرت ابوبکرؓ سے پوچھا کہ وہ شخص جو اس درخت کے سایہ میں آرام فرما ہے وہ کون ہے؟ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ وہ محمد بن عبداللہؐ ہیں راہب نے کہا کہ اللہ کی قسم وہ نبی ہیں اور اس درخت کے سایہ میں عیسیٰؑ کے بعد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سایہ حاصل کر سکتے ہیں، جو اللہ کے نبی ہوں گے اس وقت سے ہی حضرت ابوبکرؓ کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت گھر کر گئی پھر تو سفر ہو یا حضر ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہتے، ایک لمحہ کے لئے بھی جدا ہونا گوارا نہ تھا، حضرت ابوبکرؓ کا سفر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جس وقت ہوا اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر ۲۰ رسال تھی اور حضرت ابوبکر کی عمر ۱۸ رسال تھی۔

پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر چالیس سال کی ہوگئی اور نبوت ورسالت سے نوازے گئے تو حضرت ابوبکرؓ کی عمر اس وقت ۳۸ رسال تھی چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

رسالت کی تصدیق کی اور اول درجہ کے مسلمان بن گئے پھر جب حضرت ابوبکرؓ کی عمر چالیس کو پہنچ گئی تو فرمایا: ربّ اوزعنی أن اشکر نعمتک التی انعمت علی. اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

۲- حضرت سعد بن ابی وقاص کے بارے میں مذکورہ آیت نازل ہوئی اس بارے میں مکمل تفصیل سورۂ عنکبوت کی آیت نمبر ۸ رمیں آچکی ہے وہاں دیکھ لیں۔[1]

۴۳۶- وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ اَتَعِدٰنِنِیْٓ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِیْ ۚ وَهُمَا یَسْتَغِیْثٰنِ اللّٰهَ وَیْلَكَ اٰمِنْ ۖ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚۖ فَیَقُوْلُ مَا هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۷﴾

**ترجمہ:** اور جس نے اپنے ماں باپ سے کہا کہ تُف ہے تم پر کیا تم مجھ کو یہ وعدہ دیتے ہو کہ میں قبر سے نکالا جاؤں گا، حالانکہ مجھ سے پہلے بہت سی امتیں گزر گئیں، اور وہ دونوں اللہ سے فریاد کر رہے ہیں کہ ارے تیرا ناس ہو ایمان لا بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے تو یہ کہتا ہے کہ یہ بے سند باتیں اگلوں سے منقول چلی آرہی ہیں (مطلب یہ کہ ایسا بدنصیب ہے کہ کفر اور رماں باپ سے بدسلوکی دونوں کا مرتکب ہے اور بدسلوکی کی بھی اس درجہ کی کہ ماں باپ کی مخالفت کے ساتھ ان سے کلام میں بھی بدتمیزی کرتا ہے۔

**شانِ نزول:** اس آیت کے سبب نزول میں تین اقوال ہیں:

۱- کافر عاق کے بارے میں نازل ہوئی اور کافر عاق سے مراد یہ ہے کہ جس نے اپنے والدین کی نافرمانی اور حق کی تکذیب کی۔

۲- حضرت مجاہد سے روایت ہے کہ عبداللہ بن ابوبکرؓ کے بارے میں نازل ہوئی بعض روایت میں یہ تذکرہ ملتا ہے کہ عبدالرحمن بن ابی بکرؓ کے بارے میں نازل ہوئی یہ روایت بالکل بے بنیاد ہے اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ جوزی نے یہ وضاحت کی ہے کہ (قول من قال انها نزلت فی عبدالرحمن باطل بقوله! اولئک الذین

[1] اسباب النزول ص: ۲۱۶/زاد المسیر ص: ۳۷۷ج:۷/روح المعانی ص:۱۹ج:۲۶/معالم التنزیل ص:۱۳۶ج:۵

**حق علیھم القول** (سورہ احقاف)**فاعلم اللہ ان ھولاء لا یومنون وعبدالرحمن مومن!** یعنی جس نے یہ کہا کہ مذکورہ آیت عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے ان کا قول باطل اور مردود ہے، کیوں کہ ارشاد باری **اولئک الذین حق علیھم القول الخ** سے یہ واضح ہورہا ہے کہ اللہ نے ان لوگوں کے بارے میں یہ بتلادیا کہ یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں جب کہ عبدالرحمن بن ابی بکرؓ مومن اور مسلمان تھے۔

اور ابن کثیر نے بھی یہ وضاحت کی ہے کہ جس نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے ان کا قول ضعیف ہے اس لئے کہ عبدالرحمن بن ابی بکر ایمان لاچکے تھے اور اعلیٰ درجے کے مسلمانوں میں انکا شمار ہوتا تھا۔

اور ابن جریر نے حضرت مجاہد سے یہ نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن ابی بکرؓ کے بارے میں نازل ہوئی اگر چہ دوسرے مفسرین نے عبدالرحمن بن ابی بکر کا تذکرہ کیا ہے لیکن ان کے قول کی حقیقت اوپر گزر چکی ہے، ابن کثیر نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ یہ آیت ہر اس شخص کے لئے عام ہے جس نے والدین کی نافرمانی کی اور حق کی تکذیب کی۔

**ابن کثیر ص: ۱۴۲ ج: ۴/زاد المسیر ص: ۳۸۱-۳۸۰ ج: ۷/روح المعانی ص: ۲۱ ج: ۲۶**

حاصل یہ کہ یہ آیت عبداللہ بن ابی بکرؓ کے بارے میں نازل ہوئی کہ جب اسے حضرت ابوبکرؓ نے اسلام کی طرف بلایا تو اس نے انکار کیا نہ یہ کہ یہ آیت عبدالرحمن بن ابوبکرؓ کے بارے میں نازل ہوئی جیسا کہ بعض مفسرین کا خیال ہے جس کی حقیقت اوپر واضح کردی گئی ہے۔

۳- حضرت حسن سے مروی ہے کہ کفار قریش کی ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے اپنے والدین سے تف کہا تھا، کیوں کہ والدین گرچہ کافر ہوں ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے اور ایسا نہ کرنے والوں پر عذاب شدید کی وعید سنائی گئی ہے جیسا کہ اس وعید کی تفصیل آیت نمبر ۱۸/سورۃ احقاف میں ذکر کی گئی ہے۔ [۱]

---

[۱] **زاد المسیر ص: ۳۸۱-۳۸۰ ج: ۷ معالم التنزیل ص: ۱۳۸-۱۳۷ ج: ۵ التفسیر الکبیر ص: ۲۳ ج: ۲۸/فتح الباری ص: ۵۷۷ ج: ۸/المقتطف ص: ۱۲ ج: ۵**

۴۳۷-وَ اِذْ صَرَفْنَاۤ اِلَیْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ یَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْۤا اَنْصِتُوْاۚ فَلَمَّا قُضِیَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِیْنَ ﴿۲۹﴾ قَالُوْا یٰقَوْمَنَاۤ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ یَهْدِیْۤ اِلَى الْحَقِّ وَ اِلٰى طَرِیْقٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۳۰﴾ یٰقَوْمَنَاۤ اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ وَ اٰمِنُوْا بِهٖ یَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ یُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۳۱﴾ وَ مَنْ لَّا یُجِبْ دَاعِیَ اللّٰهِ فَلَیْسَ بِمُعْجِزٍ فِی الْاَرْضِ وَ لَیْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءُؕ اُولٰٓىِٕكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۳۲﴾

**ترجمہ:** اور (ان سے اس وقت کا قصہ ذکر کیجئے) جب کہ ہم جنات کی ایک جماعت کو آپ کی طرف لے آئے جو (اخیر میں یہاں پہنچ کر) قرآن سننے لگے تھے، غرض جب وہ لوگ قرآن (کے پڑھے جانے کے موقع) کے پاس آپہنچے تو (آپس میں) کہنے لگے کہ خاموش رہو (اور اس کلام کو سنو) پھر جب قرآن پڑھا جاچکا (یعنی جتنا اس وقت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں پڑھنا تھا ختم ہو چکا) تو وہ لوگ (اس پر ایمان لے آئے اور) اپنی قوم کے پاس (اس کی) خبر پہنچانے کے واسطے واپس گئے (اور جا کر ان سے) کہنے لگے اے بھائیو! ہم ایک (عجیب) کتاب سن کر آئے ہیں جو موسیٰ علیہ السلام) کے بعد نازل کی گئی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے (اور دین) حق اور راہ راست کی طرف رہنمائی کرتی ہے، (یہ تو دین اسلام کی حقانیت کا اثبات و اظہار ہے، آگے امر ہے اس کے قبول کرنے کا اول ترغیباً پھر ترہیباً یعنی) اے بھائیو! تم اللہ کی طرف بلانے والے کا کہنا مانو (مراد داعی سے قرآن یا نبی ذی شان ہیں) اور (کہنا ماننا یہ ہے کہ) اس پر ایمان لے آؤ (اس میں اشارہ ہے کہ وہ ایمان لانے کی طرف داعی ہے نہ کہ اور کسی دنیوی غرض کی طرف لہٰذا اگر تم ایسا کرو گے تو) اللہ تمہارے گناہ معاف کر دے گا، اور عذاب دردناک سے محفوظ رکھے گا، اور جو شخص اللہ کی طرف بلانے والے کا کہنا نہ مانے گا تو وہ زمین (کے کسی حصہ) میں (بھاگ کر خدا کو) ہرا نہیں سکتا (یعنی اس

طرح کہ ہاتھ نہ آئے) اور (جیسے وہ خودنہیں بچ سکتا اسی طرح) خدا کے سوا اس کا کوئی حامی بھی نہ ہوگا (کہ وہ اس کو بچا سکے اور) ایسے لوگ صریح گمراہی میں (مبتلا) ہیں (کہ باوجود قیام دلائل کے حق ہونے پر پھر بھی اس کے پیغامات کو قبول نہ کریں۔

**شانِ نزول:** مذکورہ آیات کے نزول کا سبب کفار کو عار دلانا ہے کہ جنات تو محض قرآن سن کر ایمان لے آئے جب کہ جنات تو کفر وغیرہ میں تم سے بھی زیادہ ہیں مگر قرآن سن کر ان کے دل بھی موم ہو گئے اور انہوں نے نور ایمان سے اپنے قلب ودماغ کو روشن کرلیا اور مسلمان ہو گئے، تمہیں تو اللہ تعالیٰ نے جنات سے زیادہ عقل وشعور بخشا ہے، مگر اس کے باوجود تم ایمان نہیں لاتے۔

جنات کے قرآن سننے کا واقعہ اور ایمان لانے کا واقعہ احادیث صحیحہ میں اس طرح آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے وقت جنات کو آسمانی چیزیں سننے سے روک دیا گیا اسی وجہ سے آپ کی نبوت و بعثت کے بعد جب جن آسمانی خبریں سننے کے لئے اوپر جاتا تو اس پر شہاب ثاقب پھینک کر دفع کر دیا جاتا ہے۔

جنات میں اس کا تذکرہ ہوا کہ اس کا سبب معلوم کرنا چاہئے کہ کون سا نیا واقعہ دنیا میں ہوا ہے جس کی وجہ سے جنات کو آسمانی خبروں سے روک دیا گیا ہے، جنات کے مختلف گروہ دنیا کے مختلف خطوں میں اس کی تحقیقات کے لئے پھیل گئے، ان کا ایک گروہ حجاز کی طرف بھی پہنچا، اس روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چند صحابہ کے ساتھ مقام بطن نخلہ میں تشریف فرما تھے، اور سوق عکاظ جانے کا قصد تھا (عرب کے لوگ تجارتی اور معاشرتی امور کے لئے مختلف مقامات پر خاص ایام میں بازار لگاتے تھے، جس میں ہر خطے کے لوگ جمع ہوتے دوکانیں لگتیں، اور اجتماعات اور جلسے ہوتے تھے، جیسے ہمارے زمانے میں اسی طرح کی نمائشیں جا بجا ہوتی ہیں ان ہی میں ایک بازار عکاظ میں لگتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غالبًا دعوت وتبلیغ اسلام کے لئے تشریف لے جا رہے تھے) اس مقام بطن نخلہ میں آپ صبح کی نماز پڑھا رہے تھے کہ وہ جنات یہاں پہنچے، قرآن سن کر کہنے لگے کہ بس وہ نئی بات یہی

ہے جو ہمارے اور آسمانی چیزوں کے درمیان حائل ہوئی ہے۔

**(رواہ الامام احمد والبخاری ومسلم والترمذی والنسائی وجماعۃ عن ابن عباس)**

اور ایک روایت میں ہے کہ وہ جنات یہاں آئے تو باہم کہنے لگے کہ خاموش ہو کر قرآن سنو، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو اسلام کی حقانیت پر یقین و ایمان لا کر اپنی قوم کے پاس واپس گئے اور ان کو اس واقعہ کے اصلی سبب کی خبر دی کہ ہم تو مسلمان ہو گئے تم کو بھی چاہئے کہ ایمان لے آؤ، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان جنات کے آنے جانے اور قرآن سن کر ایمان لے آنے کی خبر نہیں ہوئی یہاں تک کہ سورہ جن کا نزول ہوا جس میں آپ کو اس واقعہ کی خبر دی گئی۔ (رواہ ابن المنذر عن عبد الملک)

اور ایک روایت میں ہے کہ یہ جنات مقام نصیبین کے رہنے والے تھے اور کل نو یا بعض روایات کے مطابق سات تھے، جب انہوں نے اپنی قوم کو یہ خبر سنائی اور ایمان لانے کی ترغیب دی تو پھر ان میں سے تین سو اشخاص اسلام لانے کے لئے حاضر خدمت ہوئے۔ (رواہ ابونعیم والواقدی عن کعب الاحبار والروایات کلھا فی الروح)

اور دوسری حدیثوں میں جنات کے آنے کی روایت دوسری طرح کی بھی آئی ہے مگر چونکہ یہ متعدد واقعات مختلف اوقات میں پیش آئے ہیں اس لئے کوئی تعارض نہیں اور اسکی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو طبرانی نے اوسط میں اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے کہ جنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بار بار حاضر ہوئے۔

خفاجی نے فرمایا کہ احادیث کی روایات جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جنات کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر استفادہ کرنے کے واقعات چھ مرتبہ پیش آئے ہیں۔ (کذا فی الروح واخذتہ عن بیان القرآن) اسی واقعہ کی تفصیل مذکور الصدر آیات میں بیان کی گئی ہے۔ [1]

---

[1] معارف القرآن ص:۸۱۴ ج:۷/معالم التنزیل ص:۱۴۵ ج:۵/زاد المسیر ص:۳۸۷ ج:۷/ابن کثیر ص:۱۴۶ ج:۴، روح المعانی ص:۳۰ ج:۲۶ التفسیر الکبیر ص:۳۱ ج:۲۸/فتح الباری ص:۶۷۱/۶۷۰/۶۶۹/ج:۸ تفسیر عثمانی ص:۶۷۲/الدر المنثور ص:۲۷۰ ج:۶

اس کے علاوہ اور بھی واقعات جنات کے قرآن کے سننے کے سلسلے میں اور حضور ﷺ کا ان کی تعلیمات کے سلسلے میں وارد ہوئے ہیں جیسا کہ بغوی وغیرہ نے بیان کیا ہے چونکہ آیت کی وضاحت ذکر کردہ سبب نزول سے بھی ہو جاتی ہے اس لئے طوالت کے خوف سے کہ جو بار خاطر کا سبب ہے باقی سبب نزول کو ترک کیا جاتا ہے، انشاء اللہ آئندہ سورہ جن کے تحت اس سلسلہ میں مزید روشنی ڈالی جائے گی۔

**فائدہ:** کِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰی اس میں بَعْدِ مُوْسٰی کی قید سے بعض حضرات نے یہ سمجھا ہے کہ یہ جنات یہودی تھے کیوں کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد تو عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل نازل ہوئی، اس کا ذکر نہیں کیا لیکن اس کی کوئی صریح روایت تو ہے نہیں اور انجیل کا ذکر نہ کرنے سے ان کے یہودی ہونے پر استدلال ناکافی ہے کیوں کہ انجیل کے نہ ذکر کرنے کی یہ وجہ بھی ہوسکتی ہے کہ انجیل اکثر احکام میں تورات کے تابع ہے، اور قرآن مثل تورات کے مستقل کتاب ہے، اس کے احکام و شرائع تورات سے بہت مختلف ہیں تو یہ ہوسکتا ہے کہ مقصود یہ بتلانا ہے کہ تورات جیسی مستقل کتاب قرآن ہی ہے۔

یَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ حرف من اصل میں تبعیض یعنی جزئیت کے معنی کے لئے آتا ہے اگر یہی معنی یہاں لئے جاویں تو صرف من کے بڑھانے کا فائدہ یہ ہوگا کہ اسلام قبول کرنے سے حقوق العباد معاف نہیں ہوتے اس لئے یہ فرمانا مناسب ہوا کہ بعض گناہ یعنی حقوق اللہ معاف ہوجاتے ہیں اور بعض حضرات نے اس حرف من کو زائد قرار دیا ہے تو اس توجیہہ کی ضرورت نہیں رہتی۔ (معارف القرآن ص:۸۱۵ ج:۷)

# سورہ محمد

سورہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدنی اور مکی ہونے کے اعتبار سے دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ یہ سورت مکمل مدنی ہے یہی قول اکثر مفسرین کا ہے، مگر ایک آیت، آیت نمبر ۱۳/ مکی ہے جو اس وقت نازل ہوئی تھی جب کہ آپ مکہ سے حج کے ارکان ادا کر کے واپس ہو رہے تھے دوسرا قول یہ ہے کہ مدنی ہے۔ **قال له الضحاک والسدی، زاد المسیر**

۴۳۸- اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ شَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى ۙ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَ سَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ﴿۳۲﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ لَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۳﴾

**ترجمہ:** بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور انہوں نے اللہ کے راستہ سے روکا اور رسول کی مخالفت کی بعد اسکے کہ ان کو راستہ نظر آ چکا تھا یہ لوگ اللہ کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو مٹا دے گا اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو برباد مت کرو۔

**شانِ نزول:** اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الخ یہ آیت منافقین اور یہود بنو قریظہ اور بنو نضیر کے متعلق نازل ہوئی، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت ان منافقین کے متعلق ہے جنہوں نے غزوۂ بدر کے موقع پر کفار قریش کی امداد اس طرح کی کہ ان میں سے ایک آدمی لشکر کفار کے کھانے کا انتظام کر رہا تھا حضرت سدی سے مروی ہے کہ مذکورہ آیت حارث بن سوید اور وخوح انصاری کے بارے میں نازل ہوئی کہ یہ دونوں اسلام لا چکے تھے پھر مرتد ہو گئے پھر حارث نے اللہ کی توفیق سے توبہ کی اور دوبارہ

اسلام میں داخل ہو گئے لیکن وخوح انصاری ارتداد ہی کی حالت پر قائم رہا اور اسی حالت میں موت ہوئی، اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ [1]

**فائدہ:** وضاحت آیت کی یہ ہے کہ اس طرح کے عمل کے مرتکب اپنا ہی نقصان کرتے ہیں اللہ کا کیا نقصان ہے، اس کے دین اور پیغمبر کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ہیں وہ قدرت والا ان کے سارے منصوبے غلط اور تمام کام اکارت کر دے گا اور سب کوششیں خاک میں ملا دے گا۔

**وَ سَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ۝۳۲** یہاں حبطِ اعمال سے یہ مراد ہو سکتا ہے کہ ان کی اسلام کے خلاف کوششوں کو کامیاب نہ ہونے دے بلکہ اکارت کر دے، اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ان کے کفر و نفاق کی وجہ سے ان کے نیک اعمال مثل صدقہ و خیرات وغیرہ کے اکارت ہو جائیں گے قابل قبول نہ ہوں گے۔

**۴۳۹- يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ لَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ ۝۳۳**

**ترجمہ:** ذکر کیا جا چکا۔

**شانِ نزول:** حضرت ابو العالیہ سے مروی ہے کہ حضرات صحابہ اپنے تئیں یہ کہتے تھے کہ کلمۂ لا اِلٰہ اِلا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ لینے کے بعد کسی طرح کا گناہ ایمان و اعمال کے لئے نقصان دہ ثابت نہ ہوگا جس طرح کفر کی موجودگی میں بڑے سے بڑا نیک عمل بیکار اور لاینفع ہے۔ اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت ابن عمرؓ کا بیان ہے کہ ہم صحابۂ کرامؓ کا یہ گمان تھا کہ حسنات جس قدر بھی ہیں سب عند اللہ مقبول ہیں اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی اور ہمیں یہ بھی خبر نہ تھی کہ اعمال کو ضائع کرنے والی کوئی چیز ہے؟ پھر ہمارے سامنے یہ واضح کر دیا گیا کہ کبائر اور فواحش یہ نیک اعمال کو ضائع کر دیتے ہیں اس کے بعد تو ہم پر ہمیشہ خوف طاری رہتا کہ نہ معلوم کب

[1] زاد المسیر ص:۴۱۲ج:۷/معالم التنزیل ص:۱۶۲ج:۵/المقتطف ص:۳۵ج:۵/روح المعانی ص:۷۹ج:۲۶/التفسیر الکبیر ص:۷۱ج:۲۸ معارف القرآن ص:۴۷ج:۸

کیا گناہ سرزد ہو جائے کہ جس سے نیک اعمال ضائع اور برباد ہو جائیں۔

پھر جب آیت کریمہ ''اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ'' نازل ہوئی تو صحابہ کرامؓ کو بڑا اطمینان ہوا۔

(ابن کثیر ص:۱۶۳ ج:۴/معالم التنزیل ص:۱۶۳ ج:۵/روح المعانی ص:۷۹ ج:۲۶)

**فائدہ:** لَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَکُمْ ﴿۳۳﴾ قرآن کریم نے اس جگہ حبط اعمال کے بجائے ابطال اعمال کا لفظ استعمال فرمایا ہے جس کا مفہوم بہت عام ہے، کیوں کہ ابطال وہ صورت ہے جو کفر کی وجہ سے پیش آتی ہے جس کو اوپر آیت میں حبط اعمال کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے، کیوں کہ کافر اصلی کا تو کوئی عمل بوجہ کفر کے مقبول ہی نہیں اور جو اسلام لانے کے بعد مرتد ہو گیا تو زمانہ اسلام کے اعمال اگرچہ لائق قبول تھے مگر اس کے کفر و ارتداد نے ان سب اعمال کو بھی اکارت کر دیا۔ (معارف القرآن ص:۷۹ ج:۸)

۴۴۰- اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ثُمَّ مَاتُوْا وَ ھُمْ کُفَّارٌ فَلَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَھُمْ ﴿۳۴﴾

**ترجمہ:** بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور انہوں نے اللہ کے راستے سے روکا پھر وہ کافر ہی رہ کر مر گئے سو اللہ تعالیٰ ان کو کبھی نہیں بخشے گا۔

**شانِ نزول:** مذکورہ آیت مقتولین بدر کے بارے میں نازل ہوئی جن کی تعداد ستر تھی، اور کنویں میں ڈال دیئے گئے تھے چوں کہ انہوں نے اسلام کی اشاعت کو روکنے کے لئے اپنی تمام کوششیں صرف کر دی تھیں اور اپنے کفر پر جمے رہے تھے۔ بالآخر ان کا انجام وہی ہوا جو غزوۂ بدر میں پیش آیا یعنی ذلیل و رسوا ہو کر مارے گئے۔ [1]

[1] معالم التنزیل مختصرا ص:۱۶۳ ج:۵/المقتطف ص:۳۵ ج:۵/حکم هذه الآية يعم كل من مات على الكفر وإن صح نزوله فی اصحاب القليب:ای قليب بدر لأن العبرة بعموم اللفظ بخصوص السبب

# سورة الفتح

اس سورت کی مکمل آیات باجماع مفسرین مدنی ہیں۔(زادالمسیر ص:۴۱۸ج:۷)

۴۴۱- اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ۝۱ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ وَ يُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَ يَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۙ۝۲ وَّ يَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ۝۳

**ترجمہ:** بے شک ہم نے (اس صلح حدیبیہ سے) آپ کو کھلم کھلا فتح دی (یعنی صلح حدیبیہ سے یہ فائدہ ہوا کہ وہ سبب ہوگئی ایک فتح مطلوب یعنی فتح مکہ کا اس لحاظ سے یہ صلح ہی فتح ہوگئی اور فتح مکہ کو فتح مبین اس لئے کہا گیا ہے کہ فتح سے مقصود شریعت اسلام میں کوئی حکمرانی نہیں بلکہ دین اسلام کا غلبہ مقصود ہوتا ہے اور فتح مکہ سے یہ مقصود بڑی حد تک حاصل ہوگیا، کیوں کہ تمام قبائل عرب اس بات کے منتظر تھے کہ اگر آپ اپنی قوم پر غالب آگئے تو ہم بھی اطاعت کریں گے جب فتح مکہ ہوا تو چاروں طرف سے عرب کے قبائل امنڈ پڑے اور خود یا بواسطہ اپنے وفود کے اسلام لانا شروع کیا۔(رواہ البخاری عن عمر بن سلمہ)

چونکہ غلبہ اسلام کے بڑے آثار فتح مکہ سے نمایاں ہوئے اس لئے اس کو فتح مبین فرمایا گیا، اور صلح حدیبیہ اس فتح مکہ کا سبب اور ذریعہ اس طرح ہوگئی کہ اہل مکہ سے آئے دن لڑائی رہا کرتی تھی جس کی وجہ سے مسلمانوں کو اپنی قوت اور سامان بڑھانے کی مہلت وفرصت نہ ملتی تھی، حدیبیہ کے واقعہ میں جب صلح ہوگئی تو اطمینان کے ساتھ مسلمانوں نے کوشش کی جس سے بہت سے نئے آدمی مسلمان ہوگئے، مجمع مسلمانوں کا بڑھ گیا اور فتح خیبر وغیرہ سے سامان بھی درست ہوگیا، اور ایسے ہوگئے کہ دوسروں پر دباؤ پڑ سکے پھر قریش کی طرف سے عہد شکنی ہوئی تو آپ دس ہزار صحابہ کرام کے ساتھ مقابلہ کے لئے چلے، اہل مکہ اس قدر مرعوب ہوئے کہ زیادہ

لڑائی بھی نہ ہوئی اور اطاعت قبول کر لی اور جو لڑائی ہوئی بھی تو اتنی کم اور خفیف کہ اہل علم کا اس میں اختلاف ہو گیا کہ مکہ مکرمہ صلح سے فتح ہوا یا جنگ سے؟ غرض اس طرح یہ صلح سبب فتح ہو گئی، اس لئے مجازی طور پر اس صلح کو بھی فتح فرما دیا گیا۔ آگے اس فتح کے دینی اور دنیوی ثمرات و برکات کا بیان ہے کہ یہ فتح اس لئے میسر ہوئی تاکہ (تبلیغ دین اور دعوت حق میں آپ کی کوششوں کا نتیجہ اس طرح ظاہر ہوا کہ کثرت سے لوگ اسلام میں داخل ہوئے اور اس سے آپ کا اجر بہت بڑھ جائے، اور کثرت اجر و قرب کی برکت سے) اللہ تعالیٰ آپ کی سب اگلی پچھلی (صوری) خطائیں معاف فرما دے اور آپ پر (جو اللہ تعالیٰ) اپنے احسانات (کرتا آیا ہے مثلاً آپ کو نبوت دی، قرآن دیا، بہت سے علوم دیئے بہت سے اعمال کا ثواب دیا ان احسانات) کی (اور زیادہ) تکمیل کر دے (اس طرح کہ آپ کے ہاتھ پر بہت سے لوگ اسلام میں داخل ہوں جس سے آپ کا اجر اور مقام اور بلند ہو یہ دو نعمتیں تو آخرت سے متعلق ہیں) سیدھے راستے پر چلے (اور اگرچہ آپ کا صراط مستقیم پر چلنا پہلے سے یقینی ہے مگر اس میں کفار کی مزاحمت ہوتی تھی اب یہ مزاحمت نہیں رہے گی) اور (دوسری دنیوی نعمت یہ ہے کہ) اللہ آپ کو ایسا غلبہ دے جس میں عزت ہی عزت ہو (یعنی جس کے بعد آپ کو کبھی کسی سے دبنا نہ پڑے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ تمام جزیرۃ العرب پر آپ کا تسلط ہو گیا)

**شانِ نزول:** جمہور صحابہ و تابعین اور ائمہ مفسرین کے نزدیک سورۂ فتح ۶ھ میں اس وقت نازل ہوئی جب کہ آپ بقصد عمرہ، مکہ مکرمہ مع جماعت صحابہ کے تشریف لے گئے، اور حرم مکہ کے قریب مقام حدیبیہ تک پہنچ کر قیام فرمایا مگر قریش مکہ نے آپ کو مکہ میں داخل ہونے سے منع کیا پھر اس پر صلح کرنے کے لئے تیار ہوئے کہ اس سال تو واپس چلے جائیں اگلے سال اس عمرہ کی قضا کر لیں بہت سے صحابہ کرام خصوصاً فاروق اعظم اس طرح کی صلح سے ناراض تھے، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باشارات ربانی اس صلح کو انجام کار مسلمانوں کے لئے ذریعہ کامیابی سمجھ کر قبول فرما لیا، جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا احرام کھول دیا اور حدیبیہ سے واپس روانہ ہوئے تو

راستہ میں یہ پوری سورت نازل ہوئی جس میں بتلا دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا خواب سچا ہے ضرور واقع ہوگا مگر اس کا یہ وقت نہیں بعد میں فتح کا وقت ہوگا، اور اس صلح حدیبیہ کو فتح مبین سے تعبیر فرمایا، کیوں کہ یہ صلح ہی درحقیقت فتح مکہ کا سبب بنی حضرت عبداللہ بن مسعود اور دوسرے صحابہ کرام نے فرمایا ہے کہ تم لوگ فتح مکہ کو فتح کہتے ہو اور ہم صلح حدیبیہ کو فتح سمجھتے ہیں، اسی طرح حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ ہم صلح حدیبیہ کے وقت بیعت رضوان کو اصلی فتح سمجھتے ہیں، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حاضرین صحابہ سے جن کی تعداد چودہ سو تھی ایک درخت کے نیچے جہاد کرنے پر بیعت لی تھی جیسا کہ اسی سورت میں اس بیعت کا ذکر بھی آگے آرہا ہے، (ملخص از ابن کثیر ص: ۱۶۴ ج: ۴) اور جب کہ یہ معلوم ہوگیا کہ یہ سورت واقعہ حدیبیہ میں نازل ہوئی ہے اور اس واقعہ کے بہت سے اجزاء کا خود اس سورت میں تذکرہ بھی ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اس واقعہ کو پہلے ذکر کر دیا جائے، تفسیر ابن کثیر میں اس کی بڑی تفصیل ہے اور اس سے زیادہ تفصیل مظہری میں ہے، اس جگہ ہم اس قصہ کو از اول تا آخر مفصل اور مرتب مستند کتب حدیث کے حوالہ سے بیان کریں گے جو بہت سے معجزات اور نصائح علمی، دینی سیاسی فوائد و حکم پر مشتمل ہے اس میں سے یہاں اس قصہ کے صرف وہ اجزاء لکھے جاتے ہیں جن کا ذکر خود اس سورت میں کیا گیا ہے، یا جن سے ان کا گہرا تعلق ہے تا کہ آگے ان آیتوں کی تفسیر سمجھنا آسان ہوجائے جو اس قصہ سے متعلق ہیں، یہ سب بیان تفسیر مظہری سے لیا گیا ہے اور جو کسی دوسری تفسیر سے لیا ہے اس کا حوالہ دے دیا ہے۔

## واقعہ حدیبیہ جزء اول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا خواب

حدیبیہ، ایک مقام مکہ مکرمہ سے باہر حدود حرم کے بالکل قریب ہے جس کو آج کل شمسیہ کہا جاتا ہے یہ واقعہ اس مقام پر پیش آیا ہے۔ اس واقعہ کا ایک جز بروایت عبد بن حمید اور ابن جریر و بیہقی وغیرہ میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مدینہ طیبہ میں یہ خواب دیکھا کہ آپ مکہ مکرمہ میں مع صحابہ کرامؓ امن اور اطمینان کے ساتھ داخل ہوئے اور احرام سے فارغ ہوکر کچھ لوگوں نے حسب قاعدہ سر کا حلق کرایا بعض نے بال کٹوائے اور یہ کہ آپ بیت اللہ میں داخل ہوئے اور بیت اللہ کی چابی آپ کے ہاتھ میں آئی یہ اس واقعہ کا ایک جزو

ہے جس کا ذکر اسی سورت میں آنے والا ہے۔ (انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے اس لئے اس صورت کا واقع ہونا یقینی ہو گیا مگر خواب میں اس واقعہ کے لئے کوئی سال یا مہینہ متعین نہیں کیا گیا۔ اور در حقیقت یہ خواب فتح مکہ کے وقت پورا ہونے والا تھا مگر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو خواب سنایا تو وہ سب کے سب مکہ مکرمہ جانے اور بیت اللہ کا طواف کرنے وغیرہ کے ایسے مشتاق تھے کہ ان حضرات نے فوراً ہی تیاری شروع کر دی اور جب صحابہ کرامؓ کا ایک مجمع تیار ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ارادہ فرما لیا کیوں کہ خواب میں کوئی خاص سال یا مہینہ متعین نہ تھا، تو احتمال یہ بھی تھا کہ ابھی یہ مقصد حاصل ہو جائے۔ (کذا فی بیان القرآن بحوالہ روح المعانی)

## جزو دوم، آپ کا صحابہ کرامؓ اور دیہات کے مسلمانوں کو ساتھ چلنے کے لئے بلانا اور بعض کا انکار کرنا

ابن سعد وغیرہ کی روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے عمرہ کا ارادہ فرما لیا تو آپ کے سامنے یہ خطرہ تھا کہ قریش مکہ ممکن ہے ہمیں عمرہ کرنے سے روکیں اور ممکن ہے کہ مدافعت کے لئے جنگ کی صورت پیش آجائے اس لئے آپ نے مدینہ طیبہ کے قریبی دیہات میں اعلان کر کے ان لوگوں کو ساتھ چلنے کی دعوت دی ان میں بہت سے اعرابی (دیہاتی) نے ساتھ چلنے سے عذر کر دیا اور کہنے لگے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اصحاب ہمیں قریش مکہ سے لڑوانا چاہتے ہیں جو ساز و سامان والے اور طاقتور ہیں، ان کا انجام تو یہ ہونا ہے کہ یہ اس سفر سے واپس نہ لوٹیں گے۔ (مظہری)

## جزو سوم مکہ کی طرف روانگی

امام بخاری، ابوداؤد و نسائی وغیرہ کی روایت کے مطابق روانگی سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غسل فرمایا اور نیا لباس زیب تن کیا، اور آپ ناقہ قصویٰ پر سوار ہوئے ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کو ساتھ لیا اور آپ کے ساتھ مہاجرین و انصار اور دیہات سے آنے والوں کا بڑا مجمع تھا، جن کی تعداد اکثر روایات میں چودہ سو بیان کی گئی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خواب کی وجہ سے ان میں کسی کو شک نہیں تھا کہ مکہ اسی وقت فتح ہو

جائے گا۔ حالانکہ بجز تلواروں کے ان کے ساتھ اور کچھ اسلحہ نہ تھا، آپ مع صحابہ کرامؓ کے شروع ماہ ذی قعدہ میں پیر کے دن روانہ ہوئے اور ذوالحلیفہ میں پہنچ کر احرام باندھا۔ (مظہری ملخصا)

## جزو چہارم اہل مکہ کی مقابلے کے لئے تیاری

دوسری طرف جب اہل مکہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک بڑی جماعت صحابہ کے ساتھ مکہ کے لئے بغرض عمرہ روانہ ہونے کی خبر ملی تو جمع ہو کر باہم مشورہ کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ عمرہ کے لئے آرہے ہیں۔ اگر ہم نے ان کو مکہ میں آنے دیا تو تمام عرب میں مشہور ہو جائے گا کہ وہ ہم پر غلبہ پا کر مکہ مکرمہ پہنچ گئے حالانکہ ہمارے اور ان کے درمیان کئی جنگیں ہو چکی ہیں سب نے عہد کیا کہ ہم ایسا نہیں ہونے دیں گے اور آپ کو روکنے کے لئے خالد بن ولید (جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے) کی سرکردگی میں ایک جماعت کو مکہ سے باہر مقام **کراع الغمیم** پر بھیج دیا اور آس پاس کے دیہات والوں کو بھی ساتھ ملا لیا اور طائف کا قبیلہ بنو ثقیف بھی ان کے ساتھ لگ گیا انہوں نے مقام بلدح پر اپنا پڑاؤ ڈال دیا ان سب نے آپس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ میں داخل ہونے سے روکنے اور آپ کے مقابلے میں جنگ کرنے کا عہد کر لیا۔

## خبر رسانی کا ایک عجیب سادہ طریقہ

ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات سے باخبر رہنے کے لئے یہ انتظام کیا کہ مقام بلدح سے لے کر اس مقام تک جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہنچ چکے تھے پہاڑوں کی چوٹیوں پر کچھ آدمی بٹھا دیئے تاکہ آپ کے پورے حالات دیکھ کر آپ کے متصل پہاڑ والا باآواز بلند دوسرے پہاڑ والے تک وہ تیسرے تک پھر وہ چوتھے تک پہنچاوے اس طرح چند منٹوں میں آپ کی نقل و حرکت کا بلدح والوں کو علم ہو جاتا تھا۔

## رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خبر رساں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بشر بن سفیان کو آگے مکہ مکرمہ بھیج دیا تاکہ وہ خفیہ طور پر اہل مکہ کے حالات جا کر دیکھیں اور آپ کو اطلاع کریں وہ مکہ سے واپس آئے تو اہل مکہ کی ان

جنگی تیاریوں اور مکمل مزاحمت کے واقعات کی خبر دی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ افسوس ہے قریش پر کہ متعدد جنگوں نے ان کو کھالیا ہے پھر بھی وہ جنگ سے باز نہیں آتے ان کے لئے تو اچھا موقع تھا کہ وہ مجھے اور دوسرے اہل عرب کو آزاد چھوڑ دیتے اگر یہ عرب لوگ مجھ پر غالب آجاتے تو ان کی مراد گھر بیٹھے حاصل ہوجاتی اور میں ان پر غالب آجاتا تو پھر وہ اسلام میں داخل ہوجاتے اور اگر یہ نہ کرتے اور جنگ ہی کرنے کا ارادہ ہوتا تو وہ تازہ اور قوی ہوتے اور پھر وہ میرے مقابلہ پر آجاتے، معلوم نہیں کہ یہ قریش کیا سمجھ رہے ہیں قسم ہے اللہ کی کہ میں اس حکم پر جو اللہ نے مجھے دے کر بھیجا ہے ہمیشہ ان کے خلاف جہاد کرتا رہوں گا یہاں تک کہ تنہا میری گردن رہ جائے۔

## جزو پنجم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناقہ کا راستہ میں بیٹھ جانا

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو جمع کر کے خطبہ دیا اور مشورہ لیا کہ ہمیں یہیں سے ان عربوں کے خلاف جہاد شروع کر دینا چاہیے، یا ہم بیت اللہ کی طرف بڑھیں، پھر جو ہمیں روکے اس سے قتال کریں حضرت ابوبکرؓ اور دوسرے صحابہؓ نے مشورہ دیا کہ آپ بیت اللہ کے قصد سے نکلے ہیں کسی سے جنگ کے لئے نہیں نکلے اس لئے آپ اپنے قصد پر رہیں وہاں اگر ہمیں کوئی مکہ سے روکے گا تو ہم اس سے قتال کریں گے اس کے بعد مقداد بن اسود اٹھے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم بنی اسرائیل کی طرح نہیں کہ آپ سے یہ کہہ دیں اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا (یعنی جایئے آپ اور آپ کا رب لڑ بھڑ لیجئے ہم تو یہاں بیٹھے ہیں) بلکہ ہم ہر حال میں آپ کے ساتھ قتال کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا بس اب اللہ کے نام پر مکہ کی طرف چلو۔ جب آپ مکہ مکرمہ کے قریب پہنچے اور خالد بن ولید اور ان کے ساتھیوں نے آپ کو مکہ کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تو اپنے لشکر کی صفوف کو جانب قبلہ مستحکم کر کے کھڑا کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عباد بن بشر کو ایک دستہ کا امیر بنا کر آگے کیا انہوں نے خالد بن ولید کے بالمقابل صفوف بنالیں اسی حالت میں نماز ظہر کا وقت آ گیا حضرت بلال نے اذان کہی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

تمام صحابہ کو نماز پڑھائی خالد بن ولید اور ان کے سپاہی دیکھتے رہے۔ بعد میں خالد بن ولید نے کہا کہ ہم نے بڑا اچھا موقع ضائع کر دیا، جب یہ لوگ نماز میں تھے اس وقت ہم ان پر ٹوٹ پڑتے مگر کوئی بات نہیں اب ان کی دوسری نماز کا وقت آنے والا ہے۔ اس کا انتظار کرو۔ مگر حضرت جبرئیل علیہ السلام صلوٰۃ الخوف کے احکام لے کر نازل ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے ارادے سے باخبر کر کے نماز کے وقت لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کا طریقہ بتلا دیا اور ان کے شر سے محفوظ رہے۔

## جز و ششم، مقام حدیبیہ میں ایک معجزہ

مگر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیبیہ کے قریب پہنچے تو آپ کی اونٹنی کا پیر پھسل گیا وہ بیٹھ گئی صحابہ کرام نے اٹھانا چاہا تو نہ اٹھی لوگوں نے کہا کہ قصویٰ بگڑ گئی آپ نے فرمایا قصویٰ کا قصور نہیں نہ اس کی ایسی عادت ہے بلکہ اس کو تو اس ذات نے روک دیا ہے جس نے اصحاب فیل کو روک دیا تھا (غالباً اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ اندازہ ہو گیا کہ جو واقعہ خواب میں دکھلایا گیا ہے اس کا یہ وقت نہیں ہے) آپ نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی، جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے آج کے دن قریش مجھ سے جو بات بھی ایسی کہیں گے جس میں شعائر الٰہیہ کی تعظیم ہو تو میں اس کو ضرور مان لوں گا۔ پھر آپ نے اونٹنی پر ایک آواز لگائی تو اٹھ گئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خالد بن ولید کی جانب سے ہٹ کر حدیبیہ کی دوسری جانب قیام فرمایا جہاں پانی بہت ہی کم تھا۔ پانی کے مواقع پر خالد بن ولید اور بلدح والے قابض ہو چکے تھے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ معجزہ ظاہر ہوا کہ ایک کنواں جس میں پانی کچھ کچھ رستا تھا اس میں آپ نے کلی کر دی اور اپنا ایک تیر صحابہ کو دیا کہ اس کے اندر گاڑ دو یہ عمل ہوتے ہی اس کا پانی جوش مار کر کنویں کی من کے قریب پہنچ گیا تو کنویں کے اوپر والوں نے اپنے برتنوں سے پانی نکالا اور سیراب ہو گئے۔

## جز و ہفتم، اہل مکہ کے ساتھ بواسطہ وفود بات چیت

اس طرح صحابہؓ مطمئن ہو کر یہاں مقیم ہوئے۔ اور اہل مکہ سے بواسطہ وفود بات

چیت شروع ہوئی پہلے بدیل بدن ورقا (جو بعد میں مسلمان ہو گئے) اپنے ساتھیوں کے ساتھ حاضر ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خیر خواہانہ عرض کیا کہ قریش مکہ پوری قوت کے ساتھ مقابلے کے لئے نکل آئے ہیں اور پانی کی جگہوں پر انہوں نے قبضہ کر لیا ہے وہ ہرگز آپ کو اجازت نہ دیں گے کہ آپ مکہ میں داخل ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہم کسی سے جنگ کرنے نہیں آئے البتہ اگر کوئی ہمیں عمرہ کرنے سے روکے گا تو ہم قتال کریں گے پھر آپ نے اسی بات کا اعادہ فرمایا جو پہلے جاسوس بشر کے سامنے کہی تھی کہ قریش کو متعدد جنگوں نے کمزور کر دیا ہے اگر وہ چاہیں تو کسی معین مدت تک کے لئے ہم سے صلح کر لیں تا کہ وہ بے فکر ہو کر اپنی تیاری میں لگ جائیں اور ہمیں اور باقی عرب کو چھوڑ دیں، اگر وہ مجھ پر غالب آ گئے تو انکی مراد گھر بیٹھے پوری ہو جائے گی، اور اگر ہم غالب آ گئے اور وہ اسلام میں داخل ہونے لگے تو ان کو اختیار ہوتا کہ وہ بھی اسلام میں داخل ہو جائیں یا ہمارے خلاف جنگ کریں، اور اس عرصہ میں اپنی قوت محفوظ رکھ کر بڑھا چکے ہوں گے اور اگر قریش اس بات سے انکار کریں تو بخدا ہم اپنے معاملہ پر ان سے جہاد کرتے رہیں گے، جب تک میری تنہا گردن باقی ہے، بدیل یہ کہہ کر واپس ہو گئے کہ میں جا کر قریش کے سرداروں سے آپ کی بات کہہ دیتا ہوں وہاں پہنچے تو کچھ لوگوں نے تو ان کی بات ہی کو سننا نہ چاہا بلکہ جنگ کے جوش میں رہے، پھر کچھ لوگوں نے کہا کہ بات تو سن لیں، یہ کہنے والے عروہ بن مسعود اپنی قوم کے سردار تھے، جب بات سنی تو عروہ بن مسعود نے قریشی سردارں سے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو بات پیش کی ہے وہ درست ہے اس کو قبول کر لو، اور مجھے اجازت دو کہ میں جا کر ان سے بات کروں، چنانچہ دوسری مرتبہ عروہ بن مسعود گفتگو کے لئے حاضر ہوئے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ اگر اپنی قوم قریش کا صفایا ہی کر دیں تو یہ کون سی اچھی بات ہو گی؟ کبھی دنیا میں آپ نے سنا ہے کہ کوئی شخص اپنی ہی قوم کو ہلاک کر دے، پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ان کی نرم و گرم باتیں ہوتی رہیں اسی حال میں عروہ نے صحابہ کرام کے حالات کا مشاہدہ کیا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تھوکا بھی تو صحابہ نے اس کو اپنے ہاتھوں میں لے کر اپنے چہرے پر مل لیا، اور جب آپ نے وضو کیا تو وضو کے گرنے

والے پانی پر صحابہ کرام ٹوٹ پڑتے اور اپنے چہروں پر مل لیتے اور جب آپ گفتگو فرماتے تو سب اپنی آوازیں پست کر لیتے، عروہ نے واپس جا کر قریش کے سرداروں سے یہ حال بیان کیا کہ میں بڑے بڑے شاہی دربار قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے پاس جا چکا ہوں خدا کی قسم میں نے کوئی ایسا بادشاہ نہیں دیکھا جس کی قوم اس پر اس طرح فدا ہو جیسے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان پر فدا ہیں اور وہ ایک صحیح بات کہہ رہے ہیں میرا مشورہ ہے کہ تم ان کی بات مان لو مگر لوگوں نے کہا کہ ہم یہ بات نہیں مان سکتے ہیں بجز اس کے کہ اس سال تو آپ لوٹ جائیں پھر اگلے سال آجائیں جب عروہ کی بات نہ مانی گئی تو وہ اپنی جماعت کو ساتھ لے کر واپس ہو گئے، اس کے بعد ایک صاحب حلیس بن علقمہ جو اعراب کے سردار تھے وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صحابہ کرامؓ کو احرام کی حالت میں قربانی کے جانور ساتھ لئے دیکھا تو واپس ہو کر اس نے بھی اپنی قوم کو سمجھایا کہ یہ لوگ بیت اللہ کے عمرہ کے لئے آئے ہیں، ان کو روکنا کسی طرح درست نہیں لوگوں نے اسکا کہنا نہ مانا تو یہ بھی اپنی جماعت کو لے کر واپس ہو گیا، پھر ایک چوتھا آدمی آپ سے بات کرنے کے لئے آیا اور آپ سے گفتگو کی تو آپ نے اپنی وہی بات پیش کر دی جو اس سے پہلے بدیل اور عروہ بن مسعود کے سامنے پیش کی تھی اس نے جا کر آپ کا جواب قریش کو سنا دیا۔

## جزو ہشتم، حضرت عثمان کو اہل مکہ کے لئے پیغام دے کر بھیجنا

امام بیہقی نے حضرت عروہؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیبیہ میں پہنچ کر قیام فرمایا تو قریش گھبرا گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارادہ کیا کہ ان کے پاس اپنا کوئی آدمی بھیج کر بتلا دیں کہ ہم جنگ کرنے نہیں عمرہ کرنے آئے ہیں ہمارا راستہ نہ روکو، اس کام کے لئے حضرت عمرؓ کو بلایا انہوں نے عرض کیا کہ یہ قریش میرے سخت دشمن ہیں، کیوں کہ ان کو میری عداوت و شدت کا حال معلوم ہے اور میرے قبیلہ کا کوئی آدمی ایسا مکہ میں نہیں جو میری حمایت کرے اس لئے میں آپ کے سامنے ایک ایسے شخص کا نام پیش کرتا ہوں جو کہ مکہ مکرمہ میں اپنے قبیلہ وغیرہ کی وجہ سے خاص قوت و عزت رکھتے ہیں، یعنی عثمان بن عفانؓ

آپ نے حضرت عثمان بن عفانؓ کو اس کام کے لئے نامور فرما کر بھیج دیا، اور یہ بھی فرمایا کہ جو ضعفائے مسلمین مرد اور عورتیں مکہ مکرمہ سے ہجرت نہ کر سکے اور مشکلات میں پھنسے ہوئے ہیں ان کے پاس جا کر تسلی دیں کہ پریشان نہ ہوں، انشاء اللہ مکہ مکرمہ فتح ہوگا، تمہاری مشکلات کے ختم ہونے کا وقت آ گیا ہے، حضرت عثمان غنیؓ پہلے ان لوگوں کے پاس پہنچے جو مقام بلدح میں حضور کا راستہ روکنے اور مقابلہ کے لئے جمع ہوئے تھے، ان سے جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہی بات سنادی جو آپ نے بدیل اور عروہ بن مسعود وغیرہ کے سامنے کہی تھی۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہم نے پیغام سن لیا، آپ جا کر اپنے بزرگ سے کہہ دو کہ یہ بات ہرگز نہیں ہوگی ان لوگوں کے جواب سن کر آپ مکہ مکرمہ کے اندر جانے لگے تو ابان بن سعید (جو بعد میں مسلمان ہوگئے تھے) ان سے ملاقات ہوئی انہوں نے حضرت عثمانؓ کا گرم جوشی سے استقبال کیا اور اپنی پناہ میں لے کر ان سے کہا کہ مکہ میں اپنا پیغام لے کر جہاں چاہیں جاسکتے ہیں، اس میں آپ کوئی فکر نہ کریں، پھر اس نے گھوڑے پر حضرت عثمانؓ کو سوار کر کے مکہ مکرمہ میں داخل کیا، کیوں کہ ان کا قبیلہ بنو سعد مکہ مکرمہ میں بہت قوی اور عزت دار تھا یہاں تک حضرت عثمانؓ مکہ مکرمہ میں قریش کے ایک ایک سردار کے پاس پہنچے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام پہنچا دیا کہ ہم کسی سے لڑنے کے لئے نہیں آئے، عمرہ کر کے واپس جائیں گے، ہاں کوئی ہمارا راستہ روکے گا تو لڑیں گے، اور قریش خود جنگوں سے نیم جان ہو چکے ہیں، انکے لئے مناسب یہ ہے کہ ہمیں اور دوسرے اہل عرب کو چھوڑ دیں قریش ہمارے مقابلہ پر نہ آویں پھر دیکھیں اگر عرب ہم پر غالب آ گئے تو ان کی مراد پوری ہو جائے گی اور ہم غالب آئے تو انہیں پھر بھی اختیار باقی ہوگا اس وقت قتال کر سکتے ہیں اور اس عرصہ میں ان کو اپنی طاقت بڑھانے اور محفوظ رکھنے کا موقع بھی مل جائے گا، مگر ان سب نے آپ کی بات کو رد کر دیا، پھر عثمان غنیؓ ضعفائے مسلمین سے ملے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام پہنچا دیا، وہ بہت خوش ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام بھیجا جب عثمان غنیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیغامات پہنچانے سے فارغ ہوئے تو اہل مکہ نے ان سے کہا کہ اگر آپ چاہیں تو طواف کر سکتے ہیں عثمان غنیؓ نے کہا میں اس وقت تک طواف نہیں کروں گا جب تک

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طواف نہ کریں، عثمان غنیؓ مکہ میں تین رات رہے اور روساء قریش کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات ماننے کی طرف دعوت دیتے رہے۔

## جزو نہم، اہل مکہ اور مسلمانوں میں آویزش اور اہل مکہ کے ستر آدمیوں کی گرفتاری

اسی عرصہ میں قریش نے اپنے پچاس آدمی اس کام پر لگائے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب پہنچ کر موقع کا انتظار کریں اور موقع ملنے پر (معاذ اللہ) آپ کا کام تمام کر دیں، یہ لوگ اسی تاک میں تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت ونگرانی پر مامور حضرت محمد بن مسلمہؓ نے ان سب کو گرفتار کر لیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں قید کر کے حاضر کر دیا، دوسری طرف حضرت عثمان غنیؓ جو مکہ میں تھے اور ان کے ساتھ تقریباً دس مسلمان اور مکہ مکرمہ میں پہنچ گئے تھے، قریش نے جب اپنے پچاس آدمیوں کی گرفتاری کے بارے میں سنا تو حضرت عثمان سمیت ان سب مسلمانوں کو روک لیا اور قریش کی ایک جماعت مسلمانوں کے لشکر کی طرف نکلی اور مسلمانوں کی جماعت پر پتھر پھینکے اس میں مسلمانوں میں سے ایک صحابی ابن زنیم شہید ہو گئے اور مسلمانوں نے ان قریشیوں کے دس سواروں کو گرفتار کر لیا، اسی دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی نے یہ خبر پہنچائی کہ حضرت عثمان قتل کر دیئے گئے۔

## جزو دہم، بیعت رضوان کا واقعہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ خبر سن کر صحابہ کو ایک درخت کے نیچے جمع کیا کہ سب جمع ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر جہاد کے لئے بیعت کریں، صحابۂ کرام نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی جس کا ذکر آگے اسی سورت میں آنے والا ہے، احادیث صحیحہ میں ان لوگوں کی بڑی فضیلت آئی ہے، جو اس بیعت میں شریک تھے اور حضرت عثمان غنیؓ چونکہ آپ کے حکم سے مکہ گئے ہوئے تھے اس لئے ان کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اپنے ہاتھ پر دوسرا ہاتھ مار کر فرمایا کہ یہ عثمان کی بیعت ہے یہ خصوصی فضیلت عثمان کی تھی کہ آپ نے اپنے ہی ہاتھ کو عثمانؓ کا ہاتھ قرار دے کر ان کی طرف سے بیعت کر لی۔

## جزو یازدہم، حدیبیہ کا واقعہ

دوسری طرف اہل مکہ پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا رعب مسلط کر دیا اور خود مصالحت پر آمادہ ہو کر انہوں نے اپنے تین آدمی سہیل بن عمرو اور حویطب بن عبدالعزی اور بکرز بن حفص کو عذر معذرت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجا ان میں سے پہلے دو حضرات بعد میں مسلمان بھی ہو گئے سہیل بن عمرو نے آ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ تک جو خبر پہنچی ہے کہ عثمان غنیؓ اور ان کے ساتھی قتل کر دیئے گئے یہ بالکل غلط ہے ہم ان کو آپ کے پاس بھیجتے ہیں ہمارے قیدیوں کو آزاد کر دیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو آزاد کر دیا، مسند احمد اور مسلم میں حضرت انس کی روایت ہے کہ اس سورت میں جو آیت آنے والی ہے: **هُوَ الَّذِیْ كَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ** یہ اسی واقعہ سے متعلق ہے اب سہیل اور ان کے ساتھیوں نے جا کر بیعت رضوان میں صحابہؓ کرام کی سعادت اور جان نثاری کے عجیب و غریب منظر کا حال قریش کے سامنے بیان کیا، تو قریش کے اصحاب رائے لوگوں نے آپس میں کہا کہ اس سے بہتر کوئی نہیں ہے کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بات پر صلح کر لیں کہ وہ اس سال تو واپس چلے جائیں تا کہ پورے عرب میں یہ شہرت نہ ہو جائے کہ ہم نے ان کو روکنا چاہا وہ زبردستی مکہ میں داخل ہو گئے اور اگلے سال عمرہ کے لئے آ جائیں، اور تین روز مکہ میں قیام کریں اس وقت اپنے جانور قربانی کے ذبح کر ڈالیں اور احرام کھول دیں چنانچہ یہی سہیل بن عمرو یہ پیغام لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

آپ نے ان کو دیکھتے ہی فرمایا کہ اب معلوم ہوتا ہے کہ اس قوم نے صلح کا ارادہ کر لیا ہے، سہیل کو پھر بھیجا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چہار زانو بیٹھ گئے اور صحابہ میں سے عباد بن بشر اور سلمہ ہتھیاروں سے مسلح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حفاظت کے لئے کھڑے ہو گئے، سہیل حاضر ہوئے تو ادب کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بیٹھ گئے اور قریش کا پیغام آپ کو پہنچایا صحابۂ کرام عموماً اس پر راضی نہ تھے کہ اس وقت احرام بغیر عمرہ کے کھول دیں انہوں نے سہیل سے سخت گفتگو کی آوازیں کبھی بلند ہوئیں کبھی پست ہوئیں، عباد بن بشر نے سہیل کو ڈانٹا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آواز بلند نہ کر طویل گفتگو کے بعد آپ اس شرط کو

قبول کر کے صلح کر لینے پر راضی ہو گئے سہیل نے کہا کہ لائیے ہم اپنے اور آپ کے درمیان صلح نامہ لکھ دیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؓ کو بلایا اور فرمایا کہ لکھو بسم اللہ الرحمن الرحیم سہیل نے یہیں سے بحث شروع کر دی اور کہا کہ لفظ رحمن اور رحیم ہمارے محاورات میں نہیں ہے، آپ یہاں وہی لفظ لکھیں جو پہلے لکھتے تھے۔ یعنی **باسمک اللھم** آپ نے اس کو بھی مان لیا اور حضرت علیؓ سے فرمایا ایسا ہی لکھ دو اس کے بعد آپ نے حضرت علیؓ کو فرمایا کہ یہ لکھو کہ یہ وہ عہد نامہ ہے جسکا فیصلہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا ہے سہیل نے اس پر بھی ضد کی کہ اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول مانتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہرگز بیت اللہ سے نہیں روکتے، صلح نامہ میں ایسا کوئی لفظ نہیں ہونا چاہئے جو کسی فریق کے عقیدہ کے خلاف ہو، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف محمد بن عبداللہ لکھوائیں، آپ نے اس کو بھی منظور فرما کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ جو لکھا ہے اس کو مٹا کر محمد بن عبداللہ لکھ دو۔

حضرت علیؓ نے باوجود سراپا اطاعت ہونے کے عرض کیا میں تو یہ نہیں کر سکتا کہ آپ کے نام کو مٹا دوں۔ حاضرین میں سے حضرت اسید بن حضیر اور سعد بن عبادہ نے حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ لیا کہ اس کو نہ مٹائیں اور بجز محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور کچھ نہ لکھیں اگر یہ لوگ نہیں مانتے تو ہمارے اور انکے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی، اور کچھ آوازیں ہر طرف سے بلند ہونے لگیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلح نامہ کا کاغذ خود اپنے دست مبارک میں لے لیا اور باوجود اس کے کہ آپ امی تھے پہلے کبھی نہ لکھا تھا مگر اس وقت خود اپنے قلم سے آپ نے یہ لکھ دیا **ھذا ما قاضی محمد بن عبداللہ و سھیل بن عمرو و اصلحا علی وضع الحرب عن الناس عشر سنین یأمن فیه الناس و یکف بعضھم عن بعض.** یعنی یہ وہ فیصلہ ہے جو محمد بن عبداللہ اور سہیل بن عمرو نے دس سال کے لئے باہم جنگ نہ کرنے کا کیا ہے جس میں سب لوگ مامون رہیں ایک دوسرے پر چڑھائی اور جنگ سے پرہیز کریں۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہماری ایک شرط یہ ہے کہ اس وقت ہمیں طواف کرنے سے نہ روکا جائے، سہیل نے کہا کہ بخدا یہ نہیں ہو سکتا آپ نے اس کو بھی قبول فرما لیا، اس کے بعد سہیل نے اپنی ایک شرط یہ لکھی کہ جو شخص مکہ والوں میں سے اپنے ولی کی

اجازت کے بغیر آپ کے پاس جائے گا اس کو آپ واپس کر دیں گے۔ اگر چہ وہ آپ ہی کے دین پر ہو اس پر عام مسلمانوں کی آوازیں اٹھیں سبحان اللہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم اپنے مسلم بھائی کو مشرکین کی طرف لوٹا دیں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو بھی قبول فرما لیا، اور یہ فرمایا کہ ہم میں سے کوئی آدمی اگر ان کے پاس گیا تو اس کو اللہ ہی نے ہم سے دور کر دیا، اس کی ہم کیوں فکر کریں، اور ان میں کا کوئی آدمی ہمارے پاس آیا اور ہم نے لوٹا بھی دیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے راستہ سہولت کا نکال دیں گے۔ حضرت براء نے اس صلح نامہ کا خلاصہ تین شرطیں بیان کیا ہے ایک یہ کہ ان کا کوئی آدمی ہمارے پاس آجائے گا تو ہم اس کو واپس کر دیں گے۔ دوسرے یہ کہ ہمارا کوئی آدمی ان کے پاس چلا جائے گا تو وہ واپس نہ کریں گے۔ تیسرے یہ کہ آپ آئندہ سال عمرہ کے لئے آئیں تو تین روز مکہ میں قیام کریں گے، اور زیادہ ہتھیار لے کر نہ آئیں گے۔ اور آخر میں لکھا گیا کہ یہ عہد نامہ اہل مکہ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان ایک محفوظ دستاویز ہے جس کی کوئی خلاف ورزی نہ کرے گا اور باقی سب عرب آزاد ہیں جس کا جی چاہے محمد کے عہد میں داخل ہو جائے اور جس کا جی چاہے قریش کے عہد میں داخل ہو جائے یہ سن کر قبیلہ خزاعہ اچھل پڑے اور کہا کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عقد میں داخل ہیں اور بنو بکر نے آگے بڑھ کر کہا کہ ہم قریش کے عقد وعہد میں داخل ہیں۔

## شرائط صلح سے عام صحابۂ کرامؓ کی ناراضگی اور رنج

جب یہ شرائط صلح طے ہو گئیں تو عمر بن خطابؓ سے نہ رہا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ اللہ کے نبی برحق نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں پھر حضرت عمرؓ نے یہ کہا کہ کیا ہم حق پر اور وہ لوگ باطل پر نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں پھر حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ ہمارے مقتولین جنت اور ان کے مقتولین جہنم میں نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں اس پر حضرت عمرؓ نے عرض کیا تو پھر ہم کیوں اس ذلت کو قبول کریں کہ بغیر عمرہ کئے واپس چلے جائیں جب تک جنگ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا کوئی فیصلہ نہ کر دیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں ہرگز اس

کے حکم کے خلاف نہ کروں گا، اور اللہ تعالیٰ مجھے ضائع نہ فرمائے گا وہ میرا مددگار ہے، حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا آپ نے ہم سے یہ نہیں فرمایا کہ ہم بیت اللہ کے پاس جائیں گے اور طواف کریں گے؟ آپ نے فرمایا کہ بے شک یہ کہا تھا مگر کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ یہ کام اسی سال ہوگا؟ تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ یہ تو آپ نے نہیں فرمایا تھا تو آپ نے فرمایا کہ بس یہ واقعہ جیسا کہ میں نے کہا تھا ہو کر رہے گا کہ آپ بیت اللہ کے پاس جائیں گے اور طواف کریں گے۔

حضرت عمر بن خطابؓ خاموش ہو گئے مگر غم وغصہ نہیں گیا۔ آپ کے پاس سے حضرت ابوبکرؓ کے پاس گئے اور اسی گفتگو کا اعادہ کیا جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کی تھی حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا خدا کے بندے! محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور وہ اللہ کے حکم کے خلاف کوئی کام نہ کریں گے۔ اور اللہ ان کا مددگار ہے اسلئے تم مرتے دم تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رکاب تھامے رہو، خدا کی قسم وہ حق پر ہیں غرض حضرت عمر فاروقؓ کو ان شرائط صلح سے سخت رنج وغم پہنچا، خود انہوں نے فرمایا کہ واللہ جب سے میں نے اسلام قبول کیا مجھے کبھی شک پیش نہیں آیا، بجز اس واقعہ کے (رواہ البخاری) حضرت ابوعبیدہؓ نے ان کو سمجھایا اور فرمایا کہ شیطان کے شر سے پناہ مانگو فاروق اعظمؓ نے کہا میں شیطان سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا تو میں برابر صدقہ وخیرات کرتا اور روزے رکھتا اور غلام آزاد کرتا رہا کہ میری یہ خطا معاف ہو جائے۔

## اور ایک حادثہ اور معاہدہ کی پابندی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بے نظیر عمل

ابھی ابھی یہ شرائط صلح طے ہوئیں تھیں اور صحابہ کرام کی ناگواری اس پر ہو رہی تھی کہ اچانک اسی سہیل بن عمرو کا جو صلح نامہ کا فریق منجانب قریش تھا بیٹا ابوجندل جو مسلمان ہو چکا تھا اور باپ نے اس کو قید کر رکھا تھا، اور سخت ایذائیں ان کو دیتا تھا وہ کسی طرح بھاگ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گیا اور آپ سے پناہ مانگی کچھ مسلمان بڑھے اور

اس کو اپنی پناہ میں لے لیا۔ مگر سہیل چلا اٹھا کہ یہ پہلی عہد نامہ کے خلاف ورزی ہو رہی ہے، اگر اس کو واپس نہ کیا گیا تو صلح کی کسی شرط کو نہ مانوں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عہد کر کے پابند ہو چکے تھے اس لئے ابوجندل کو آواز دے کر فرمایا کہ ابوجندل تم چند روز اور صبر کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اور ضعفائے مسلمین کے لئے جو مکہ میں محبوس ہیں جلد رہائی اور فراخی کا انتظام کرنے والا ہے مسلمانوں کے دلوں پر ابوجندل کے اس واقعہ نے اور زیادہ نمک پاشی کی وہ تو یقین کر کے آئے تھے کہ اسی وقت مکہ فتح ہوگا مگر معاہدہ ہو چکا تھا۔ اس صلح نامہ پر مسلمانوں کی طرف سے ابوبکر و عمر، عبدالرحمن بن عوف اور عبداللہ بن سہیل بن عمرو، سعد بن ابی وقاص، محمد بن سلمہ اور علی ابن ابی طالب وغیرہ رضی اللہ عنہم کے دستخط ہوئے اسی طرح مشرکین کی طرف سے سہیل کے ساتھ چند دوسرے لوگوں کے بھی دستخط ہو گئے۔

## احرام کھولنا اور قربانی کے جانور ذبح کرنا

جب صلح نامہ کی کتابت سے فراغت ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ (قرارداد صلح کے مطابق اب ہمیں واپس جانا ہے) سب لوگ اپنی قربانی کے جانور جو ساتھ ہیں قربانی کر دیں اور سر کے بال منڈوا کر احرام کھول دیں، صحابۂ کرام کی مسلسل رنج و غم کی وجہ سے یہ حالت ہوگئی تھی کہ آپ کے فرمانے کے باوجود کوئی اس کام کے لئے نہیں اٹھا، جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مغموم ہوئے اور ام المومنین نے بہت مناسب اور اچھا مشورہ دیا کہ آپ صحابہ کرام کو اس پر کچھ نہ کہیں، ان کو اس وقت سخت صدمہ اور رنج شرائط صلح اور بغیر عمرہ کے واپسی کی وجہ سے پہنچا ہوا ہے، آپ سب کے سامنے حجام کو بلا کر خود اپنا حلق کرا کے احرام کھول دیں اور اپنی قربانی کر دیں آپ نے مشورہ کے مطابق ایسا ہی کیا صحابۂ کرام نے جب یہ دیکھا تو سب کھڑے ہو گئے ایک دوسرے کا حلق کرنے لگے اور قربانی کے جانوروں کی قربانی کرنے لگے آپ نے سب کے لئے دعا فرمائی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقام حدیبیہ میں انیس اور بعض روایات کے اعتبار سے بیس دن قیام فرمایا تھا اب یہاں سے واپسی شروع ہوئی اور آپ صحابۂ کرام کے مجمع کے ساتھ

پہلے مرظہران پھر غسفان پہنچے، یہاں پہنچ کر سب مسلمانوں کا زاد راہ تقریباً ختم ہو چکا تھا، کھانے کے لئے بہت کم سامان تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دستر خوان بچھایا اور سب کو حکم دیا کہ جس کے پاس جو کچھ ہے لا کر یہاں جمع کر دے اس طرح جو کچھ باقی ماندہ کھانے کا سامان تھا سب اس دستر خوان پر جمع ہو گیا، چودہ سو حضرات کا مجمع تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی اور سب کو کھانا شروع کرنے کا حکم دیا۔ صحابۂ کرام کا بیان ہے کہ پورے چودہ سو حضرات نے خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا پھر اپنے برتنوں میں بھر لیا اس کے بعد بھی اتنا ہی کھانا باقی تھا اس مقام پر یہ دوسرا معجزہ ظاہر ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو دیکھ کر بہت مسرور ہوئے۔

## صحابۂ کرام کے ایمان اور اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک اور امتحان اور ان کی بے نظیر قوت ایمانی

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ صحابہ کرام پر ان شرائط صلح اور بغیر عمرہ اور بغیر جنگ اپنے حوصلے نکالنے کی واپسی سخت بھاری اور ناگوار تھی یہ انہی کا ایمان تھا کہ ان سب حالات میں ایمان اور اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جمے رہے حدیبیہ سے واپسی پر جب آپ مقام کراع غمیم پر پہنچے تو آپ پر یہ سورہ نازل ہوئی، آپ نے صحابہ کرام کو پڑھ کر سنائی، صحابۂ کرام کے قلوب اس طرح کی شرائط صلح اور بغیر عمرہ کے واپسی سے زخم خوردہ پہلے ہی سے تھے اب اس سورت نے یہ بتلا دیا کہ فتح مبین حاصل ہوئی ہے حضرت عمر بن خطابؓ پھر سوال کر بیٹھے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا یہ فتح ہے؟ آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے یہ فتح مبین ہے، صحابۂ کرام نے اس پر بھی سر تسلیم خم کیا اور ان سب چیزوں کو فتح مبین یقین کیا۔

## صلح حدیبیہ کے ثمرات و برکات کا ظہور

سب سے پہلی بات تو اس واقعہ میں یہ ہوئی کہ قریش مکہ اور اس کے بہت سے متبعین پر ان کی ضد اور بے جا ہٹ دھرمی واضح ہو کر خود ان میں پھوٹ پڑی، بدیل بن ورقاء اپنے ساتھیوں کو لے کر ان سے الگ ہو گیا پھر عروہ بن مسعود اپنی جماعت کو لے کر الگ ہو گئے

دوسرے صحابۂ کرام کی بے نظیر جاں نثاری اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے مثال اطاعت ومحبت اور دلی عظمت دیکھ کر قریش مکہ کا مرعوب ہوجانا اور صلح کی طرف مائل ہونا حالانکہ ان کے لئے مسلمانوں کا صفایا کردینے کا اس سے بہتر کوئی موقع نہ تھا کیوں کہ وہ اپنے گھروں میں مطمئن تھے، مسلمان مسافرت کی حالت میں تھے، قریش کا پانی کی جگہوں پر قبضہ ہو چکا تھا، یہ بے آب ودانہ جنگل میں تھے، ان کی پوری قوت موجود تھی۔ مسلمانوں کے پاس کوئی زیادہ اسلحہ بھی نہیں تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں رعب ڈالا اور ان کی جماعت کے بہت سے افراد کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات اور اختلاط کے مواقع مل کر ان میں بہت سے لوگوں کے دلوں میں اسلام وایمان راسخ ہوگیا اور بعد میں مسلمان ہو گئے۔ تیسرے صلح وامان کی وجہ سے راستے مامومن ہو گئے دعوت اسلام کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام کے واسطے راستے کھل گئے عرب کے وفود کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کا موقع ملا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابۂ کرام نے ہر گوشہ میں دعوت اسلام کو پھیلایا دنیا کے بادشاہوں کو دعوت اسلام دینے کے لئے خطوط بھیجے گئے ان میں سے چند بڑے بڑے بادشاہ متاثر ہوئے جس کا حاصل یہ نکلا کہ واقعہ حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت عام اور سب کو عمرہ کے لئے نکلنے کی تاکید کے باوجود ڈیڑھ ہزار سے زیادہ مسلمان ساتھ نہ تھے، اور صلح حدیبیہ کے بعد جوق در جوق لوگ اسلام میں داخل ہوئے اسی عرصہ میں ۶ھ میں خیبر فتح ہوکر مسلمانوں کو بڑی مقدار میں سامان مل گیا اور انکی مادی قوت مستحکم ہوگئی، اور اس صلح پر دوسال نہ گزرنے پائے تھے کہ مسلمانوں کی تعداد اتنی کثیر ہوگئی جو اس سے پہلی تمام پچھلی مدت میں نہیں تھی اسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب قریش مکہ نے اس معاہدہ کی خلاف ورزی کر کے معاہدہ توڑ ڈالا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ فتح کرنے کی خفیہ تیاری شروع کردی تو اس صلح نامہ پر صرف بیس اکیس مہینہ گزرے تھے کہ فتح مکہ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جانے والے جاں نثار ساتھی دس ہزار تھے قریش مکہ کو خبر ملی تو گھبرا کر ابوسفیان کو عذر ومعذرت کر کے تجدید معاہدہ پر آمادہ کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا آپ نے معاہدہ کی تجدید نہ کی اور بالآخر دس ہزار کی اس حزب اللہ کے ساتھ آپ مکہ مکرمہ

کی طرف روانہ ہوئے کفار قریش ایسے مغلوب و مرعوب ہو چکے تھے کہ مکہ مکرمہ میں کچھ زیادہ لڑائی کی بھی نوبت نہیں آئی کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکیمانہ سیاست نے جنگ نہ ہونے کا یہ انتظام کر دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں اعلان کروادیا کہ جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کرلے وہ مامون ہے جو مسجد میں داخل ہو جائے وہ مامون، جو ابوسفیان کے گھر میں چلا جائے وہ مامون ہے اس طرح سب لوگوں کو اپنی اپنی فکر پڑ گئی اور قتل وقتال کی زیادہ نوبت نہ آئی، اسی لئے ائمہ فقہاء میں یہ اختلاف ہو گیا کہ مکہ مکرمہ صلح سے فتح ہوا یا جنگ سے؟ بہر حال بڑی سہولت کے ساتھ مکہ مکرمہ فتح ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خواب واقعہ بن کر سب کے سامنے آ گیا صحابۂ کرامؓ نے بے خطر ہو کر بیت اللہ کا طواف کیا پھر حلق وقصر کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابۂ کرام بیت اللہ میں داخل ہوئے بیت اللہ کی چابی آپ کے ہاتھ میں آئی اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمرؓ بن خطاب کو خصوصاً اور صحابۂ کرام کو عموماً خطاب کر کے فرمایا کہ یہ ہے وہ واقعہ جو میں نے آپ حضرات سے کہا تھا۔ پھر حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمرؓ کو خطاب کر کے فرمایا کہ یہ تھا وہ واقعہ جو میں نے تم سے کہا تھا حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ بے شک کوئی فتح صلح حدیبیہ سے زیادہ بہتر اور اعظم نہیں ہے۔ صدیق اکبرؓ تو پہلے سے فرماتے تھے کہ اسلام میں کوئی فتح صلح حدیبیہ کے برابر نہیں ہے لیکن لوگوں کی رائے اور بصیرت وہاں تک نہ پہنچی جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان ایک طے شدہ حقیقت تھی یہ لوگ جلد بازی کرنا چاہتے تھے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی جلد بازی سے متاثر ہو کر جلدی نہیں کرتا بلکہ حکمت و مصلحت کے ساتھ ہر کام اپنے صحیح وقت پر انجام پاتا ہے اس لئے سورہ فتح میں حق تعالیٰ نے واقعہ حدیبیہ کو فتح مبین فرمایا۔ یہ واقعہ حدیبیہ کے اہم اجزاء تھے جن سے اگلی آیت کے سمجھنے میں سہولت ملے گی اب آیت کی تفسیر دیکھئے۔

**لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ** اس میں **لِيَغْفِرَ** کا لام اگر تعلیل یعنی بیان علت کے لئے لیا جائے تو حاصل اس کا یہ ہے کہ یہ فتح مبین آپ کو اس لئے دی گئی ہے تا کہ آپ کو یہ تین کمالات حاصل ہو جائیں جن کا اس آیت میں ذکر ہے ان میں پہلی چیز

تمام اگلی پچھلی لغزشوں اور خطاؤں کی معافی ہے، سورۂ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پہلے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ انبیاء علیہم السلام گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں ان کی طرف قرآن میں جہاں کہیں ذنب یا عصیان وغیرہ کے الفاظ منسوب کئے گئے وہ ان کے مقام عالی کی مناسبت سے ایسے کاموں کے لئے استعمال کئے گئے جو خلاف اولیٰ تھے مگر نبوت کے بلند مقام ہونے کے اعتبار سے غیر افضل پر عمل کرنا بھی ایسی لغزش ہے جس کو قرآن نے بطور تہدید کے ذنب وگناہ سے تعبیر کیا ہے اور مَا تَقَدَّمَ سے مراد وہ لغزشیں ہیں جو نبوت سے پہلے ہوئیں اور مَا تَاَخَّرَ سے مراد وہ لغزشیں ہیں جو رسالت ونبوت کے بعد صادر ہوئیں (مظہری) اور فتح مبین کا اس مغفرت کے لئے سبب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس فتح مبین سے بہت سے لوگ جوق درجوق اسلام میں داخل ہوں گے اور اسلام کی دعوت کا عام ہوجانا آپ کی زندگی کا مقصود عظیم اور آپ کے اجر وثواب کو بہت بڑھانے والا ہے اور اجر وثواب کی زیادتی سبب ہوتی ہے کفارہ سیات کی (بیان القرآن)

وَ يَهۡدِيَكَ صِرَاطًا مُّسۡتَقِيۡمًا ۙ﴿۲﴾ یہ دوسری نعمت ہے جو اس فتح مبین پر مرتب ہوئی، یہاں پر یہ سوال ہوتا ہے کہ صراط مستقیم پر تو آپ اول ہی سے ہیں اور نہ صرف خود صراط مستقیم پر ہیں بلکہ دنیا کو اسی صراط مستقیم کی دعوت دینا آپ کا رات دن کا مشغلہ ہے تو ہجرت کے چھٹے سال فتح مبین کے ذریعہ صراط مستقیم کی ہدایت کے کیا معنی ہیں اس امر کا جواب سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں لفظ ہدایت کی تحقیق میں گزر چکا ہے کہ ہدایت ایک ایسا مفہوم عام ہے کہ جس کے درجات غیر متناہی ہیں وجہ یہ ہے کہ ہدایت کے معنی منزل مقصود کا راستہ دکھلانا یا اس پر پہنچانا ہے اور اصل منزل مقصود ہر انسان کی حق تعالیٰ کی رضا اور قرب حاصل کرنا ہے اور اس رضاء وقرب کے متفاوت درجات بے شمار ہیں ایک درجہ حاصل ہونے کے بعد دوسرے اور تیسرے درجہ کی ضرورت باقی رہتی ہے جس سے کوئی بڑے سے بڑا ولی بلکہ نبی ورسول بھی بے نیاز نہیں ہوسکتا اسی لئے اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۙ﴿۵﴾ کی دعا نماز کی ہر رکعت میں کرنے کی تعلیم جس امت کو دی ہے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی دی ہے جس کا حاصل صراط مستقیم کی ہدایت یعنی اللہ تعالیٰ کے قرب ورضا کے درجات پر ترقی کرنا ہے اس فتح

مبین پر حق تعالیٰ نے اسی قرب ورضا کا کوئی بہت اعلیٰ مقام آپ کو عطا فرمایا جس کو **یھدیک** کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

وَ یَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِیْزًا ۝ یہ تیسری نعمت ہے، جو اس فتح مبین پر مرتب ہوئی کہ حق تعالیٰ کی امداد واعانت جو آپ کو ہمیشہ حاصل رہی ہے اس وقت اس کی مدد کا بڑا درجہ آپ کو دیا گیا۔ [1]

۴۴۲- لِّیُدْخِلَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَ یُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِیْمًا ۝

**ترجمہ:** تاکہ اللہ تعالیٰ (اس طاعت کی بدولت) مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو ایسی بہشتوں میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، جن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور تاکہ (اس اطاعت کی بدولت) ان کے گناہ دور کردے (کیوں کہ اطاعت رسول میں گناہوں سے اجتناب، اور اعمال صالحہ سب داخل ہیں جو تمام سیئات اور گناہوں کا کفارہ ہوتے ہیں) اور (یہ جو کچھ مذکور ہے) اللہ کے نزدیک بڑی کامیابی ہے۔

**شانِ نزول:** شروع سورت میں تین آیتوں میں ان خاص انعامات کا ذکر ہے جو اس فتح مبین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مبذول ہوئے کہ آپ کے پچھلے اور اگلے تمام گناہوں کی بخشش کی بشارت دی گئی، بعض صحابہ جو سفر حدیبیہ میں شریک تھے انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ انعامات تو آپ کے لئے ہیں، اللہ آپ کو مبارک فرمائے، لیکن ہمارے لئے کیا ہے؟ اس وقت مذکورہ آیت اتری، اس میں اصالۃً حاضرین حدیبیہ اور بیعت رضوان پر اللہ تعالیٰ کے انعامات کا ذکر ہے، اور چونکہ وہ انعامات ایمان اور اطاعت رسول کے عوض ملے اس لئے سب مومنین کو شامل ہے کہ جو بھی ایمان واسلام میں کامل ہوگا

[1] معارف القرآن ص:۶۸-۵۳ج:۸/معالم التنزیل ص:۱۶۶ج:۵،اسباب النزول ص:۲۱۶/ابن کثیر ص:۱۶۵-۱۶۴ج:۴، بیان القرآن وغیرہ فتح الباری شرح البخاری للحافظ ابن حجر عسقلانی ص:۵۸۳-۵۸۲ج:۸

وہ ان انعامات کا مستحق ہوگا (اور یہ سب امور نزول سکینت کا ذریعہ ہیں جس کا تذکرہ اس سے پہلی آیت میں آیا ہے۔ [1]

۳۴۴- وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝۲۴

**ترجمہ:** اور وہ ایسا ہے کہ ان کے ہاتھ تم سے (تمہارے قتل سے) اور تمہارے ہاتھ ان (کے قتل سے) عین مکہ (کے قریب) (یعنی حدیبیہ میں) روک دیئے بعد اس کے کہ تم کو اس پر قابو دیا تھا، (یہ اشارہ اس واقعہ کی طرف ہے جو قصہ حدیبیہ کے جز ؤ ہشتم کے شروع میں بیان ہو چکا ہے کہ قریش کے پچاس آدمیوں کو صحابۂ کرامؓ نے گرفتار کرلیا تھا، اور پھر کچھ اور لوگ بھی گرفتار ہوکر مسلمانوں کے قبضہ میں آگئے تھے، اس وقت اگر مسلمان ان کو قتل کردیتے تو دوسری طرف مکہ میں حضرت عثمان غنی اور ان کے چند ساتھی روک لئے گئے تھے وہ ان کو شہید کردیتے، اس کا لازمی نتیجہ مکمل طور پر جنگ چھڑ جانا ہوتا اگر چہ مذکور الصدر آیات کی پہلی آیت میں حق تعالیٰ نے یہ واضح کردیا ہے کہ اگر جنگ چھڑ بھی جاتی تو فتح مسلمانوں کے حق میں ہوتی، لیکن اللہ تعالیٰ کے علم میں مسلمانوں کی بڑی مصلحت اس میں تھی کہ اس وقت جنگ نہ ہو، اس لئے اس طرف مسلمانوں کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ ان کے قیدیوں کو قتل نہ کریں، اس طرح مسلمانوں کے ہاتھ ان کے قتل سے روک دیئے دوسری طرف قریش کے دلوں پر اللہ نے مسلمانوں کا رعب ڈال دیا کہ انہوں نے صلح کی طرف مائل ہوکر سہیل کو آپ کی خدمت میں بھیجا، اس طرح اللہ تعالیٰ کی حکمت نے دوطرفہ انتظام جنگ نہ ہونے کا کردیا) اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو (اس وقت) دیکھ رہا تھا (اور ان کاموں کے نتائج کو جانتا تھا اس لئے ایسا کام نہیں ہونے دیا جس سے جنگ چھڑ جائے)

**شانِ نزول:** حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ اسّی ۸۰/آدمیوں کی ایک

[1] معارف القرآن ص:۷۰-۶۹ ج:۸/اسباب النزول ص:۲۱۷، تفسیر ابن کثیر ص:۱۶۶ ج:۴/ زادالمسیر ص:۴۲۵ ج:۷/الدر للسیوطی ص:۷۰ ج:۶

جماعت جبل ''تنعیم'' کی جانب جنگی ہتھیار سے لیس ہوکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کو دھوکہ سے قتل کرنے کے ارادہ سے آپہنچی صحابہ کرامؓ نے اسے گرفتار کرلیا تھا، اور اسے زندہ رکھا، یہ موقع جنگ کا تھا مگر اللہ نے اس سے بچالیا اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی اس قصہ کی پوری تفصیل قصہ حدیبیہ کے جزو نہم میں شروع آیات کے ذیل میں آچکی ہے، وہاں دیکھ لی جائے اور خلاصہ تفسیر میں بھی قدرے تفصیل موجود ہے۔ [1]

۴۴۴- لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَ مُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ؕ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۲۷﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۲۸﴾

**ترجمہ:** بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھلایا ہے جو واقعہ کے مطابق ہے تم لوگ مسجد حرام میں ضرور جاؤ گے امن امان کے ساتھ کہ تم میں سے کوئی سر منڈاتا ہوگا کوئی بال کترا تا ہوگا (چنانچہ سال آئندہ ایسا ہی ہوا اور اس سال سے تاخیر کی وجہ یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ کو وہ باتیں (اور حکمتیں) معلوم ہیں جو تم کو معلوم نہیں (ان حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ بھی ہے) کہ اس (خواب کے) واقع ہونے سے پہلے تو تم کو ایک قریبی فتح (خیبر کی) دے دی (تا کہ اس سے مسلمانوں کو قوت اور سامان حاصل ہو جائے اور وہ پورے اطمینان کے ساتھ عمرہ ادا کریں جیسا کہ ایسا ہی واقع ہوا) وہ اللہ ایسا ہے کہ اس نے اپنے رسول کو ہدایت (کا سامان یعنی قرآن) اور سچا دین (اسلام) دے کر بھیجا ہے تا کہ اس (دین) کو تمام دنیا پر غالب کر دے (یہ غلبہ حجت و دلیل کے اعتبار سے تو دائمی اور ہمیشہ ہی رہے گا، اور شوکت و سلطنت کے اعتبار سے بھی غلبہ رہے گا، مگر ایک شرط کے ساتھ وہ یہ کہ اہل دین یعنی مسلمان باصلاحیت ہوں۔ جب یہ شرط نہیں ہوگی تو غلبۂ ظاہری کا وعدہ

[1] زاد المسیر ص:۴۳۷ ج:۷/ طبری ص:۹۴ ج:۲۶/ الدر المنثور ص:۷۵ ج:۶/ معالم التنزیل ص:۱۸۰ ج:۵/ روح المعانی ص:۱۱۲ ج:۲۶ تفسیر ابن کثیر ص:۱۷۳ ج:۴)

نہیں۔اور چونکہ صحابۂ کرام میں یہ شرط موجود تھی جیسا کہ اگلی آیت جو صحابہؓ کے متعلق آ رہی ہے ان میں اس صلاحیت کا ذکر ہے اس لئے اس آیت میں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی بشارت ہے، ایسا ہی صحابۂ کرامؓ کے لئے فتوحات کی بشارت ہے جیسا کہ مشاہدہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات پر پچیس سال گزرنے نہ پائے تھے کہ اسلام اور قرآن دنیا کے گوشہ گوشہ میں فاتحانہ طور پر پہنچ گیا، اور حمیت وجاہلیت والے اگر آپ کے نام کے ساتھ رسول کا لفظ لکھنے سے گریز کرتے ہیں تو آپ مغموم نہ ہوں کیوں کہ آپ کی رسالت پر) اللہ کافی گواہ ہے (جس نے آپ کی رسالت کو دلائل واضح اور کھلے ہوئے معجزات سے ثابت کر دکھلایا)

**شانِ نزول:** یہ بات سابق کلام میں آچکی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت فرمائی تو اس دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین زیارت خانۂ کعبہ کے لئے بے چین تھے۔ اور اس امید میں تھے کہ اللہ کا کوئی حکم نازل ہو۔ ۶ھ میں آپ نے خواب میں دیکھا کہ حرم میں داخل ہو رہے ہیں اور یہ واقعہ حدیبیہ کی طرف روانہ ہونے سے قبل کا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا یہ خواب صحابۂ کرامؓ کو سنایا صحابۂ کرام اس خواب کو سن کر بہت خوش ہوئے چنانچہ ذی قعدہ ۶ھ میں عمرہ کے قصد سے ۱۴/سو یا ۱۵/سو یا ۱۰۰۰/ہزار سے زیادہ صحابۂ کرامؓ کے ساتھ روانہ ہوئے لیکن اس مرتبہ کامیابی نہ ہوسکی جیسا کہ پچھلی تفصیلات سے معلوم ہوا۔ اور بغیر عمرہ کئے ہوئے آئندہ سال ۷ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرات صحابۂ کرامؓ نے عمرہ کی قضاء فرمائی جو ۶ھ میں کرنا تھا۔ [1]

**قال البغوی ورای فی المنام بالمدينة قبل أن يخرج إلى الحديبية أنه يدخل هو واصحابه ففرحوا حسبوا انهم داخلو مكة عامهم ذلک فلما انصرفوا ولم يدخلوا اشق عليهم ذالک فأنزل الله هذه الآية.**

[1] زاد المسیر ص:۴۴۳-۴۴۲ ج:۷/طبری ص:۱۰۷ ج:۲۶ الدر منثور ص:۸۰ ج:۲/المقتطف ص:۵۲ ج:۵/ابن کثیر ص:۱۸۰ ج:۴ روح المعانی ص:۱۲۰ ج:۲۶/التفسیر الکبیر ص:۱۰۴ ج:۲۸/معالم التنزیل ص:۱۸۰ ج:۵

# سورة الحجرات

یہ سورت باجماع مفسرین مدنی ہے۔ (زادالمسیر ص:۱۵۴ ج:۷)

۴۴۵ - يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ① يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ② اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ③ اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ④ وَ لَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑤

**ترجمہ مع خلاصہ تفسیر:** ’’اے ایمان والو! اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے پہلے تم (کسی قول یا فعل میں) سبقت نہ کیا کرو (یعنی جب تک قرائن قویہ سے یا بالتصریح گفتگو کی اجازت نہ ہو گفتگو مت کرو، جیسا کہ وہ واقعہ جو سبب نزول ان آیات کا ہوا، جو آئندہ آتا ہے۔ اس میں انتظار فرمانا چاہئے کہ یا تو آپ خود فرماتے، یا آپ حاضرین مجلس سے پوچھتے، بدون انتظار کے از خود گفتگو شروع کر دینا درست نہ تھا، کیوں کہ گفتگو کا جواز اذن شرعی پر موقوف تھا۔ غلطی یہ ہوئی کہ انتظار نہ کیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، اور وہ واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ قبیلہ بنی تمیم کے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ بات زیر غور تھی کہ اس قبیلہ پر مسلم حاکم کس کو بنایا جائے، حضرت ابوبکرؓ نے قعقاع ابن معبدؓ کی نسبت رائے دی، اور حضرت عمرؓ نے اقرع بن

حابس ؓ کی نسبت رائے دی۔ اس معاملہ میں حضرت عمر ؓ وابوبکر ؓ میں بحثا بحثی ہوگئی، اور گفتگو بڑھ کر دونوں کی آوازیں بلند ہوگئیں اس پر مذکورہ آیات نازل ہوئیں۔

رواہ البخاری دیکھئے فتح الباری شرح بخاری ص: ۵۹۲ ج: ۸، حدیث نمبر ۴۸۴۷، اسباب النزول ص: ۲۱۸ وغیرہ **وسیاتی تفصیله المزید**

اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے، اے ایمان والو! تم آوازیں پیغمبر کی آواز سے بلند مت کیا کرو، اور نہ ان سے ایسے کھل کے بولا کرو جیسے آپس میں کھل کر بولا کرتے ہو، کبھی تمہارے اعمال برباد ہو جاویں اور تم کو خبر بھی نہ ہو بے شک جو لوگ اپنی آوازوں کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے پست رکھتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب کو اللہ نے تقویٰ کے لئے خاص کر دیا ہے۔ (اور اگلی آیتوں کا قصہ یہ ہے کہ وہی بنی تمیم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ باہر تشریف فرما تھے، بلکہ ازواج مطہرات ؓ کے حجروں میں سے کسی حجرے میں تھے یہ لوگ غیر مہذب گاؤں والے تھے، باہر سے کھڑے ہو کر آپ کا نام لے کر پکارنے لگے۔ **یا محمد! اخرج إلینا** یعنی اے محمد! ہمارے لئے باہر آئیے اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں) (کذا فی الدر المنثور بروایت ابن اسحاق عن ابن عباس ؓ) جو لوگ حجروں کے باہر سے آپ کو پکارتے ہیں ان میں اکثروں کو عقل نہیں ہے (عقل ہوتی تو آپ کا ادب کرتے اور ادب نہ کرنے کی وجہ ان کا دیہاتی ہونا ہے جن کا تہذیب سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا اور اگر یہ لوگ (ذرا) صبر اور انتظار کرتے یہاں تک کہ آپ ﷺ خود ان کے پاس جاتے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا (کیوں کہ یہ ادب کی بات تھی) اور اگر اب بھی توبہ کرلیں تو معاف ہو جاوے (کیوں کہ) اللہ غفور الرحیم ہے۔

**شانِ نزول:** ایک مرتبہ قبیلہ بنی تمیم کے لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ بات زیر غور تھی کہ اس قبیلہ پر حاکم کس کو بنایا جائے، حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے قعقاع ابن معبد کی نسبت رائے دی، اور حضرت عمر ؓ نے اقرع بن حابس کے متعلق رائے دی، اس معاملے میں حضرت ابوبکر وحضرت عمر رضی اللہ عنہما دونوں کی آوازیں

بلند ہو گئیں اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔
(رواہ البخاری فتح الباری ص:۵۹۲ ج:۸/اسباب النزول ص:۲۱۸/وغیرہ)

ان آیات کے نزول کے متعلق روایات حدیث میں بقول قرطبی چھ واقعات منقول ہیں اور قاضی ابوبکر بن عربی نے فرمایا کہ سب واقعات صحیح ہیں، کیوں کہ وہ سب واقعات مفہوم آیات کے عموم میں داخل ہیں، ان میں سے ایک واقعہ وہ ہے جو خلاصۂ تفسیر میں ذکر کیا گیا اور ابھی شانِ نزول کے عنوان کے تحت بھی مذکور ہوا باقی کو طوالت کے خوف سے جو بار خاطر کا سبب ہے ترک کیا جاتا ہے اگر کوئی دیکھنا چاہے تو زاد المسیر ص:۴۵۴-۴۵۵ ج:۷ کا مطالعہ کرے مزید حوالہ جات مندرجہ ذیل ہیں۔ [1]

**فائدہ:** لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ کے اصل معنی دو ہاتھوں کے درمیان کے ہیں مراد اس سے سامنے کی جہت ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے تقدم اور پیش قدمی نہ کرو کس چیز میں پیش قدمی کو منع فرمایا ہے قرآن کریم نے اس کو ذکر نہیں کیا جس میں اشارہ عموم کی طرف ہے کہ کسی قول یا فعل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پیش قدمی نہ کرو بلکہ انتظار کرو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کیا جواب دیتے ہیں ہاں آپ ہی کسی کو جواب کے لئے مامور فرمادیں تو وہ جواب دے سکتا ہے اسی طرح اگر آپ چل رہے ہوں تو کوئی آپ سے آگے نہ بڑھے کھانے کی مجلس ہے تو آپ سے پہلے کھانا شروع نہ کرے مگر یہ کہ آپ کی تصریح یا قرائن قویہ سے یہ ثابت ہو جائے کہ آپ خود ہی کسی کو آگے بھیجنا چاہتے ہیں جیسے سفر اور جنگ میں کچھ لوگوں کو آگے چلنے پر مامور کیا جاتا تھا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ یہ دوسرا ادب مجلس نبوی کا بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے آپ کی آواز سے زیادہ بلند آواز سے اس طرح گفتگو کرنا جیسے آپس میں ایک دوسرے سے بے محابا کیا کرتے ہیں ایک قسم کی بے ادبی اور گستاخی ہے چنانچہ اس آیت کے نزول سے صحابۂ کرام کا یہ حال ہو گیا کہ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قسم ہے کہ اب مرتے دم تک آپ

[1] الدر المنثور ص:۸۳ ج:۶/طبری ص:۱۱۷ ج:۲۶/معالم التنزیل ص:۱۹۵ ج:۵/روح المعانی ص:۱۳۳ ج:۲۶/ابن کثیر ص:۱۸۵ ج:۴، معارف القرآن ص:۱۰۰-۹۸ ج:۸/بحوالہ بیان القرآن

سے اس طرح بولوں گا جیسے کوئی کسی سے سرگوشی کرتا ہو (درمنثور عن البیھقی) اور حضرت عمرؓ اس قدر آہستہ بولنے لگے کہ بعض اوقات دوبارہ پوچھنا پڑتا تھا (کذا فی الصحاح) اور حضرت ثابت بن قیسؓ طبعی طور پر بہت بلند آواز تھے یہ آیت سن کر وہ بہت ڈرے اور روئے اور اپنی آواز کو گھٹایا۔ (بیان القرآن از درمنثور)

اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ لفظ اَنْ تَحْبَطَ مفعول ہے لَا تَرْفَعُوْٓا کا جس میں حکم کی علت بتلائی گئی ہے بحذف مصدر یعنی خشیۃ اَن تحبط معنی آیت کے یہ ہوئے کہ اپنی آواز کو نبی کی آواز پر بلند نہ کرو بسبب اس خطرہ اور خوف کے کہ کہیں تمہارے اعمال ضائع نہ ہوجائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو اس جگہ کلیات شرعیہ اور اصول مسلمہ کے اعتبار سے چند سوالات پیدا ہوئے ہیں ایک یہ کہ حبط اعمال یعنی اعمال صالحہ کو ضائع کردینے والی چیز بالاتفاق اہل سنت والجماعت صرف کفر ہے کسی ایک معصیت اور گناہ سے دوسرے اعمال صالحہ ضائع نہیں ہوتے اور یہاں خطاب مومنین اور صحابہ کرام کو ہے اور لفظ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے ساتھ ہے جس سے اس فعل کا کفر نہ ہونا ثابت ہوتا ہے تو حبط کیسے ہو اور دوسرے یہ کہ جس طرح ایمان ایک فعل اختیاری ہے جب تک کوئی شخص اپنے اختیار سے ایمان نہ لائے مومن نہیں ہوتا اسی طرح کفر بھی امر اختیاری ہے جب تک کوئی شخص اپنے قصد سے کفر کو اختیار نہ کرے وہ کافر نہیں ہوسکتا اور یہاں آیت کے آخر میں یہ تصریح ہے کہ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ یعنی تمہیں خبر بھی نہ ہو تو حبط اعمال جو خالص کفر کی سزا ہے وہ کیسے جاری ہوئی۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے بیان القرآن میں اس کی توجیہ ایسی فرمائی ہے، جس سے یہ سب اشکالات اور سوالات ختم ہوجاتے ہیں فرمایا: معنی آیت کے یہ ہیں کہ مسلمانو! تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی آواز بلند کرنے اور بے محابا جہر کرنے سے بچو کیوں کہ ایسا کرنے میں خطرہ ہے کہ تمہارے اعمال حبط اور ضائع ہوجائیں، اور وہ خطرہ اس لئے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیش قدمی یا ان کی آواز پر اپنی آواز کو بلند کرنا ایک ایسا امر ہے جس سے رسول کی شان میں گستاخی اور بے ادبی ہونے کا احتمال ہے۔ جو سبب ہے ایذائے رسول کا، گرچہ صحابۂ کرام سے یہ وہم بھی نہیں ہوسکتا کہ وہ بالقصد کوئی ایسا کام کریں جو آپ کی ایذاء کا سبب

بنے، لیکن اعمال وافعال مثلاً تقدم اور رفع صوت اگر چہ بقصد ایذاء نہ ہوں مگر پھر بھی ان سے ایذاء کا احتمال ہے، اسی لئے اس کو مطلقاً ممنوع اور معصیت قرار دیا گیا ہے، اور بعض معصیتوں کا خاصہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے کرنے والے سے توبہ کی توفیق سلب کرلی جاتی ہے یعنی تقدم علی النبی اور رفع صوت ایسی معصیت ٹھہری کہ جن سے خطرہ ہے کہ توفیق سلب ہوجائے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴﴾

اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک تیسرا ادب سکھلایا گیا ہے کہ جس وقت آپ اپنی آرام گاہ میں تشریف فرما ہوں، اس وقت باہر کھڑے ہو کر آپ کو پکارنا خصوصاً گنوارپن کے ساتھ کہ نام لے کر پکارا جائے یہ بے ادبی ہے۔ اہل عقل وخرد کے یہ کام نہیں، حجرات اس مکان کو کہتے ہیں جس میں کچھ صحن ہو، کچھ مسقّف عمارت ہو، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مدینہ میں ۹ر تھیں، ان میں ہر ایک کے لئے ایک حجرہ تھا، جن میں آپ باری باری تشریف فرما ہوتے تھے۔

اور بغوی نے بروایت قتادہ ذکر کیا ہے کہ بنوتمیم کے لوگ جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، جن کا ذکر اوپر آچکا ہے، یہ دوپہر کے وقت مدینہ پہنچے، جب کسی حجرہ میں آپ آرام فرما رہے تھے، یہ لوگ دیہاتی تھے آداب معاشرت سے ناواقف تھے، انہوں نے حجرہ کے باہر ہی سے پکارنا شروع کردیا **اخرج إلینا یا محمد**. اس پر مذکورہ آیت نازل ہوئی، جس میں اس طرح پکارنے کی ممانعت اور انتظار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(معارف القرآن ص:۱۰۰-۱۰۳ ج:۸ بحوالہ مظہری وبغوی)

۴۴۶- يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْۤا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ﴿۶﴾

**ترجمہ:** اے ایمان والو! اگر کوئی شریر آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے (جس میں کسی کی شکایت ہو) تو بدون تحقیق کے اس پر عمل نہ کیا کرو بلکہ اگر عمل کرنا مقصود ہو تو) خوب تحقیق کرلیا کرو کبھی کسی قوم کو نادانی سے کوئی ضرر نہ پہنچا دو پھر اپنے کئے پر پچھتانا پڑے۔

**شانِ نزول:** اس آیت کے نزول کا واقعہ ابن کثیر نے بحوالہ مسند احمد نقل کیا ہے کہ

قبیلہ بنی المصطلق کے رئیس حارث بن ضرار بن ابی ضرار جن کی صاحبزادی حضرت میمونہ بنت حارثؓ امہات المومنین میں سے ہیں یہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھے اسلام کی دعوت دی اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا، میں نے اسلام کو قبول کیا اور زکوٰۃ ادا کرنے کا اقرار کیا اور عرض کیا کہ اب میں اپنی قوم میں جا کر ان کو بھی اسلام اور ادائے زکوٰۃ کی طرف دعوت دوں گا۔ جو لوگ میری بات مان لیں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے میں ان کی زکوٰۃ جمع کرلوں گا اور آپ فلاں مہینہ کی فلاں تاریخ تک اپنا کوئی قاصد میرے پاس بھیج دیں تاکہ جو رقم زکوٰۃ کی میرے پاس جمع ہو جائے اس کو سپرد کر دوں۔ پھر جب حارثؓ نے حسب وعدہ ایمان لانے والوں کی زکوٰۃ جمع کر لی اور وہ مہینہ اور تاریخ جو قاصد بھیجنے کے لئے طے ہوئی تھی گزر گئی اور آپ کا کوئی قاصد نہ پہنچا تو حارث کو یہ خطرہ پیدا ہوا کہ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سے کسی بات پر ناراض ہیں اور یہ ممکن نہیں تھا کہ آپ وعدے کے مطابق اپنا آدمی نہ بھیجیں حارثؓ نے اس خطرہ کا ذکر اسلام قبول کرنے والوں کے سرداروں سے کیا اور ارادہ کیا کہ یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جاویں، ادھر واقعہ یہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقررہ تاریخ پر ولید بن عقبہؓ کو اپنا قاصد بنا کر زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیج دیا تھا مگر ولید بن عقبہ کو راستہ میں یہ خیال آیا کہ اس قبیلہ کے لوگوں سے میری پرانی دشمنی ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ مجھے قتل کر ڈالیں اس خوف کے سبب وہ راستہ ہی سے واپس ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جا کر یہ کہا کہ لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور میرے قتل کا ارادہ کیا اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غصہ آیا اور حضرت خالد بن ولیدؓ کی سرکردگی میں ایک دستہ مجاہدین کا روانہ کیا۔ ادھر یہ دستہ مجاہدین کا روانہ ہوا ادھر حارثؓ اپنے ساتھیوں کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے لئے نکلے مدینہ کے قریب دونوں کی ملاقات ہوئی حارث نے ان لوگوں سے پوچھا کہ آپ کن لوگوں کی طرف بھیجے گئے ہیں؟ ان لوگوں نے کہا کہ ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں حارث نے سبب پوچھا تو اس کو واقعہ ولید بن عقبہ کے بھیجنے کا اور ان کی واپسی کا بتلایا اور یہ کہ ولید بن عقبہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے یہ بیان دیا ہے کہ بنی

مصطلق نے زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا اور میرے قتل کا منصوبہ بنایا حارث نے یہ سن کر کہا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے محمد ﷺ کو رسول برحق بنا کر بھیجا ہے میں نے ولید بن عقبہ کو دیکھا تک نہیں اور نہ وہ میرے پاس آئے اس کے بعد حارث جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا اور میرے قاصد کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ حارث نے کہا کہ ہرگز نہیں! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو پیغام حق دے کر بھیجا ہے نہ وہ میرے پاس آئے نہ میں نے ان کو دیکھا۔ پھر جب مقررہ وقت پر آپ کا قاصد نہ پہنچا تو مجھے خطرہ ہوا کہ شاید مجھ سے کوئی قصور ہوا جس پر حضور ناراض ہوئے اس لئے میں حاضر خدمت ہوا ہوں حارث فرماتے ہیں کہ اس وقت سورۂ حجرات کی مذکورہ آیات نازل ہوئیں۔ (ابن کثیر ص: ۱۸۷-۱۸۸ ج: ۴)

اور بعض روایات میں ہے کہ ولید بن عقبہ حسب الحکم بنی مصطلق میں پہنچے اس قبیلہ کے لوگوں کو چونکہ یہ معلوم تھا کہ اس تاریخ پر حضور ﷺ کا قاصد آوے گا یہ تعظیماً بستی سے باہر نکلے کہ ان کا استقبال کریں ولید بن عقبہؓ کو شبہ ہو گیا کہ یہ شاید پرانی دشمنی کی وجہ سے مجھے قتل کرنے آئے ہیں یہیں سے واپس ہو گئے اور جا کر حضور ﷺ سے اپنے گمان کے مطابق یہ عرض کردیا کہ وہ لوگ زکوٰۃ دینے کے لئے تیار نہیں بلکہ میرے قتل کے درپے ہوئے اس پر آنحضرت ﷺ نے خالد بن ولیدؓ کو بھیجا اور یہ ہدایت فرمائی کہ خوب تحقیق کریں اس کے بعد کوئی اقدام کریں خالد بن ولیدؓ نے بستی سے باہر رات کو پہنچ کر قیام کیا اور تحقیق حال کے لئے چند آدمی بطور جاسوس کے خفیہ بھیج دیئے۔ ان لوگوں نے آ کر خبر دی کہ یہ سب لوگ اسلام و ایمان پر قائم، نماز اور زکوٰۃ کے پابند ہیں۔ اور کوئی بات خلاف اسلام نہیں پائی گئی حضرت خالد بن ولیدؓ نے واپس آ کر آنحضرت ﷺ کو یہ سارا واقعہ بتلایا اس پر مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ (یہ ابن کثیر کی متعدد روایات کا خلاصہ ہے)

---

اسباب النزول ص: ۲۲۳-۲۲۲/ روح المعانی ص: ۱۴۴ ج: ۲۶، تفسیر ابن کثیر ص: ۱۸۸-۱۸۷ ج: ۴/ المقتطف ص: ۵۸ ج: ۵/ زاد المسیر ص: ۴۶۰ ج: ۷/ معالم التنزیل ص: ۱۹۹ ج: ۵/ تفسیرات احمدیہ ص: ۴۵۱-۴۵۰/ معارف القرآن ص: ۱۰۴ ج: ۸

**فائدہ:** اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ کوئی شریر فاسق آدمی اگر کسی شخص یا قوم کی شکایت کرے ان پر کوئی الزام لگائے تو اس کی خبر یا شہادت پر بغیر مکمل تحقیق کے عمل کرنا جائز نہیں۔

امام جصاص ؒ نے احکام القرآن میں فرمایا ہے کہ اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ کسی فاسق کی خبر کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک دوسرے ذرائع سے تحقیق کر کے اس کا صدق ثابت نہ ہو جائے۔ کیوں کہ اس آیت میں ایک قراءت تو فتثبتوا کی ہے جس کے معنی ہیں کہ اس پر عمل کرنے اور اقدام میں جلدی نہ کرو بلکہ ثابت قدم رہو۔ جب تک دوسرے ذرائع سے اس کا صدق ثابت نہ ہو جائے اور جب فاسق کی خبر کو قبول کرنا جائز نہ ہوا تو شہادت کو قبول کرنا بدرجہ اولیٰ ناجائز ہوگا کیوں کہ ہر شہادت ایک خبر ہوتی ہے، جو حلف وقسم کے ساتھ موکد کی جاتی ہے، اسی لئے جمہور علماء کے نزدیک فاسق کی خبر یا شہادت شرعاً مقبول نہیں۔ البتہ بعض معاملات اور حالات میں فاسق کی خبر اور شہادت کو بھی قبول کر لیا جاتا ہے۔ وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں، کیوں کہ آیت قرآن میں اس حکم کی ایک خاص علت منصوص ہے، یعنی اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ تو جن معاملات میں یہ علت موجود نہیں وہ آیت کے حکم میں داخل نہیں یا مستثنیٰ ہیں۔ مثلاً یہ کہ کوئی فاسق بلکہ کافر بھی کوئی چیز لائے اور یہ کہے کہ فلاں شخص نے آپ کو یہ ہدیہ بھیجا ہے تو اس کی خبر پر عمل جائز ہے اس کی مزید تفصیل کتب فقہ میں دیکھئے۔ (معارف القرآن ص:۱۰۵ ج:۸)

۴۴۷- وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝۹ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝۱۰

**ترجمہ:** اور اگر مسلمانوں میں دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان اصلاح کر دو (یعنی جھگڑے کی بنیاد کو رفع کر کے لڑائی موقوف کرا دو) پھر اگر

(اصلاح کی کوششیں کرنے کے بعد بھی) ان میں کا ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے (اور لڑائی بند نہ کرے) تو اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع ہوجاوے، (حکم خدا سے مراد لڑائی بند کرنا ہے) پھر اگر (وہ) زیادتی کرنے والا (فرقہ حکم خدا کی طرف) رجوع ہوجاوے) (یعنی لڑائی بند کردے) تو ان دونوں کے درمیان عدل کے ساتھ اصلاح کردو (یعنی حدود شرعیہ کے موافق اس معاملہ کو طے کردو محض لڑائی بند کرنے پر اکتفا نہ کرو اگر صلح مصالحت نہ ہوئی تو پھر بھی لڑائی کا احتمال رہے گا) اور انصاف کا خیال رکھو (یعنی کسی نفسانی غرض کو غالب نہ ہونے دو) بے شک اللہ انصاف والوں کو پسند کرتا ہے (اور باہمی اصلاح کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ) مسلمان تو سب (دینی اشتراک جو روحانی اور معنوی رشتہ ہے اس رشتہ سے ایک دوسرے کے) بھائی ہیں اس لئے اپنے دو بھائیوں کے درمیان اصلاح کردیا کرو (تاکہ یہ اسلامی برادری قائم رہے) اور (اصلاح کے وقت) اللہ سے ڈرتے رہا کرو (یعنی حدود شرعیہ کی رعایت رکھا کرو) تاکہ تم پر رحمت کی جاوے۔

**شانِ نزول:** ایک مرتبہ سعد بن معاذؓ بیمار ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ایک گدھے پر سوار ہوئے اور سعد کی عیادت کے لئے چل دیئے صحابہ کرامؓ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ راستہ میں عبداللہ بن ابی بن سلول کے پاس سے گزر ہوا اس نے یہ کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو نے مجھے تکلیف دی کہ تمہارا گدھا بدبودار ہے اور اس کی بدبو کی وجہ سے میری طبیعت مکدر ہوگئی، صحابہ کرام کو عبداللہ بن ابی کا یہ جملہ ناگوار گزرا۔ صحابہ کرامؓ میں سے عبداللہ بن رواحہ جو خزرجی تھے اور عبداللہ بن ابی بن سلول اوسی یعنی قبیلۂ اوس سے تھے، عبداللہ بن ابی کو یہ جواب دیا کہ او کمبخت تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گدھے کو بدبودار بتلاتے ہو جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گدھے کی بو تم سے بھی زیادہ بہتر ہے عبداللہ بن رواحہ کی اس بات سے اوسی حضرات صحابہ کرامؓ کو طیش آگیا کہ عبداللہ نے جو خزرجی ہے ایک اوسی کو اتنی سخت بات کہہ دی زمانہ جاہلیت میں ان دونوں قبیلوں میں مسلسل حرب وضرب جاری رہتی تھی۔ وہ نقشہ عود کر آیا اب کیا تھا ہر اوسی خزرجی کو اور خزرجی اوسی کو برا کہنے لگا، نوبت بایں

جا رسید کہ جوتے چپل نکل گئے اور ہاتھا پائی کی نوبت آ گئی قریب تھا کہ تلواروں کی جھنکار سے قدیم نقشہ سامنے آجائے اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی پھر رسول اللہ ﷺ نے دونوں کے درمیان صلح فرما دی۔ [1]

۴۴۸- يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۱۱

**ترجمہ:** اے ایمان والو! نہ تو مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہئے کیا عجب ہے کہ (جن پر ہنستے ہو) وہ ان (ہنسنے والوں) سے (خدا کے نزدیک) بہتر ہوں (پھر وہ تحقیر کیسے کرتے ہیں) اور نہ عورتوں کو عورتوں پر ہنسنا چاہئے کیا عجب ہے کہ (جن پر ہنستی ہیں) وہ ان (ہنسنے والیوں) سے (خدا کے نزدیک) بہتر ہوں (پھر وہ تحقیر کیسے کرتی ہیں) اور نہ ایک دوسرے کو برے لقب سے پکارو (کیوں کہ یہ سب باتیں گناہ کی ہیں اور) ایمان لانے کے بعد (مسلمانوں پر) گناہ کا نام لگنا (ہی) برا ہے (یعنی یہ گناہ کر کے تمہاری شان میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ فلاں مسلمان جس سے تم مراد لو گناہ یعنی خدا کی نافرمانی کرتا ہے نفرت کی بات ہے تو اس سے بچو) اور جو (ان حرکتوں سے) باز نہ آویں گے تو وہ ظلم کرنے والے (اور حقوق العباد کو تلف کرنے والے) ہیں (جو سزا ظالموں کو ملے گی وہی سزا ان کو بھی ملے گی)

**شانِ نزول:** يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ الخ مذکورہ آیت ثابت بن قیس کے بارے میں نازل ہوئی تفصیل اس طرح ہے کہ ثابت بن قیس کے کان میں گانٹھ تھی جس کی وجہ سے قوت سماعت مکمل طور پر کام نہ کرتی تھی، اور دور سے کوئی بات سنائی نہ دیتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس جب آئے تو صحابہ کرامؓ کے لئے رسول اللہ ﷺ تک پہنچنے کے لئے راستہ خالی کر دیتے۔ اور وہ رسول اللہ ﷺ کے بازو میں جا کر بیٹھ

[1] اسباب النزول ص: ۲۲۳ / روح المعانی ص: ۱۵۰ ج: ۲۶ / ابن کثیر ص: ۱۸۹ ج: ۴ / زاد المسیر ص: ۲۶۲-۴۶۳ ج: ۷ / معالم التنزیل ص: ۲۰۰ ج: ۵ تفسیرات احمدیہ

جاتے۔اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو بھی ارشاد فرماتے اسے سنتے۔

ایک دن کی بات ہے کہ جب یہ تشریف لائے تو صحابہ کرامؓ اپنی اپنی جگہ ہی بیٹھے رہے جس کی وجہ سے ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچنے میں دقت ہوئی، چناں چہ لوگوں سے کہا **تفسحوا تفسحوا** یعنی راستہ دو راستہ دو ایک صحابی نے اس سے کہا کہ جہاں جگہ مل رہی ہے وہیں بیٹھ جاؤ ثابت بن قیس نہ چاہتے ہوئے بھی وہیں پر بیٹھ گئے مجلس میں بیٹھے ہوئے ایک شخص نے کہا کہ یہ کون ہے انہوں نے خود ہی جواب دیا کہ میں ثابت بن قیس ہوں اس پر وہی شخص جس نے استفسار کیا تھا کہا کہ نہیں بلکہ ثابت بن فلاں ہو۔

اس سے ان کا مقصود زمانہ جاہلیت میں چوں کہ اس لفظ سے اسے عار دلایا جاتا تھا اس کی طرف اشارہ کرنا تھا، ثابت بن قیس شرمندہ ہو گئے اور اپنے سر کو نیچا کر لیا اس وقت مذکورہ ٹکڑا نازل ہوا۔

حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کے بارے میں نازل ہوئی کہ دونوں حضرت ام سلمہؓ کا مذاق اڑاتی تھیں ایک مرتبہ ایک سفید کپڑا ان کے دامن سے باندھ دیا جب ام سلمہؓ چلیں تو وہ کپڑا لٹکتا تھا، تو یہ دونوں استہزاء کرتی تھیں اسے دیکھو اس کے پیچھے کتے کی زبان ہے۔گویا اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔**و لا نساء من نساء عسی أن یکن الخ** اور استہزاء اور سخریاء سے منع کیا گیا۔

حضرت انس سے مروی ہے کہ حضرت ام سلمہؓ پستہ قد تھیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دوسری بیویاں ان کا مذاق اڑاتی تھیں اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت عکرمہ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ صفیہؓ بنت حیی بن اخطب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں اور خدمت اقدس میں یہ عرض کیا کہ آپ کی دوسری بیویاں مجھے عار دلاتی ہیں۔اور کہتی ہیں کہ اے یہود یہ (یہودن کی بیٹی) اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم کیوں نہیں کہہ دیتیں کہ میرا باپ ہارون ہے اور میرا چچا موسیٰ ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے شوہر ہیں۔اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔یعنی **و لا نسآء من نسآء عسی أن یَّکُنَّ خَیرًا مِّنھُنَّ الخ.**

حضرات صحابہ نے فرمایا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو ہم لوگ ایک دوسرے کو برے ناموں سے پکارتے تھے جو سننے والوں کو برا معلوم ہوتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔ اس وقت مذکورہ آیت کا یہ ٹکڑا نازل ہوا: وَلَا تَلۡمِزُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ وَلَا تَنَابَزُوۡا بِالۡاَلۡقَابِ ؕ الخ

(اسباب النزول ص: ۲۲۳-۲۲۴/زاد المسیر ص: ۴۶۵-۴۶۶-۴۶۷)

اور زاد المسیر میں وَلَا تَلۡمِزُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ وَلَا تَنَابَزُوۡا بِالۡاَلۡقَابِ ؕ الخ کے متعلق اس کے علاوہ سبب نزول بھی ذکر کیا ہے وہ یہ کہ حضرت ابوذرؓ اور ایک شخص کے درمیان جھگڑا ہوگیا اس شخص نے حضرت ابوذرؓ سے کہا اے یہودی کے بیٹے اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

اور حضرت کعب بن مالک انصاری اور عبداللہ بن ابی حدود اسلمی کے درمیان کہا سنی ہوگئی حضرت کعب نے کہا اے اعرابی اور حضرت عبداللہ نے کہا اے یہودی اس وقت ان دونوں کے بارے میں مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ [۱]

۴۴۹- یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقۡنٰكُمۡ مِّنۡ ذَكَرٍ وَّ اُنۡثٰی وَ جَعَلۡنٰكُمۡ شُعُوۡبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوۡا ؕ اِنَّ اَكۡرَمَكُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ اَتۡقٰكُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیۡمٌ خَبِیۡرٌ ﴿۱۳﴾

**ترجمہ:** اے لوگو! ہم نے تم (سب) کو ایک مرد اور ایک عورت (یعنی آدم وحوا) سے پیدا کیا ہے (اسلئے اس میں تو سب انسان برابر ہیں اور (پھر جس بات میں فرق رکھا ہے کہ) تم کو مختلف قوموں اور (پھر ان قوموں میں) مختلف خاندان بنایا (یہ محض اس لئے) تا کہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکے (جس میں بہت سی مصلحتیں ہیں اس لئے نہیں کہ ایک دوسرے پر تفاخر کرو کیوں کہ) اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہو (اور پرہیز گاری ایسی چیز ہے جس کا پورا حال کسی کو معلوم نہیں بلکہ اس کے حال کو محض) اللہ تعالیٰ خوب

[۱] زاد المسیر ص: ۴۶۷-۴۶۶-۴۶۵ ج: ۷/معالم التنزیل ص: ۲۰۳-۲۰۲ ج: ۵/روح المعانی ص: ۱۵۴-۱۵۲ ج: ۲۶/المقتطف ص: ۶۲ ج: ۵/ابن کثیر ص: ۱۹۰ ج: ۴/الدر المنثور ص: ۹۱ ج: ۶/الطبری ص: ۱۳۲ ج: ۱۶

جاننے والا اور پورا خبر دار ہے (اس لئے کسی نسب اور قومیت پر فخر نہ کرو)

**شانِ نزول:** یہ آیت فتح مکہ کے موقع پر اس وقت نازل ہوئی جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال حبشیؓ کو اذان کا حکم دیا تو قریش مکہ جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے ان میں سے ایک نے کہا کہ اللہ کا شکر ہے کہ میرے والد پہلے ہی وفات پا گئے ان کو یہ برا دن دیکھنا نہیں پڑا اور حارث بن ہشام نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کالے کوے کے سوا کوئی آدمی نہیں جڑا (ملا یا میسر ہوا) کہ جو مسجد حرام میں اذان دے ابوسفیان بولے کے میں کچھ نہیں کہتا کیوں کہ مجھے خطرہ ہے کہ میں کچھ کہوں گا تو آسمانوں کا مالک ان کو خبر کردے گا، چنانچہ جبرئیل امین تشریف لائے اور آنحضرت کو اس تمام گفتگو کی اطلاع دی آپ نے ان لوگوں کو بلا کر پوچھا کہ تم نے کیا کہا تھا انہوں نے اقرار کرلیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جس میں بتلایا کہ فخر وعزت کی چیز درحقیقت ایمان اور تقویٰ ہی ہے جس سے تم لوگ خالی اور حضرت بلالؓ آراستہ ہیں اس لئے وہ تم سے افضل واشرف ہیں۔ [1]

دوسری روایت نزول آیت کے سلسلہ میں یہ ہے کہ یہ آیت ثابت بن قیس کے بارے میں نازل ہوئی جس کا تفصیلی بیان آیت نمبر ۱۱ رسورۃ الحجرات کے تحت آچکا ہے۔

تیسری روایت اس سلسلہ میں یہ ہے کہ یہ آیت ایک ایسے غلام کے بارے میں نازل ہوئی جو صورت وشباہت کے اعتبار سے قبول صورت نہ تھے بلکہ نہ بالکل گورے تھے اور نہ ہی سانولے تھے ان دونوں کے بیچ تھے جب بیمار ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی عیادت کے لئے پہنچے پھر جب جان جان آفرین کے سپرد ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے غسل اور کفن دیا اور ازخود اسے دفنایا اور صحابہ کے سامنے اس کی فضیلت اور کرامت وشرافت بیان فرمائی اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

(زاد المسیر ص:۴۷۳ ج:۷، تخریج الکشاف ص:۱۵۹)

---

[1] تفسیر مظھری عن البغوی معارف القرآن ص:۱۲۴ ج:۸/المقتطف ص:۶۴/ج:۵/روح المعانی ص:۱۶۳ ج:۲۶/معالم التنزیل ص:۲۰۶ ج:۵ زادالمسیر ص:۴۷۳ج:۷/اسباب النزول ص:۲۲۴

**فائدہ:** حضرت عبید اللہ بن عمر کی روایت ہے کہ فتح مکہ کے روز رسول اللہ ﷺ نے اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر طواف فرمایا (تاکہ سب لوگ دیکھ سکیں) طواف سے فارغ ہو کر آپ نے یہ خطبہ دیا۔

**الحمد لله الذي اذهب عنكم عبية الجاهلية وتكبرها. الناس رجلان بر تقي كريم على الله وفاجر شقي هين على الله ثم تلا يا ايها الناس إنا خلقناكم الخ. (ترمذی)**

شکر ہے اللہ کا جس نے رسوم جاہلیت کو اور اس کے تکبر کو تم سے دور کر دیا اب تمام مسلمانوں کی صرف دو قسمیں ہیں ایک نیک اور متقی وہ اللہ کے نزدیک شریف اور محترم ہے۔ دوسرا فاجر شقی وہ اللہ کے نزدیک ذلیل وحقیر ہے اس کے بعد اس آیت کی تلاوت فرمائی جو اوپر مذکور ہوئی ہے۔

**شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ** شعوب، شعب کی جمع ہے بہت بڑی جماعت کو شعب کہتے ہیں جو کسی ایک اصل پر مجتمع ہوں پھر ان میں مختلف قبائل اور خاندان ہوتے ہیں۔ پھر خاندانوں میں بڑے خاندان اور اس کے مختلف حصوں کے عربی زبان میں الگ الگ نام ہیں سب سے بڑا حصہ شعب اور سب سے چھوٹا حصہ عشیرہ کہلاتا ہے۔ اور ابو رواق کا قول ہے کہ شعب اور شعوب عجمی قوموں کے لئے بولا جاتا ہے جن کے انساب محفوظ نہیں۔ اور ''قبائل'' عرب کے لوگوں کے لئے بولا جاتا ہے جن کے انساب محفوظ چلے آتے ہیں اور اسباط کا لفظ بنی اسرائیل کے لئے بولا جاتا ہے۔

قرآن کریم نے اس آیت میں واضح کر دیا کہ حق تعالیٰ نے اگرچہ سب انسانوں کو ایک ہی ماں باپ اور ماں سے پیدا کر کے سب کو بھائی بھائی بنا دیا ہے مگر پھر اس کی تفسیر مختلف قوموں قبیلوں میں جو حق تعالیٰ ہی نے فرمائی ہے، اس میں حکمت یہ ہے کہ لوگوں کا تعارف اور شناخت آسان ہو جائے مثلاً ایک نام کے دو شخص ہیں تو خاندان کے تفاوت سے ان میں امتیاز ہو سکتا ہے۔ اور اس سے دور اور قریب کے رشتوں کا علم ہو سکتا ہے۔ اور نسبی قرب وبعد کی مقدار پر ان کے حقوق شرعیہ ادا کئے جاتے ہیں عصبات کا قرب وبعد

معلوم ہوتا ہے جس کی ضرورت تقسیم میراث میں پیش آتی ہے خلاصہ یہ ہے کہ نسبی تفاوت کو تعارف کے لئے استعمال کرو تفاخر کے لئے نہیں۔ (معارف القرآن ص:۱۲۵ ج:۸)

۴۵۰- قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَ لٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا وَ لَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَ اِنْ تُطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَا یَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَیْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿۱۵﴾ قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِیْنِكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۱۶﴾ یَمُنُّوْنَ عَلَیْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ یَمُنُّ عَلَیْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِیْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾ ع

**ترجمہ:** یہ گنوار کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے آپ فرما دیجئے کہ تم ایمان تو نہیں لائے لیکن یوں کہو کہ مطیع ہو گئے اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا اور گواگر تم اللہ اور رسول کا کہنا مان لو تو اللہ تمہارے اعمال میں سے ذرا بھی کم نہ کرے گا۔ بے شک اللہ غفور الرحیم ہے۔ پورے مومن وہ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔ پھر شک نہیں کیا اور اپنے مال اور جان سے خدا کے راستے میں محنت اٹھائی۔ آپ فرما دیجئے کہ کیا خدا تعالیٰ کو اپنے دین کی خبر دیتے ہو حالانکہ اللہ کو تو سب آسمان اور زمین کی چیزوں کی خبر ہے اور اللہ سب چیزوں کو جانتا ہے یہ لوگ اپنے اسلام لانے کا آپ پر احسان رکھتے ہیں۔ اور کہہ دیجئے کہ مجھ پر اپنے اسلام لانے کا احسان نہ رکھو اور بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تم کو ایمان کی ہدایت دی بشرطیکہ تم سچے ہو اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین کی سب مخفی باتوں کو جانتا ہے اور تمہارے سب اعمال کو بھی جانتا ہے۔

**شانِ نزول:** واقعہ اس آیت کے نزول کا امام بغویؒ کی روایت کے مطابق یہ ہے کہ قبیلہ بنی اسد کے چند آدمی مدینہ طیبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک قحط شدید کے زمانے میں حاضر ہوئے یہ لوگ دل سے تو مومن تھے نہیں، محض صدقات حاصل کرنے کے لئے اپنے اسلام لانے کا اظہار کیا اور چونکہ واقع میں مومن نہ تھے، اسلامی احکام وآداب سے بے خبر اور غافل تھے۔ انہوں نے مدینہ کے راستوں پر غلاظت اور نجاست پھیلا دی اور بازاروں میں اشیاء ضروریہ کی قیمت بڑھا دی، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک تو جھوٹا دعویٰ اسلام لانے کا کیا دوسرے آپ کو دھوکہ دینا چاہا تیسرے آپ پر احسان جتلایا کہ دوسرے لوگ تو ایک زمانہ تک آپ سے برسر پیکار رہے آپ کے خلاف جنگیں لڑی پھر مسلمان ہوئے ہم بغیر کسی جنگ کے خود آپ کے پاس حاضر ہو کر مسلمان ہوئے، گویا انہوں نے اپنے مسلمان ہوجانے کا احسان آپ پر جتلایا۔ اور مقصود اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ مسلمانوں کے صدقات سے اپنی مفلسی دور کریں، اور اگر یہ واقعی سچے مسلمان ہوجاتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا احسان تھا خود اپنا ہی نفع تھا۔ اس پر آیات مذکورہ نازل ہوئیں۔ جن میں ان کے جھوٹے دعویٰ کی تکذیب اور احسان جتلانے پر مذمت کی گئی ہے۔

دوسری روایت یہ ہے کہ جسے مفسر سدی نے کہا ہے کہ مذکورہ آیات مزینہ اور جہینہ اور قبیلہ اسلم اور قبیلہ غفار کے اعراب کے بارے میں نازل ہوئیں جن کا تذکرہ سورۂ فتح میں ہوچکا ہے کہ یہ لوگ اپنے تئیں مسلمان سمجھتے تھے، لیکن جب ان سے حدیبیہ میں نکلنے کے لئے کہا گیا تو انہوں نے تخلف برتا اور روگردانی کی اس وقت مذکورہ آیات نازل ہوئیں۔ [۱]

**فائدہ:** وَ لٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا چونکہ ان کے دلوں میں ایمان نہ تھا جھوٹا دعویٰ صرف ظاہری افعال کی بناء پر کر رہے تھے۔ اسلئے قرآن نے ان کے ایمان کی نفی اور دعویٰ ایمان کے غلط ہونے کو بیان کر کے یہ فرمایا کہ تمہارا اٰمَنَّا کہنا تو جھوٹا ہے تم زیادہ سے زیادہ

---

[۱] زاد المسیر ص:۴۸۶ ج:۷/معارف القرآن ص:۱۲۸ ج:۸، معالم التنزیل ص:۲۰۸ ج:۵/روح المعانی ص:۱۶ ج:۲۶/تفسیر ابن کثیر ص:۱۹۶ ج:۴/المقتطف ص:۶۵ ج:۵/سیوطی وغیرہ نے اس کے علاوہ بھی شانِ نزول بیان کئے ہیں الدر المنثور ص:۱۰۰ ج:۶/المجمع ص:۱۱۲ ج:۷، للحافظ الھیثمی/اسباب النزول ص:۲۲۵/التفسیر الکبیر ص:۱۴۰ ج:۲۸

اَسْلَمْنَا کہہ سکتے ہو۔ کیوں کہ اسلام کے لفظی معنی ظاہری افعال میں اطاعت کرنے کے ہیں، اسی لیے یہ لوگ اپنے دعوائے اسلام کو سچا کرنے کے لئے کچھ اعمال مسلمانوں جیسے کرنے لگے تھے۔ جس سے لفظی اعتبار سے ایک درجہ کی اطاعت ہوگئی اس لئے لغوی معنی کے اعتبار سے اَسْلَمْنَا کہنا صحیح ہوسکتا ہے۔

اوپر کی تقریر سے معلوم ہوگیا کہ اس آیت میں مسلمانوں کے لغوی معنی مراد ہیں اصطلاحی معنی مراد ہی نہیں اس لئے اس آیت سے اسلام اور ایمان میں اصطلاحی فرق پر کوئی استدلال نہیں ہوسکتا۔ اور اصطلاحی ایمان اور اصطلاحی اسلام اگرچہ مفہوم ومعنی کے اعتبار سے الگ الگ ہیں کہ ایمان اصطلاح شرع میں تصدیق قلبی کا نام ہے۔ یعنی اپنے دل سے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کے رول کی رسالت کو سچا ماننا اور اسلام نام ہے اعمال ظاہرہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے کا۔ لیکن شریعت میں تصدیق قلبی اس وقت تک قابل اعتبار نہیں جب تک کہ اس کا اثر جوارح کے اعمال وافعال تک نہ پہنچ جائے جس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ زبان سے کلمہ اسلام کا اقرار کرے اسی طرح اسلام اگرچہ اعمال ظاہرہ کا نام ہے لیکن شریعت میں وہ اس وقت تک معتبر نہیں جب تک کہ دل میں تصدیق نہ آجائے۔ ورنہ وہ نفاق ہے۔ اسی طرح اسلام وایمان مبدأ اور منتہاء کے اعتبار سے تو الگ الگ ہیں کہ ایمان باطن اور قلب سے شروع ہوکر ظاہر اعمال تک پہنچتا ہے۔ اور اسلام افعال ظاہرہ سے شروع ہوکر باطن کی تصدیق تک پہنچتا ہے۔ مگر مصداق کے اعتبار سے ان دونوں میں تلازم ہے کہ ایمان اسلام کے بغیر معتبر نہیں اور اسلام ایمان کے بغیر شرعاً معتبر نہیں۔ شریعت میں یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک شخص مسلم تو ہو مومن نہ ہو یا مومن ہو مسلم نہ ہو مگر یہ کلام اصطلاحی ایمان واسلام میں ہے لغوی معنی کے اعتبار سے ہوسکتا ہے کہ ایک شخص مسلم ہو مومن نہ ہو جیسے تمام منافقین کا یہی حال تھا کہ ظاہری اطاعت احکام کی بناء پر مسلم کہلاتے تھے مگر دل میں ایمان نہ ہونے کے سبب مؤمن نہ تھے۔ (معارف)

❁ ❁ ❁

# سورہ قٓ

سورۂ ق کا دوسرا نام سورۂ باسقات بھی ہے۔ حضرت عوفی حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ یہ سورت مکی ہے اور یہی قول حضرت حسن، حضرت مجاہد، حضرت عکرمہؒ، حضرت قتادہ اور جمہور کا ہے۔ لیکن حضرت ابن عباسؓ اور حضرت قتادہؒ سے ایک روایت یہ بھی منقول ہے کہ اس سورت کی ایک آیت مدنی ہے اور وہ یہ ہے وَ لَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ (الآیۃ نمبر ۳۸)

۴۵۱-وَ لَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ۖۗ وَّ مَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ﴿۳۸﴾ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا یَقُوْلُوْنَ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴿۳۹﴾ وَ مِنَ الَّیْلِ فَسَبِّحْهُ وَ اَدْبَارَ السُّجُوْدِ ﴿۴۰﴾

**ترجمہ:** اور ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ اس کے درمیان ہے ان سب کو چھ دن میں پیدا کیا اور ہم کو تکان تک نے چھوا تک نہیں سو ان کی باتوں پر صبر کیجئے اور اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے رہیے۔ آفتاب نکلنے سے پہلے اور چھپنے سے پہلے۔ اور رات میں بھی اس کی تسبیح کیا کیجئے اور نمازوں کے بعد بھی۔

**شانِ نزول:** حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ چند یہود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آسمان و زمین کی تخلیق سے متعلق سوالات کئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا چہار شنبہ اور پنجشنبہ کو اللہ نے آسمان پیدا کیا اور جمعہ کے دن چاند، سورج اور ستارے پیدا کئے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش ہو گئے تو یہود نے کہا کہ اس کے بعد کیا ہوا؟ آپ نے فرمایا کہ اس کے بعد باری عز اسمہ عرش پر متمکن ہو گئے اس

پر یہود نے کہا کہ جو کچھ آپ نے بتلایا وہ ٹھیک ہی ہے لیکن اگر آپ یہ کہتے کہ اس کے بعد یوم السبت کو اللہ نے آرام فرمایا تو یہ بات درست ہوتی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی ان باتوں کو سن کر غصہ سے ابل پڑے چہرہ سرخ ہو گیا اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ [۱]

۞۞۞

[۱] اسباب النزول ص:۲۲۶/ابن کثیر ص:۲۰۵ج:۴/زادالمسیر ص:۲۲ج:۸/طبری ص:۱۷۶ج:۲۶/الدر المنثور ص:۱۱۰ج:۶،المقتطف ص:۷۹ج:۵/روح المعانی ص:۱۹۲ ج:۲۶/للآلوسی،معالم التنزیل ص:۲۱۹ج:۵/التفسیر الکبیر ص:۱۸۴ج:۲۸

# سورۃ النجم

سورۃ النجم باجماع مفسرین مکی ہے۔مگر حضرت ابن عباس اور حضرت قتادہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اس سورت کی ایک آیت مدنی ہے اور وہ یہ ہے کہ اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ (النجم نمبر ۳۲) اور اسی طرح حضرت مقاتل نے فرمایا اور حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ یہ پہلی سورت ہے جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مکہ میں اعلان فرمایا اور یہی سب سے پہلی سورت ہے جس میں آیت سجدہ نازل ہوئی۔اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سجدۂ تلاوت کیا اور سجدہ میں ایک عجیب صورت یہ پیش آئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ سورت مجمع عام میں تلاوت فرمائی جس میں مسلمان اور کفار سب شریک تھے جب آپ نے آیت سجدہ پر سجدۂ تلاوت ادا کیا تو مسلمان تو آپ کی اتباع میں سجدہ کرتے ہی کفار نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ سجدہ کیا۔تعجب کی چیز یہ پیش آئی کہ جتنے کفار اور مشرکین موجود تھے وہ بھی سب سجدہ میں گر گئے۔صرف ایک متکبر شخص جس کے نام میں اختلاف ہے ایسا رہا جس نے سجدہ نہ کیا مگر زمین سے ایک مٹھی مٹی کی اٹھا کر پیشانی سے لگالی اور کہنے لگا کہ بس یہی کافی ہے۔حضرت عبداللہ بن مسعود راوی حدیث فرماتے ہیں کہ میں نے اس شخص کو کفر کی حالت میں مرتے ہوئے دیکھا ہے۔

(فتح الباری ص: ۶۱۴ ج: ۸۰/ معارف القرآن ص: ۱۹۳ ج: ۸، زاد المسیر ص: ۶۲ ج: ۸)

اس سورت کے شروع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے رسول برحق ہونے اور آپ پر نازل ہونے والی وحی میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہ ہونے کا بیان ہے۔(معارف القرآن ص: ۱۹۳ ج: ۸)

۴۵۲-هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَ اِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ۳۲

**ترجمہ:** وہ تم کو (اور تمہارے احوال کو اس وقت سے) خوب جانتا ہے جب تم کو (یعنی تمہارے جدامجد علیہ السلام کو) زمین (کی خاک) سے پیدا کیا تھا (جن کے ضمن میں بواسطہ تم بھی مٹی سے مخلوق ہوئے) اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے (اور ان دونوں حالتوں میں تم کو خود اپنا کوئی علم نہ تھا اور ہم کو علم تھا پس اسی طرح اب بھی تمہارا خود اپنے سے ناواقف ہونا اور ہمارا عالم وواقف ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں، جب یہ بات ہے) تو تم اپنے کو مقدس مت سمجھا کرو (کیوں کہ) تقویٰ والوں کو وہی خوب جانتا ہے (کہ فلاں متقی ہے فلاں نہیں، گو صورۃً تقویٰ کے افعال دونوں سے صادر ہوتے ہوں)

**شانِ نزول:** ثابت بن حارث انصاری سے مروی ہے کہ جب کوئی یہودی بچہ بلوغ سے قبل مرجاتا تو یہود اس کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ یہ بچہ صدیق ہے یعنی قرب الٰہی میں اعلیٰ مقام پر فائز ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب انکی بے ہودہ باتوں کی خبر معلوم ہوئی تو فرمایا کہ یہود نے خلاف واقعہ جھوٹ بات کہی ہے اسلئے کہ کوئی بچہ جو اپنی ماں کے پیٹ سے جب پیدا ہوتا ہے تو یا تو وہ شقی ہوتا ہے یا سعید ہوتا ہے لہٰذا سعید وصدیق کا دعویٰ بے بنیاد اور بے اصل ہے۔اس وقت مذکورہ ٹکڑا نازل ہوا۔

اسباب النزول ص:۲۲۶ /زاد المسیر ص:۷۷ ج:۸ /معالم التنزیل ص:۲۵۳ ج:۵، کچھ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اپنی کثرت نماز اور کثرت روزہ اور کثرت حج اور کثرت جہاد کو فخریہ بیان کرتے اس وقت یہ آیت یعنی فَلَا تُزَكُّوٓا اَنْفُسَكُمْ الخ نازل ہوئی جس میں بتلایا گیا کہ اللہ نزدیک کون زیادہ برگزیدہ ہے۔اس کی خبر تو اللہ ہی کو ہے۔ (روح المعانی ص:۶۴ ج:۲۷)

**فائدہ:** هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ الخ اجنہ جنین کی جمع ہے بچہ جب تک ماں کے پیٹ میں ہے اس کو جنین کہا جاتا ہے۔اس آیت میں حق تعالیٰ نے انسان کو اس پر متنبہ فرمایا ہے کہ وہ خود اپنی جان کا بھی اتنا علم نہیں رکھتا جتنا اس کے خالق سبحانہ وتعالیٰ کو ہے، کیوں کہ ماں کے پیٹ میں جو تخلیق کے مختلف دور اس پر گزر رہے ہیں اس وقت وہ کوئی علم وشعور ہی نہ رکھتا تھا مگر اس کا بنانے والا خوب جانتا تھا جس کی حکیمانہ تخلیق اس کو بنا رہی تھی اس میں

انسان کو عجز و کمی علمی پر متنبہ کر کے یہ ہدایت کی گئی ہے کہ وہ جو بھی کوئی اچھا اور نیک کام کرتا ہے وہ اس کا ذاتی کمال نہیں خدا تعالیٰ کا بخشا ہوا انعام ہی ہے کہ کام کرنے کے لئے اعضاء و جوارح اس نے بنائے ان میں حرکت کی قوت اس نے بخشی، پھر دل میں نیک کام کرنے کا داعیہ اور پھر اس پر عزم و عمل اسی کی توفیق سے ہوا تو کسی بڑے سے بڑے نیک، صالح اور متقی و پرہیزگار انسان کو بھی یہ حق نہیں پہنچتا کہ اپنے عمل پر فخر کرے، اور اس عمل کو اپنا کمال قرار دے کر غرور میں مبتلا ہو جائے، اس کے علاوہ سب چیزوں کا مدار خاتمہ اور انجام پر ہے ابھی اس کا حال معلوم نہیں کہ خاتمہ کس حال پر ہونا ہے تو فخر و غرور کرنا کس بات پر ہے؟ اس ہدایت کو اگلی آیت میں اس طرح بیان فرمایا۔

**فَلَا تُزَكُّوٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ۝۳۲** یعنی تم اپنے نفس کی پاکی کا دعویٰ نہ کرو کیوں کہ اس کو صرف اللہ ہی جانتا ہے کہ کون کیسا ہے؟ کس درجہ کا ہے؟ کیوں کہ مدار فضیلت تقویٰ پر ہے ظاہری اعمال پر نہیں اور تقویٰ بھی وہ معتبر ہے جو موت تک قائم رہے۔

حضرت زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا کا نام ان کے والدین نے برہ رکھا تھا جس کے معنی ہیں نیکوکار آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت مذکورہ **فَلَا تُزَكُّوٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ** کی تلاوت فرما کر اس نام سے منع فرمایا، کیوں کہ اس میں اپنے نیک ہونے کا دعویٰ ہے اور نام بدل کر زینب رکھ دیا۔ (رواہ مسلم فی صحیح، ابن کثیر)

امام احمد نے عبدالرحمن بن ابی بکرہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ایک دوسرے آدمی کی مدح کی آپ نے فرمایا، کہ اگر تمہیں کسی کی مدح و ثناء کرنا ہی ہو تو ان الفاظ سے کرو کہ میرے علم میں یہ شخص نیک اور متقی ہے۔ **ولا ازکی علی احد** یعنی میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ کے نزدیک بھی وہ ایسا ہی پاک صاف ہے جیسا میں سمجھ رہا ہوں۔ (تفسیر ابن کثیر ص: ۲۳۱ ج: ۴/ معارف القرآن ص: ۲۱۲-۲۱۳ ج: ۸)

**۴۵۳- اَفَرَءَيْتَ الَّذِىْ تَوَلّٰى ۝۳۳ وَ اَعْطٰى قَلِيْلًا وَّ اَكْدٰى ۝۳۴ اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرٰى ۝۳۵ اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِىْ صُحُفِ مُوْسٰى ۝۳۶ وَ اِبْرٰهِيْمَ الَّذِىْ وَفّٰٓى ۝۳۷ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۝۳۸ وَ اَنْ لَّيْسَ**

لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ﴿۳۹﴾ وَ اَنَّ سَعۡیَہٗ سَوۡفَ یُرٰی ﴿۴۰﴾ ثُمَّ یُجۡزٰىہُ الۡجَزَآءَ الۡاَوۡفٰی ﴿۴۱﴾ وَ اَنَّ اِلٰی رَبِّکَ الۡمُنۡتَہٰی ﴿۴۲﴾

**ترجمہ:** تو بھلا آپ نے ایسے شخص کو بھی دیکھا جس نے روگردانی کی اور تھوڑا مال دیا اور بند کردیا کیا اس شخص کے پاس علم غیب ہے کہ اس کو دیکھ رہا ہے کیا اس کو اس مضمون کی خبر نہیں پہنچی جو موسیٰ کے صحیفوں میں ہے اور نیز ابراہیمؑ کے۔ کوئی شخص کسی کا گناہ اپنے اوپر نہیں لے سکتا اور یہ کہ انسان کو صرف اپنی ہی کمائی ملے گی اور یہ کہ انسان کی سعی بہت جلد دیکھی جائے گی پھر اس کو پورا بدلہ دیا جائے گا اور یہ کہ آپ کے پروردگار ہی کے پاس پہنچنا ہے۔

**شانِ نزول:** درمنثور میں براویت ابن جریر یہ نقل کیا ہے کہ کوئی شخص اسلام لے آیا تھا اس کے کسی ساتھی نے اس کو ملامت کی کہ تو نے اپنے باپ دادا کے دین کو کیوں چھوڑ دیا؟ اس نے کہا کہ میں اللہ کے عذاب سے ڈرتا ہوں وہ بولا کہ تو مجھے کچھ دیدے تو میں آخرت کا تیرا عذاب اپنے سر پر رکھ لوں گا اور تو عذاب سے بچ جائے گا چنانچہ اس نے کچھ دیدیا اس نے اور مانگا تو کچھ کشاکشی کے بعد کچھ اور بھی دیدیا اور بقیہ کی دستاویز مع گواہوں کے لکھدی روح المعانی میں اس شخص کا نام ولید بن مغیرہ لکھا ہے جس کا اسلام کی طرف میلان ہوگیا تھا اس کے دوست نے ملامت کی اور عذاب کی ذمہ داری اپنے سر لے لی۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور سدی اور کلبی اور مسیّب بن شریک سے مروی ہے کہ مذکورہ آیات حضرت عثمان بن عفانؓ کے بارے میں نازل ہوئیں تفصیل اس طرح ہے کہ حضرت عثمان بن عفانؓ اپنے اموال وجائداد کو بکثرت راہِ خدا میں خرچ اور صدقہ کرتے تھے ان کے رضاعی بھائی جن کا نام عبداللہ بن سرح تھا اس نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ اگر تو اسی طرح بکثرت خرچ کرتا رہے گا تو پھر تو بے دست و پا ہوجائے گا اور پیسے پیسے اور دانے دانے کا محتاج ہوجائے گا۔ حضرت عثمان نے فرمایا کہ میں اپنے تئیں خود گنہگار اور خطا کار سمجھتا ہوں اور مجھے اللہ کی ذات سے امید ہے کہ میرا اللہ کی راہ میں خرچ کرنا میری خطاؤں کی بخشش کا سبب ہوگا۔ اس پر عبداللہ بن سرح نے کہا کہ ایسا کیوں نہ ہو کہ تو

اپنی ایک اونٹنی مع ساز وسامان مجھے دیدے اور میں تمہارے گناہوں کو تم سے ختم کردوں، چنانچہ حضرت عثمانؓ نے تھوڑا مال جتنا صدقہ کرنا تھا اس میں سے روک لیا اس وقت مذکورہ آیات نازل ہوئیں۔[1]

۴۵۴- وَ اَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَ اَبْكٰى ﴿۴۳﴾ وَ اَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَ اَحْيَا ﴿۴۴﴾ وَ اَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَ الْاُنْثٰى ﴿۴۵﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى ﴿۴۶﴾ وَ اَنَّ عَلَيْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى ﴿۴۷﴾ وَ اَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَ اَقْنٰى ﴿۴۸﴾ وَ اَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ﴿۴۹﴾ وَ اَنَّهٗۤ اَهْلَكَ عَادَا اِۨلْاُوْلٰى ﴿۵۰﴾ وَ ثَمُوْدَاۡ فَمَاۤ اَبْقٰى ﴿۵۱﴾ وَ قَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَ اَطْغٰى ﴿۵۲﴾ وَ الْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ﴿۵۳﴾ فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى ﴿۵۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ﴿۵۵﴾ هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى ﴿۵۶﴾ اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ﴿۵۷﴾ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ﴿۵۸﴾ اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَ تَضْحَكُوْنَ وَ لَا تَبْكُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَ اَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ﴿۶۱﴾ فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَ اعْبُدُوْا ﴿۶۲﴾

**ترجمہ:** اور یہ کہ وہی ہنساتا اور رلاتا ہے اور یہ کہ وہی مارتا ہے اور جلاتا ہے اور یہ کہ وہی دونوں قسم یعنی نر اور مادہ کو نطفہ سے بناتا ہے۔ جب ڈالا جاتا ہے اور یہ کہ دوبارہ پیدا کرنا اس کے ذمہ ہے۔ اور یہ کہ وہی غنی کرتا ہے، اور سرمایہ دے کر محفوظ باقی رکھتا ہے اور یہ کہ وہی مالک ہے ستارۂ شعریٰ کا بھی اور یہ کہ اس نے قدیم قوم عاد کو ہلاک کیا اور ثمود کو بھی کہ کسی کو باقی نہ چھوڑا اور ان سے پہلے قوم نوح کو۔ بے شک وہ سب سے بڑھ کر ظالم اور شریر تھے۔ اور الٹی ہوئی بستی کو بھی پھینک مارا تھا پھر ان بستیوں کو گھیر لیا جس چیز نے کہ گھیر لیا سو تو اپنے رب کی کون سی نعمت میں شک کرتا رہے گا یہ بھی پہلے پیغمبروں کی طرح ایک پیغمبر ہیں۔ وہ جلدی آنے والی چیز قریب آپہونچی ہے کوئی غیر اللہ اس کو ہٹانے والا نہیں۔ سو کیا تم لوگ اس کلام سے تعجب کرتے اور ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو اور تم تکبر کرتے ہو سو اللہ کی اطاعت کرو اور

[1] اسباب النزول ص: ۲۲۶/۲۲۷/زاد المسیر ص: ۷۷ج:۸، التفسیر الکبیر ص: ۱۱ ج: ۲۹ روح المعانی ص:۶۵ ج:۲۷/معالم التنزیل ص: ۲۵۳ ج:۵

عبادت کرو۔

**شانِ نزول:** ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر ایک ایسی قوم کے پاس سے ہوا جو ہنسنے میں مشغول تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کاش وہ چیزیں جو مجھے معلوم ہیں اگر تمہیں معلوم ہو جائیں تو تم ہنستے کم اور روتے زیادہ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چند قدم آگے بڑھے ہی تھے کہ مذکورہ آیات رکوع تک نازل ہوئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہا گیا کہ آپ یہ آیات انہیں جا کر سنا دیں۔ (اسباب النزول ص:۲۲۷، زاد المسیر ص:۸۲ ج:۸)

# سورۃ القمر

یہ سورت باجماع مفسرین مکی ہے اور حضرت مقاتل نے فرمایا کہ یہ سورت مکی ہے مگر ایک آیت مدنی ہے۔ ''سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ'' (القمر) اور انہیں سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس میں تین آیتیں مدنی ہیں اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ﴿۴۴﴾ سے بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ﴿۴۶﴾ تک (القمر: ۴۴/۴۵/۴۶)

۴۵۵- اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ﴿۱﴾ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ﴿۲﴾ وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ﴿۳﴾ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ﴿۴﴾ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ﴿۵﴾

**ترجمہ:** قیامت نزدیک آپہنچی اور چاند شق ہوگیا اور یہ لوگ اگر کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو ٹال دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جادو ہے جو ابھی ختم ہو جاتا ہے۔ اور ان لوگوں نے جھٹلایا اور اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کی اور ہر بات کو قرار آجاتا ہے۔ اور ان لوگوں کے پاس خبریں اتنی پہنچ چکی ہیں کہ ان میں عبرت یعنی اعلیٰ درجہ کی دانش مندی ہے سو خوف دلانے والی چیزیں ان کو کچھ فائدہ ہی نہیں دیتیں۔

شانِ نزول: کفار مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آپ کی نبوت و رسالت کے لئے کوئی نشانی اور معجزہ طلب کیا حق تعالیٰ نے آپ کی حقانیت کے ثبوت کے لئے یہ معجزہ شق القمر ظاہر فرمایا۔ اس معجزہ کا ثبوت قرآن کریم کی اس آیت میں بھی موجود ہے، وَانْشَقَّ الْقَمَرُ اور ان احادیث صحیحہ سے بھی جن کو صحابہ کرام کی ایک جماعت روایت کرتی ہے جن میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عمرؓ، جبیر بن مطعم، ابن عباس اور انس بن مالک وغیرہ شامل ہیں۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ خود اپنا اس وقت میں موجود ہونا اور معجزہ کا مشاہدہ کرنا بھی بیان فرماتے ہیں۔ امام طحاویؒ اور ابن کثیرؒ نے شق القمر کی روایت کو متواتر قرار دیا ہے۔ اس لئے اس معجزہ نبوی کا وقوع قطعی دلائل سے ثابت ہے۔

واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ کے مقام منیٰ میں تشریف رکھتے تھے مشرکین مکہ نے آپ سے نبوت کی نشانی طلب کی یہ واقعہ ایک چاندنی رات کا ہے۔ حق تعالیٰ نے یہ کھلا ہوا معجزہ دکھلا دیا کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو کر ایک مشرق کی طرف اور ایک مغرب کی طرف چلا گیا۔ اور دونوں ٹکڑوں کے درمیان میں پہاڑ حائل نظر آنے لگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب حاضرین سے فرمایا کہ دیکھو! اور شہادت دو! جب سب لوگوں نے صاف طور پر یہ معجزہ دیکھ لیا تو یہ دونوں ٹکڑے پھر آپس میں مل گئے، اس کھلے ہوئے معجزہ کا انکار تو کسی آنکھوں والے سے ممکن نہ ہوسکتا تھا۔ مگر مشرکین کہنے لگے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سارے جہاں پر جادو نہیں کر سکتے اطراف مکہ سے آنے والے لوگوں کا انتظار کرو وہ کیا کہتے ہیں بیہقی اور ابوداؤد اور طیالسی کی روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ بعد میں تمام اطراف سے آنے والے مسافروں سے ان لوگوں نے تحقیق کی تو سب نے ایسے ہی چاند کے دو ٹکڑے دیکھنے کا اعتراف کیا۔

(۱) صحیح بخاری میں حضرت انس بن مالک کی روایت سے نقل کیا گیا ہے کہ:

**أن اهل مكة سألوا رسول الله إن يريهم أية فاراهم القمر شقين حتى رأوا حراء بينهما. (بخاری و مسلم)**

یعنی اہل مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ اپنی نبوت کے لئے کوئی نشانی (معجزہ) دکھلائیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھلا دیا یہاں تک کہ جبل حراء کو دونوں ٹکڑوں کے درمیان دیکھا۔

(۲) صحیح بخاری و مسلم اور مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ:

**انشق القمر على عهد رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم شقتين حتى نظروا إليه فقال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم اشهدوا.**

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ مبارک میں چاند شق ہوا اور دو ٹکڑے ہو گیا جس کو سب نے صاف طور سے دیکھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا کہ دیکھو اور شہادت دو۔

اور ابن جریر نے بھی اپنی سند سے اس حدیث کو نقل کیا ہے اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ

**كنا مع رسول الله ﷺ بمنى فانشق القمر فاخذت فوقه خلف الجبل فقال رسول الله ﷺ اشهدوا اشهدوا.** (حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ ہم منی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے اچانک چاند کے دوٹکڑے ہوگئے اور ایک ٹکڑا پہاڑ کے پیچھے چلا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ گواہی دو گواہی دو۔

(۳) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہی کی روایت سے ابوداؤد طیالسی نے اور بیہقی نے یہ بھی نقل کیا ہے۔

**انشق القمر بمكة حتى صار فرقتين فقال كفار قريش اهل مكة هذا سحر سحر كم به ابن ابى كبشة انظروا السفار فان كانوا رأوا ما رأيتم فقد صدق وإن كانوا لم يروا مثل ما رأيتم فهو سحر سحر كم به فسئل السفار قال وقدموا من كل جهة فقالوا رأينا (ابن كثير)**

مکہ مکرمہ (کے قیام کے زمانہ میں) چاند شق ہوکر دوٹکڑے ہوگیا کفار قریش کہنے لگے کہ یہ جادو ہے ابن ابی کبشہ (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے تم پر جادو کردیا ہے اسلئے تم انتظار کرو باہر سے آنے والے مسافروں کا اگر انہوں نے بھی یہ دوٹکڑے چاند کے دیکھے ہیں تو انہوں نے سچ کہا ہے اور اگر باہر کے لوگوں نے ایسا نہیں دیکھا تو پھر یہ بے شک جادو ہی ہوگا پھر باہر سے آنے والے مسافروں سے تحقیق کی جو ہر طرف سے آئے تھے سب نے اعتراف کیا کہ ہم نے بھی یہ دوٹکڑے دیکھے ہیں۔ [1]

**فائدہ:** وَ اِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَ يَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝ مستمر کے مشہور معنی جو فارسی اور اردو میں بھی معروف ہیں، وہ دیر تک اور دائم رہنے کے ہیں مگر عربی زبان میں یہ لفظ مرّ اور استمرّ یعنی گزر جانے اور ختم ہوجانے کے معنی میں بھی آتا ہے ائمہ تفسیر اور قتادہ نے اس جگہ یہی معنی بیان کئے ہیں اس وقت مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ یہ جادو کا اثر ہے جو

[1] معارف القرآن ص:۲۲۵-۲۲۶ج:۸،معالم التنزيل ص:۲۶۰ج:۵،زاد المسير ص:۸۷-۸۸ ج:۸،الدر المنثور ص:۱۳۳،ج:۶،الطبرى ص:۸۵ج:۲۷،اسباب النزول ص:۲۲۷،روح المعانى ص:۷۴ج:۲۷،ابن كثير ص:۲۳۶ج:۴،المقتطف ص:۱۳۲ج:۵،فتح البارى ص:۶۱۷ج:۸

دیر تک نہیں چلا کرتا خود ہی گزر جائے گا اور ختم ہوجائے گا۔ اور ایک معنی مستمر کے قوی اور شدید کے بھی آتے ہیں، ابو العالیہ اور ضحاک نے اس آیت میں مستمر کی یہی تفسیر کی ہے اور مراد یہ ہوگا کہ یہ بڑا قوی جادو ہے۔

اہل مکہ جب مشاہدہ کی تکذیب نہ کر سکے تو اس کو جادو یا سخت جادو کہہ کر اپنے دلوں کو تسلی دینے لگے۔

**وَ كُلُّ اَمۡرٍ مُّسۡتَقِرٌّ**: استقرار کے لغوی معنی قرار پکڑنے کے ہیں مفہوم آیت کا یہ ہے کہ ہر کام اور ہر چیز اپنی غایت پر پہنچ کر آخر کار صاف ہوجاتی ہے۔ کسی جعل سازی سے جو پردہ حقیقت پر ڈالا جاتا ہے وہ انجام کار کھل کر رہتا ہے اور حق کا حق اور باطل کا باطل ہونا واضح ہوجاتا ہے۔ (معارف القرآن ص:۲۲۸-۲۲۷ ج:۸)

**۴۵۶- اِنَّ الۡمُجۡرِمِيۡنَ فِىۡ ضَلٰلٍ وَّ سُعُرٍ ﴿۴۷﴾ يَوۡمَ يُسۡحَبُوۡنَ فِى النَّارِ عَلٰى وُجُوۡهِهِمۡ ؕ ذُوۡقُوۡا مَسَّ سَقَرَ ﴿۴۸﴾ اِنَّا كُلَّ شَىۡءٍ خَلَقۡنٰهُ بِقَدَرٍ ﴿۴۹﴾**

**ترجمہ:** یہ مجرمین (یعنی کفار) بڑی غلطی اور بے عقلی میں (پڑے) ہیں (اور وہ غلطی ان کو عنقریب جب علم الیقین مبدل بہ عین الیقین ہوگا ظاہر ہوجائے گی اور وہ اس طرح ہوگا کہ) جس روز یہ لوگ اپنے منہ کے بل جہنم میں گھسیٹے جاویں گے تو ان سے کہا جاوے گا کہ دوزخ (کی آگ) کے لگنے کا مزہ چکھو (اور اگر ان کو اس سے شبہ ہو کہ قیامت ابھی کیوں نہیں واقع ہوتی تو وجہ اس کی یہ ہے کہ) ہم نے ہر چیز کو (باعتبار زمان وغیرہ کے ایک خاص) انداز سے پیدا کیا ہے (جو ہمارے علم میں ہے یعنی زمانہ وغیرہ اس کا اپنے علم میں معین ومقدر کیا ہے اسی طرح قیامت کے وقوع کے لئے بھی ایک وقت معین ہے بس اس کا عدم وقوع فی الحال بوجہ اس کے وقت نہ آنے کے ہے۔ دھوکا نہ کھانا چاہئے کہ قیامت کا وقوع ہی نہ ہوگا۔

**شانِ نزول:** مسند احمد، مسلم، ترمذی میں حضرت ابو ہریرہؓ کی رایت ہے کہ مشرکین قریش ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ تقدیر کے متعلق مخاصمت کرنے لگے، تو اس پر یہ آیات قرآن نازل ہوئیں، اس معنی کے اعتبار سے مطلب آیات کا یہ ہوگا کہ ہم نے تمام عالم کی ایک ایک چیز کو اپنی تقدیر ازلی کے مطابق بنایا ہے۔ یعنی ازل میں پیدا

ہونے والی چیز اور اس کی مقدار زمان ومکان اور اس کے بڑھنے اور گھٹنے کا پیمانہ عالم کے پیدا ہونے سے پہلے ہی لکھ دیا گیا تھا جو کچھ عالم میں پیدا ہوتا ہے وہ اسی تقدیر ازلی کے مطابق ہوتا ہے۔

تقدیر کا مسئلہ اسلام کا قطعی عقیدہ ہے اس کا منکر کافر اور جو فرقہ بتاویل انکار کرتے ہیں وہ فاسق ہیں۔ امام احمد، ابوداؤد، طبرانی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہر امت میں کچھ لوگ مجوسی ہوتے ہیں۔ اس امت محمدیہ کے مجوسی وہ لوگ ہیں جو تقدیر کا انکار کرتے ہیں۔ ایسے لوگ بیمار پڑیں تو ان کی بیمار پرسی کو نہ جاؤ اور مرجائیں تو کفن دفن میں شریک نہ ہو۔ از روح المعانی واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم [1]

فائدہ: اِنَّا كُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ : قدر کے لغوی معنی اندازہ کرنے اور کسی چیز کو حکمت ومصلحت کے مطابق اندازے سے بنانے کے ہیں۔ اس آیت میں یہ لغوی معنی بھی مراد ہوسکتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے عالم کی تمام مخلوقات کو اور اس کی ہر نوع وصنف کو ایک حکیمانہ اندازہ سے بڑا چھوٹا اور مختلف ہیئت وصورت میں بنایا ہے پھر ہر نوع وصنف کے ہر فرد کی تخلیق میں بھی حکیمانہ انداز بڑی حکمت کے ساتھ رکھا ہے انگلیاں سب یکساں نہیں بنائی طول میں فرق رکھا، ہاتھوں پاؤں کے طول وعرض اور ان کے کھلنے بند ہونے سمٹنے اور پھیلنے کے لئے اسپرنگ لگائے۔ ایک ایک عضو کے ایک ایک جزو کو دیکھو تو قدرت وحکمت خداوندی کے عجیب وغریب دروازے کھلتے نظر آئیں گے۔

اور اصطلاح شرع میں لفظ قدر بمعنی تقدیر الٰہی بھی استعمال ہوتا ہے اور اکثر ائمہ تفسیر نے بعض روایات حدیث کی بناء پر اس آیت میں قدر سے تقدیر الٰہی مراد لیا ہے۔
(معارف القرآن ص:۲۳۷ ج:۸)

---

[1] معارف القرآن ص:۲۳۸ ج:۸/اسباب النزول ص:۲۲۸ الدر المنثور ص:۱۳۶-۱۳۷ ج:۶/زاد المسیر ص:۱۰۱ ج:۸/التفسیر الکبیر ص:۶۹ ج:۲۹/روح المعانی ص:۹۳-۹۴ ج:۲۷/ابن کثیر ص:۲۴۰ ج:۴/معالم التنزیل ص:۲۶۸ ج:۵

# سورۃ الواقعۃ

سورہ واقعہ کے مکی اور مدنی ہونے میں دو قول ہیں:

۱- یہ سورت اکثر مفسرین کے نزدیک مکی ہے، ان میں حضرت ابن عباسؓ، حضرت حسن، حضرت عطاء، حضرت عکرمہ، حضرت قتادہ، حضرت جابر، حضرت مقاتل ہیں۔ اور ابن عباسؓ نے بیان کیا ہے کہ اس میں ایک آیت مدنی ہے وہ یہ ہے: **وَ تَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ** ﴿۸۲﴾ (الواقعۃ ۸۲-زادالمسیر)

۴۵۷- **فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ﴿۲۸﴾ وَّ طَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ﴿۲۹﴾ وَّ ظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ﴿۳۰﴾ وَّ مَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ﴿۳۱﴾ وَّ فَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ﴿۳۲﴾ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّ لَا مَمْنُوْعَةٍ ﴿۳۳﴾ وَّ فُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ﴿۳۴﴾ اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ﴿۳۵﴾ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ﴿۳۶﴾ عُرُبًا اَتْرَابًا ﴿۳۷﴾ لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۳۸﴾ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۹﴾ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۴۰﴾**

**ترجمہ:** وہ ان باغوں میں ہوں گے جہاں بے خار بیریاں ہوں گی اور تہہ بتہ کیلے ہوں گے اور لمبا لمبا سایہ ہوگا اور چلتا ہوا پانی ہوگا اور کثرت سے میوے ہوں گے جو نہ ختم ہوں گے اور نہ ان کو روک ٹوک ہوگی اور اونچے اونچے فرش ہوں گے، ہم نے ان عورتوں کو خاص طور پر بنایا یعنی ہم نے ان کو ایسا بنایا کہ وہ کنواریاں ہیں، محبوبہ ہیں، ہم عمر ہیں، یہ سب چیزیں داہنے والوں کے لئے ہیں ان کا ایک بڑا گروہ اگلے لوگوں میں سے ہوگا اور ایک بڑا گروہ پچھلے لوگوں میں سے ہوگا۔

**شانِ نزول:** حضرت ابوالعالیہ اور حضرت ضحاک سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ صحابۂ کرام کا گزر طائف کے گھنے باغات کے پاس سے ہوا جس میں ہر طرف شادابی و ہریالی

چھائی ہوئی تھی، بیری اور دوسرے پھلوں سے درخت لدے ہوئے تھے صحابۂ کرامؓ کو یہ منظر بڑا خوشنما معلوم ہوا اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ ہمیں بھی اسی جیسا باغ عنایت فرما اس وقت مذکورہ آیات نازل ہوئیں۔

**فائدہ:** مذکورہ آیتوں میں بتلایا گیا ہے کہ تم دنیوی نعمتوں کو دیکھ کر ترس گئے تمہارے لئے تو ہم نے وہ نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہوگا اور نہ کسی کان نے سنا ہوگا لہٰذا تم اس معمولی شادابی سے دھوکے میں نہ پڑ جاؤ اور آخرت کی تیاری سے یکسر غافل ہو جاؤ۔ اور اگر یہ مل بھی گئی تو بس چند مہینے یا چند سال یا چند روز اس کے بعد تو تم بھی فنا ہو جاؤ گے اور وہ چیزیں بھی فنا ہو جائیں گی۔

(زاد المسیر ص:۱۳۹ ج:۸/ اسباب النزول ص:۲۲۹/ معالم التنزیل ص:۲۹۰ ج:۵)

**۴۵۸- ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۹﴾ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۴۰﴾**

**ترجمہ:** ابھی اوپر کے شانِ نزول کے تحت گزرا۔

**شانِ نزول:** جب آیت کریمہ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۹﴾ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۴۰﴾ نازل ہوئی تو حضرت عمرؓ رونے لگے، اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہم لوگ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے اور آپ کی تصدیق کی اس کے باوجود ہم میں سے تھوڑے لوگ جنت میں داخل ہوں گے کیا ہم جہنم سے نجات پا سکیں گے؟ اس وقت مذکورہ دونوں آیتیں نازل ہوئیں۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو طلب کیا۔ اور فرمایا کہ تمہاری مرضی کے مطابق اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے اس پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ ہم اپنے رب سے راضی ہیں اور اپنے نبی کی تصدیق سے خوش ہیں۔ پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت آدم سے مجھ تک ایک جماعت ہے اور مجھ سے قیامت تک ایک جماعت ہے اور اخیر میں ایک حبشی شخص ہوگا جو اونٹ چرانے والا ہوگا۔ جو کلمۂ لا اِلٰہ اِلا اللہ پڑھ کر اسلام میں داخل ہوگا اور اس جماعت میں داخل ہو جائے گا۔

(اسباب النزول ص:۲۲۹/ زاد المسیر ص:۱۴۳ ج:۸/ معالم التنزیل ص:۲۹۴ ج:۵)

**۴۵۹- فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴿۷۵﴾ وَ اِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ**

عَظِيْمٌ ﴿۷۶﴾ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۷﴾ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿۷۸﴾ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا
الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿۷۹﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ
مُّدْهِنُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۸۲﴾

**ترجمہ:** سو میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کے چھپنے کی اور اگر تم غور کرو تو یہ بڑی قسم ہے کہ یہ ایک مکرم قرآن ہے جو ایک محفوظ کتاب میں درج ہے کہ بجز اس کو پاک فرشتوں کے کوئی ہاتھ نہ لگانے پاتا یہ رب العالمین کی طرف سے ہے۔ سو کیا تم لوگ اس کلام کو سرسری بات سمجھتے ہو اور تکذیب کو اپنی غذا بنا رہے ہو۔

**شانِ نزول:** حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں بارش ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس بارش کی وجہ سے بہت سے لوگ شکر بجالانے کے نتیجہ میں مومن رہے اور بہت سے کافر ہو گئے۔ کیوں کہ مومن اور مسلمانوں نے کہا کہ یہ بارش اللہ کی طرف سے رحمت ہے اور دوسرے لوگوں نے کہا کہ **صدق النوء** . نوء کے معنی بارش اور ستارہ کے ہیں **صدق النوء** اس وقت بولا جاتا ہے جب کہ بارش ہو مراد یہ ہے کہ ستارہ کی وجہ سے بارش ہوئی ہے، اس میں کفر سے مشابہت ہے اس لئے کہ ستارہ میں کیا طاقت کہ وہ بارش برسائے اس لئے موحد تو تمام امور کو من جانب اللہ سمجھے گا اس کی تردید کے لئے مذکورہ آیات نازل ہوئیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی غزوہ میں تشریف لے جا رہے تھے اثناء راہ میں ایک ایسے مقام پر اترنا پڑا کہ جہاں پانی نہ تھا اور نہ خود صحابۂ کرامؓ کے ساتھ پانی تھا، پھر جب صحابۂ کرامؓ کو پیاس لگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی پیاس کی شکایت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم چاہو تو میں تمہارے لئے بارش کی دعا کر دوں پھر تم اس سے سیراب ہو جاؤ لیکن مجھے خدشہ اس بات کا ہے کہ بارش ہو جانے پر تم کہو گے کہ اس ستارے نے بارش برسائی اور اس ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی۔ صحابۂ کرام نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ ستارے کی طرف سے کیوں کر ہو سکتا ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو رکعت نماز پڑھی، اور اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا فرمائی چنانچہ ہوا چلی اور ہوا بادل لائی بس بارش ہو پڑی۔ اور اتنی

کثرت سے ہوئی کہ ندی نالے بھر گئے کھیت کھلیان پانی سے لبالب ہو گئے۔ اور سارے لوگ سیراب ہو گئے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر ایک ایسے آدمی کے پاس سے ہوا جو ایک پیالے سے پانی پی رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ ستارے نے ہمیں سیراب کیا اور ہمیں پانی پلایا۔ اور اس نے یہ نہیں کہا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اللہ کی طرف سے رزق ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیتیں نازل فرمائیں۔ [۱]

۞ ۞ ۞

[۱] اسباب النزول ص: ۱۲۹-۱۳۰ ج: / معالم التنزیل ص: ۳۰۲ ج: ۵ زاد المسیر ص: ۱۵۳ ج: ۸
روح المعانی ص: ۱۵۶ ج: ۲۷

# سورة الحديد

اس سورت کے متعلق دوقول ہیں:

(۱) حضرت عوفی نے حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ یہ سورت مدنی ہے اور یہی قول حضرت حسین، حضرت مجاہد حضرت عکرمہ، حضرت جابر بن زید، حضرت قتادہ، اور حضرت مقاتل کا ہے۔

(۲) حضرت ابن السائب نے فرمایا کہ یہ سورت مکی ہے۔ (زادالمسیر ص:۱۶۰ ج:۸)

۴۶۰- لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ قٰتَلُوْا ؕ وَ کُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿۱۰﴾

**ترجمہ:** جولوگ فتح مکہ سے پہلے خرچ کر چکے اور لڑ چکے برابر نہیں وہ لوگ ان کے جنہوں نے بعد میں خرچ کیا اور لڑے۔ اور اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا وعدہ سب سے کر رکھا ہے اور اللہ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے۔

**شانِ نزول:** مذکورہ آیت حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بارے میں نازل ہوئی تفصیل اس طرح ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ ایک دن ہم صحابۂ کرام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے اور اسی مجلس میں حضرت ابوبکرؓ بھی تھے اور ان کے بدن پر ایک پرانی چادر تھی اسی اثناء میں حضرت جبرئیل امین علیہ السلام تشریف لائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں باری تعالیٰ کا ہدیۂ سلام پیش کیا اور فرمایا اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوبکر کا کیا حال ہے اور ان کو کیا ہو گیا ہے کہ ان پر پرانی اور بوسیدہ چادر دیکھ رہا ہوں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

اے جبرئیلؑ انہوں نے فتح مکہ سے پہلے میرے لئے اپنے جان ومال سے وہ قربانیاں پیش فرمائی ہیں جو انہیں کا حصہ تھا (اور فتح مکہ سے پہلے جس نے بھی خدا کی راہ میں اپنے جان ومال کی قربانی پیش کی یقیناً یہ حضرات ان حضرات سے کبھی بھی فضیلت میں آگے نہیں بڑھ سکتے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد مال خرچ کیا ہے) خصوصاً حضرت ابوبکرؓ کا مقام تو ان تمام میں سب سے بڑھا ہوا ہے) اس پر جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا آپ ان سے یہ کہئے کہ تیرے رب نے تجھے سلام پیش کیا ہے۔ اور کہلا بھیجا ہے کہ تم اپنی اس خستہ حالی میں اللہ سے ناراض ہو یا خوش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اے ابوبکر یہ حضرت جبرئیل امین ہیں اور اللہ کی جانب سے تمہاری خدمت میں سلام پیش کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کی خدمت میں یہ پیغام بھیجا ہے کہ تم اپنی خستہ حالت سے کبیدہ خاطر ہو کر مجھ سے ناراض تو نہیں؟ حضرت ابوبکر یہ سن کر رونے لگے اور فرمایا میں اپنے رب سے ناراض ہو جاؤں، یہ کیوں کر ہو سکتا ہے پھر فرمایا کہ میں اپنے رب سے راضی ہوں میں اپنے رب سے راضی ہوں اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ [۱]

۴٦۱ - اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَ مَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَ لَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۱۶﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷﴾

**ترجمہ:** کیا ایمان والوں کے لئے اس بات کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل خدا کی نصیحت سے اور جو دین حق نازل ہوا ہے اس کے سامنے جھک جاویں اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاویں جن کو ان کے قبل کتاب ملی تھی پھر ان پر ایک زمانہ دراز گزر گیا ان کے دل سخت ہو گئے اور بہت سے آدمی ان کے کافر ہیں بلکہ یہ بات

---

[۱] اسباب النزول ص:۲۳۰-۲۳۱/زاد المسیر ص: ۱٦۳ ج:۸/التفسیر الکبیر ص:۲۱۹ ج:۲۹/ابن کثیر ص:۲۷٦ ج:۴/روح المعانی ص:۱۷۳ ج:۲۷/معالم التنزیل ص:۳۱۰-۳۰۹ ج:۵

جان لو کہ اللہ تعالیٰ زمین کو اس کے خشک ہوئے پیچھے زندہ کر دیتا ہے ہم نے تم سے نظائر بیان کر دیئے ہیں تا کہ تم سمجھو۔

**شانِ نزول:** مذکورہ آیتیں منافقین کے بارے میں نازل ہوئیں اور یہ واقعہ ہجرت کے ایک سال بعد کا ہے تفصیل یہ ہے کہ منافقین نے حضرت سلمان فارسیؓ سے ایک روز یہ درخواست کی کہ ہم سے توریت میں جو مضامین ہیں بیان فرمایئے اس لئے کہ توریت میں بہت ہی انوکھی اور لطیف باتیں ہیں، اس وقت مذکورہ آیات نازل ہوئیں۔ [۱]

روح المعانی میں مذکورہ سبب نزول کے علاوہ اور سبب نزول بھی بیان کئے گئے ہیں اس میں کوئی تعارض اس لئے نہیں کہ ممکن ہے کہ یہ سارے واقعات مذکورہ آیتوں کے نزول کا ذریعہ بنے ہوں یا اس سلسلہ میں وہ تفصیلات ہیں جو مقدمہ میں ذکر کر دی گئیں ہیں۔

(روح المعانی ص:۱۷۹ج:۲۷)

[۱] زاد المسیر ص:۱۶۷-۱۶۸ ج:۸/اسباب النزول ص:۲۳۱/بعضا الدر المنثور ص:۱۷۶ ج:۶/المقتطف ص:۱۹۳ ج:۵/معالم التنزیل ص:۳۱۳ ج:۵/ابن کثیر ص:۲۷۹ ج:۴

# سورة المجادلة

حضرت ابن عباسؓ، حضرت حسن، حضرت مجاہد، حضرت عکرمہ اور جمہور کے قول کے مطابق یہ سورت مدنی ہے اور حضرت عطاء سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا اس سورت کی پہلی دس آیتیں مدنی ہیں اور باقی آیتیں مکی ہیں۔ اور حضرت ابن السائب سے مروی ہے کہ یہ سورت مدنی ہے سوائے ایک آیت کے جو مکی ہے اور وہ آیت **مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ** ہے۔ (زاد المسیر ص:۱۸۰ ج:۸)

۴۶۲- **قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَ تَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَ اللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ①**

**ترجمہ:** بے شک اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سن لی جو آپ سے اپنے شوہر کے معاملے میں جھگڑتی تھی (مثلاً یہ کہتی تھی **ماذکر طلاقا**، یعنی اس نے طلاق کا صیغہ تو ذکر نہیں کیا پھر حرمت کیسے ہوگئی، اور (اپنے رنج و غم کی) اللہ سے شکایت کرتی تھی (مثلاً یہ کہا تھا **اللھم إنی اشکو إلیک**) اور اللہ تعالیٰ ان دونوں کی گفتگو سن رہا تھا (اور) اللہ تعالیٰ (تو) سب کچھ سننے والا سب کچھ دیکھنے والا ہے۔ (تو اس کی بات کو کیسے نہ سنتا اور **قد سمع اللہ** سے خدا کا مقصود اپنے لئے سمع ثابت کرنا نہیں بلکہ عورت کی تکلیف کو ختم کرنا اور اس کی عاجزی کو قبول کرنا ہے)

**شانِ نزول:** اس سورت کی ابتدائی آیات کے نزول کا سبب ایک خاص واقعہ ہے کہ حضرت اوس بن الصامتؓ نے ایک مرتبہ اپنی بیوی خولہؓ کو یہ کہہ دیا کہ **انت علي کظھر امی** تو میرے حق میں ایسی ہے جیسے میری ماں کی پشت یعنی حرام ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے زمانہ جاہلیت میں یہ لفظ ابدی اور دائمی حرمت کے لئے بولا جاتا تھا جو طلاق مغلظہ سے بھی زیادہ سخت ہے۔ حضرت خولہ یہ واقعہ پیش آنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اس کا حکم شرعی معلوم کرنے کے لئے حاضر ہوئیں۔ اس وقت تک اس خاص

مسئلے کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کوئی وحی نازل نہ ہوئی تھی اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قول مشہور کے موافق ان سے فرمادیا **ما اراک إلا قد حرمت علیه** یعنی میری رائے میں توتم اپنے شوہر پر حرام ہوگئی ہو وہ یہ سن کر واویلا کرنے لگی کہ میری جوانی سب اس شوہر کی خدمت میں ختم ہوگئی اب بڑھاپے میں انہوں نے مجھ سے یہ معاملہ کیا، میں کہاں جاؤں گی؟ میرا اور میرے بچوں کا گزر کیسے ہوگا؟ اور ایک روایت میں ہے کہ خولہ نے یہ عرض کیا کہ **ما ذکر طلاقا** یعنی میرے شوہر نے طلاق کا تو نام بھی نہیں لیا۔ تو پھر طلاق کیسے ہوگئی؟ اور ایک روایت میں ہے کہ خولہ نے اللہ تعالیٰ سے فریاد کی **اللھم إنی اشکو الیک** اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے خولہ سے فرمایا کہ **ما امرت فی شانک شیئ حتی الآن** یعنی ابھی تک تمہارے مسئلہ کے متعلق مجھ پر کوئی وحی نازل نہیں ہوئی (ان سب روایات میں کوئی تضاد وتعارض نہیں سبھی اقوال صحیح ہو سکتے ہیں) اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ (کذا فی الدر المنثور وابن کثیر)

اسلئے اس سورت کی ابتدائی آیات میں اس خاص مسئلہ کا جس کا نام ظہار ہے حکم شرعی بیان فرمایا گیا۔ جس میں حق تعالیٰ نے حضرت خولہ کی فریادسنی اور ان کے لئے آسانی فرما دی ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یہ مستقل احکام نازل فرمادیئے۔ اسی لئے حضرات صحابہؓ ان کا بڑا احترام کرتے تھے۔ ایک روز فاروق اعظمؓ ایک مجمع کے ساتھ چلے جارہے تھے یہ عورت سامنے آکر کھڑی ہوگئی کچھ کہنا چاہتی تھیں حضرت عمرؓ نے راستہ میں ٹھہرکران کی بات سنی بعض لوگوں نے کہا کہ آپ نے اس بڑھیا کی خاطر اتنے بڑے مجمع کو روکے رکھا تو آپ نے فرمایا کہ خبر ہے یہ کون ہے؟ یہ وہ عورت ہے جس کی بات اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر سنی میں کون تھا کہ ان کی بات کو ٹال دیتا۔ واللہ اگر یہ خود ہی رخصت نہ ہو جاتی تو میں رات تک ان کے ساتھ یہیں کھڑا رہتا۔ (ابن کثیر) [1]

[1] زادالمسیر ص:۱۸۱ ج:۸/الدر المنثور ص:۱۷۹ ج:۶/معارف القرآن ص:۳۳۲-۳۳۳ ج:۸ اسباب النزول ص:۲۳۱-۲۳۲/معالم التنزیل ص:۳۲۳ ج:۵/روح المعانی ص:۳ ج:۲۸/ابن کثیر ص:۲۸۷ ج:۴/المقتطف ص:۲۱۳ ج:۵/تفسیر عثمانی ص:۷۱۹/تفسیرات احمدیه ص:۶۴۶/التفسیر الکبیر ص:۲۴۹ ج:۲۹

۴۶۳- اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ اِنْ
اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓئِيْ وَلَدْنَهُمْ ؕ وَ اِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَ
زُوْرًا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝۲ وَ الَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ
يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمْ
تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۳ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ
شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ
سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ؕ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ؕ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَ
لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۴

**ترجمہ:** تم میں جولوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں (مثلاً یوں کہہ دیتے ہیں انت عليّ كظهر امی) وہ (بیبیاں) ان کی مائیں نہیں ہیں ان کی مائیں تو بس وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنا ہے۔ (اس لئے یہ الفاظ کہنے سے یہ عورتیں ان کی مائیں نہیں ہوگئیں تاکہ ہمیشہ کی حرمت مثل ماں کے ثابت ہوجائے اور کوئی دوسرا سبب بھی دائمی حرمت کا کسی دلیل سے متحقق نہیں، مثلاً تحریم نسب، رضاع یا مصاہرت وغیرہ پس دائمی حرمت کی نفی ہوگئی) اور وہ لوگ (جو کہ بیبیوں کو ماں کہتے ہیں) بلاشبہ ایک نامعقول اور جھوٹ بات کہتے ہیں (اس لئے گناہ ضرور ہوگا اگر اس گناہ کا تدارک کردیا جاوے تو وہ گناہ معاف ہوجائے گا کیوں کہ) یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے بخش دینے والے ہیں اور (آگے اس تدارک کا بعض صورتوں کے اعتبار سے بیان ہے کہ) جولوگ اپنی بیبیوں کے ساتھ ظہار کرتے ہیں پھر اپنی کہی ہوئی بات (کے مقتضاء) کی (جو تحریم زوجہ) تلافی کرنا چاہتے ہیں (یعنی بیبیوں سے نفع حاصل کرنا چاہتے ہیں) تو ان کے ذمہ ایک غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے قبل اس کہ دونوں (میاں بیوی) باہم اختلاط کریں (صحبت سے یا اسباب صحبت سے) اس (کفارہ کا حکم کرنے) سے تم کو نصیحت کی جاتی ہے (کفارہ سے علاوہ تکفیر سیئات کے یہ بھی نفع ہے کہ اس سے آئندہ کو تمہیں تنبیہ ہوجائے گی) اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی خبر ہے (کہ کفار کے متعلق پوری بجا آوری احکام کی کرتے

ہو یا نہیں پس کفارہ میں دو حکمتیں ہو گئیں ایک گناہ کی معافی جس کی طرف اشارہ ہے **لعفو غفور** میں دوسری زجر و تنبیہ جس کا **توعظون** میں بیان ہے۔ اور یہ دوسری حکمت بھی کفارہ کی تینوں قسموں میں ہے لیکن غلام یا لونڈی آزاد کرنا چونکہ کفارہ کے اقسام میں ذکراً مقدم ہے۔ اس لئے اس کو اس کے ساتھ ذکر کر دیا گیا) پھر جس کو (غلام، لونڈی) میسر نہ ہو تو اسکے ذمہ پے درپے (یعنی لگا تار) دو مہینے کے روزے ہیں قبل اس کے کہ دونوں (میاں بیوی) باہم اختلاط کریں پھر جس سے یہ بھی نہ ہو سکے تو اس کے ذمہ ساٹھ مسکینوں کا کھانا ہے (آگے اس حکم کا مثلاً دیگر احکام کے واجب التصدیق ہونا اسلئے بیان فرماتے ہیں کہ اس حکم کا مقصد قدیم رسم اور جاہلیت کے حکم کو توڑنا ہے، اسلئے اہتمام مناسب ہوا پس ارشاد ہوا کہ) یہ حکم اس لئے (بیان کیا گیا) ہے تا کہ (اس حکم سے متعلق مصلحتوں کے حاصل کرنے کے علاوہ) اللہ اور رسول پر ایمان (بھی) لے آؤ (یعنی ان احکام میں ان کی تصدیق بھی کرو کہ ایمان سے متعلق مصالح بھی حاصل ہوں) اور آگے مزید تاکید کے لئے ارشاد ہے کہ) یہ اللہ کی حدیث (باندھی ہوئی) ہیں (یعنی خداوندی ضابطے ہیں) اور کافروں کے لئے (جو کہ ان کی تصدیق نہیں کرتے بالخصوص) سخت دردناک عذاب ہوگا (اور مطلق عذاب عمل میں خلل ڈالنے والے کو بھی ہو سکتا ہے اور کچھ اس حکم کی تخصیص نہیں)

**شانِ نزول: قد سمع اللہ** الخ اس آیت کا سبب نزول جو اوپر بیان ہو چکا ہے اس میں یہ بتلایا گیا ہے کہ عورت جس کا ذکر اس آیت میں ہے وہ حضرت اوس بن الصامت کی بیوی خولہ بنت ثعلبہ ہیں، جن کے شوہر نے ان سے ظہار کیا تھا، اور یہ اس کی شکایت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔

حق تعالیٰ نے ان کو یہ عزت بخشی کہ ان کے جواب میں قرآن کی مذکورہ آیتیں نازل فرمائی اور اس آیت میں (جو پہلے ذکر ہو چکا ہے) ظہار کا حکم شرعی اور اس کی تکلیف دور کرنے کا انتظام ہی نہیں فرمایا بلکہ اس کی دلداری کے لئے شروع کلام میں فرمادیا کہ ہم اس عورت کی باتیں سن رہے تھے۔ جو اپنے شوہر کے معاملہ میں آپ سے مجادلہ کر رہی تھی،

مجادلہ سے مراد وہ جھگڑا جس سے مراد ایک مرتبہ جواب دینے کے باوجود اپنی تکلیف کو بار بار بیان کر کے آپ کو متوجہ کرنا ہے، اور بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب ان کو یہ جواب دیا کہ تمہارے معاملہ میں مجھ پر کوئی حکم اللہ کا نازل نہیں ہوا تو اس پر اس غم زدہ کی زبان سے یہ نکلا کہ یوں تو آپ پر ہر چیز کے حکم نازل ہوتے رہتے ہیں میرے بارے میں کیا ہوا کہ وحی بھی رک گئی (قرطبی) اور اللہ تعالیٰ سے فریاد شروع کی وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ اس پر اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیات نازل فرمائی۔

**فائدہ:** خلاصہ یہ کہ سورۂ مجادلہ کی اب تک جتنی آیتیں نازل ہوئیں ہیں ان تمام آیات کا نزول اوس بن الصامت رضی اللہ عنہ اور خولہ رضی اللہ عنہا بنت ثعلبہ کا واقعہ ہے، اور مذکورہ آیت ۲/ ۳/ ۴/ میں ظہار کا کفارہ بیان فرمایا ہے۔ فقہ کی کتابوں میں اس کی مکمل وضاحت اور تفصیلات دیکھی جاسکتی ہیں جس کی یہاں پر مختصراً وضاحت پیش کی جاتی ہے۔

**اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ :** **يُظٰهِرُوْنَ** ظہار بکسر الظاء سے مشتق ہے جو بیوی کو اپنے اوپر حرام کر لینے کی خاص صورت کے لئے بولا جاتا ہے، اور یہ زمانۂ اسلام سے پہلے ہی سے رائج و معروف ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو یہ کہہ دے **انت عليّ كظهر امی** یعنی تو مجھ پر ایسے ہی حرام ہے جیسے میری ماں کی پشت اس موقع پر پشت کا ذکر شاید بطور کنایہ کے ہے کہ اصل مراد تو بطن تھا ذکر پشت کا کر دیا۔ (کما ذکر القرطبی)

اصطلاح شرع میں ظہار کی تعریف یہ ہے کہ اپنی بیوی کو اپنی محرمات ابدیہ، ماں، بہن، بیٹی وغیرہ کے کسی ایسے عضو سے تشبیہ دینا جس کا دیکھنا اس کے لئے جائز نہ ہو ماں کی پشت بھی اس کی ایک مثال ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں یہ لفظ دائمی حرمت کے لئے بولا جاتا تھا۔ اور طلاق کے لفظ سے بھی زیادہ شدید سمجھا جاتا تھا۔ کیوں کہ طلاق کے بعد تو رجعت یا نکاح جدید ہو کر پھر بیوی بن سکتی ہے مگر ظہار کی صورت میں رسم جاہلیت کے مطابق ان کے آپس میں میاں بیوی ہو کر رہنے کی قطعی صورت نہ تھی۔

آیات مذکورہ کے ذریعہ شریعت اسلامیہ نے اس رسم کی اصلاح دو طرح فرمائی اول تو خود اس رسم ظہار کو ناجائز و گناہ قرار دیا۔ کہ جس کو بیوی سے علیحدگی اختیار کرنا ہے اس

کا طریقہ طلاق ہے، اس کو اختیار کرے۔ ظہار کو اس کام کے لئے استعمال نہ کرے کیوں کہ یہ لفظ لغو اور جھوٹا کلام ہے کہ بیوی کو ماں کہہ دیا قرآن کریم نے فرمایا: مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔىْ وَلَدْنَهُمْ ؕ یعنی ان کی اس بیہودہ کلام کی وجہ سے بیوی ماں نہیں بن جاتی۔ ماں تو وہی ہے جس کے بطن سے وہ پیدا ہوا ہے۔ پھر فرمایا: اِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَ زُوْرًا ؕ یعنی ان کا یہ قول جھوٹ بھی ہے کہ خلاف واقع بیوی کو ماں کہہ رہا ہے اور منکر یعنی گناہ بھی۔

دوسری اصلاح یہ فرمائی کہ اگر کوئی ناواقف جاہل یا احکام دین سے غافل ایسا کر ہی بیٹھے تو اس لفظ سے حرمت ابدی شریعت اسلام میں نہیں ہوتی۔ لیکن اس کو کھلی چھوٹ بھی نہیں دی جاتی کہ ایسا لفظ کہنے کے بعد پھر بیوی سے پہلے کی طرح اختلاط و انتفاع کرتا رہے بلکہ اس پر ایک جرمانہ کفارہ کا لگایا گیا۔ اگر پھر یہ اپنی بیوی سے رجوع ہونا چاہتا ہے اور سابق کی طرح بیوی سے انتفاع چاہتا ہے تو کفارہ ادا کر کے اپنے اس گناہ کی تلافی کرے بغیر کفارہ ادا کئے بیوی حلال نہ ہوگی۔ آیت میں وَ الَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا کا یہی مطلب ہے۔ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا میں حرف لام کو عن کے معنی میں لیا گیا ہے یعنی رجوع کرتے ہیں وہ اپنے قول سے اور حضرت ابن عباس سے يَعُوْدُوْنَ کی تفسیر بلفظ یندمون بھی منقول ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ قول کہنے کے بعد وہ اپنے قول پر نادم ہو جائیں اور پھر بیوی سے اختلاط کرنا چاہیں۔ (مظہری)

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کفارہ کا وجوب بیوی کے ساتھ اختلاط حلال ہونے کی غرض سے ہے اس کے بغیر حلال نہیں۔ خود ظہار اس کفارہ کی علت نہیں بلکہ ظہار کرنا ایک گناہ ہے جس کا کفارہ توبہ و استغفار ہے، جس کی طرف آیت کے آخر میں وَ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ سے اشارہ کر دیا گیا ہے اس لئے اگر کوئی شخص ظہار کر بیٹھے اور اب بیوی سے اختلاط نہیں رکھنا چاہتا تو کوئی کفارہ نہیں البتہ بیوی کی حق تلفی ناجائز ہے۔ اگر وہ مطالبہ کرے تو کفارہ ادا کر کے اختلاط کرنا یا پھر طلاق دے کر آزاد کرنا واجب ہے۔ اگر یہ شخص خود نہ کرے تو بیوی حاکم اسلام کی طرف مراجعت کر کے شوہر کو اس پر مجبور کر سکتی ہے یہ

سب مسائل کتب فقہ میں مفصل لکھے گئے ہیں۔

فَتَحۡرِيۡرُ رَقَبَةٍ الخ یعنی کفارہ ظہار کا یہ ہے کہ ایک غلام یا لونڈی آزاد کرے اگر اس پر قدرت نہ ہو تو دو مہینے لگاتار مسلسل روزے رکھے اگر کسی بیماری یا ضعف کے سبب اتنے روزوں پر بھی قدرت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے یعنی دونوں وقت پیٹ بھر کھانا ساٹھ مسکینوں کو کھلاوے۔ اور کھانا کھلانے کے قائم مقام یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو فی کس ایک فطرہ کی مقدار گندم یا اس کی قیمت دے دے فطرہ کی مقدار ہمارے موجودہ وزن کے اعتبار سے پونے دو کلو گندم ہے اور اس کی قیمت بھی دی جاسکتی ہے۔ ظہار سے متعلق احکام اور اس کے کفارہ کے مفصل مسائل کتب فقہ میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

حدیث میں ہے کہ حضرت خولہ بنت ثعلبہ کے واویلا اور فریاد پر جب آیاتِ مذکورہ اور کفارۂ ظہار کے احکام نازل ہوئے اور شوہر سے دائمی مفارقت وحرمت سے بچنے کا راستہ نکل آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے شوہر کو بلایا، دیکھا کہ ضعیف البصر بوڑھا آدمی ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو نازل شدہ آیات اور کفارہ کا حکم سنایا کہ ایک غلام یا لونڈی آزاد کرو تو اس نے کہا کہ میری قدرت میں نہیں کہ غلام خرید کر آزاد کروں۔ آپ نے فرمایا کہ پھر دو مہینے کے مسلسل روزے رکھو اس نے کہا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو رسول برحق بنایا میری حالت یہ ہے کہ اگر میں دو تین مرتبہ کھانا نہ کھاؤں تو میری آنکھ بالکل ہی جاتی رہتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ اس نے عرض کیا کہ یہ بھی میری قدرت میں نہیں بجز اس کے کہ آپ ہی کچھ مدد کریں۔ آپ نے اس کو کچھ غلہ عطا فرمایا۔ پھر دوسرے لوگوں نے بھی کچھ غلہ جمع کر دیا اس طرح ساٹھ مسکینوں کو فطرہ کی مقدار دے کر کفارہ ادا ہوگیا۔ (ابن کثیر۔ الواحدی)

ذٰلِكَ لِتُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَ رَسُوۡلِهٖ ؕ وَتِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ ؕ وَلِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ④

اس آیت میں لِتُؤۡمِنُوۡا فرمایا ہے اور مراد ایمان سے شرائع واحکام پر عمل کرنا ہے، اور پھر فرمایا کہ یہ کفارہ کے احکام اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں اس سے تجاوز کرنا حرام ہے، اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ اسلام نے نکاح، طلاق، ظہار اور دوسرے سب معاملات میں

جاہلیت کی رسوم کو مٹا کر ان کی جگہ معتدل اور صحیح طریقوں کی تعلیم دی ہے۔ تم اس پر قائم رہو اور جو لوگ ان حدود شرعیہ کے منکر اور کافر ہیں ان کو دردناک سزا ملے گی۔

(ماخوذ معارف القرآن ص:۳۳۵-۳۳۶-۳۳۷ج:۸)

**نوٹ:** مذکورہ مضامین کے حوالے اور سابق مضامین کے حوالے ایک ہی ہیں۔ اس لئے سابق حوالہ پر اکتفاء کیا جاتا ہے وہاں ملاحظہ فرمالیا جائے۔

۴۶۴- اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَ يَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ مَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ؗ وَ اِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَ يَقُوْلُوْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ لَوْ لَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ؕ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۸

**ترجمه:** کیا آپ نے ان لوگوں پر نظر نہیں فرمائی جن کو سرگوشی کرنے سے منع کردیا گیا تھا (مگر پھر بھی) وہ وہی کام کرتے ہیں جن سے ان کو منع کردیا گیا تھا۔ اور گناہ اور ظلم اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشیاں کرتے ہیں (یعنی ایسی سرگوشی کرتے ہیں جس میں بوجہ منہی عنہ ہونے کے خود بھی گناہ ہے۔ اور مسلمانوں کو غمگین کرنے کی وجہ عدوان یعنی ظلم بھی ہے۔ اور بوجہ اس کے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم منع فرما چکے تھے۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی بھی ہے جیسا کہ واقعہ اول اور دوم میں بیان ہوا) اور وہ لوگ (ایسے ہیں کہ) جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے ہیں تو آپ کو ایسے لفظ سے سلام کرتے ہیں جس لفظ سے اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام نہیں فرمایا (یعنی اللہ تعالیٰ کے الفاظ تو یہ ہیں کہ **سلام علی المرسلین، سلام علی عبادہ الذین اصطفی، صلوا علیه وسلموا تسلیما** اور وہ کہتے ہیں **السام علیک** اور اپنے جی میں (یا اپنے آپس میں) کہتے ہیں کہ (اگر یہ پیغمبر ہیں تو) تو اللہ تعالیٰ ہم کو ہمارے اسکے کہنے پر (جس میں سراسر آپ کی بے ادبی ہے) سزا (فوراً) کیوں نہیں دیتا (جیسا کہ واقعہ سوم چہارم میں گزرا آگے ان کے اس فعل کی وعید اور اس قول کا جواب ہے کہ جلدی عذاب بعض حکمتوں کے سبب نہ آنے سے

مطلقاً عذاب نہ دینا لازم نہیں آتا ان (کی سزا) کے لئے جہنم کافی ہے اس میں یہ لوگ (ضرور) داخل ہوں گے سو وہ برا ٹھکانہ ہے۔

**شانِ نزول:** **اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ نُھُوْا عَنِ النَّجْوٰی** حضرت عبداللہ بنعباسؓ اور حضرت مجاہد کا بیان ہے کہ مذکورہ آیت یہود اور منافقین کے بارے میں نازل ہوئی کہ یہ لوگ مسلمانوں کے خلاف باہم مشورے اور سرگوشیاں کرتے اور جب مسلمانوں کے پاس آتے جاتے تو ان کی طرف اپنی آنکھوں سے اشارہ کرتے اور تکلیف دیتے اور مذاق اڑاتے۔

تو مسلمانوں کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ یقیناً ان کا یہ پوشیدہ مشورہ اس امر کی نشاندہی کررہا ہے کہ ہمارے وہ احباب واقرباء اور بھائی بردار جو جہاد فی سبیل اللہ میں گئے ہیں انہیں گزند اور تکلیف اور ہزیمت وشکست سے دور ہونا پڑا ہے۔

جس کی اطلاع انہیں مل گئی ہے جس سے یہ خوش ہورہے ہیں۔

اس کا اثر یہ ہوا کہ مسلمانوں کے قلوب حزن وملال کا گہوارہ بن گئے پھر جب حضرات صحابہ کی واپسی میں دیر لگتی تو ان کا شک اور بڑھ جاتا، حرارت محبت تیز سے تیز تر ہوجاتی۔ بالآخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں سارا ماجرا بیان کیا اس وقت مذکورہ آیت **اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ نُھُوْا عَنِ النَّجْوٰی** سے **مَعْصِیَتِ الرَّسُوْلِ** تک نازل ہوئی۔

**اِذَا جَآءُوْكَ حَیَّوْكَ بِمَا لَمْ یُحَیِّكَ** الخ مذکورہ ٹکڑا یہود کے بارے میں نازل ہوا کہ یہود جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابۂ کرامؓ کے پاس آتے تو اسلامی سلام آپ پر پیش کرنے کے بجائے **السام علیکم** کہتے سام کے معنی عبرانی زبان میں موت کے آتے اور اور اسلامی سلام **السلام علی عبادہ الصالحین صلاۃ وسلاما علی رسول اللہ** وغیرہ۔

لیکن یہ سلام نہ کہہ کر السام علیکم کہتے تو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہود کی اس حرکت سے مطلع فرمایا۔ پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا کہ جب یہود تم سے السام علیک یا السام علیکم پیش کریں تو تم اس کے جواب میں **علیک کما قلت** کہہ دیا کرو اسی طرح منافقین بھی کہا کرتے تھے گویا یہ مذکورہ ٹکڑا منافقین اور یہود ہر ایک کے

بارے میں نازل ہوا۔ [ا]

۴۶۵- يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَ اِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾

**ترجمہ:** اے ایمان والو! جب تم سے کہا جاوے (یعنی رسول اللہ ﷺ فرمادیں یا اولی الامر یا واجب الاطاعت لوگوں میں سے کوئی کہے) کہ مجلس میں جگہ کھول دو (جس میں آنے والے کو بھی جگہ مل جائے) تو تم جگہ کھول دیا کرو (اور آنے والے کو جگہ دے دیا کرو) اللہ تعالیٰ تم کو (جنت میں) کھلی جگہ دے گا اور جب (کسی ضرورت سے) یہ کہا جاوے کہ (مجلس سے) اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہو جایا کرو (خواہ اٹھنے کے لئے اس غرض سے کہا جاوے کہ آنے والے کے لئے جگہ کھل جاوے اور خواہ اس وجہ سے کہا جاوے کہ صدر مجلس کو اس وقت کسی مصلحت کی وجہ سے، مشورۂ خاص یا کسی خاص ضرورت مثلاً آرام یا عبادت وغیرہ سے تنہائی کی ضرورت ہو جو بغیر تنہائی کے مطلقاً حاصل نہ ہوسکیں یا کامل نہ ہوسکیں بس صدر مجلس کے کھڑے ہونے کے حکم سے اٹھ جانا چاہئے، اور یہ حکم غیر رسول اللہ کے لئے بھی عام ہے کذا فی الروح پس صاحب مجلس کو ضرورت کے وقت اس کی اجازت ہے کہ کسی شخص کو اٹھ جانے کے لئے کہہ دے البتہ آنے والے کو نہ چاہئے کہ کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ بیٹھ جائے جیسا کہ حدیث میں ہے۔ (رواہ الشیخان) غرض حکم یہ دیا گیا کہ صدر مجلس کے کہنے سے اٹھ جایا کرو (اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے) تم میں ایمان والوں کے اور (ایمان والوں میں) ان لوگوں کے (اور زیادہ) جن کو علم (دین) عطا ہوا ہے (اخروی) درجے بلند کر دے گا (یعنی اس حکم کو بجالانے والوں کی تین قسمیں ہیں، ایک کفار جو کسی مصلحت دنیویہ سے مان لیں

---

[ا] اسباب النزول ص: ۲۳۳/زاد المسیر ص: ۱۸۹-۱۸۸ ج:۸/المقتطف ص:۲۰۸ ج:۵/ابن کثیر ص:۲۹۱/معالم التنزیل ص:۳۲۸-۳۲۹ ج:۵/روح المعانی ص:۲۶-۲۵ ج:۲۸/التفسیر الکبیر ص:۲۶۶ ج:۲۹

جیسے منافقین وہ تو لفظ مِنْكُمْ کی بناء پر اس وعدہ سے خارج ہیں، دوسرے اہل ایمان جو صاحب علم نہ ہوں ان کے لئے محض رفع درجات ہے تیسرے وہ اہل ایمان جو اہل علم بھی ہوں۔ چونکہ بوجہ علم ومعرفت ان کے عمل کا منشاء زیادتی خشیت وزیادتی خلوص ہے جس سے عمل کا ثواب بڑھ جاتا ہے ان کے لئے مزید رفع درجات ہیں (اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے) کہ کس کا عمل ایمان کے ساتھ ہے اور کس کا بغیر ایمان کے۔ پھر اس میں کس کے عمل میں کم خلوص ہے اور کس کے عمل میں زیادہ خلوص ہے اس لئے ہر ایک کی جزاء اور ثمرہ میں تفاوت رکھا)

**شانِ نزول:** حضرات صحابۂ کرام ؓ کے قلوب میں آنحضرت ﷺ کی محبت وعظمت کتنی اور کس قدر تھی اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے کہ ایک اشارہ پر جان ومال نچھاور کر دینے والے تھے اور ہر ایک پروانہ نبوت کی دلی تمنا یہی ہوتی تھی کہ آنحضرت ﷺ سے ایک لمحہ کے لئے دور نہ ہوں۔

یہ تعلق ہمہ وقت رہتا، سفر ہو یا حضر، نماز میں ہو یا غیر نماز میں وعظ کی مجلس ہو یا مشورہ کی، تاکہ ارشاد نبوی سے قلوب کو منور کرتے رہیں، جو قرب الٰہی کا ذریعہ بنے اور دنیا وآخرت کے سنوارنے کا ذریعہ بھی بنے۔

لیکن آنحضرت ﷺ کی دلی آروز یہ رہتی کہ اکابر صحابہ ؓ اور اصحاب بدریین اور **السابقون الاولون** آپ سے ہر مجلس میں قریب سے قریب تر ہیں۔

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ جمعہ کو صفہ میں وعظ فرما رہے تھے صفہ کی جگہ ہی کتنی تھی بہت تھوڑی اور کشادگی سے خالی اور تنگ تھی حضرات صحابۂ کرام مل مل کر ارشاد نبوی کو سماعت فرما رہے تھے، کچھ دیر بعد بدریین اور سابقین فی الاسلام حضرات صحابۂ کرام تشریف لائے آنحضرت ﷺ کے قریب دوسرے حضرات صحابۂ کرام ؓ تشریف فرما تھے، یہ حضرات مجلس کے کنارے کھڑے ہو گئے اور اس انتظار میں تھے کہ جگہ خالی کریں اور راستہ دیں کہ آنحضرت ﷺ کے قریب جا کر بیٹھیں، لیکن سب اپنی اپنی جگہ پر قائم رہے۔ آنحضرت ﷺ کو ناگوار گزرا فرمایا اے فلاں کھڑے ہو جاؤ۔ اے فلاں کھڑے ہو جاؤ۔ اس پر منافقین نے کہا کہ اے مسلمانو! تم یہ کہتے ہو کہ محمد ﷺ انصاف کرتے

ہیں کیا یہی انصاف ہے کہ ایک کو کھڑا کر دیا جائے اور اس کی جگہ دوسرے حضرات کو جگہ دی جائے؟ اس پر مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ [1]

۴۶۶- يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَ اَطْهَرُ ۭ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑫

**ترجمہ:** اے ایمان والو! جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرگوشی کیا کرو تو تم اپنی اس سرگوشی سے پہلے کچھ خیرات دیدیا کرو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور پاک ہونے کا اچھا ذریعہ ہے۔ پھر اگر تم کو صدقہ مقدور نہ ہو تو اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے۔

**شانِ نزول:** مذکورہ آیت مالدار صحابۂ کرام ؓ کے بارے میں نازل ہوئی کہ یہ حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس مختلف موضوعات پر باتیں کرتے اور فقراء صحابہ ؓ کی بہ نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مناجات کچھ زیادہ ہی کرتے غریب صحابۂ کرام کو اس کا موقع بہت ہی کم دیتے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے طویل جلوس اور کثرت مناجات سے ناگواری محسوس کرتے اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو کرنے کی یہ شرط قرار دی گئی کہ آپ سے گفتگو سے پہلے کچھ صدقہ پیش کر دیا کریں چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ آیت پڑھ کر سنائی اور مناجات کے لئے شرط اولین صدقہ دینے کو فرمایا تو غریب صحابۂ کرام کے بس کا تو نہ تھا کہ وہ ایسا کرتے اسلئے کہ وہ خود مستحق صدقہ تھے باقی رہے مالدار اور اہل ثروت صحابہ تو یہ خرچ کرنا نہیں چاہتے تھے۔ غرض یہ کہ صحابۂ کرام ؓ پر یہ کلمہ شاق گزرا اس سے متصلاً رخصت والی آیت ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا نازل ہوئی پوری آیت اور ترجمہ وتفسیر آیت رخصت کا یہ ہے:

ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ۭ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑬ ع

---

[1] اسباب النزول ص: ۲۳۴/زاد المسیر ص: ۱۹۱ ج: ۸/معالم التنزیل ص: ۳۳۰ ج: ۵/ابن کثیر ص: ۲۹۲ ج: ۴/التفسیر الکبیر ص: ۲۶۸ ج: ۲۹

**ترجمہ:** کیا تم (یعنی تم میں کے بعض اپنی سرگوشی سے قبل خیرات دینے سے ڈر گئے (خیر) جب تم (اس کو) نہ کر سکے اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے حال پر عنایت فرمائی (کہ بالکل اس کو منسوخ کر کے معاف فرمادیا جس کی حکمت ظاہر ہے کہ جس مصلحت کے واسطے یہ حکم واجب ہوا تھا وہ مصلحت حاصل ہوگئی کیوں کہ مصلحت سد باب تھی جو بعد نسخ بھی باقی رہی کہ لوگ احتیاط کرنے لگے غرض ارشاد ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس کو منسوخ فرمادیا) تو تم (دوسری عبادت کے پابند رہو یعنی) نماز کے پابند رہو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ اور رسول کا کہنا مانا کرو مطلب یہ ہے کہ اس کے نسخ کے بعد تمہارے قرب وقبول نجات کے لئے احکام باقیہ پر استقامت وہمیشگی ہی کافی ہے) اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سارے اعمال (اور ان کی حالت ظاہری وباطنی کی) پوری خبر ہے۔

**فائدہ:** حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ قرآن میں ایک ایسی آیت ہے جس پر میرے سوا کسی نے عمل نہیں کیا نہ مجھ سے پہلے کسی نے عمل کیا اور نہ میرے بعد کوئی عمل کرے گا اس لئے کہ جب یہ آیت ''کہ جو کوئی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خفیہ طور پر بات کرنا چاہے تو کچھ صدقہ کردے'' تو سب سے پہلے اس حکم پر علیؓ نے عمل کیا ان کے پاس ایک دینار تھا انہوں نے اس کو صدقہ کردیا، اسی طرح بہت سارے دراہم جمع کر لئے اور جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بات کرنے کا ارادہ کرتے تو ایک درہم صدقہ کرتے اور آپ سے ہم کلام ہوتے۔ اور بعد میں عمل نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آیت منسوخ ہوگئی۔ [1]

۴۶۷- اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَ لَا مِنْهُمْ ۙ وَ يَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾ اِتَّخَذُوْۤا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۶﴾ لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

[1] اسباب النزول ص: ۳۳۴/ابن کثیر ص: ۲۹۴ ج: ۴/زاد المسیر ص: ۱۹۵ ج: ۸/روح المعانی ص: ۳۱-۳۰ ج: ۲۸/التفسیر الکبیر ص: ۲۷۱ ج: ۲۹/معالم التنزیل ص: ۳۳۳ ج: ۵

النَّارِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ ؕ اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۸﴾

**ترجمہ:** کیا آپ نے ان لوگوں پر نظر نہیں فرمائی جو ایسے لوگوں سے دوستی کرتے ہیں جن پر اللہ نے غضب کیا ہے یہ لوگ نہ تو تم میں ہیں اور نہ ان ہی میں۔ اور جھوٹی بات پر قسمیں کھا جاتے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے سخت عذاب مہیا کر رکھا ہے بے شک وہ برے برے کام کیا کرتے تھے۔ انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے پھر خدا کی راہ روکتے ہیں سو ان کے لئے ذلت کا عذاب ہونے والا ہے۔ ان کے اموال اور اولاد اللہ سے ان کو ذرا نہ بچا سکیں گے۔ یہ لوگ دوزخی ہیں۔ وہ لوگ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں جس روز اللہ تعالیٰ ان سب کو دوبارہ زندہ کرے گا سو یہ انکے روبرو بھی قسمیں کھا جاویں گے جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھا جاتے ہیں۔ اور یوں خیال کریں گے کہ ہم کسی اچھی حالت میں ہیں خوب سن لو یہ لوگ بڑے ہی جھوٹے ہیں۔

**شانِ نزول:** مذکورہ آیات عبداللہ بن نبتل منافق کے بارے میں نازل ہوئیں کہ اس شخص نے یہودیوں سے موالات اور دوستی کر رکھی تھی۔ اور مسلمانوں کی رازدارانہ باتوں کو سنتا اور پھر انہیں یہودیوں تک پہنچا دیتا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوتا لیکن مجلس کی امانت کا خیال نہ رکھتا۔ جس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام ؓ کے ساتھ تشریف فرما تھے تو فرمایا کہ اب تمہارے پاس ایک ایسا شخص آنے والا ہے جس کا قلب قلب جبار ہے اور جو شیطان کی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ اس کے بعد ہی عبداللہ بن نبتل منافق داخل ہوا۔ جو نیل گوں چشم، گندمی رنگ، پست قد، خفیف اللحیہ تھا آپ نے اس سے فرمایا کہ تم اور تمہارے ساتھی مجھے کیوں گالیاں دیتے ہیں؟ اس نے قسم کھا کر کہا کہ میں نے ایسا نہیں کیا پھر اپنے ساتھیوں کو بھی بلا لیا انہوں نے بھی یہ جھوٹا حلف اٹھالیا۔ حق تعالیٰ نے اس آیت میں ان کے جھوٹ کی خبر دیدی۔ (قرطبی) قرطبی میں عبداللہ بن نبتل کے ساتھ عبداللہ بن

ابی کا بھی تذکرہ ہے۔لیکن اکثر مفسرین نے عبداللہ بن نبتل ہی کا تذکرہ کیا ہے۔[1]

**فائدہ:** اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ الخ ان آیات میں حق تعالیٰ نے ان لوگوں کی بدحالی اور انجام کار عذاب کا ذکر فرمایا ہے۔ جو اللہ کے دشمنوں اور کافروں سے دوستی رکھیں کفار خواہ مشرکین ہوں یا یہود و نصاریٰ یا دوسرے اقسام کے کفار، کسی مسلمان کے لئے دلی دوستی کسی سے جائز نہیں۔ اور وہ عقلاً ہو بھی نہیں سکتی۔ کیوں کہ مومن کا اصل سرمایہ اللہ کی محبت ہے کفار اللہ تعالیٰ کے مخالف اور دشمن ہیں اور جس شخص کے دل میں کسی شخص کی سچی محبت اور دوستی ہو اس سے یہ ممکن ہی نہیں ہوسکتا کہ وہ اس کے دشمن سے بھی محبت اور دوستی رکھے اس لئے قرآن کریم کی بہت سی آیات میں موالات کفار کی شدید حرمت اور ممانعت کے احکام آئے ہیں۔ اور جو مسلمان کسی کافر سے دلی دوستی رکھے اس کے لیے کفار ہی کے زمرہ میں شامل سمجھے جانے کی وعید آئی ہے لیکن یہ سب احکام دلی اور قلبی دوستی کے متعلق ہیں۔

کفار کے ساتھ حسن سلوک ہمدردی، خیرخواہی، ان پر احسان، حسن اخلاق سے پیش آنا یا تجارتی اور اقتصادی معاملات ان سے کرنا، دوستی کے مفہوم میں داخل نہیں ہیں۔ یہ سب امور کفار کے ساتھ بھی جائز ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابۂ کرام کا کھلا ہوا تعامل اس پر شاہد ہے البتہ ان سب چیزوں میں اس کی رعایت ضروری ہے کہ ان کے ساتھ ایسے معاملات رکھنا جو اپنے دین کے لئے مضر نہ ہو اور نہ اپنے ایمان اور عمل میں سستی پیدا کرے۔ اور دوسرے مسلمانوں کے لئے بھی مضر نہ ہو۔ (معارف القرآن ص:۳۵۱ ج:۸)

۴۶۸- لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَ اَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَ

[1] اسباب النزول ص: ۲۳۵/زاد المسیر ص:۱۹۶ ج:۸/معارف القرآن ص:۳۵۲ ج:۸/ معالم التنزیل ص:۳۳۴ ج:۵/روح المعانی ص:۳۳/۳۲ ج:۲۸/ابن کثیر ص:۲۹۵ ج:۴/المستدرک ص:۴۸۲ ج:۲/التفسیر الکبیر ص:۲۷۴-۲۷۳ ج:۲۹

يُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ۭ اُولٰۗئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ؏ ﴿۲۲﴾

**ترجمہ:** جولوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں آپ ان کو نہ دیکھیں کہ وہ ایسے شخصوں سے دوستی رکھیں جو اللہ اور اسکے رسول کے برخلاف ہیں۔ گوان کے باپ بیٹے یا بھائی یا کنبہ ہی کیوں نہ ہو۔ ان لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان ثبت کر دیا ہے۔ اوران کے قلوب کو اپنے فیض سے قوت دی ہے۔ اوران کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگا اور وہ اللہ سے راضی ہوں گے۔ یہ لوگ اللہ کا گروہ ہیں خوب سن لو کہ اللہ کا گروہ فلاح پانے والا ہے۔

**شانِ نزول:** لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ الخ اس سے پہلی آیات میں کفار ومشرکین سے دوستی کرنے والوں پر غضب الٰہی اور عذاب شدید کا ذکر تھا اس آیت میں مومنین مخلصین کا حال ان کے مقابل بیان فرمایا کہ وہ کسی ایسے شخص سے دوستی اور دلی تعلق نہیں رکھتے جو اللہ کا مخالف یعنی کافر ہے۔ اگرچہ وہ ان کا باپ یا اولاد یا بھائی یا اور قریبی عزیز ہی کیوں نہ ہو۔

سب صحابۂ کرامؓ کا حال یہی تھا اس جگہ مفسرین نے مذکورہ آیت کے سبب نزول سے متعلق بہت سے صحابۂ کرامؓ کے واقعات ایسے بیان کئے ہیں جن میں باپ بیٹے وغیرہ سے جب کوئی بات اسلام یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف سنی تو سارے تعلقات کو بھلا کر ان کو سزا دی بعض کو قتل کیا۔

عبداللہ بن ابی منافق کے بیٹے عبداللہ کے سامنے اس کے منافق باپ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخانہ کلمہ بولا تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت طلب کی کہ میں اپنے باپ کو قتل کردوں آپ نے منع فرمادیا، حضرت ابوبکرؓ کے سامنے ان کے باپ قحافہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں کچھ کلمۂ گستاخانہ کہہ دیا تو ارحم امت صدیق

اکبرؓ کو اتنا غصہ آیا کہ زور سے طمانچہ رسید کیا جس سے ابو قحافہ گر پڑے آپ کو اس کی اطلاع ہوئی تو فرمایا کہ آئندہ ایسا نہ کرنا حضرت ابو عبیدۃ بن جراحؓ کے والد جراح غزوۂ احد میں کفار کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے آئے تو میدان جہاد میں وہ بار بار حضرت ابو عبیدہ کے سامنے آتے وہ ان کے درپے تھے یہ سامنے سے ٹل جاتے جب انہوں نے مسلسل یہ صورت اختیار کی تو ابو عبیدہ نے ان کو قتل کردیا یہ اور ان کے امثال بہت سے واقعات صحابۂ کرام کے پیش آئے ان پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

بہت سے فقہاء حضرات نے یہی حکم فساق وفجار اور دین سے عملاً منحرف مسلمانوں کا قرار دیا ہے کہ ان کے ساتھ دلی دوستی کسی مسلمان کی نہیں ہوسکتی کام کاج کی ضرورتوں میں اشتراک یا مصاحبت بقدر ضرورت الگ چیز ہے۔ دل میں دوستی کسی فاسق وفاجر کی اسی وقت ہوگی جب کہ فسق وفجور کے جراثیم خود اس کے اندر موجود ہوں گے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی دعاؤں میں فرمایا کرتے تھے **اللھم لاتجعل لفاجر علی یدا**، یعنی یا اللہ مجھ پر کسی فاجر آدمی کا احسان نہ آنے دیجئے کیوں کہ شریف النفس انسان اپنے محسن کی محبت پر طبعاً مجبور ہوتا ہے اس لئے فساق وفجار کا احسان قبول کرنا جو ذریعہ ان کی محبت کا بنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے بھی پناہ مانگی۔ (قرطبی)

**وَ اَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ**: یہاں روح کی تفسیر بعض حضرات نے نور سے کی ہے جو منجانب اللہ مومن کو ملتا ہے اور وہی اس کے عمل صالح کا اور قلب کے سکون واطمینان کا ذریعہ ہوتا ہے۔ اور یہ سکون واطمینان ہی بڑی قوت ہے۔ اور بعض حضرات نے روح کی تفسیر قرآن اور دلائل قرآن سے کی ہے وہی مؤمن کی اصل طاقت وقوت ہے۔ (قرطبی)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم [۱]

معالم التنزیل میں علامہ بغوی نے مذکورہ اسماء کے علاوہ اور بھی بہت سارے

[۱] اسباب النزول ص:۲۳۶-۲۳۵/روح المعانی ص:۳۷ج:۲۸ابن کثیر ص:۲۹۶ ج:۴ المقتطف ص:۲۱۴ج:۵/زاد المسیر ص:۱۹۸-۱۹۹ج:۸/تخریج الکشاف ص:۱۶۶/معارف القرآن ص:۳۵۲ج:۸/معالم التنزیل ص:۳۳۶ج:۵

اسماء ذکر کئے ہیں۔اور واقعہ بھی ایسا ہی ہے کہ ایسے جان قربان کرنے والوں کی تعداد بے شمار ہے۔جو تاریخ وسیر کی کتب میں سنہرے حروف سے ثبت ہے۔(تفسیر الکبیر ص:۲۷۶ ج:۲۹)

علامہ فخر الدین الرازی نے مذکورہ سبب نزول ذکر کرنے کے بعد اخیر میں یہ کہا ہے کہ مذکورہ آیت اکثر مفسرین کی رائے کے مطابق حاجب بن ابی بلتعہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ان کا تفصیلی واقعہ ماقبل میں ذکر کیا جاچکا ہے علامہ رازی رقم طراز ہیں:

**واعلم أن الأكثرين اتفقوا على أن قوله(لا تجدقوما يومنون بالله واليوم الآخر يوادن من حاد الله ورسوله) نزلت في حاطب بن أبي بلتعة واخباره أهل مكة بمسير النبي ﷺ إليهم لما اراد فتح مكة وتلك القصة معروفة وبالجملة فالآية زجر عن التودد إلى الكفار والفساق.**

(التفسیر الکبیر ص:۲۷۷ ج:۲۹)

# سورۃ الحشر

یہ سورت باجماع مفسرین مدنی ہے۔ اور اکثر مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ اس سورت کی تمام آیتیں بنی نضیر کے بارے میں نازل ہوئی ہیں اور حضرت ابن عباسؓ نے اس سورت کا نام سورۂ بنی النضیر رکھا ہے۔ (زادالمسیر ص:۲۰۱ ج:۸)

۴۶۹-سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِۚ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۱ هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ؕ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَ ظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْاۗ وَ قَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَ اَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَۗ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ۝۲ وَ لَوْ لَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ؕ وَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝۳ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗۚ وَ مَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۴ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَ لِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۵

**ترجمہ:** اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں سب جو کچھ آسمان میں ہیں اور زمین میں ہیں اور وہ زبردست حکمت والا ہے وہی ہے جس نے کفار اہل کتاب کو ان کے گھروں سے پہلی بار اکٹھا کر کے نکال دیا تمہارا گمان بھی نہ تھا کہ وہ نکلیں گے اور انہوں نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ ان کے قلعے ان کو اللہ سے بچالیں گے سو ان پر خدا ایسی جگہ سے پہنچا کہ ان کو خیال بھی نہ تھا۔ اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا کہ

اپنے گھروں کو خود اپنے ہاتھوں سے بھی اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے بھی اجاڑ رہے تھے سوائے دانش مندو! عبرت حاصل کرو اور اگر اللہ تعالیٰ ان کی قسمت میں جلاطن ہونا نہ لکھ چکا ہوتا تو ان کو دنیا ہی میں سزا دیتا اور ان کے لئے آخرت میں دوزخ کا عذاب ہے یہ اس سبب سے ہے کہ ان لوگوں نے اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو شخص اللہ کی مخالفت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے، جو کھجوروں کے درخت تم نے کاٹ ڈالے یا ان کو ان کی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا سو خدا ہی کے حکم کے موافق ہیں۔ اور تا کہ کافروں کو ذلیل کرے۔

**شانِ نزول:** اس سورت میں یہود پر دنیا میں جلا وطنی کی سزا اور آخرت کا عذاب مذکور ہے اور قصہ ان یہود کا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لائے تو یہود سے معاہدہ صلح کا ہو چکا تھا۔ اور یہ لوگ مدینے سے دو میل کی دوری پر رہتے تھے۔ ایک مرتبہ یہ واقعہ پیش آیا کہ عمرو بن امیہ ضمری کے ہاتھ سے دو کافر قتل ہو گئے تھے۔ (تفصیل اسی مضمون کے تحت قریب ہی آ رہی ہے) جس کا خون بہا سب کو مل کر ادا کرنا تھا۔ آپ نے اپنے صحابہ سے اس کے لئے چندہ حاصل کیا۔ پھر یہ ارادہ ہوا کہ یہود بھی از روئے صلح نامہ مسلمانوں کے ساتھ ہیں، اس لئے خون بہا کی رقم میں ان کو بھی شریک کیا جائے اس کام کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبیلہ بنو نضیر کے پاس تشریف لے گئے انہوں نے یہ سازش کی کہ آپ کو قتل کر دینے کا موقع ہمارے ہاتھ آ گیا۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک جگہ بٹھلا دیا اور کہا کہ ہم خون بہا کی رقم جمع کرنے کا انتظام کرتے ہیں۔ اور خفیہ مشورہ کر کے یہ طے کیا کہ جس دیوار کے نیچے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہیں، کوئی شخص اوپر چڑھ کر کوئی بڑا بھاری پتھر آپ کے اوپر چھوڑ دے کہ آپ کا کام تمام ہو جائے۔ (نعوذ باللہ) آپ کو فوراً بذریعہ وحی ان کی یہ سازش معلوم ہو گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے اٹھ کر واپس تشریف لائے اور ان سے کہلا بھیجا کہ تم نے عہد شکنی کر کے صلح توڑ دی ہے اسلئے تمہیں دس روز کی مہلت دی جاتی ہے۔ اس میں تم جہاں چاہو چلے جاؤ، اس مدت کے بعد جو شخص یہاں نظر آئے گا اس کی گردن ماردی جائے گی۔ انہوں نے چلے جانے کا ارادہ کیا تو عبداللہ بن ابی منافق نے

ان کو روکا کہ کہیں نہ جاؤ میرے پاس دو ہزار آدمیوں کی جمعیت ہے جو اپنی جان تو دے دیں گے مگر تم پر آنچ نہ آنے دیں گے، اور روح المعانی میں ابن اسحاق کی روایت سے عبداللہ کے ساتھ ودیعہ بن مالک اور سوید اور راعس کا شریک ہونا بھی لکھا ہے یہ لوگ ان کے کہنے میں آ گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہلا بھیجا کہ ہم کہیں نہیں جائیں گے۔ آپ سے جو کچھ ہو سکے کر لیجئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ اس قبیلہ پر حملہ آور ہوئے۔ اور یہ لوگ قلعہ بند ہو گئے اور منافقین منھ چھپا کر بیٹھ گئے آپ نے ان کا محاصرہ کر لیا اور ان کے درخت جلوا دیئے کچھ کٹوا دیئے آخر تنگ آ کر انہوں نے جلاوطن ہونا منظور کر لیا۔ آپ نے اس حال میں بھی ان کے ساتھ یہ رعایت کی کہ حکم دیدیا کہ جتنا سامان تم ساتھ لے جا سکتے ہو لے جاؤ بجز ہتھیار کے وہ ضبط کر لئے جائیں گے یہ لوگ نکل کر کچھ شام میں چلے گئے کچھ خیبر میں اور حرص دنیا کی وجہ سے اپنے گھروں کی کڑیاں، تختے، کواڑ تک اکھاڑ کر لے گئے اور یہ قصہ غزوۂ بدر کے بعد ربیع الاول ۶ ھ میں پیش آیا۔ پھر حضرت عمر نے اپنے زمانۂ خلافت میں ان کو دوسرے یہود کے ساتھ ملک شام کی طرف نکال دیا یہ دونوں جلاوطنی حشر اول اور حشر ثانی کہلاتی ہیں۔ (کذا فی زاد المعاد ص:۱۲۹-۱۲۶ ج:۳/مختصرا)

چنانچہ مشکوٰۃ میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سرزمین حجاز میں جزیرۃ العرب سے یہود و نصاریٰ کی جلاوطنی کا کام حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں انجام پایا (اس سے پہلے) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اہل خیبر پر غلبہ حاصل ہوا تھا تو آپ نے یہودیوں کو خیبر سے نکال دینے کا ارادہ کیا تھا۔ کیوں کہ (جس) زمین پر (بھی دین حق کو غلبہ حاصل ہوتا ہے وہ زمین اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کی ہو جاتی ہے کہ وہاں صرف اللہ ہی کا دین غالب اور مسلمانوں ہی کو حق تصرف و حکمرانی ہوتا ہے) لیکن یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ ان (یہودیوں کو اس شرط پر) خیبر کی زمین پر قابض و متصرف) رہنے دیں کہ وہ محنت کریں گے (یعنی باغات کی دیکھ بھال اور ان کی سیرابی وغیرہ کا سارا کام کریں گے) اور (ان سے پیدا ہونے والے) پھلوں کا آدھا حصہ آپ کا ہوگا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی یہ درخواست منظور کر لی لیکن یہ) فرمایا کہ ہم تمہیں اس

شرط پر (خیبر میں) رہنے دیں گے کہ جب تک کہ ہم چاہیں ان کے بعد ان کو خیبر میں رہنے دیا گیا یہاں تک کہ عمر فاروق ؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں ان سب کو تیماء اور اریحا کی جانب جلاوطن کر دیا۔ [1]

مذکورہ واقعہ سے متعلق مزید تفصیلی فوائد اس طرح ہیں۔ بنو نضیر یہود کا ایک قبیلہ تھا جو حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے ہے ان کے آباء واجداد تورات کے عالم تھے توریت میں حضرت خاتم الانبیاء علیہ السلام کی خبر اور آپ کا حلیہ اور علامات مذکور تھیں اور یہ کہ ان کی ہجرت یثرب (مدینہ) کی طرف ہوگی، چناں چہ یہ خاندان اس طمع میں کہ خاتم الانبیاء علیہ السلام کے ساتھ رہیں شام سے مدینہ طیبہ منتقل ہوا تھا۔ ان کے موجودہ لوگوں میں بھی کچھ تورات کے عالم تھے اور آنحضرت ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد علامات دیکھ کر پہچان لیا تھا کہ یہ وہی خاتم الانبیاء ہیں لیکن ان کا خیال تھا کہ وہ آخری نبی ہارون علیہ السلام کی اولاد میں ان کے خاندان میں ہوں گے اور خاتم الانبیاء بنی اسرائیل کے بجائے بنی اسماعیل میں پیدا ہوئے تو اس حسد نے ان لوگوں کو ایمان لانے سے روک دیا مگر ان میں کے اکثر لوگ آپ کے آخر الانبیاء ہونے کو جانتے پہچانتے تھے۔ اور غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی حیرت انگیز فتح اور مشرکین کی شکست دیکھ کر ان کا یہ یقین اور بڑھ گیا۔ اس کا اقرار ان کی زبانوں سے سنا بھی گیا، مگر اس ظاہری فتح وشکست کو حق وباطل کے پہچاننے کا معیار بنالینا ہی ایک بودی اور کمزور بنیاد تھی نتیجہ یہ ہوا کہ غزوۂ احد میں جب ابتدا میں شکست ہوئی اور کچھ حضرات صحابہ شہید ہوئے تو ان کا یقین متزلزل ہوگیا اور اس کے بعد انہوں نے مشرکین مکہ کے ساتھ ساز باز شروع کر دی۔

اس سے پہلے یہ واقعہ ہو چکا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ پہنچ کر حکیمانہ سیاست کے مقتضی پر سب سے پہلا کام یہ کیا تھا کہ مدینہ طیبہ میں اور شہر کے آس پاس جو یہود کے قبائل آباد تھے۔ ان سے معاہدہ صلح اس شرط پر کر لیا تھا کہ یہ لوگ نہ مسلمانوں کے خلاف

---

[1] **بخاری ومسلم، مشکوٰۃ شریف ص: ۳۵۵ ج: ۲/باب اخراج الیہود والنصاری من جزیرۃ العرب، مظاہر حق جدید ص: ۶۴۲ ج: ۴**

جنگ کریں گے اور نہ کسی جنگ کرنے والے کی امداد کریں گے۔ اگر ان پر کوئی حملہ آور ہوا تو مسلمان ان کی امداد کریں گے صلح نامہ میں اور بھی بہت سی دفعات تھیں جن کی تفصیل سیرت ابن ہشام وغیرہ میں مذکور ہے اسی طرح یہود کے دیگر قبائل جن میں بنونضیر بھی داخل تھے اور مدینہ طیبہ سے دو میل کے فاصلے پر ان کی بستی اور مضبوط قلعے اور باغات تھے صلح ہوئی۔

غزوۂ احد تک تو یہ لوگ بظاہر اس صلح نامہ کے پابند نظر آئے، مگر احد کے بعد انہوں نے غداری کی اور خفیہ خیانت کی ابتداء اس سے ہوئی کہ بنونضیر کا ایک سردار کعب بن اشرف غزوۂ احد کے بعد اپنے یہودیوں کے چالیس آدمیوں کے ایک قافلہ کے ساتھ مکہ معظّمہ پہنچا اور یہاں کے کفار قریش جو غزوۂ بدر کی شکست کا بدلہ لینے کی نیت سے غزوۂ احد پر گئے تھے، اور اس میں بالآخر شکست کھا کر واپس ہو چکے تھے۔ ان سے ملاقات کی اور ان دونوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کا ایک معاہدہ ہونا قرار پایا جس کی تکمیل اس طرح کی گئی کہ کعب بن اشرف اپنے چالیس آدمیوں کے ساتھ اور ان کے بالمقابل ابوسفیان اپنے چالیس قریشیوں کے ساتھ حرم بیت اللہ میں داخل ہوئے اور بیت اللہ کا پردہ پکڑ کر یہ معاہدہ کیا کہ ہم ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کریں گے۔

کعب بن اشرف اس معاہدہ کے بعد مدینہ طیبہ واپس آیا تو جبرئیل امین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ سارا واقعہ اور معاہدہ کی تفصیل بتلادی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کعب بن اشرف کے قتل کا حکم جاری فرمادیا چنانچہ محمد بن مسلمہ صحابیؓ نے اس کو قتل کر دیا۔

اس کے بعد بنونضیر کی مختلف خیانتیں اور سازشیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوتی رہیں جن میں ایک وہ واقعہ ہے جو اوپر شانِ نزول کے عنوان سے لکھا گیا ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کی سازش کی چناں چہ اگر فوری طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بذریعہ وحی اس سازش پر مطلع نہ ہوتے تو یہ لوگ اپنی سازشِ قتل میں کامیاب ہو جاتے کیوں کہ جس مکان کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انہوں نے بٹھایا تھا۔ اس کی چھت پر چڑھ کر ایک بھاری پتھر آپ کے سر مبارک پر چھوڑ دینے کا منصوبہ تقریباً مکمل ہو چکا تھا۔ جو شخص اس منصوبہ کو عملی

صورت دینے والا تھا اس کا نام عمر بن جحاش تھا۔ حق تعالیٰ شانہ نے آپ کی حفاظت فرمائی۔ اور منصوبہ فیل ہو گیا۔

یہ بھی عجیب معاملہ ہے کہ بعد کے واقعہ میں سارے بنونضیر جلاوطن ہو کر مدینہ سے نکل گئے مگر ان میں سے صرف دو آدمی مسلمان ہو کر محفوظ و مامون رہے۔ ان دونوں میں ایک عمر بن جحاش تھے دوسرے انکے چچا یامین بن عمر بن کعب تھے۔ (ابن کثیر)

شانِ نزول کے واقعہ میں جو ذکر آیا ہے کہ عمرو بن ضمری کے ہاتھ سے دو قتل ہو گئے تھے، ان کا خون بہا جمع کرنے کی کوشش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے تھے، اسی خون بہا کے سلسلہ میں بنونضیر کا چندہ حاصل کرنے کے لئے آپ ان کی بستی میں تشریف لے گئے تھے۔ اس کا واقعہ ابن کثیر نے یہ بیان کیا ہے کہ مسلمانوں کے خلاف کفار کی سازشیں اور مظالم کی داستان تو بڑی طویل ہے۔ ان میں سے ایک واقعہ بئر معونہ کا تاریخ اسلام میں معروف ومشہور ہے کہ بعض منافقین وکفار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی بستی میں تبلیغ اسلام کے لئے صحابۂ کرامؓ کی ایک جماعت بھیجنے کی درخواست کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ستر ۷۰ صحابہ کرامؓ ان کے ساتھ روانہ کئے بعد میں حقیقت یہ کھلی کہ ان لوگوں نے یہ محض سازش کی تھی۔ اوران سب کو گھیر کر قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ اور وہ اس میں کامیاب ہو گئے ان میں صرف عمرو بن امیہ ضمری کسی طرح نکل کر بھاگ جانے میں کامیاب ہو گئے جو بزرگ ابھی کفار کے یہ غداری اور خیانت اور اپنے انہتر ۶۹ / بھائیوں کا بے دردی سے قتل دیکھ کر آرہے تھے انکا جذبہ کفار کے مقابلہ میں کیا ہوگا ہر شخص خود اندازہ کر سکتا ہے۔ اتفاق یہ ہوا کہ مدینہ طیبہ واپسی کے وقت راستہ میں ان کو دو کافروں سے سابقہ پڑا انہوں نے دونوں کو قتل کر دیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ دونوں آدمی قبیلہ بنی عامر کے تھے جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معاہدہ صلح ہو چکا تھا۔

مسلمانوں کے معاہدات آج کل کے سیاسی لوگوں کے معاہدات کی طرح تو ہوتے نہیں تھے کہ پہلے ہی خلاف ورزی اور عہد شکنی کی راہیں تلاش کر لی جاتی ہیں وہاں تو جو کچھ زبان یا قلم سے نکلتا تھا۔ دین ومذہب اور خدا تعالیٰ کے حکم کی حیثیت رکھتا تھا۔ اور اس کی پابندی لازمی

تھی۔ جب آنحضرت ﷺ کو اس غلطی کا علم ہوا تو آپ نے اصول شرعیہ کے مطابق ان دونوں مقتولوں کی دیت (خون بہا) ادا کرنے کا فیصلہ فرمایا اور اس کے لئے مسلمانوں سے چندہ کیا اس میں بنونضیر کے پاس بھی چندہ کے سلسلے میں جانا ہوا۔ (ابن کثیر)

آج کے بڑے بڑے حکمراں جو انسانی حقوق کے تحفظ پر بڑے بڑے لیکچر دیتے ہیں۔ اور اس کے لئے ادارے قائم کرتے ہیں۔ اور دنیا میں تحفظ حقوق انسانیت کے چودھری کہلاتے ہیں ذرا اس واقعہ پر نظر ڈالیں کہ بنونضیر کی مسلسل سازشی خیانتیں بلکہ قتلِ رسول ﷺ کے منصوبے جو آپ کے سامنے آتے رہے۔ اگر آج کل کے کسی حکمراں اور کسی سربراہ مملکت کے سامنے آتے تو ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر سوچئے کہ وہ ان لوگوں کے ساتھ کیا معاملہ کرتا۔ آج کل تو زندہ لوگوں پر پٹرول چھڑک کر میدان صاف کر دینا بڑا آسان سا ہو گیا ہے اور وہ کسی بڑے اقتدار و حکومت کا بھی محتاج نہیں۔ کچھ غنڈے جمع ہو جاتے ہیں اور یہ سب کچھ کر ڈالتے ہیں اور شاہانہ غیظ و غضب کے کرشمے تو کچھ اس سے آگے ہی رونما ہوتے ہیں۔

مگر یہ حکومت خدا کی اور اس کے رسول کی ہے، جب خیانتیں اور غداریاں انتہاء کو پہنچ گئیں تو اس وقت بھی ان کے قتلِ عام کا ارادہ نہ فرمایا۔ ان کے مال و اسباب چھین لینے کا کوئی تصور نہیں تھا بلکہ (۱) اپنا سب سامان لے کر صرف شہر خالی کر دینے کا فیصلہ کیا (۲) اور اس کے لئے بھی دس روز کی مہلت دی کہ آسانی سے اپنا سب سامان لے کر اطمینان سے کسی دوسرے مقام پر منتقل ہو جائیں جب اس کی بھی خلاف ورزی کی تو قوی اقدام کی ضرورت پیش آئی (۳) اس لئے کچھ درخت تو جلائے گئے کچھ کاٹے گئے کہ ان پر اثر پڑے مگر قلعہ کو آگ لگا دینے کا یا ان کے قتل عام کا حکم اس وقت بھی نہیں دیا گیا۔ (۴) پھر جب مجبور ہو کر ان لوگوں نے شہر خالی کر دینا منظور کر لیا تو اس فوجی اقدام کے باوجود انکو یہ اختیار دیا گیا کہ ایک اونٹ پر جس قدر سامان ایک آدمی لے جا سکتا ہے لے جائے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے اپنے مکانوں کی کڑیاں، تختے دروازے کواڑ تک اتار کر لادلئے۔ (۵) ساز و سامان کے ساتھ منتقل ہونے والوں کو کسی مسلمان نے ترچھی نظر سے نہیں دیکھا امن و عافیت اور پورے اطمینان کے ساتھ سامان لے کر رخصت ہوئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ معاملات اس وقت کے ہیں جب کہ آپ کو اپنے دشمن سے پورا پورا انتقام لینے کی مکمل قدرت وطاقت حاصل تھی۔ ان غدار، خائن، سازشی دشمنوں کے ساتھ اس وقت آپ کا یہ معاملہ اس کی نظیر ہے جو فتح مکہ کے بعد اپنے قدیمی دشمنوں کے ساتھ آپ نے فرمایا۔

لِاَوَّلِ الْحَشْرِ : بنونضیر کی اس جلاوطنی کو قرآن کریم نے اول حشر فرمایا۔ حشر کے معنی اٹھ جانے کھڑے ہو جانے کے ہیں اوّل حشر کہنے کی وجہ ماقبل میں گزر چکی ہے کہ یہ لوگ زمانہ قدیم میں ایک جگہ آباد تھے نقل مکان اور جلاوطنی کا یہ واقعہ ان پر پیش آیا اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اسلام کا اصل حکم آگے آنے والا تھا کہ جزیرۃ العرب کو غیر مسلموں سے خالی کرایا جائے تاکہ وہ اسلام کا ایک مستحکم قلعہ بن سکے، اس کے نتیجہ میں ایک دوسرا حشر آئندہ بشکل جلاوطنی ہونے والا تھا جو عملاً حضرت فاروق اعظم کے عہدِ خلافت میں ہوا کہ ان میں سے جو لوگ منتقل ہو کر خیبر میں آباد ہو گئے تھے ان کو بھی جزیرۃ العرب سے باہر چلے جانے کا حکم دیا گیا اس لحاظ سے بنونضیر کی یہ جلاوطنی پہلا حشر اور دوسری جلاوطنی بعہد عمری دوسرا حشر ہوا۔

فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا اس کا لفظی ترجمہ تو یہ ہے کہ آ گیا ان کے پاس اللہ تعالیٰ اس انداز سے کہ ان کو اس کا گمان بھی نہ تھا اللہ کے آنے سے مراد اس کے حکم اور حکم بردار فرشتوں کا آنا ہے۔

يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَ اَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ: ان کا اپنے مکانات کو اپنے ہاتھوں خراب کرنا تو اسطرح ہوا کہ اپنے دروازے کو اڑ ساتھ لے جانے کے لئے اکھاڑے اور مسلمانوں کے ہاتھوں اس طرح کہ جب یہ قلعہ بند تھے تو قلعہ سے باہر مسلمانوں نے ان پر اثر ڈالنے کے لئے درختوں اور مکانوں کو ویران کیا۔

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَ لِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ لفظ لینہ، کھجور کے ہر درخت یا عجوہ کے علاوہ باقی درختوں کے لئے بولا جاتا ہے۔ بنونضیر کے باغات کھجور کے تھے۔ جب قلعہ بند ہو گئے تو بعض صحابہ کرامؓ نے ان لوگوں کو غیظ دلانے اور ان پر رعب ڈالنے کے لئے ان کے کھجوروں کے چند درختوں کو

کاٹ کر یا جلا کر ختم کر دیا۔ اور بعض دوسرے صحابۂ کرامؓ نے خیال کیا کہ انشاء اللہ فتح ہماری ہوگی اور یہ درخت اور باغات مسلمانوں کے ہاتھ آئیں گے تو کیوں ان کو ضائع کیا جائے وہ ان کے جلانے سے باز رہے یہ ایک رائے کا اختلاف تھا۔ بعد میں جب آپس میں گفتگو ہوئی تو جن حضرات نے کچھ درخت کاٹے اور جلائے تھے ان کو یہ فکر ہوئی کہ شاید ہم گنہگار ہو گئے کہ جو مال مسلمانوں کو ملنے والا تھا اس کو نقصان پہنچایا، اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی، جس نے دونوں فریقوں کے عمل کو جائز اور درست فرمایا۔ اور دونوں کو بِاِذْنِ اللّٰهِ میں داخل کر کے حکم الٰہی کی تعمیل قرار دیا۔

اس آیت میں ان درختوں کے کاٹنے جلانے یا ان کو باقی چھوڑنے کے دونوں مختلف عملوں کو بِاِذْنِ اللّٰهِ فرمایا ہے حالانکہ قرآن کی کسی آیت میں دونوں میں سے کوئی بھی حکم مذکور نہیں۔ ظاہر تو یہ ہے کہ دونوں حضرات نے جو عمل کیا وہ اپنے اجتہاد سے کیا زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت لی ہو مگر قرآن نے اس اجازت کو جو کہ ایک حدیث تھی باذن اللہ قرار دے کر واضح کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق تعالیٰ کی طرف سے تشریع احکام کا اختیار دیا گیا ہے اور جو حکم آپ جاری فرما دیں وہ اللہ تعالیٰ ہی کے حکم میں داخل ہے اس کی تعمیل قرآنی آیات کی تعمیل کی طرح فرض ہے۔ [1]

۷۰۴- وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ؕ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا

[1] معارف القرآن ص:۳۵۶-۳۵۵ج:۸، زاد المعاد ص:۱۲۷-۱۳۵ج:۳،تفصیلا ، اسباب النزول ص:۲۳۶تا۲۳۸/تفصیلا، روح المعانی ص:۳۹-۳۸ج:۲۸/زاد المسیر ص:۲۰۱-۲۰۲ج:۸ابن کثیر ص:۳۰۰-۲۹۸ج:۴/تفصیلاً،معالم التنزیل ص:۳۳۶تا۳۴۱ج:۵،تفصیلا مع معنی الآیات،تفسیر عثمانی ص:۷۲۳)

نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۷ لِلْفُقَرَآءِ
الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا
مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا وَّ يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝۸

**ترجمہ:** اوپر جو بیان ہوا وہ تو بنی نضیر کی جانوں کے ساتھ معاملہ تھا اور (ان کے اموال کے ساتھ جو معاملہ ہوا اس کا بیان ہے کہ) جو کچھ اللہ نے اپنے رسول سے ان کو دلوا دیا سو (تم نے اس پر نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو جس پر چاہے مسلط فرما دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو دوسری بستیوں کے لوگوں سے دلوا دے سو وہ اللہ کا حق ہے اور رسول کا اور قرابت داروں کا اور یتیموں کا اور غریبوں کا اور مسافروں کا (یعنی رسول اللہ جس کو اپنی رائے سے دینا چاہیں وہ بھی ان میں شامل ہے اور مذکورہ اقسام کا خاص طور پر ذکر شاید اس لئے کیا گیا کہ ان کے بارے میں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ جب شرکاء جہاد کا اس مال میں استحقاق نہیں تو یہ اقسام جو شریکِ جہاد بھی نہیں ان کا بھی حق نہیں ہوگا۔ مگر آیت میں ان کا ذکر خاص اوصاف یتیم غریب، مسافر وغیرہ کے ساتھ کر کے اشارہ کر دیا کہ یہ لوگ اپنے ان اوصاف کی وجہ سے اس مال کے مصرف باختیار نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوسکتے ہیں جہاد کی شرکت سے اس کا تعلق نہیں۔ پھر ان اوصاف میں ایک وصف ذوی القربیٰ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریبی رشتہ داروں کا بھی ہے ان کو اس مال میں سے اس لئے دیا جاتا تھا کہ یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مددگار تھے ہر مشکل وقت میں کام آتے تھے، مگر یہ حصہ رسول اللہ کی وفات کے بعد منقطع ہوگیا۔ جیسا کہ سورۂ انفال میں اس کا بیان آچکا ہے) اور یہ حکم مذکور اس لئے کر دیا) تا کہ وہ (مال فئی) تمہارے مالداروں کے قبضہ میں نہ آجائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کچھ تم کو دیدیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس چیز (کے لینے) سے تم کو روک دیں تم رک جایا کرو اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔ ان حاجت مند مہاجروں کا حق ہے جو اپنے گھروں سے اپنے مالوں سے جدا کر دیئے گئے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضا مندی کے طالب ہیں۔ اور وہ اللہ اور اس کے

رسول کی مدد کرتے ہیں۔ یہی لوگ سچے ہیں۔

شانِ نزول: مذکورہ آیات کے سلسلے میں شانِ نزول یہ ہے کہ جب بنی نضیر کو جلاوطن کر دیا گیا تو وہ اپنے ساتھ وہ اسباب وآلات جو لے جانے کے لائق تھے لے گئے اور اراضی وغیرہ مسلمانوں کو بغیر کسی جہد مسلسل کے حاصل ہوگئیں، صحابۂ کرامؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ طلب کیا کہ بنی نضیر کے جو اموال ہمارے قبضے میں آچکے ہیں اسے ہم صحابۂ کرامؓ میں تقسیم کر دیا جائے اس وقت مذکورہ آیات نازل ہوئیں کہ یہ مال غنیمت نہیں ہے کہ مجاہدین میں تقسیم کیا جائے بلکہ یہ مالِ فئی ہیں جسے اللہ نے اپنے رسول کو بغیر قتل وقتال اور بغیر گھوڑا دوڑائے عطا فرمایا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جہاں خرچ کرنا مناسب سمجھیں گے خرچ کریں گے۔ [1]

**فائدہ:** فئی اس مال کو کہا جاتا ہے جو مسلمانوں کو کفار سے جنگ کے بغیر حاصل ہوا ہو، اس مال کا حکم یہ ہے کہ وہ سب کا سب مسلمانوں کا حق ہے۔ اس میں سے نہ تو خمس نکالا جاتا ہے۔ اور نہ اس کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کیا جاتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں جب کوئی لشکر کسی جگہ سے مال فئی لے کر آتا تو اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پورا اختیار ہوتا کہ اس میں سے جس کو چاہتے دیتے اور جس کو چاہتے نہ دیتے اسی طرح جس کو چاہتے زیادہ دیتے اور جس کو چاہتے کم دیتے۔

اور جو مال جنگ کے ذریعہ کفار پر غالب آنے کے بعد مسلمانوں کو حاصل ہوتا ہے اس کو ''مال غنیمت'' کہتے ہیں اس مال کا یہ حکم ہے کہ پہلے اس میں سے خمس نکالا جائے اور پھر بقیہ کو مجاہدین کے درمیان اس طرح تقسیم کر دیا جائے کہ پیادے کو ایک اور سوار کو دو حصے ملیں۔

## مندرجہ ذیل روایات سے احکام فئی کی تفصیلات

## مالِ فئی کا مصرف

''حضرت مالک بن اوس بن حدثان کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا اللہ

[1] زاد المسیر ص:۲۰۹ ج:۸/معالم التنزیل ص:۳۴۲ ج:۵/المعروف بتفسیر البغوی، روح المعانی ص:۴۴ ج:۲۸/التفسیر الکبیر ص:۲۸۴ ج:۲۹/وغیرہ

تعالیٰ نے اس مال فئی کے سلسلے میں اپنے رسول کو ایک خاص خصوصیت عطا کی تھی کہ آپ کے علاوہ کسی اور کو وہ خصوصیت عطا نہیں کی۔ پھر حضرت عمرؓ نے یہ آیت مَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْھُمْ تا قَدِیْرٌ پڑھی اور فرمایا کہ چنانچہ یہ مال صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے مخصوص ہو گیا تھا۔ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر والوں کو سال بھر کا خرچ دیا کرتے تھے۔ اس کے بعد اس میں سے جو کچھ بچ رہتا تھا۔ اس کو ان جگہوں میں خرچ کرتے جو اللہ کا مال خرچ کئے جانے کی جگہیں ہیں (یعنی اس باقی مال کو مسلمانوں کے مفاد و مصالح جیسے ہتھیاروں اور گھوڑوں کی خریداری پر خرچ کر دیا کرتے تھے۔ نیز محتاج و مساکین میں سے جس کو چاہتے اس کی مدد کرتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

مذکورہ آیت کریمہ سورۂ حشر کی ہے جو اس طرح ہے:

وَ مَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْھُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَیْہِ مِنْ خَیْلٍ وَّ لَا رِکَابٍ وَّ لٰکِنَّ اللّٰہَ یُسَلِّطُ رُسُلَہٗ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۶﴾

اور جو کچھ مال اللہ نے اپنے رسول کو ان سے دلوایا ہے، وہ رسول کے لئے مخصوص ہو گیا ہے کیوں کہ تم نے نہ اس پر گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ (یعنی تم نے اس کے حصول کے لئے کسی جنگ وجدال کی مشقت برداشت نہیں کی ہے۔ اور نہ سفر کی پریشانیاں جھیلی ہیں۔ بلکہ تم پیدل ہی چلے گئے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہیں خاص طور پر مسلط فرما دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر پوری قدرت حاصل ہے۔

اس آیت کریمہ کے ذریعہ گویا مسلمانوں پر یہ واضح کیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہودیوں کے قبیلہ بنو نضیر کے مال وجائداد کا جو مالک و مصرف بنایا ہے تو وہ مال اس طرح کا ہے جس کو تم نے جنگ وجدال کے ذریعہ بنو نضیر پر غلبہ پا کر اور دور دراز کے سفر کی مشقت برداشت کر کے حاصل نہیں کیا ہے بلکہ بلا کسی جدوجہد کے ہاتھ آ گیا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب بنو نضیر کو مدینہ سے جلاوطن کر دینے کا حکم دیا گیا اور بنو نضیر نے اس حکم کی تعمیل کرنے میں چوں وچرا کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابۂ کرامؓ کو لے کر

اس جگہ کے لئے روانہ ہوئے جہاں بنونضیر کے محلات و قلعے اور جائدایں تھیں۔ وہ جگہ چونکہ مدینہ سے صرف دو میل کے فاصلے پر تھی اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے علاوہ اور سب ہی لوگ پیدل تھے وہاں پہنچنے پر جنگ و جدال کی نوبت نہ آئی۔ کچھ عرصہ کے محاصرہ کے بعد بنونضیر نے ہتھیار ڈال دیئے اور وہ جو کچھ سامان اپنے ساتھ لے جا سکتے تھے اونٹوں پر لاد کر خیبر کو روانہ ہو گئے اس طرح اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ان پر غلبہ و تسلط عطا فرمایا جیسا کہ حق تعالیٰ کی یہ عادت ہے کہ وہ اپنے رسولوں اور دین کے علمبرداروں کو دشمنان دین پر غلبہ و تسلط عطا فرماتا ہے، چنانچہ ان کی تمام جائداد و زمین وغیرہ بحق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ضبط کر لی گئیں اور وہاں کا سارا مال ''فئی'' کے حکم میں ہونے کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تصرف و اختیار میں آ گیا اسی لئے جب مسلمانوں نے اس مال کو تقسیم کرنے کا مطالبہ کیا تو مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ اور اس مال کا یہ حکم بتایا گیا کہ اس طرح کا مال ''مال غنیمت'' کی طرح تقسیم نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے تصرف و خرچ کا سارا اختیار صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ہے کہ آپ جس طرح چاہیں خرچ کریں اور جس کو چاہیں اس میں سے دیں چنانچہ احادیث میں اس مال کے مصرف بھی بیان کئے گئے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس مال میں سے اپنی بیویوں کو ان کا سال بھر کا خرچ دے دیا کرتے تھے اور پھر جو باقی بچتا اس کو مسلمانوں کے اجتماعی مفاد و مصالح میں خرچ کرتے۔ اور جن فقراء و مساکین کو چاہتے ان کو دیتے۔

مال فئی کے مسئلہ میں حنفیہ کا مسلک بھی یہی ہے جو اوپر بیان ہوا۔ لیکن طیبیؒ نے حضرت امام شافعی کا مسلک اس طرح بیان کیا ہے کہ مال فئی میں چار خمس اور ایک خمس کے پانچویں حصہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حق ہوتا تھا۔ یعنی وہ مال پچیس حصوں میں تقسیم ہو کر اکیس حصے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذاتی تصرف و اختیار میں آتے تھے اور باقی چار حصے آپ اپنے ذوی القربیٰ، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کرتے تھے۔

تفسیر معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد مال فئی کے مصرف کے بارے میں علماء کے اقوال اختلافی ہیں۔ چنانچہ ایک جماعت کا قول تو یہ ہے کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد مال فئی اسلامی مملکت وخلافت کے سربراہ کا حق ہے امام شافعی کے دو قول ہیں ایک قول تو یہ ہے کہ وہ مجاہدین وقاتلین کا حق ہے کہ اس کو ان کے درمیان تقسیم کیا جائے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس مال کو عام مسلمانوں کے مفاد ومصالح میں خرچ کیا جائے۔

''سال بھر کا خرچ دیا کرتے تھے'' اس موقع پر ذہن میں یہ اشکال پیدا ہو سکتا ہے کہ احادیث میں تو یہ منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کل تک کے لئے بھی کوئی چیز بچا کر نہیں رکھتے تھے تو پھر سال بھر کا خرچ کس طرح جمع کر کے رکھتے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جن احادیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ کل تک کے لئے بھی کوئی چیز بچا کر نہیں رکھتے تھے تو اس کا تعلق آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات سے ہے کہ آپ اپنی ذات کے لئے کسی چیز کو بچا کر یا جمع کر کے رکھنا گوارا نہیں کرتے تھے۔ اور یہاں جس بات کا ذکر کیا گیا ہے اس کا تعلق آپ کے اہل وعیال سے ہے، لیکن واضح رہے کہ آپ اپنی ازواج مطہرات کو سال بھر خرچ کبھی کبھی دیتے تھے۔ مستقل طور پر یہ معمول نہیں تھا۔ تاہم امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ سال بھر کی ضروریات زندگی کی چیز مہیا کر کے رکھ لینا جائز ہے اور یہ توکل کے منافی نہیں ہے۔

اور حضرت عمر فاروقؓ سے روایت ہے کہ یہود کے قبیلہ بنو نضیر کا مال اس قسم کے مال میں سے تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو (کسی جدوجہد کے بغیر) عطا فرمایا تھا اس کے لئے نہ تو مسلمانوں نے گھوڑے دوڑائے تھے اور نہ اونٹ اس لئے وہ مال آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے مخصوص ہو گیا تھا کہ جس کو آپ اپنے گھر والوں کی سال بھر کی ضروریات میں خرچ کرتے تھے۔ اور پھر اس میں سے جو کچھ بچ رہتا تھا اس کو ہتھیاروں اور گھوڑوں کی خریداری پر خرچ کر دیا کرتے تھے۔ تا کہ وہ اللہ کی راہ (یعنی جہاد) میں کام آئیں۔ (بخاری ومسلم)

## آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف سے مال فئی کی تقسیم

''حضرت عوف بن مالکؓ کہتے ہیں کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس مال فئی آتا

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو اسی دن (ضرورت مندوں کے درمیان) تقسیم فرما دیتے تھے۔ جو بیوی والا ہوتا اس کو تو دو حصے دیتے اور مجرد کو ایک حصہ عطا فرماتے چنانچہ (ایک مرتبہ) مجھ کو بھی بلایا اور آپ نے مجھے دو حصے عطا فرمائے کیوں کہ میری بیوی تھی۔ اور پھر میرے بعد عمار بن یاسرؓ کو بلایا گیا (جن کی بیوی نہیں تھی) ان کو آپ نے ایک حصہ دیا'' (ابوداؤد)

''اور حضرت ابن عمرؓ کہتے تھے کہ میں نے دیکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مال فئی کے آنے کے بعد اس میں سے سب سے پہلے ان لوگوں کو مرحمت فرماتے جن کو (حال ہی میں غلامی سے) آزاد کیا گیا ہوتا۔ (ابوداؤد)

مال فئی میں سے سب سے پہلے غلامی سے نجات پائے ہوئے لوگوں کو اس لئے عطا کیا جاتا کہ وہ بے ٹھکانہ اور بے سہارا ہوتے تھے اور بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ ''آزاد کئے گئے لوگوں'' سے مراد ''مکاتب'' ہیں نیز بعض حضرات کے نزدیک ''منفردین لطاعۃ اللہ'' مراد ہیں۔

''اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک تھیلا آیا جس میں نگینے بھرے ہوئے تھے۔ آپ نے ان نگینوں کو بیبیوں (یعنی آزاد عورتوں) اور باندیوں کو بانٹ دیا۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میرے والد یعنی حضرت ابوبکرؓ (کے پاس نگینے آتے تو وہ ان نگینوں کو) آزاد اور غلام مردوں کو (بھی) بانٹتے (ابوداؤد) اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نگینوں کی تقسیم کو صرف عورتوں تک محدود رکھتے تھے لیکن حضرت ابوبکرؓ کے عمل سے یہ ثابت ہوا کہ نگینوں کی تقسیم صرف عورتوں کے ساتھ مخصوص نہ ہوتی بلکہ وہ مردوں کو بھی بانٹا کرتے تھے۔

## مال فئی کی تقسیم میں فرق مراتب کا لحاظ

حضرت مالک ابن اوس بن حدثان کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمر فاروقؓ نے مال فئی کا ذکر کیا۔ اور فرمایا کہ ''اس مال فئی کا میں تم سے زیادہ مستحق نہیں ہوں اور نہ ہم میں سے کوئی شخص اس مال فئی کا کسی دوسرے شخص سے زیادہ مستحق ہے۔ اس لیے ہم اللہ عزوجل کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تقسیم کے مطابق اپنے اپنے مرتبہ پر رہیں۔ چنانچہ ایک

وہ شخص ہے جو (قبولیت اسلام) میں قدامت رکھتا ہے۔ایک وہ شخص ہے جو (دین کی راہ میں) شجاعت وبہادری کے (کارہائے نمایاں) اور سعی ومشقت (کے اوصاف) رکھتا ہے۔ایک وہ شخص ہے جو اہل وعیال رکھتا ہے اور ایک وہ شخص ہے جو ضرورت وحاجت رکھتا ہے''۔(ابوداؤد)

''میں تم سے زیادہ مستحق نہیں ہوں'' حضرت عمرؓ نے یہ بات اس وہم وگمان کو دور کرنے کے لئے فرمائی کہ وہ چونکہ خلیفۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اس لئے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مال کا سب سے زیادہ استحقاق رکھتے تھے ہوسکتا ہے کہ آپ کے بعد اب وہ (حضرت عمرؓ) اس کے سب سے زیادہ مستحق ہوں۔حضرت عمرؓ نے اس کی نفی کی کہ کسی دوسرے مسلمان کی طرح میں بھی اس مال کا سب سے زیادہ مستحق نہیں ہوں۔ پھر انہوں نے اس مال کا سب سے زیادہ استحقاق رکھنے کی نفی عمومیت کے طور پر فرمائی کہ ہم میں سے کوئی شخص بھی دوسرے شخص سے زیادہ حق دار نہیں ہے۔ بلکہ اس مال کے استحقاق کی اصل بنیاد وہی فرق مراتب ہے۔ جو کتاب اللہ کے اس ارشاد **لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ** تین آیتوں تک اور **والسابقون الأولون من المهاجرين والانصار** آخر آیت تک یا ان آیتوں سے وہ ظاہر ہے جو اس آیت پر دلالت کرتی ہے جس میں ہے کہ مسلمانوں کے مراتب میں تفاوت ہے کہ ہر شخص کو اس کے مرتبے کے مطابق کم یا زیادہ دیا جائے گا۔

اللہ عزوجل کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تقسیم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تقسیم کا عطف ''کتاب اللہ'' پر کیا گیا ہے، یعنی جس طرح کتاب اللہ کی مذکورہ آیتوں سے مسلمانوں کے فرق مراتب کا اظہار ہوتا ہے۔اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقۂ تقسیم سے بھی مراتب میں تفاوت کا پتہ چلتا ہے، یعنی جس طرح آپ اس مال کی تقسیم کے وقت دوسرے مسلمانوں کی بہ نسبت جنگ بدر میں شریک ہونے والے صحابہ کو زیادہ حصہ دیا کرتے تھے اسی طرح جو صحابہ (صلح حدیبیہ کے موقع پر) بیعت الرضوان میں شریک تھے ان کا لحاظ عام مسلمانوں سے زیادہ رکھتے تھے۔ یا جو شخص اہل وعیال والا ہوتا تھا اس کو مجرد شخص سے زیادہ دیتے تھے۔

''ایک وہ شخص ہے'' الخ حضرت عمرؓ نے اپنے اس ارشاد کے ذریعہ اوپر کی بات کو اور وضاحت کے ساتھ بیان کیا کہ مال فئی کی تقسیم کے وقت ہر شخص کے مرتبہ اور اس کی حیثیت کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، اگر کوئی شخص قدیم الاسلام ہے تو اس کی اس خصوصیت کو دیکھنا چاہئے اگر کوئی شخص خدائی راہ میں شجاعت و بہادری کے کارنامے انجام دینے والا اور دین کو پھیلانے میں سخت جدوجہد کرنے اور مشقت برداشت کرنے والا ہے تو اس کے اس وصف کو سامنے رکھنا چاہئے۔ اسی طرح اگر کوئی اہل وعیال والا زیادہ حاجت مند ہے تو اس کی اس حیثیت و حالت کا خیال کیا جانا چاہئے۔ غرضیکہ جس شخص کو جس طرح کی احتیاج وضرورت ہو اس کو اسی کے مطابق دینا چاہئے۔

اور حضرت مالک بن اوس کہتے ہیں کہ (ایک موقع پر) حضرت عمر فاروقؓ نے یہ آیت پڑھی (جس میں زکوٰۃ کے مصارف کا بیان ہے) اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ وَ الۡمَسٰكِيۡنِ اور اس آیت کو انہوں نے عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ۝ تک پڑھا اور فرمایا کہ (زکوٰۃ کے مال) کو پانے کے مستحق لوگ وہ ہیں۔ (جن کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے فقراء ومساکین وغیرہ) پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی وَ اعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا غَنِمۡتُمۡ مِّنۡ شَىۡءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوۡلِ اور اس آیت کو ابۡنِ السَّبِيۡلِ تک پڑھا اور فرمایا کہ (خمس کا مال) انہی لوگوں کا حق ہے (جن کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے یعنی ذوالقربٰی وغیرہ) اس کے بعد انہوں نے یہ آیت پڑھی (جس میں مال فئی کا حکم بیان کیا گیا ہے کہ وہ کس کس کو دیا جائے) مَاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوۡلِهٖ مِنۡ اَهۡلِ الۡقُرٰى اس آیت کو لِلۡفُقَرَآءِ ، وَ الَّذِيۡنَ جَآءُوۡ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ تک پڑھا (ایک نسخہ میں یہ عبارت ہے کہ حتی بلغ للفقراء ثم قرأو الذین جاؤ اس کے مطابق مفہوم یہ ہوگا کہ انہوں نے اس آیت ماافاء اللہ کو پڑھنا شروع کیا اور لِلۡفُقَرَآءِ تک کی دو آیتوں کو پڑھا اور پھر یہ آیت وَ الَّذِيۡنَ جَآءُوۡ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ پڑھی اور فرمایا کہ اس آیت نے سارے مسلمانوں کا احاطہ کرلیا ہے۔ لہٰذا اگر میری زندگی رہی تو (میری حدود خلافت میں کوئی ایسا مسلمان نہیں بچے گا جس کو اس کے حصہ کا مال نہ پہنچے یہاں تک کہ) اس چرواہے کو بھی مال فئی میں سے اس کا حصہ پہنچے گا جو مقام بسر اور حمیر میں ہوگا،

جب کہ اس (اس مال کے حاصل کرنے) میں اس کی پیشانی بھی عرق آلود نہیں ہوئی ہوگی۔

''اس آیت نے سارے مسلمانوں کا احاطہ کرلیا ہے'' کا مطلب یہ ہے کہ اس آیت میں جن لوگوں کو دینے کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سارے ہی مسلمان آجاتے ہیں بخلاف پہلی دونوں آیتوں کے کہ ایک میں تو صرف مستحقین زکوٰۃ کا ذکر ہے اور دوسری میں مستحقین خمس کا۔

حضرت عمرؓ مال فئی میں سے خمس نکالنے کے قائل نہیں تھے۔ جیسا کہ مال غنیمت میں سے خمس نکالا جاتا ہے۔ ان کے نزدیک پورا مال فئی مسلمانوں کے اجتماعی مفاد و مصالح اور ان کی فلاح و اعانت میں خرچ کیا جانا چاہئے، جو قرآن و حدیث میں مذکور فرق مراتب کے ساتھ ان کا حق ہے۔ چنانچہ حضرت امام شافعی کے سوا اکثر ائمہ فقہ کا مسلک بھی یہی ہے۔ نیز عمر فاروقؓ اس کے قائل بھی تھے کہ مال فئی کی تقسیم کے سلسلے میں مسلمانوں کے درجات و مراتب کے تفاوت کا لحاظ ضروری ہے۔ جب کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ ہر مسلمان کا برابر حصہ لگاتے تھے۔ وہ قدامت اسلام اور نسبت کی برتری وغیرہ کا لحاظ نہیں سمجھتے تھے، بلکہ فرمایا کرتے تھے کہ اس چیز کا تعلق آخرت سے ہے۔ اگر کوئی شخص پہلے مسلمان ہوا ہے اور کسی شخص نے دین کی راہ میں زیادہ شجاعت و بہادری اور زیادہ سعی و مشقت اختیار کی ہے تو ان کا یہ عمل اللہ کے لئے ہے اور ان کا اجر بھی اللہ ہی پر موقوف ہے۔ ان چیزوں کو زیادہ مال کے استحقاق کی بنیاد نہیں بنانا چاہئے، لیکن حضرت عمر فاروقؓ چونکہ فرق مراتب اور تفاوت درجات کو ملحوظ رکھتے تھے اس لئے جب وہ مال تقسیم کرتے تھے تو حضرت عائشہ کو زیادہ دیتے۔ اور حضرت حفصہ کو کم اور ان سے (حضرت حفصہؓ) سے فرماتے کہ بیٹی تمہاری بہ نسبت عائشہ کو اس خصوصیت کی بناء پر زیادہ دیتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک وہ (عائشہ) تم سے زیادہ چہیتی تھی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمہارے باپ کی (یعنی میری) بہ نسبت عائشہ کے باپ (یعنی ابوبکرؓ) سے زیادہ تعلق خاطر تھا۔ اسی طرح حضرت عمرؓ اپنے بیٹے حضرت ابن عمر کی بہ نسبت حضرت اسامہ ابن زید کا حصہ زیادہ لگایا کرتے تھے۔ اور ان سے بھی یہی فرماتے تھے کہ اسامہ کو تمہارے اوپر فضیلت حاصل ہے، اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمہاری بہ نسبت اسامہ سے زیادہ تعلق خاطر تھا اور تمہارے باپ سے

زیادہ ان کا باپ آپ کی نظر میں زیادہ محبوب تھا۔

''حمیر'' یمن کے ایک علاقہ کا نام ہے جہاں یمن کے مشہور قبیلۂ حمیر کے لوگ آباد تھے۔ اسی طرح ''سرو'' ایک جگہ کا نام تھا جو ''حمیر'' کے علاقہ میں تھا روایت کے اخیر میں حضرت عمرؓ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے زندہ رکھا اور میری خلافت کے زمانہ میں اسلام کو زیادہ سے زیادہ شہروں اور ملکوں پر غلبہ وتسلط حاصل ہوا اور اس کے نتیجہ میں مال فیٔ بھی بہت ہاتھ لگا تو ان میں سے تمام مسلمانوں کو ان کا حصہ پہنچے گا خواہ وہ کتنے ہی دور دراز شہروں اور دیہاتوں میں کیوں نہ رہتے ہوں، باوجودیکہ اس مال کو حاصل کرنے میں انہیں ذرا سی بھی محنت مشقت برداشت نہ کرنی پڑی ہو۔

## قضیۂ فدک میں حضرت عمرؓ کا استدلال

حضرت مالک بن اوس کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ نے جس بات سے استدلال کیا وہ یہ تھی کہ انہوں نے فرمایا ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تین صفایا تھیں (۱) بنو نضیر (۲) خیبر (۳) فدک، چنانچہ بنو نضیر (کے جلاوطن ہوجانے کے بعد ان کی جو زمین جائداد قبضہ میں آئی تھی اس سے حاصل ہونے والا مال) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخراجات (جیسے مہمانوں کی ضیافت وتواضع اور مجاہدین کے لئے ہتھیار اور گھوڑوں کی خریداری وغیرہ) کے لئے مخصوص تھا فدک کے محاصل ان مسافروں کی امداد واعانت کے لئے مخصوص تھے (جو اگرچہ اپنے وطن میں تو مال رکھتے ہوں مگر سفر کے دوران ان کے پاس مال واسباب ختم ہوگیا ہو) اور خیبر (کے محاصل) کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین حصے کرر کھے تھے۔ اور اس میں سے بھی اہل وعیال کے خرچ سے جو کچھ بچ جاتا اس کو آپ نادار مہاجرین پر خرچ کردیتے تھے۔ (ابوداؤد)

''جس بات سے استدلال کیا الخ'' یعنی جب حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ فدک کے مال کے بارے میں اپنا مطالبہ لے کر حضرت عمرؓ کے پاس آئے تو حضرت عمرؓ نے ان کے مطالبہ کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا، اور جن جائدادوزمینوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذاتی حق تھا۔ (جیسے بنو نضیر خیبر اور فدک کی زمین، جائدادیں) ان کے بارے میں مذکورہ بالا

تفصیل بیان کی اور چونکہ تفصیل کے بیان کے وقت دوسرے صحابہ کرامؓ بھی موجود تھے۔ جن میں سے کسی نے بھی حضرت عمرؓ کی بیان کردہ تفصیل کی تردید نہیں کی۔اس لئے گویا یہ بات ان کے فیصلے کی دلیل قرار پائی اس کے بعد حضرت عمرؓ نے اتنا ضرور کیا کہ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کو فدک کے محاصل کا متولی بنادیا کہ وہ دونوں اس محاصل کو اسی طرح صرف کریں جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف کیا کرتے تھے۔

''صفایا'' صفیہ کی جمع ہے اور ''صفیہ'' اس کو کہتے ہیں کہ امام وقت (اسلامی ممالک کا سربراہ) مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے اس میں سے کوئی چیز چھانٹ کر اپنے لئے مخصوص کرلے یہ بات صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے مخصوص تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مال غنیمت میں سے خمس کے علاوہ اور بھی جو چیز جیسے لونڈی، غلام، تلوار اور گھوڑا وغیرہ چاہتے اس کو لے لینے کا حق رکھتے تھے۔لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی دوسرے امام وقت کے لئے یہ بات جائز نہیں۔

''فدک'' ایک بستی کا نام تھا۔جو خیبر کے مواضعات میں سے تھی، اور مدینہ سے دو روز کے فاصلہ پر واقع تھی یہ ایک سرسبز وشاداب جگہ تھی جہاں زیادہ تر کھجور کے اور تھوڑے بہت دوسرے پھلوں کے باغات تھے۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فدک پر صلح کے ذریعہ تسلط ہوا تھا اور صلح کی بنیاد یہ معاہدہ تھا کہ وہاں کی آدھی زمین تو فدک والوں کی رہے گی اور آدھی زمین پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حق ہوگا۔چنانچہ فدک کی وہ آدھی زمین آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتی ملکیت میں رہی جس کی آمدنی اور پیداوار سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس حدیث کے مطابق محتاج مسافرین کی امداد واعانت فرماتے تھے۔

خیبر کے محاصل کو آپ تین حصوں میں اس لئے تقسیم کرتے تھے کہ خیبر کا علاقہ اصل میں بہت سے مواضعات اور بستیوں پر مشتمل تھا۔ان میں سے بعض گاؤں تو بزور طاقت فتح کئے گئے تھے اور بعض گاؤں جنگ وجدال کے بجائے صلح کے ذیعہ قبضہ واختیار میں آئے تھے۔چنانچہ جو گاؤں بزور طاقت فتح کئے تھے انسے حاصل ہونے والا مال چونکہ ''مال غنیمت'' تھا اس لئے اس میں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خمس لیتے تھے، اور جو گاؤں بذریعہ صلح قبضہ

واختیار میں آئے تھے ان سے حاصل ہونے والا مال چونکہ ''مال فیٔ'' تھا۔ اس لئے وہ تمام تر آپ کی ذاتی ملکیت تھی۔ جس سے آپ اپنی ضروریات، اپنے اہل وعیال کے اخراجات اور عام مسلمانوں کے اجتماعی مفاد ومصالح میں جہاں مناسب سمجھتے صرف کرتے تھے۔ لہٰذا اس بناء پر تقسیم ومساوات کا تقاضا یہی تھا کہ آپ ﷺ خیبر کے سارے مال کو اپنے اور مسلمانوں کے درمیان تقسیم کرنے کے لئے تین حصوں میں کر کے دو حصے مسلمانوں کو دیتے اور ایک حصہ اپنے پاس رکھتے۔

## قضیہ فدک وغیرہ کی تفصیل

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر بن عبدالعزیز ابن مروان بن حکمؒ خلیفہ بنائے گئے۔ تو انہوں نے مروان کے بیٹوں کو جمع کیا اور فرمایا کہ رسول کریم ﷺ فدک (کی زمین وجائداد) پر اپنا ذاتی حق رکھتے تھے جس کے محاصل (آمدنی وپیداوار) کو آپ ﷺ (اپنے اہل وعیال اور فقراء ومساکین پر) خرچ کرتے تھے اسی میں سے بنو ہاشم کے چھوٹے بچوں کی امداد واعانت پر خرچ کر کے ان کے ساتھ حسن سلوک کرتے اور بے شوہر عورتوں اور بغیر زن مردوں کی شادی کرتے تھے۔ (ایک مرتبہ) حضرت فاطمہؓ نے آنحضرت ﷺ سے یہ درخواست کی تھی کہ فدک (کی زمین وجائداد) کو میرے نام کر دیجئے (یا اس کی آمدنی میں سے میرا حصہ بھی مقرر کر دیجئے) لیکن آپ ﷺ نے ان کی درخواست کو رد کر دیا، رسول کریم ﷺ کی زندگی میں ایسا ہی چلتا رہا یہاں تک کہ آپ اس دنیا سے تشریف لے گئے اور جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کو خلیفہ بنایا گیا تو ان کا معمول بھی وہی رہا جو رسول کریم ﷺ کا اپنی حیات مبارک میں رہا تھا۔ (یعنی آنحضرت ﷺ کے مذکورہ معمول کی طرح حضرت ابوبکرؓ بھی فدک کے محاصل کو آنحضرت ﷺ کے اہل وعیال اور بنو ہاشم کے بچوں پر اور غریب مرد وعورتوں کی شادی میں خرچ کرتے تھے) یہاں تک کہ حضرت ابوبکرؓ اللہ کو پیارے ہو گئے اور (ان کے بعد) جب حضرت عمر ب خطابؓ کو خلیفہ بنایا گیا تو اس سلسلہ میں ان کا بھی عمل وہی رہا جو ان دونوں (یعنی آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ) کا رہا تھا یہاں تک کہ حضرت عمرؓ بھی اللہ کو

پیارے ہوگئے۔اور پھر مروان نے (حضرت عثمان کی خلافت کے زمانہ میں یا اپنی حکمرانی میں) اس (فدک) کو اپنی (اور اپنے وارثین) کی جاگیر قرار دے دیا چنانچہ (اب) وہ جاگیر عمر بن عبدالعزیز بن مروان کی ہوگئی ہے۔لیکن میں دیکھتا ہوں کہ جس چیز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیٹی فاطمہ کو نہیں دیا اس کا مستحق میں بھی نہیں ہوسکتا۔لہٰذا میں تمہیں (اپنے اس فیصلے کا) گواہ بناتا ہوں کہ میں نے فدک کو اس کی اسی حیثیت پر واپس کر دیا ہے۔جس پر وہ تھا یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں (جس طریقہ پر اس کے محاصل کو خرچ کیا جاتا تھا۔اب پھر اسی طریقہ پر خرچ کیا جائے گا اور فدک کسی شخص کی ذاتی جاگیر نہیں بنے گا۔(ابوداوٗد)

جیسا کہ پہلے معلوم ہوچکا ہے کہ بنونضیر، فدک، اور خیبر کی زمین جائدادیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتی ملکیت تھیں۔چونکہ وہ زمین جائدادیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بھی باقی رہی تھیں، اس لئے آپ کے اہل بیت اور خاندان کے کچھ افراد نے ان پر اپنی میراث کا دعویٰ کیا، اور خلافت سے اس کا مطالبہ کیا، پھر ان میں آپس میں بھی کچھ اختلافات پیدا ہوئے، اس طرح ان زمین اور جائداد کا قصہ بڑا عجیب وغریب ہوگیا، اگرچہ وہ ایک وقتی قضیہ تھا، جس کی بنیاد کسی غلط جذبہ پر نہ تھی، لیکن پھر بھی بعد کے زمانوں میں کم فہم اور کج رولوگوں نے اس سے غلط نتائج اخذ کرنے شروع کر دیئے، اور من چاہے افسانے تراشے، جس سے دوسرے لوگوں کے ذہن بھی فاسد ہوگئے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کتب صحاح سے منتخب کر کے اس قضیہ کی کچھ تفصیل اور اس کے بارے میں کچھ مزید باتیں نقل کر دی جائیں۔

صحیح بخاری میں حضرت مالک بن اوس ابن حدثان سے منقول ہے کہ وہ کہتے ہیں، ایک مرتبہ عمر ابن خطاب امیر المومنینؓ نے مجھکو اپنے پاس بلا بھیجا، میں ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ان کا غلام ''یرقاء'' آیا اور کہا کہ ابن ابی وقاصؓ دروازہ پر بیٹھے ہوئے ہیں، اور حاضری کی اجازت چاہتے ہیں؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ''آجانے دو'' وہ آگئے، تھوڑی دیر بعد ''یرقاء'' پھر آیا اور کہا کہ ''حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ (حاضری کی) اجازت چاہتے ہیں، اگر حکم ہو تو آنے دیا جائے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ''آنے دو'' جب وہ بھی

آ گئے تو حضرت عباسؓ نے کہا کہ امیر المومنین ! ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کیجئے (یعنی میرے اور علی کے درمیان قضیہ کو نمٹائیے) یہ بنونضیر کے اس مال وجائداد کے بارے میں جھگڑے کی صورت اختیار کرتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے لئے فئی قرار دیا تھا'' پھر جب عباسؓ اور حضرت علیؓ آپس میں ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگے، وہاں موجود دوسرے لوگ (یعنی حضرت عثمانؓ وغیرہ) نے بھی کہا کہ ''ہاں امیر المومنین ! ان دونوں کے معاملہ کا تصفیہ کردیجئے اور ان میں سے ہر ایک کو دوسرے کے جھگڑے سے نجات دلائیے۔'' یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ'' ذرا صبر وسکون سے کام لو'' میں تم کو اس خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس کے حکم سے آسمان وزمین قائم ہیں کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا کہ ہم یعنی انبیاء میراث نہیں چھوڑتے۔ (یعنی ہمارا چھوڑا ہوا مال کسی کا ورثہ نہیں ہوتا ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں صدقہ ہے'' حاضرین نے کہا کہ ہاں! ہم کو یاد ہے، بے شک آپ نے فرمایا تھا'' پھر حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ اور حضرت عباس کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا میں تم دونوں کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم کو معلوم نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا؟ حضرت علیؓ وعباسؓ نے فرمایا کہ ہاں! ہم کو بھی یاد ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا تھا'' حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ'' تو میں تم کو اس بات سے بھی آگاہ کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس مال فئی کے بارے میں اپنے رسول کو وہ خاص خصوصیت عطاء کی تھی جو آپ کے علاوہ کسی کو عطاء نہیں کی گئی، پھر حضرت عمرؓ نے یہ آیت مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ اخیر تک پڑھی اور فرمایا کہ پس یہ سارا مال آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے مخصوص تھا۔ لیکن خدا کی قسم! آپ نے اس مال کو تمہارے پاس جمع نہیں کیا۔ اور نہ اس کے ذریعہ تم پر کوئی ایثار کیا، (بلکہ) آپ وہ مال تمہیں (ہی) دیا کرتے تھے، اور تمہارے درمیان تقسیم کیا کرتے تھے، پھر جو کچھ بچتا اس سے اپنے اہل وعیال کا خرچ چلاتے۔ اس کے بعد بھی جو بچ جاتا اسے آپ نیک کاموں جیسے فقراء اور غرباء کی امداد واعانت، اور عام مسلمانوں کے اجتماعی مفاد ومصالح (جیسے ہتھیاروں اور گھوڑوں وغیرہ کی خریداری میں صرف کرتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی زندگی کے اخیر تک

یہی معمول رہا، پھر آنحضرت ﷺ کی وفات پر حضرت ابوبکرؓ نے یہ کہہ کر کہ ''میں رسول خدا کا خلیفہ ہوں'' اس مال کو اپنے قبضہ میں لے لیا، اور اس کے خرچ وتصرف کا وہی نظام باقی رکھا جو آنحضرت ﷺ نے جاری کیا تھا''۔

اسی موقع پر حضرت عمرؓ، حضرت علی اور حضرت عباسؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ ''تم اس وقت حضرت ابوبکرؓ کا ذکر بُرائی سے کرتے تھے، اور کہا کرتے تھے کہ اس بارے میں ابوبکرؓ صحیح راستے پر نہیں ہیں، حالانکہ تم جو کچھ کہتے تھے ویسا نہ تھا، اور خدا خوب جانتا ہے کہ ابوبکرؓ اپنے اس عمل میں صادق، نیکوکار، ہدایت یافتہ اور حق کے تابع تھے، پھر جب حضرت ابوبکرؓ اللہ کو پیارے ہوگئے (اور میں خلیفہ بنا) تو میں نے کہا کہ میں رسولِ خدا کا خلیفہ اور حضرت ابوبکرؓ کا ولی (جانشین) ہوں اس لئے میں نے اس مال وجائداد کو دو سال تک اپنے اختیار وقبضہ میں رکھا۔ اور اس کے خرچ وتصرف کا وہی نظم وطریقہ اختیار کیا جو آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کا تھا۔ اور خدا خوب جانتا ہے کہ میں اپنی اس بات اور اپنے اس عمل میں صادق، نیکوکار، ہدایت یافتہ اور حق کے تابع ہوں پھر دو سال کے بعد تم دونوں (علیؓ وعباسؓ) میرے پاس آئے اور تم دونوں نے ایک ہی بات کہی (کہ آنحضرت ﷺ کا مال ہم کو دے دو) میں نے (تمہارے مطالبہ کے جواب میں) تم سے کہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ ہم (انبیاء) میراث نہیں چھوڑتے بلکہ ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ (ہوتا) ہے لیکن جب میری سمجھ میں یہ بات آئی کہ مجھے اس مال وجائداد کو تمہارے سپرد کردینا چاہیئے، تو میں نے تم سے کہا کہ ''اگر تم چاہو تو یہ مال وجائداد اس شرط پر تمہارے سپرد کرتا ہوں کہ تم (اس بات کا عہد کرو کہ) اس مال کو خرچ کرنے کا وہی نظم وطریقہ باقی رکھو گے جو آنحضرت ﷺ نے جاری کیا تھا۔ اور جس پر حضرت ابوبکرؓ نے خلیفہ ہونے کے بعد عمل کیا تھا۔ اور اگر تم لوگوں کو یہ شرط منظور نہ ہو تو پھر آئندہ اس بارے میں مجھ سے کوئی بات کرنے کی ضرورت نہیں تم نے (اس شرط کو منظور کیا اور کہا کہ) ''آپ اس مال وجائداد کو اس شرط پر ہمارے حوالہ کردیجئے'' چنانچہ میں نے تمہارے سپرد کردیا (تم لوگوں کو یہ ساری بات اچھی طرح یاد ہوگی) تو کیا تم لوگ اب مجھ

سے یہ چاہتے ہو کہ (اس سلسلے میں جو بات میرے اور تمہارے درمیان طے ہو چکی ہے) میں اس کے خلاف فیصلہ کروں؟ نہیں! اس خدا کی قسم جس کے حکم سے زمین و آسمان قائم ہیں میں قیامت تک بھی اس کے خلاف فیصلہ نہیں کرسکتا۔ ہاں اگر تم اس مال وجائداد کے انتظام سے عاجز آگئے ہو تو اس کو دوبارہ میرے حوالے کردو میں تمہیں اس کے انتظامی جھمیلوں سے بے پرواہ کردوں گا اور خود ہی مشقت اٹھا کر اس کا انتظام کروں گا۔

اس روایت کے راوی امام زہری کہتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کے بارے میں حضرت عروہ ابن زبیر سے بیان کیا تو انہوں نے کہا کہ مالک ؓ ابن اوس نے بالکل صحیح بیان کیا ہے۔ میں نے حضرت عائشہ ؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ رسول کریم ﷺ کی وفات کے بعد (کچھ) ازواج مطہرات نے حضرت عثمان ؓ کو حضرت ابوبکر ؓ کے پاس بھیج کر اس مال وجائداد پر اپنی میراث کا مطالبہ کیا۔ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو مال فئی کے طور پر عطا کیا تھا (جب مجھے یہ معلوم ہوا تو) میں نے ان کی مخالفت کی اور ان سے کہا کہ تمہیں خدا کا خوف محسوس نہیں ہوتا؟ کیا رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد تمہارے علم میں نہیں ہے کہ ''ہم میراث نہیں چھوڑتے بلکہ ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ (ہوتا) ہے۔ تو ایسی صورت میں آل محمد اس میں سے کیسے کھائے گی'' تب ازواج مطہرات آنحضرت ﷺ کی میراث کے مطالبہ سے باز آئیں۔ اور میری بیان کی ہوئی حدیث کی بناء پر انہوں نے رجوع کرلیا۔

حضرت عروہ ؓ کہتے تھے (حضرت عمر ؓ نے جب آنحضرت ﷺ کا وہ صدقہ یعنی بنو نضیر کا وہ مال جو مدینہ میں تھا) اور جن کے بارے میں مذکورہ بالا قضیہ تھا حضرت علی ؓ وحضرت عباس ؓ کی تولیت میں دے دیا تھا۔ تو کچھ دنوں کے بعد حضرت علی ؓ نے حضرت عباس ؓ پر غلبہ حاصل کرکے اس کو تنہا اپنے قبضہ تولیت میں لے لیا تھا۔ ان کے بعد حضرت حسن بن علی ؓ کے قبضہ میں آیا۔ حضرت حسن ؓ کے بعد حضرت حسین ؓ کے قبضہ میں آیا۔ ان کے بعد علی بن حسن ؓ اور حسن ابن حسین ؓ کے قبضہ میں رہا کہ یہ دونوں باری باری اپنے قبضہ میں رکھتے تھے۔ اس کے بعد زید بن حسن کے پاس آیا۔ اور ایمان داری وسچائی کے ساتھ یہ (مال وجائداد) رسول کریم ﷺ کا صدقہ ہی ہے۔ (کسی شخص کی میراث نہیں ہے)

یہ بخاری کی حدیث کا اختصار ہے جس کو انہوں نے کتاب المغازی میں بنونضیر کے واقعہ کے تحت نقل کیا ہے۔ کتاب الخمس میں بھی بعض الفاظ کے فرق کے ساتھ اسی طرح کی حدیث بیان کی ہے۔

یہ روایت بھی بخاری کی ہے کہ حضرت عائشہؓ بیان فرماتی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ اور عباسؓ حضرت ابوبکرؓ کے پاس فدک کی زمین وجائداد اور خیبر کے حصہ کی میراث کا مطالبہ لے کر آئے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان سے فرمایا کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''ہم کسی کو اپنے مال کا وارث نہیں چھوڑتے ہم جو کچھ چھوڑیں صدقہ ہے۔ اس مال میں سے آل محمد کھائے گی؟ خدا کی قسم میرے نزدیک رسول خدا کی قرابت (والوں کے حقوق کی حفاظت کرنا) اوران کے ساتھ حسن سلوک وبھلائی کا معاملہ کرنا اپنے قرابت والوں کے ساتھ حسن سلوک سے زیادہ محبوب اور عزیز ہے۔''

پیچھے جو طویل حدیث نقل کی گئی ہے اور جس میں حضرت عمرؓ کی خدمت میں حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کا اپنا قضیہ لے کر آنے کا ذکر ہے اس کو صاحب جامع الاصول نے بھی اپنی کتاب میں بخاری، ومسلم، ترمذی، ابوداؤد، اور نسائی کے حوالہ سے نقل کیا اور کہا ہے کہ (اس حدیث کے سلسلے میں) ابوداؤد نے یہ وضاحت کی ہے کہ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ سے جو مطالبہ کیا تھا۔ ان کا مقصد صرف یہ درخواست کرنا تھا کہ آپ نے جس مال وجائداد کو مشترکہ طور پر ہم دونوں کی تولیت میں دیا تھا اب اس کو آدھا آدھا کر کے ہم دونوں کی تولیت اور سپردگی میں دے دیجئے، نہ کہ وہ حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد ''ہم (انبیاء) میراث نہیں چھوڑتے'' سے غافل ولاعلم تھے۔ اور واقعۃً ان کا مقصد اس مال وجائداد کو اپنی میراث قرار دینا تھا، چنانچہ ان دونوں کی نیت بھی صادق تھی۔ اور ان کا مطالبہ بھی ایک درست عمل (یعنی اس مال وجائداد کے انتظام میں زیادہ بہتری پیدا کرنے) کے تقاضے کے پیش نظر تھا۔ تاہم اس کے باوجود حضرت عمرؓ نے ان کے مطالبے کو پورا نہ کیا بلکہ انہوں نے یہ واضح کردیا کہ میں اس کو گوارا نہیں کرسکتا کہ کسی بھی صورت میں اس مال وجائداد پر تقسیم کا نام آئے بلکہ اس کو جوں کا توں رکھنا ہی میرے

نزدیک زیادہ ضروری ہے۔

امام بخاریؒ نے کتاب الخمس میں حضرت عروہؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ ان (عروہؓ) سے حضرت عائشہؓ نے بیان فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی صاحبزادی فاطمہؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے یہ مطالبہ کیا کہ ان کو وہ میراث دی جائے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس مال وجائداد میں سے چھوڑ گئے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مال فئی کے طور پر عطا فرمایا تھا" حضرت ابوبکرؓ نے ان کو جواب دیا کہ" (تمہارا یہ مطالبہ قابل تقسیم نہیں ہے کیوں کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے **لانورث ماترکناہ صدقۃً**۔ یعنی ہم انبیاء میراث نہیں چھوڑتے ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہے۔

اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ انہوں نے یہ حدیث بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ وہ مال میرے قبضہ واختیار میں ہے اور جب میں مر جاؤں گا تو اس شخص کے قبضہ واختیار میں ہوگا جو میرے بعد خلافت وامارت کی ذمہ داریاں سنبھالے گا۔ حضرت فاطمہ کو اس بات سے سخت ناگواری ہوئی یہاں تک کہ انہوں نے حضرت ابوبکرؓ سے ہجران (یعنی ترک سلام وکلام) کرلیا اور اپنی وفات تک اسی ترک اسلام وکلام پر قائم رہیں۔ واضح رہے کہ حضرت فاطمہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کے بعد صرف چھ مہینے تک بقید حیات رہیں۔

اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا:

حضرت فاطمہؓ حضرت ابوبکرؓ سے اس مال وجائداد میں اپنے مال وحصہ کا مطالبہ کیا کرتی تھیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خیبر وفدک کی زمین وباغات اور مدینہ میں اپنے صدقہ (یعنی بنونضیر کے مال وجائداد) کی صورت میں چھوڑا تھا۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ نے ان کے اس مطالبہ کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔ اور فرمایا کہ "میں کسی ایسی چیز کو ترک نہیں کروں گا جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا معمول رہا ہو۔ اس مال وجائداد کے معاملہ میں میرا وہی عمل رہے گا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا رہا ہے۔ مجھے خوف محسوس ہوتا ہے کہ اگر میں کسی ایسی چیز پر عمل کرنے سے باز رہوں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم ومنشاء کے مطابق ہے تو یقیناً میرا یہ عمل راہ حق سے اعراض وگریز کے مرادف ہوگا"

چناں چہ (حضرت ابوبکرؓ آخر تک اپنے اسی عمل پر قائم رہے۔ اور پھر ان کی وفات کے بعد) حضرت عمرؓ نے یہ صورت اختیار کی کہ آنحضرت ﷺ نے مدینہ میں جو صدقہ چھوڑا تھا (یعنی بنونضیر کی زمین وجائداد) اس کو تو حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کے سپرد کر دیا (کہ وہ دونوں حضرات مشترکہ طور پر اس کی تولیت کے فرائض انجام دیں) اور خیبر وفدک کی زمین وجائداد کو اپنی تولیت میں رکھا اور فرمایا کہ "یہ رسول خدا کا (چھوڑا ہوا) صدقہ ہے جس سے آپ کے حقوق متعلق تھے" نیز انہوں نے (کسی فرمان یا وصیت کے ذریعہ) ان زمین جائداد کا متولی ونگراں اسی شخص کو قرار دیا جو خلافت وامارت کی ذمہ داریاں سنبھالے چنانچہ وہ اب تک اسی صورت حال کے مطابق ہے!

بہر حال! اس بارے میں اوپر جو احادیث نقل کی گئی ہیں یا وہ احادیث جو اسی مفہوم ومضمون سے متعلق صحاح ستہ میں متعدد طرق واسانید سے منقول ہیں۔ ان سب سے جو بات واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ارشاد گرامی: **لانورث ماترکناہ صدقة** کا صحیح تر ثابت اور معمول بہ ہونا اور آنحضرت ﷺ نے مال وجائداد کی قسم سے کچھ چھوڑا اس کا عام مسلمانوں کے درمیان مشترک ہونا اور ان کے اجتماعی مفاد ومصالح میں خرچ کیا جانا اس کا اس شخص کے قبضہ واختیار میں ہونا جو خلافت وامارت کا منصب سنبھالے ہوئے ہو۔ تمام صحابۂ کرامؓ حتی کہ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کے نزدیک بھی ایک متفق علیہ مسئلہ تھا۔

لیکن یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اس مال وجائداد کو حضرت عباس حضرت علی کی تولیت میں دیا جانا ایک درست عمل اور بہتر طریقہ تھا تو حضرت عمرؓ نے شروع ہی میں یہ صورت اختیار کیوں نہ کر لی اور اگر وہ کوئی درست عمل اور بہتر طریقہ نہیں تھا تو پھر انہوں نے بعد میں اس مال وجائداد کو ان لوگوں کی تولیت میں کیوں دیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ شروع میں ان دونوں کا مطالبہ چونکہ یہ تھا کہ اس مال وجائداد کو ان کی ملکیت میں دے دیا جائے۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے ان کے مطالبہ کو منظور نہیں کیا۔ اور پھر بعد میں جو ان لوگوں کو دیا تو اس کی بنیاد یہ تھی کہ ان لوگوں کو اس مال وجائداد کا مالک نہیں بنایا گیا بلکہ صرف متولی ومنتظم بنایا گیا تھا۔ اور یہ شرط عائد کی گئی تھی کہ اس کو انہی

مصارف میں خرچ کیا جائے گا جن میں آنحضرت ﷺ خرچ کرتے تھے۔ مگر بات یہیں صاف نہیں ہوجاتی بلکہ جیسا کہ خطابیؒ نے فرمایا ہے مسئلہ میں ایک دوسری طرف سے الجھاؤ پیدا ہوتا ہے اور وہ اس سوال کی صورت میں ہے کہ جب حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ نے اس مال وجائداد کو مذکورہ شرط پر قبضہ میں لیا تھا۔ اور ان لوگوں نے یہ اعتراف بھی کیا تھا کہ یہ مال وجائداد آنحضرت ﷺ کا ورثہ نہیں ہے۔ اور جلیل القدر مہاجر صحابہؓ نے اس بات کی تصدیق بھی کی تھی تو پھر آخر ان لوگوں کے درمیان اختلاف وخصومت کی شکل کیوں پیدا ہوئی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس تولیت میں شرکت دونوں ہی پر شاق گزر رہی تھی لہٰذا انہوں نے یہ درخواست کی کہ اس مال وجائداد کو تقسیم کر کے ہر ایک کو ایک ایک حصہ کا منتظم ومتولی بنادیا جائے تا کہ دونوں ایک دوسرے سے کوئی واسطہ رکھے بغیر اپنے اپنے حصہ کی دیکھ بھال اور اس کے خرچ وتصرف کو آزادو یکسوئی کے ساتھ کرتے رہیں۔ لیکن حضرت عمرؓ نے ان کی درخواست کو اس لئے قبول نہیں کیا کہ مبادا یہ تقسیم ملکیت کی صورت کے مشابہ نہ ہوجائے۔ کیوں کہ تقسیم املاک میں ایسا ہوتا ہے چوں کہ فی الوقت نہ سہی لیکن طویل زمانہ گزر جانے پر اس میں خود بخود ملکیت کا شائبہ ہوجائے یہ ممکن ہے۔

حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ سے زیادہ الجھاؤ مسئلہ حضرت فاطمہؓ کا ہے، کیوں کہ ان کے مطالبہ کے بارے میں اگر یہ کہا جائے کہ وہ آنحضرت ﷺ کی اس حدیث اور آپ ﷺ کی اس حدیث اور آپ ﷺ کے اس عمل سے قطعاً لاعلم نہیں۔ تو یہ بات بعید از حقیقت ہوگی اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ بہر حال ممکن ہے کہ انکو آنحضرت ﷺ سے یہ ارشاد سننے کا اتفاق نہ پڑا ہو تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب حضرت ابوبکرؓ نے ان کے سامنے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد بیان فرمایا اور دوسرے صحابہؓ نے بھی اس کی تصدیق کی تو پھر انہوں نے اس بات کو قبول کرنے سے کیوں انکار کیا اور حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ اس قدر ناراضگی کی صورت کیوں اختیار کی یا اگر ناراضگی کی صورت اس حدیث کو سننے سے پہلے پیدا ہوچکی تھی تو سننے کے بعد انہوں نے اس کو ختم کیوں نہیں کیا جس کو اتنا طویل کیا کہ وہ زندگی کے آخری لمحہ تک حضرت ابوبکرؓ سے ترک سلام وکلام پر قائم رہیں؟

کرمانیؒ نے بخاری کی شرح میں اس کا جواب یہ لکھا ہے کہ حضرت فاطمہؓ کی ناراضگی اصل میں ایک ایسی صورت تھی جو ان میں بتقاضائے بشریت پیدا ہوگئی تھی، اور ''ہجران'' سے ہجران محرم یعنی ترک سلام وکلام اور انقطاع تعلق مراد نہیں ہے بلکہ ملنے جلنے سے طبیعت میں انقباض وکوفت کا پیدا ہوجانا مراد ہے۔

علاوہ ازیں بعض روایات میں منقول ہے کہ جب حضرت ابوبکرؓ اور حضرت فاطمہؓ کے درمیان مذکورہ صورت حال پیدا ہوگئی (کہ حضرت ابوبکرؓ کی طرف سے حضرت فاطمہؓ کا مطالبہ تسلیم نہ کئے جانے کی وجہ سے وہ ان سے ناراض ہوگئیں) تو (ایک دن) حضرت ابوبکرؓ حضرت فاطمہؓ کے یہاں تشریف لے گئے اور آفتاب کی سخت گرمی اور دھوپ کی شدید تمازت کے باوجود ان کے دروازے پر کھڑے رہے اور ان سے عذر خواہی کرتے رہے اور یہ فرمایا کہ ''خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت (کے حقوق کی رعایت وحفاظت) مجھے اپنی قرابت سے زیادہ محبوب اور عزیز تر ہے لیکن میں کیا کروں میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس حدیث کو سنا ہے اور میرے دوسرے صحابہؓ اس پر گواہ ہیں'' تب حضرت فاطمہؓ (کا دل صاف ہوگیا اور ان) کی ناراضگی ختم ہوگئی۔

(مظاہر حق جدید ص:۶۴۲ ج:۳ سے ص:۶۵۵ تک، مشکوٰۃ شریف ص:۵۶۰ ج:۲، باب الفئ)

۴۷۱- وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْإِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ أُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝٩ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْإِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ إِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝١٠

**ترجمہ:** اور (نیز) ان لوگوں کا (بھی حق ہے) جو دارالاسلام (یعنی مدینہ) میں اور ایمان میں ان (مہاجرین) کے (آنے کے) قبل سے قرار پکڑے ہوئے ہیں (مراد اس سے انصاری حضرات ہیں اور مدینہ میں ان کا پہلے قرار پکڑنا تو ظاہر

ہے کہ وہ یہیں کے باشندے تھے اور ایمان میں پہلے قرار پکڑنے کا یہ مطلب نہیں کہ سب انصار کا ایمان سب مہاجرین سے مقدم ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ مہاجرین کے مدینہ میں آنے سے پہلے ہی یہ حضرات مشرف باسلام ہو چکے تھے خواہ اصل ایمان ان کا بعض مہاجرین کے ایمان سے موخر ہی ہوا) جو ان کے پاس ہجرت کر کے آتا ہے اس سے یہ لوگ محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو (مال غنیمت وغیرہ میں سے) جو کچھ ملتا ہے اس سے یہ (انصار بوجہ محبت کے) اپنے دلوں میں کوئی رشک نہیں پاتے اور (بلکہ اس سے بھی بڑھ کر محبت کرتے ہیں کہ اطعام وغیرہ میں ان کو) اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اگر چہ ان پر فاقہ ہی ہو (یعنی خود بسا اوقات فاقہ سے بیٹھے رہتے تھے اور مہاجرین کو کھلا دیتے تھے) اور (واقعی) جو شخص اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا جاوے (جیسے یہ لوگ ہیں کہ حرص اور اس کے مقتضاء پر عمل کرنے سے اللہ تعالیٰ نے ان کو پاک رکھا ہے) ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں اور ان لوگوں کا (بھی اس مال فئی میں حق ہے جو دارالاسلام میں یا ہجرت میں یا دنیا میں) ان (مہاجرین وانصار مذکور ہیں کے) بعد آئے (یا آویں گے) جو دعاء کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو (بھی) جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں (خواہ نفس ایمان یا ایمان کامل جو کہ ہجرت پر موقوف تھا) اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ ہونے دیجئے (یہ دعا متقدمین کے علاوہ معاصرین کو بھی شامل ہے) اے ہمارے رب آپ بڑے شفیق و رحیم ہیں۔

**شانِ نزول:** **وَ الَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الْاِيْمَانَ (الی قولہ) حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا**

ارشاد باری **وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ** (سے) **رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ** ⑩ تک یعنی آیت ۶ / ۷ / ۸ / ۹ / ۱۰ میں مال فئی کے مصارف بیان کئے گئے ہیں اور مال فئی کے حق دار اور مستحقین کی وضاحت کے سلسلے میں یہ سب آیات نازل ہوئی ہیں۔

لیکن اس عموم کے ساتھ مذکورہ آیت نمبر ۹ را پنے تئیں ایک پس منظر رکھتی ہے اور وہ یہ ہے کہ جب بنی نضیر کی اراضی مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئی تو انصار صحابہ نے کہا کہ یا رسول اللہ

بنی نضیر کی اراضی جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا کی ہے اسے برابر برابر حصوں میں تقسیم کردی جائے اور نصف اول ہم انصار کو دیدی جائے اور دوسرا آدھا ہمارے مہاجرین بھائی کو دیدی جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مال فئی میں کسی کے حصے نہیں نکل سکتے تاہم تم لوگ اس میں محنت ومشقت کر کے ان اراضی سے فائدہ اٹھا سکتے ہو اور بٹے داری کے طور پر اسے لے سکتے ہو لیکن اصلاً کسی کا اس سے حصہ وابستہ نہیں ہوسکتا اس پر حضرات انصارؓ نے فرمایا کہ آپ کی یہ تجویز ہمیں منظور ہے اور ہم اس سے راضی ہیں اس وقت مذکورہ آیت نمبر ۹/ کا مذکورہ ٹکڑا نازل ہوا۔ (اسباب النزول ص:۲۳۸)

وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ۠ وَ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۚ۝۹

آیت نمبر ۹/ کے اس دوسرے ٹکڑے کا سبب نزول حضرت ابوہریرہ کی زبانی ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصحاب صفہ میں سے ایک شخص کی ضیافت ایک انصاری صحابی کے سپرد فرمائی ان کے پاس صرف اتنا کھانا تھا کہ یہ خود اور ان کے بچے کھا سکیں انہوں نے اپنی بیوی سے فرمایا کہ بچوں کو تو کسی طرح سلا دو اور گھر کا چراغ گل کردو پھر مہمان کے سامنے کھانا رکھ کر برابر بیٹھ جاؤ تاکہ مہمان یہ سمجھے کہ ہم بھی کھا رہے ہیں مگر ہم نہ کھائیں تاکہ مہمان بافراغت کھانا کھا سکے اس پر یہ آیت مذکورہ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ نازل ہوئی۔ (قال الترمذی ھذا حسن صحیح)

اور ترمذی ہی میں حضرت ابوہریرہؓ سے ایک دوسرا واقعہ یہ منقول ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں بھوک سے پریشان ہوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ازواج مطہراتؓ میں سے ایک کے پاس اطلاع بھیجی تو ان کا جواب آیا کہ ہمارے پاس تو اس وقت بجز پانی کے کچھ نہیں دوسری کے پاس پیغام بھیجا وہاں سے بھی یہی جواب آیا پھر تیسری چوتھی یہاں تک کہ تمام امہات المومنین کے پاس بھیجا اور سب کا ایک ہی جواب آیا کہ پانی کے سوا ہمارے پاس کچھ نہیں اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حاضرین

مجلس سے خطاب فرمایا کہ کون ہے جو آج رات اس شخص کی مہمانی کرے؟ ایک انصاری صحابیؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں کروں گا، ان کو ساتھ لے گئے، اور گھر جا کر پوچھا کہ کھانے کے لئے کچھ ہے؟ تو بیوی نے بتلایا کہ صرف اتنا ہے کہ ہمارے بچے کھالیں۔ انصاری بزرگ نے بچوں کو سلا دینے کے لئے فرمایا۔ اور فرمایا کہ مہمان کے سامنے کھانا رکھنے اور خود ساتھ بیٹھ جانے کے بعد اٹھ کر چراغ گل کر دینا تا کہ ہمارے نہ کھانے کا مہمان کو احساس نہ ہو۔ مہمان نے کھانا کھالیا، جب یہ صبح کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اس معاملہ کو جو تم نے گذشتہ رات اپنے مہمان کے ساتھ کیا بہت پسند فرمایا''

اور مہدوی نے ایک ایسا ہی واقعہ ایک انصاری بزرگ کا حضرت ثابت بن قیسؓ کے ساتھ رات چرغ گل کر کے کھانا کھلانے کا ذکر کیا ہے۔ اور تمام واقعات کے ساتھ روایت میں یہ بھی ہے کہ آیت مذکورہ اسی واقعہ کے تحت نازل ہوئی۔

واحدی اور قشیری نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ صحابۂ کرام میں سے ایک بزرگ کو کسی نے ایک بکری کا سر بطور ہدیہ پیش کیا اس بزرگ نے خیال کیا کہ ہمارا فلاں بھائی اور اس کے اہل وعیال ہم سے زیادہ ضرورت مند ہیں لہٰذا یہ سر ان کے پاس بھیج دیا، اس دوسرے بزرگ کے پاس پہنچا تو اسی طرح انہوں نے تیسرے کے پاس، اور تیسرے نے چوتھے کے پاس بھیج دیا یہاں تک کہ سات گھروں میں پھرنے کے بعد پھر پہلے بزرگ کے پاس واپس آ گیا، اس واقعہ پر مذکورہ آیت نازل ہوئی، یہی واقعہ ثعلبی نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے۔

موطا امام مالک میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ ایک مسکین نے ان سے سوال کیا جب کہ ان کے گھر میں صرف ایک روٹی تھی، اور ان کا اس روز روزہ تھا، آپ نے اپنی خادمہ سے فرمایا یہ روٹی اس کو دے دو خادمہ نے کہا کہ اگر یہ روٹی اس کو دیدی گئی تو شام کو آپ کے افطار کے لئے کوئی چیز نہ رہے گی، حضرت صدیقہؓ نے فرمایا کہ پھر بھی دیدو، یہ خادمہ کہتی ہیں کہ جب شام ہوئی تو ایسے شخص نے جس کی طرف سے ہدیہ دینے کی کوئی رسم

نہ تھی ایک سالم بکری بھنی ہوئی، اور اس کے اوپر آٹے میدے کا کھول چڑھا ہوا پختہ جو عرب میں سب سے بہترین کھانا سمجھا جاتا تھا ان کے پاس بطور ہدیہ بھیج دیا۔ حضرت صدیقہؓ نے خادمہ کو بلایا کہ آؤ یہ تمہاری اس روٹی سے بہتر ہے۔

اور نسائی نے حضرت ابن عمرؓ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ وہ بیمار تھے، اور ان کا انگور کھانے کو جی چاہا انکے لئے انگور کا ایک خوشہ خرید کر لایا گیا اتفاق سے ایک مسکین آ گیا، اور سوال کیا آپ نے فرمایا یہ خوشہ اس کو دیدو، چنانچہ دے دیا گیا، حاضرین میں سے ایک اس کے پیچھے گیا اور وہ خوشہ اس سے خرید کر پھر ابن عمرؓ کو پیش کر دیا، وہ سائل پھر آنا چاہ رہا تھا لوگوں نے منع کر دیا، اگر حضرت ابن عمرؓ کو یہ اطلاع ہوتی کہ یہ وہی خوشہ ہے جو انہوں نے صدقہ میں دیا تھا، تو ہرگز نہ کھاتے مگر ان کو یہ خیال ہوا کہ لانے والا بازار سے لایا ہے اس لئے استعمال فرما لیا۔

یہ چند واقعات ہیں جن میں کچھ انصار کے اور کچھ مہاجرین کے ہیں اکثر کے بارے میں کہا گیا ہے کہ آیت ایثار اس واقعہ میں نازل ہوئی مگر ان میں کوئی تضاد و اختلاف نہیں کیوں کہ جس طرح کے واقعہ میں ایک آیت نازل ہو چکی ہے اگر اسی طرح کا کوئی واقعہ دوسرا بھی پیش آ جائے تو یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ اس میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ سبھی واقعات نزول آیت کا سبب اور مصداق ہوئے ہیں۔

وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ أُوتُوا۟ کا تکملہ:

اس جملے کا تعلق اس خاص واقعہ سے ہے جو بنی نضیر کے جلاوطن ہونے اور ان کے باغات اور مکانات پر مسلمانوں کا قبضہ ہونے کے وقت پیش آیا۔

صورت یہ تھی کہ جب مذکورہ آیات میں مال فئی کی تقسیم مہاجرین وانصار وغیرہ میں کرنے کا اختیار نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دے دیا گیا، حالاں کہ یہ وہ وقت تھا کہ مہاجرین کے پاس اپنا نہ کوئی مکان تھا اور نہ جائداد، وہ حضرات انصار کے مکانوں ہی میں رہتے اور انہی کی زمینوں میں محنت اور مزدوری کر کے گزارہ کرتے تھے، جب بنو نضیر، اور بنو قینقاع کے اموال مسلمانوں کو بطور فئی حاصل ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصارِ مدینہ کے سردار ثابت بن قیس بن شماس کو بلا کر فرمایا کہ اپنی قوم انصار کو میرے پاس بلاؤ، انہوں نے پوچھا

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انصار کے اپنے قبیلہ خزرج کو یا سب انصار کو؟ آپ نے فرمایا سب ہی کو بلانا ہے، یہ تمام حضرات جمع ہو گئے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک خطبہ دیا جس میں حمد وثنا کے بعد انصار مدینہ کی اس بات پر مدح فرمائی کہ انہوں نے جو سلوک اپنے مہاجرین بھائیوں کے ساتھ کیا ہے وہ بڑے عزم وہمت کا کام تھا، اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بنونضیر کے اموال آپ لوگوں کو دیدیئے ہیں، اگر آپ چاہیں تو میں ان اموال کو مہاجرین وانصار سب میں تقسیم کردوں، اور مہاجرین حسب سابق آپ کے مکانوں میں قیام پذیر رہیں، اور آپ چاہیں تو یہ بے گھر اور بے زر لوگ ہیں، یہ اموال صرف ان میں تقسیم کردیئے جائیں، اور یہ لوگ آپ کے گھر چھوڑ کر الگ اپنے اپنے گھر بسالیں۔

یہ سن کر انصار مدینہ کے دو بڑے سردار حضرت سعد بن عبادہؓ، اور حضرت سعد بن معاذؓ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری رائے یہ ہے کہ یہ سب اموال بھی مہاجرین بھائیوں میں تقسیم فرمادیجئے، اور یہ پھر بھی ہمارے مکانوں میں بدستور مقیم رہیں، ان کی بات سن کر تمام حاضرین انصار بول اٹھے کہ ہم اس فیصلے پر راضی اور خوش ہیں اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام انصار اور تمام ابنائے انصار کو دعاء دی، اور ان اموال کو صرف مہاجرین میں تقسیم فرمادیا، انصار میں سے صرف دو حضرات کو جو بہت حاجت مند تھے، اس میں سے حصہ عطا فرمایا، یعنی سہل بن حنیف اور ابودجانہ، اور سعد بن معاذ کو ایک تلوار عطا فرمائی جو ابن الحقیق کی ایک ممتاز تلوار تھی۔

(مظہری بحوالہ سبیل الرشاد محمد بن یوسف الصالحی)

آیت مذکورہ میں جو یہ ارشاد فرمایا: وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا. اس میں حاجت سے مراد ہر ضرورت کی چیز ہے، اور مِمَّآ اُوْتُوْا کی ضمیر مہاجرین کی طرف راجع ہے، معنی آیت کے یہ ہیں کہ اس تقسیم میں جو کچھ مہاجرین کو دیدیا گیا، انصار مدینہ نے خوشی سے اس کو قبول کیا، گویا ان کو ان چیزوں کی کوئی حاجت ہی نہیں اس کے بالمقابل جب بحرین فتح ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاہا کہ یہ پورا مال صرف انصار میں تقسیم کردیا جائے مگر انصار نے اس کو قبول نہ کیا، بلکہ عرض کیا کہ ہم اس وقت تک نہ لیں گے جب تک

ہمارے مہاجرین بھائیوں کو بھی اس میں سے حصہ نہ دیا جائے۔(رواہ بخاری عن انس بن مالک از ابن کثیر) [أ]

**وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ذکر المفسرون انواعاً من ایثار الانصار للضیف بالطعام وتعللهم عنه حتی یشح الضیف ثم ذکروا أن الآیة نزلت في ذالک الایثار والصحیح انها نزلت بسبب ایثارهم المهاجرین بالفئی، ثم لا یمتنع أن یدخل فیها سائر الایثار.**

(التفسیر الکبیر ص:۲۸۷ ج:۲۹)

[أ] معارف القرآن ص:۳۷۴-۳۷۵-۳۷۶-۳۷۷ ج:۸/اسباب النزول ص:۲۳۹-۲۳۸/زاد المسیر ص:۲۱۵ تا ۲۱۲ ج:۸/قرطبی فی تفسیر ص:۲۵ ج:۱۸/ابن کثیر ص:۳۰۵-۳۰۴ ج:۴ روح المعانی ص:۵۲-۵۳ ج:۲۸/فتح الباری ص:۶۳۱ ج:۸/المقتطف ص:۲۲۰ ج:۵ معالم التنزیل ص:۳۴۵-۳۴۶ ج:۵/التفسیر الکبیر ص:۲۸۷ ج:۲۹

# سورۃ الممتحنۃ

۴۷۲- يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوۡا عَدُوِّىۡ وَ عَدُوَّكُمۡ اَوۡلِيَآءَ
تُلۡقُوۡنَ اِلَيۡهِمۡ بِالۡمَوَدَّةِ وَ قَدۡ كَفَرُوۡا بِمَا جَآءَكُمۡ مِّنَ الۡحَـقِّ‌ۚ
يُخۡرِجُوۡنَ الرَّسُوۡلَ وَ اِيَّاكُمۡ‌ اَنۡ تُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ رَبِّكُمۡ‌ؕ اِنۡ كُنۡتُمۡ
خَرَجۡتُمۡ جِهَادًا فِىۡ سَبِيۡلِىۡ وَ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِىۡ‌ ۖ تُسِرُّوۡنَ اِلَيۡهِمۡ
بِالۡمَوَدَّةِ ‌ۖ وَ اَنَا اَعۡلَمُ بِمَاۤ اَخۡفَيۡتُمۡ وَمَاۤ اَعۡلَنۡتُمۡ‌ؕ وَمَنۡ يَّفۡعَلۡهُ مِنۡكُمۡ
فَقَدۡ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيۡلِ ① اِنۡ يَّثۡقَفُوۡكُمۡ يَكُوۡنُوۡا لَـكُمۡ اَعۡدَآءً وَّ
يَبۡسُطُوۡۤا اِلَيۡكُمۡ اَيۡدِيَهُمۡ وَاَلۡسِنَتَهُمۡ بِالسُّوۡٓءِ وَوَدُّوۡا لَوۡ
تَكۡفُرُوۡنَ ؕ ② لَنۡ تَنۡفَعَكُمۡ اَرۡحَامُكُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُكُمۡ‌ ۛۚ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ‌ ۛۚ
يَفۡصِلُ بَيۡنَكُمۡ‌ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ ③

**ترجمہ:** اے ایمان والو! تم میرے دشمنوں کو دوست مت بناؤ کہ ان سے دوستی کا اظہار کرنے لگو حالانکہ تمہارے پاس جو دین حق آچکا ہے وہ اس کے منکر ہیں رسول کو اور تم کو اس بناء پر کہ تم اپنے پروردگار پر ایمان لے آئے شہر بدر کر چکے ہیں۔ اگر تم میرے راستے میں جہاد کرنے کی غرض سے اور میری رضامندی ڈھونڈنے کی غرض سے نکلے ہو۔ تم ان سے چپکے چپکے دوستی کی باتیں کرتے ہو حالانکہ مجھ کو سب چیزوں کا خوب علم ہے تم جو کچھ چھپا کر کرتے ہو اور جو ظاہر کر کے کرتے ہو اور جو شخص تم میں ایسا کرے گا وہ راہ راست سے بہک گیا۔ اگر ان کو تم پر دسترس ہوجائے تو اظہار عداوت کرنے لگیں اور تم پر برائی کے ساتھ دست درازی اور زبان درازی کرنے لگیں اور وہ اس بات کے متمنی ہیں کہ تم کافر ہو جاؤ تمہارے رشتہ دار اور اولاد قیامت کے دن تمہارے کام نہ آویں گے۔ خدا تمہارے درمیان فیصلہ

کرے گا اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال کو خوب دیکھتا ہے۔

**شانِ نزول:** تفسیر قرطبی وغیرہ میں قشیری اور ثعلبی کے حوالہ سے مذکور ہے کہ غزوۂ بدر کے بعد فتح مکہ سے پہلے مکہ مکرمہ کی ایک مغنیہ عورت جس کا نام سارہ تھا پہلے مدینہ طیبہ آئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان سے پوچھا کہ کیا تم ہجرت کرکے آئی ہو؟ تو اس نے کہا کہ نہیں، آپ نے پوچھا کیا پھر تم مسلمان ہو کر آئی ہو؟ اس نے اس کا بھی انکار کیا، آپ نے فرمایا کہ پھر یہاں کس غرض سے آئی ہو؟ اس نے کہا کہ آپ لوگ مکہ مکرمہ کے اعلیٰ خاندان کے لوگ تھے۔ آپ ہی میں میرا گزارہ تھا۔ اب مکہ کے بڑے سردار تو غزوۂ بدر میں مارے گئے اور آپ لوگ یہاں چلے آئے ہیں۔ میرا گذارہ مشکل ہو گیا میں سخت حاجت وضرورت میں مبتلا ہو کر آپ سے مدد لینے کے لئے یہاں آئی ہوں آپ نے فرمایا کہ تم مکہ مکرمہ کی پیشہ ور مغنیہ ہو وہ مکہ مکرمہ کے نوجوان کیا ہوئے (جو تجھ پر روپے پیسے کی بارش کرتے تھے) اس نے کہا کہ واقعہ بدر کے بعد (ان کی تقریبات اور جشن طرب ختم ہو چکے ہیں) اس وقت سے کسی نے مجھے نہیں بلایا، چناں چہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بنی عبدالمطلب کو اس کی امداد کرنے کی ترغیب دی۔ انہوں نے اس کو نقد اور پوشاک وغیرہ دے کر رخصت کیا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب صلح حدیبیہ کے معاہدہ کو کفار قریش نے توڑ ڈالا تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کفار مکہ پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کرکے اس کی خفیہ تیاری شروع کر رکھی تھی۔ اور یہ دعاء بھی کی تھی کہ ہمارا راز اہل مکہ پر قبل از وقت فاش نہ ہو ادھر مہاجرین اوّلین میں ایک صحابی حاطب بن ابی بلتعہ تھے جو اصل یمن کے باشندہ تھے، مکہ مکرمہ میں آکر مقیم ہو گئے تھے وہاں ان کا کوئی کنبہ قبیلہ نہ تھا وہیں مسلمان ہو گئے۔ پھر ہجرت کرکے مدینہ طیبہ آ گئے۔ ان کے اہل وعیال مکہ ہی میں مقیم تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور بہت سے صحابہ کرام کی ہجرت کے بعد مشرکین مکہ ان مسلمانوں کی جو مکہ مکرمہ میں رہ گئے تھے ستاتے اور پریشان کرتے تھے۔ جن مہاجرین کے عزیز واقارب مکہ میں موجود تھے ان کو تو کسی درجہ میں تحفظ حاصل تھا۔ حاطب رضی اللہ عنہ کو یہ فکر تھی کہ میرے اہل وعیال کو دشمنوں کی ایذاؤں سے بچانے والا وہاں کوئی نہیں۔ انہوں نے اپنے اہل وعیال کے تحفظ کا موقع غنیمت جانا کہ

اہل مکہ پر کچھ احسان کر دیا جائے تو وہ ان کے بچوں پر ظلم نہ کریں گے۔

ان کو اپنی جگہ پر یقین تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تو حق تعالیٰ فتح ہی عطا فرمائیں گے آپ کو یا اسلام کو یہ راز فاش کر دینے سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا اگر میں نے ان کو کوئی خط لکھ کر اسکی اطلاع کر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارادہ تم لوگوں پر حملہ کرنے کا ہے تو میرے بچوں کی حفاظت ہو جائے گی، یہ غلطی ان سے ہوگئی کہ ایک خفیہ خط اہل مکہ کے نام لکھ کر اس جانے والی عورت سارہ کے سپرد کر دیا۔ (قرطبی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق تعالیٰ نے بذریعہ وحی اس معاملہ کی اطلاع دے دی اور یہ بھی آپ کو معلوم ہو گیا کہ وہ عورت اس وقت روضۂ خاخ کے مقام تک پہنچ چکی ہے۔

صحیحین بخاری و مسلم میں حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اور ابو مرثدؓ اور زبیر بن عوامؓ کو یہ حکم دیا کہ گھوڑوں پر سوار ہو کر اس عورت کا تعاقب کرو وہ تمہیں روضۂ خاخ میں ملے گی، اور اس کے ساتھ حاطب بن ابی بلتعہؓ کا خط بنام مشرکین مکہ ہے اس کو پکڑ کر وہ خط واپس لے لو حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حسب الحکم تیزی کے ساتھ تعاقب کیا اور ٹھیک اسی جگہ جہاں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی تھی اس عورت کو سوار اونٹ پر جاتے ہوئے پکڑ لیا۔ اور ہم نے کہا کہ وہ خط نکالو جو تمہارے پاس ہے اس نے کہا کہ میرے پاس کسی کا کوئی خط نہیں ہے، ہم نے اس کے اونٹ کو بٹھا دیا اس کی تلاشی لی مگر خط ہمیں ہاتھ نہ آیا لیکن ہم نے دل میں کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خبر غلط نہیں ہو سکتی ضرور اس نے خط کو کسی جگہ چھپا دیا ہے، تو اب ہم نے اس سے کہا کہ یہ تو خط نکال دو ورنہ ہم تمہارے کپڑے اتروائیں گے۔

جب اس نے دیکھا کہ اب ان کے ہاتھ سے نجات نہیں ہے تو اپنے ازار میں سے یہ خط نکالا ہم یہ خط لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے، حضرت عمر بن خطابؓ نے واقعہ سنتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ اس شخص نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سب مسلمانوں سے خیانت کی کہ ہمارا راز کفار کو لکھ دیا مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن مار دوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطب بن ابی بلتعہؓ سے پوچھا کہ تمہیں کس چیز نے اس حرکت پر آمادہ کیا؟ حاطب بن ابی بلتعہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ایمان میں اب بھی ذرہ برابر فرق نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ میرے دل میں یہ خیال آیا کہ میں اہل مکہ پر کچھ احسان کردوں تاکہ وہ میرے اہل وعیال کو کچھ نہ کہیں میرے سوا دوسرے حضرات مہاجرین میں کوئی ایسا نہیں جس کا کنبہ قبیلہ وہاں موجود نہ ہو جوان کے اہل وعیال کی حفاظت کرے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطبؓ کا بیان سن کر فرمایا کہ اس نے سچ کہا ہے اس کے معاملہ میں خیر کے سوا کچھ نہ کہو۔ حضرت عمر فاروقؓ نے (اپنی غیرت ایمانی سے) پھر اپنی بات دہرائی اور ان کے قتل کی اجازت مانگی آپ نے فرمایا کہ کیا یہ اہل بدر (یعنی غزوۂ بدر کے شرکاء) میں سے نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سب شرکاء غزوۂ بدر کی مغفرت کا اور ان کے لئے جنت کا اعلان فرمایا ہے۔ یہ سن کر حضرت فاروق اعظمؓ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ہی حقیقت کا زیادہ علم رکھتے ہیں (یہ بخاری کی روایت کتاب المغازی غزوۂ بدر کے بیان میں ہے۔ (ابن کثیر) اور بعض روایات میں حاطبؓ کا یہ قول بھی ہے کہ میں نے یہ کام اسلام اور مسلمانوں کو ضرر پہنچانے کے لئے نہیں کیا کیوں کہ میرا یقین تھا کہ آپ کو فتح ہوگی، اگر اہل مکہ کو خبر بھی ہوگئی تو آپ کو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔

اس واقعہ کی بنا پر سورۂ ممتحنہ کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں جن میں اس واقعہ پر سرزنش، تنبیہ اور مسلمانوں کے کفار کے ساتھ کسی قسم کے دوستانہ تعلقات رکھنے کو حرام قرار دیا گیا۔ [۱]

**فائدہ:** يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَ عَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ

---

[۱] التفسیر الکبیر ص:۲۹۷-۲۹۶ج:۲۹/المقتطف ص:۲۳۰-۲۲۹ج:۵/معارف القرآن ص:۳۹۹تا۴۰۱ج:۸/ابن کثیر ۳۱۰تا۳۱۲ج:۴ اسباب النزول ص:۲۴۰-۳۳۹/زاد المسیر ص:۲۳۰تا۲۳۲ج:۸ فتح الباری ص:۶۳۳-۶۳۴ج:۸،ھکذا فی المسلم الدر المنثور ص:۲۰۲ج:۶/معالم التنزیل ص:۳۶۰-۳۵۹ج:۵/روح المعانی ص:۶۶-۶۵ج:۲۸

اِلَیۡهِمۡ بِالۡمَوَدَّةِ یعنی اے ایمان والوں میرے دشمن اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ کہ تم ان سے دوستی کے پیغام دو۔ اس میں اسی واقعہ مذکورہ کی طرف اشارہ ہے کہ اس طرح کا خط کفار کو لکھنا ان کو دوستی کا پیغام دینا اور آیت میں لفظ کفار کو چھوڑ کر عدوی اور عدوکم کا عنوان اختیار کرنے میں اول تو اس حکم کی علت اور دلیل کی طرف اشارہ ہو گیا کہ اپنے اور خدا کے دشمنوں سے دوستی کی توقع رکھنا سخت دھوکہ ہے اس سے بچو، دوسرے اس طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ کافر جب تک کافر ہے وہ کسی مسلمان کا جب تک کہ وہ مسلمان ہے دوست نہیں ہوسکتا وہ خدا کا دشمن ہے تو مسلمان جو خدا کی محبت کا دعویدار ہے اس سے اس کی دوستی کیسے ہوسکتی ہے۔

وَ قَدۡ کَفَرُوۡا بِمَا جَآءَکُمۡ مِّنَ الۡحَقِّ ۚ یُخۡرِجُوۡنَ الرَّسُوۡلَ وَ اِیَّاکُمۡ اَنۡ تُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ رَبِّکُمۡ ؕ حق سے مراد قرآن یا اسلام ہے اس آیت میں ان کا کفر جو اصل سبب ہے عداوت کا اس کو بیان کرنے کے بعد ان کی ظاہری عداوت کو بھی بتلایا کہ انہوں نے تم کو اور تمہارے رسول کو ان کے وطن عزیز سے نکالا اور اس نکالنے کی وجہ کوئی دنیاوی سبب نہ تھا بلکہ صرف تمہارا ایمان اس کا سبب تھا۔ تو یہ بات کھل گئی کہ جب تک تم مومن ہو وہ تمہارے دوست نہیں ہوسکتے، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جیسا حاطب ؓ نے خیال کیا تھا کہ ان پر کچھ احسان کردوں گا تو وہ میرے اہل وعیال کی حفاظت کریں گے یہ خیال غلط ہے کیوں کہ وہ تمہارے دشمن ایمان کی وجہ سے ہیں جب تک معاذ اللہ! تمہارا ایمان سلب نہ ہو جاوے ان سے کسی دوستی و تعلق کی توقع رکھنا دھوکہ ہے۔

اِنۡ کُنۡتُمۡ خَرَجۡتُمۡ جِهَادًا فِیۡ سَبِیۡلِیۡ وَ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِیۡ ٭ اس میں بھی اشارہ اس طرف ہے کہ تمہاری ہجرت واقعی اللہ کے لئے اور اس کی رضا جوئی کے لئے تھی تو کسی کافر دشمنِ خدا سے اس کی کیسے توقع رکھی جاسکتی ہے کہ وہ تمہاری کوئی رعایت کرے۔

تُسِرُّوۡنَ اِلَیۡهِمۡ بِالۡمَوَدَّةِ ٭ وَ اَنَا اَعۡلَمُ بِمَاۤ اَخۡفَیۡتُمۡ وَ مَاۤ اَعۡلَنۡتُمۡ : اس میں یہ بھی بتلا دیا کہ جو لوگ کفار سے خفیہ دوستی رکھیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ ان کی یہ حرکت پوشیدہ رہ جائے گی اللہ تعالیٰ کو ان کے کھلے اور چھپے ہر حال اور ہر عمل کی خبر ہے جیسا کہ واقعہ مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بذریعہ وحی خبردار کر کے سازش کو ناکام کر دیا۔

اِنۡ يَّثۡقَفُوۡكُمۡ يَكُوۡنُوۡا لَـكُمۡ اَعۡدَآءً وَّيَبۡسُطُوۡۤا اِلَيۡكُمۡ اَيۡدِيَهُمۡ وَاَلۡسِنَتَهُمۡ بِالسُّوۡٓءِ یعنی ان لوگوں سے یہ امید رکھنا کہ وہ موقع پانے کے باوجود تمہارے ساتھ کوئی رواداری برتیں گے اس کا کوئی امکان نہیں۔ ان کو جب کبھی تم پر غلبہ حاصل ہوگا تو ان کے ہاتھ اور زبان تمہاری برائی اور خرابی کے سوا کسی چیز کی طرف نہ اٹھیں گے۔

وَوَدُّوۡا لَوۡ تَكۡفُرُوۡنَ ؕ۲ اس میں اشارہ ہے کہ جب تم ان سے دوستی کا ہاتھ بڑھاؤ گے تو ان کی دوستی صرف تمہارے ایمان کی قیمت پر ہوگی، جب تک تم کفر میں مبتلا نہ ہو جاؤ وہ کبھی تم سے راضی نہ ہوں گے۔

لَنۡ تَنۡفَعَكُمۡ اَرۡحَامُكُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُكُمۡ ۛۚ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ۛۚ يَفۡصِلُ بَيۡنَكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ ۳ یعنی قیامت کے روز تمہارے رشتے ناتے اور تمہاری اولاد تمہارے کام نہ آویں گے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز یہ سب تعلق ختم کر دیں گے۔ اولاد ماں باپ سے اور ماں باپ اولاد سے بھاگے پھریں گے۔ اس میں حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کے عذر کی تردید ہے کہ جس اولاد کی محبت میں مبتلا ہو کر یہ کام کیا تھا سمجھ لو کہ قیامت کے دن وہ اولاد تمہارے کچھ کام نہ آئے گی۔ اور اللہ تعالیٰ سے کوئی راز اور خفیہ چیز چھپنے والی نہیں۔

(معارف القرآن ص:۴۰۱-۴۰۲ ج:۸)

۴۷۳- عَسَى اللّٰهُ اَنۡ يَّجۡعَلَ بَيۡنَكُمۡ وَبَيۡنَ الَّذِيۡنَ عَادَيۡتُمۡ مِّنۡهُمۡ مَّوَدَّةً ؕ وَاللّٰهُ قَدِيۡرٌ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۷

**ترجمہ:** (اور چونکہ ان کی عداوت سن کر مسلمانوں کو فکر ہو سکتی تھی کچھ قطع قرابات سے طبعاً رنج ہو سکتا تھا اس لئے بطور بشارت کے آگے پیشین گوئی فرماتے ہیں کہ) اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ (یعنی ادھر سے وعدہ ہے کہ) تم میں اور ان لوگوں میں جن سے تمہاری عداوت ہے دوستی کر دے (گو بعض ہی سے سہی، یعنی ان کو مسلمان کر دے جس سے عداوت مبدل بہ صداقت ہو جائے) اور (اس کو کچھ بعید نہ سمجھو کیوں کہ) اللہ کو بڑی قدرت ہے (چنانچہ فتح مکہ کے روز بہت سے آدمی خوشی سے مسلمان ہو گئے، مطلب یہ کہ اوّل تو اگر وہ قطع تعلق ہمیشہ کے لئے ہوتا تب بھی بوجہ مامور بہ ہونے کے واجب العمل تھا۔ پھر خاص کر جب کہ تھوڑی ہی

مدت کے لئے کرنا پڑے اور پھر مشارکت فی الایمان سے دوستی اور تعلق بدستور عود کر آوے تو کوئی فکر کی بات نہیں) اور (اب تک جو کسی سے اس حکم کے خلاف خطا ہوگئی ہے جس سے اب وہ تائب ہو چکا ہے تو) اللہ تعالیٰ (اس کے لئے) غفور الرحیم ہے۔

**شانِ نزول:** مذکورہ آیات جو حاطب بن ابی بلتعہؓ کے بارے میں نازل ہوئیں کہ ان آیات میں مشرکین سے موالات اور دوستی سے منع کیا گیا کہ اسلام کے مقابلے میں خواہ کتنے ہی قریب کے قرابت دار کیوں نہ ہوں موالات اور دوستی درست نہیں ہے مزید اس حکم پر یہ کہ عمل کو لازم کرنے کے لئے تحریص ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ اس آیت میں ذکر کیا۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَ مِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫ كَفَرْنَا بِكُمْ وَ بَدَا بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَ الْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَ مَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَ اِلَيْكَ اَنَبْنَا وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝۴

**ترجمہ:** تمہارے لئے ابراہیمؑ میں اور ان میں جو کہ ان کے شریکِ حال تھے ایک عمدہ نمونہ ہے۔ جب کہ ان سب نے اپنی قوم سے کہہ دیا کہ تم سے اور جن کو تم اللہ کے سوا معبود سمجھتے ہو ان سے بیزار ہیں۔ ہم تمہارے منکر ہیں اور ہم میں اور تم میں ہمیشہ کے لئے عداوت اور بغض ظاہر ہو گیا جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ لیکن ابراہیم کی اتنی بات تو اپنے باپ سے ہوئی تھی کہ میں تمہارے لئے استغفار کروں گا اور تمہارے لئے مجھ کو خدا کے آگے کسی بات کا اختیار نہیں (کہ دعا کو قبول کرالوں یا باوجود ایمان نہ لانے کے تم کو عذاب سے بچالوں۔ مطلب یہ ہے کہ اتنی بات تو ابراہیمؑ نے کہی تھی جس کا مطلب تم میں سے بعض لوگ قطع استغفار سمجھ گئے حالانکہ یہاں استغفار کے دوسرے معنی ہیں یعنی ان کے لئے یہ دعا کرنا کہ وہ ایمان لاکر مغفرت کے مستحق بن جائیں جس کی سب کو اجازت ہے اور واقع میں وہ قطع تعلق کے خلاف بھی نہیں مگر ظاہری صورت تعلق اور ظاہری معنی استغفار کے اعتبار سے صورۃً اس کو مستثنیٰ کیا جاتا ہے) اے ہمارے پروردگار ہم آپ پر توکل کرتے

ہیں اور آپ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور آپ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔ (سورۂ ممتحنہ آیت نمبر ۴)

کہ انہوں نے محض دعوت حق کے قبول نہ کرنے کی وجہ سے اپنے والد اور اپنے مکان اپنے جملہ قریبی رشتہ داروں سے علیحدگی اختیار کی تو تمہارے لئے بھی اس باب میں اسوۂ ابراہیمی پر عمل لازمی ہے۔

لیکن چونکہ یہ حکم مسلمانوں پر بہت شاق گزرا اس پر اللہ نے مذکورہ آیت عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّجْعَلَ ---غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ تک نازل فرمائی۔ اور مسلمانوں کو بایں الفاظ اس آیت میں یہ تسلی دی کہ آج جو لوگ کفر پر ہیں اور اس کی وجہ سے وہ تمہارے دشمن ہیں تم ان کے دشمن ہو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس عداوت کو دوستی سے مبدل فرمادیں مطلب یہ ہے کہ ان کو ایمان کی توفیق عطا فرما کر تمہارے تعلقاتِ باہمی کو پھر از سر نو ہموار کردے اس پیشین گوئی کا ظہور فتح مکہ کے وقت اس طرح ہوا کہ بجز ان کفار کے جو قتل کئے گئے اور سب مسلمان ہو گئے (مظہری) قرآن کریم میں اسکا بیان یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا میں کیا گیا ہے کہ یہ لوگ فوج درفوج بڑی تعداد میں اللہ کے دین اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔ اور ایسا ہی ہوا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امّ حبیبہ بنت ابی سفیان سے نکاح فرمایا۔ [1]

علامہ محمود آلوسی صاحب روح المعانی نے اس آیت کا مذکورہ سبب نزول ذکر کرنے کے بعد حضرت ام حبیبہؓ کے نکاح کو اس آیت کے نزول کے بعد تسلیم نہیں کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ اس لئے کہ حضرت ام حبیبہؓ کا نکاح ہجرت حبشہ کے وقت ہوا۔ اور اس آیت کا نزول ۶ھ میں ہوا ہے لہٰذا مذکورہ آیت کے ذیل میں حضرت ام حبیبہؓ کے نکاح کا قصہ ذکر کرنا ظاہر حال کے موافق نہیں اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بھی اس سلسلہ میں اس واقعہ کو تسلیم نہیں کیا ہے صاحب روح المعانی کے اپنے الفاظ یہ ہیں:

[1] اسباب النزول ص: ۲۴۱/ معارف القرآن ص: ۴۰۵ ج: ۸/ بعضًا زاد المسیر ص: ۲۳۵ ج: ۸/ معالم التنزیل ص: ۳۶۲ ج: ۵/ مختصراً التفسیر الکبیر ص: ۳۰۳-۳۰۲ ج: ۲۹/ المقتطف ص: ۲۳۳ ج: ۵/ ابن کثیر ص: ۳۱۴ ج: ۴/ روح المعانی ص: ۷۴ ج: ۲۸)

اخرج عبد بن حميد وابن المنذر، وابن عدي، وابن مردويه، والبيهقي في الدلائل، وابن عساكر من طريق الكلبي عن أبي صالح عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما أنه قال: كانت المودة التي جعل الله تعالىٰ بينهم تزوج النبي ﷺ ام حبيبه بنت ابي سفيان فصارت ام المؤمنين وصار معاوية خال المؤمنين وانت تعلم أن تزوجها كان وقت هجرة الحبشة ونزول هذه الآيات سنة ست من الهجرة فما ذكر لا يكاد يصح بظاهره وفي ثبوته عن ابن عباس مقال!

(روح المعانی ص: ۷۴ ج: ۲۸)

۴۷۴- لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ لَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۞

**ترجمہ:** اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا (مراد وہ کافر ہیں جو ذمی یا صالح ہوں یعنی محسنانہ برتاؤ تو اس میں ذمی یا مصالح کی شرط نہیں بلکہ وہ تو ہر کافر بلکہ جانور کے ساتھ بھی ہے اس آیت میں عدل وانصاف سے مراد محسنانہ برتاؤ ہے۔ اس لئے مصالحین کے ساتھ مخصوص کیا گیا) اللہ تعالیٰ انصاف کا برتاؤ رکھنے والوں سے محبت رکھتے ہیں۔

**شانِ نزول:** صحیح بخاری میں حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیقؓ سے روایت ہے کہ ان کی والدہ بحالت کفر مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ پہنچی (مسند احمد کی روایت میں ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ صلح حدیبیہ کے بعد قریش مکہ سے معاہدۂ صلح ہو گیا تھا اور ان کی والدہ کا نام قتیلہ تھا، یہ اپنی بیٹی اسماء کے لئے کچھ تحفے ہدیئے لے کر مدینہ پہونچیں تو حضرت اسماء نے ان کے تحفے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور اپنے گھر میں آنے کی بھی اجازت اس وقت تک نہ دی جب تک کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت نہ کرلیا) غرض حضرت اسماء نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ میری والدہ مجھ سے ملنے کے لئے آئی ہیں اور وہ کافرہ

ہیں میں ان کے ساتھ کیا سلوک کروں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی والدہ کے ساتھ صلہ رحمی کرو ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

بعض روایات میں ہے کہ حضرت اسماءؓ کی والدہ قتیلہ کو حضرت صدیق اکبرؓ نے زمانہ جاہلیت میں طلاق دیدی تھی حضرت اسماءؓ ان کے بطن سے تھیں۔ اور ان کی بہن ام المومنین حضرت عائشہ صدیق اکبرؓ کی دوسری بیوی ام رومان کے بطن سے تھیں یہ مسلمان ہوگئی تھیں۔ (ابن کثیر ومظہری)

**فائدہ:** اس آیت میں ایسے کفار جنہوں نے مسلمانوں سے مقاتلہ نہیں کیا اور ان کے گھروں سے نکالنے میں بھی حصہ نہ لیا ان کے ساتھ احسان کا معاملہ کیا اور اچھے سلوک اور عدل وانصاف کرنے کی ہدایت دی گئی ہے عدل وانصاف تو ہر کافر کے ساتھ ضروری ہے، جس میں کافر ذمی اور مصالح اور کافر حربی ودشمن سب برابر ہیں۔ بلکہ اسلام میں تو عدل وانصاف جانوروں کے ساتھ بھی واجب ہے کہ ان کی طاقت سے زیادہ ان پر بار نہ ڈالے اور ان کے چارے وآرام کی نگہداشت رکھے اس آیت میں اصل مقصود بر واحسان کرنے کی ہدایت ہے۔

معارف القرآن ص: ۴۰۵ ج:۸ / اسباب النزول ص:۲۴۱ / روح المعانی ص: ۴۷ ج:۲۸ / زاد المسیر ص:۲۳۶ ج:۸ / زاد المسیر میں مذکورہ شان نزول کے علاوہ چار سبب نزول مزید بیان کئے گئے ہیں۔

**الأوّل: انها نزلت في خزاعة وبنى مدلج وكانوا صالحوا رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم على أن لا يقاتلوه، ولا يعينوا عليه احدا قاله ابن عباس وروى عن الحسن البصرى أنها نزلت في خزاعة وبن الحارث بن عبد مناف، وكان بينهم وبين رسول اللهج عهد فداموا على الوفاء به.**

**الثاني: نزلت في قوم من بني هاشم منهم العباس قاله عطية العوفي ومرة.**

**الثالث: انها عامة في جميع الكفار وهي منسوخة بقوله تعالى (فاقتلوا المشركين حيث وجدتموهم) (التوبة: ۵) قاله قتاده.**

الرابع: نزلت في النساء والصبيان حكاه الزجاج.
(زاد المسير ص:۲۳۶-۲۳۷ ج:۸)

اعلم: فلا تعارض بين اقوال مختلفة لان معنى الآية تشتمل جميع الصورة قد ذكرت هذا البحث في مقدمة الكتاب تفصيلا فمن شاء فليراجع ثمه. [أ]

۴۷۵- يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِذَا جَآءَكُمُ ٱلْمُؤْمِنَٰتُ مُهَٰجِرَٰتٍ
فَٱمْتَحِنُوهُنَّ ۖ ٱللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَٰنِهِنَّ ۖ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَٰتٍ فَلَا
تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى ٱلْكُفَّارِ ۖ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ ۖ وَ
ءَاتُوهُم مَّآ أَنفَقُوا۟ ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَن تَنكِحُوهُنَّ إِذَآ
ءَاتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ۚ وَلَا تُمْسِكُوا۟ بِعِصَمِ ٱلْكَوَافِرِ وَسْـَٔلُوا۟ مَآ أَنفَقْتُمْ
وَلْيَسْـَٔلُوا۟ مَآ أَنفَقُوا۟ ۚ ذَٰلِكُمْ حُكْمُ ٱللَّهِ ۖ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۚ وَٱللَّهُ عَلِيمٌ
حَكِيمٌ ۝١٠ وَإِن فَاتَكُمْ شَىْءٌ مِّنْ أَزْوَٰجِكُمْ إِلَى ٱلْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَـَٔاتُوا۟
ٱلَّذِينَ ذَهَبَتْ أَزْوَٰجُهُم مِّثْلَ مَآ أَنفَقُوا۟ ۚ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ٱلَّذِىٓ أَنتُم بِهِۦ
مُؤْمِنُونَ ۝١١

**ترجمه:** اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آویں تو تم ان کا امتحان کرلیا کرو ان کے ایمان کو اللہ ہی خوب جانتا ہے پس اگر ان کو مسلمان سمجھو تو ان کو کفار کی طرف واپس مت کرو۔ نہ تو وہ عورتیں ان کافروں کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ کافر ان عورتوں کے لئے حلال ہیں۔ اور ان کافروں نے جو کچھ خرچ کیا ہو وہ ان کو ادا کرو اور تم کو ان عورتوں سے نکاح کرنے میں کچھ گناہ نہ ہوگا جب کہ تم ان کا مہر ان کو دیدو۔ اور تم کافر عورتوں کے تعلقات کو باقی مت رکھو اور جو کچھ تم نے خرچ کیا ہو مانگ لو اور جو کچھ ان کافروں نے خرچ کیا ہو وہ مانگ لیں یہ اللہ کا حکم ہے وہ تمہارے درمیان فیصلہ کرتا ہے۔ اور اللہ بڑا علم اور حکمت والا ہے۔ اور تمہاری بیبیوں میں سے کوئی بیوی کافروں میں رہ جانے سے تمہارے ہاتھ

[أ] المقتطف ص:۲۳۴ ج:۵/ معنا ابن کثیر ص:۳۱۵ ج:۵، معالم التنزیل ص:۳۶۳ ج:۵/ التفسیر الکبیر ص:۳۰۳ ج:۲۹ معنا

نہ آئے تمہاری نوبت آوے تو جن کی بیبیاں ہاتھ سے نکل گئیں جتنا انہوں نے خرچ کیا تھا اس کے برابر تم کو ان کو دیدو۔ اور اللہ سے کہ جس پر تم ایمان رکھتے ہو ڈرتے رہو۔

**شانِ نزول:** سورۂ فتح میں حدیبیہ کا واقعہ تفصیل سے آچکا ہے جس میں بالآخر قریش مکہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان ایک معاہدہ صلح دس سال کے لئے لکھا گیا۔ اس معاہدہ کی بعض شرطیں ایسی تھیں جن میں دب کر صلح کرنے اور مسلمانوں کو بظاہر مغلوبیت محسوس ہوئی تھی، اسی لئے صحابۂ کرام میں اس پر غم کا اظہار ہوا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باشارات ربانی یہ محسوس فرما رہے تھے کہ اس وقت کی چند روزہ مغلوبیت بالآخر ہمیشہ کے لئے فتح مبین کا پیش خیمہ بننے والی ہے اس لئے قبول فرمالیا۔ اور پھر سب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی مطمئن ہو گئے۔

اس صلح نامہ کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر مکہ مکرمہ سے کوئی آدمی مدینہ جائے گا تو آپ اس کو واپس کر دیں گے اگر چہ وہ مسلمان ہی ہو اور اگر مدینہ سے کوئی آدمی مکہ مکرمہ چلا جائے گا تو قریش مکہ اس کو واپس نہ کریں گے۔ اس معاہدہ کے الفاظ عام تھے جس میں بظاہر مرد وعورت دونوں داخل تھے یعنی کوئی مسلمان مرد عورت جو بھی مکہ مکرمہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آجائے اس کو آپ واپس کر دیں گے۔

جس وقت یہ معاہدہ مکمل ہو چکا اور ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقام حدیبیہ میں تشریف فرما تھے کئی واقعات پیش آئے جو مسلمانوں کے لئے بہت صبر آزما تھے جن میں ایک واقعہ ابوجندل رضی اللہ عنہ کا ہے جن کو قریش مکہ نے قید میں ڈالا تھا۔ وہ کسی طرح ان کی قید سے چھوٹ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچ گئے صحابۂ کرام ان کو دیکھ کر بہت تشویش ہوئی کہ معاہدہ کی رو سے ان کو واپس کیا جانا چاہئے اور ہم اپنے مظلوم بھائی کو پھر ظالموں کے ہاتھ میں دیدیں یہ کیسے ہوگا؟

مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معاہدہ تحریر فرما چکے تھے۔ اور اصول شریعت کی حفاظت اور ان پر پختگی کو ایک فرد کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے تھے اور اس کے ساتھ آپ کی چشم بصیرت عنقریب ان سب مظلوموں کی فاتحانہ نجات کا بھی گویا مشاہدہ کر رہی تھی۔ طبعی رنج وتکلیف تو ابوجندل کی واپسی میں آپ کو بھی یقیناً ہوا، مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاہدہ کی پابندی کی بناء پر ان کو سمجھا بجھا کر رخصت کر دیا۔

اسی کے ساتھ ایک دوسرا واقعہ یہ پیش آیا کہ سعیدہ بنت الحارث الاسلمیہؓ جو مسلمان تھیں لیکن صیفی بن انصب کے نکاح میں تھیں جو کافر تھے بعض روایات میں ان کا نام سافر المخزومی بتلایا گیا ہے (اس وقت تک مسلمانوں اور کفار میں رشتہ طرفین سے حرام نہیں ہوا تھا) یہ مسلمان عورت مکہ سے بھاگ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں ساتھ ہی ان کا شوہر بھی حاضر ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ میری عورت مجھے واپس کی جائے کیوں کہ آپ نے یہ شرط قبول کرلی ہے اور ابھی تک معاہدہ کی مہر بھی خشک نہیں ہوئی ہے۔

اس واقعہ پر مذکورہ آیات نازل ہوئیں جن میں دراصل مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان عقد مناکحت کو حرام قرار دیا گیا اور اس کے نتیجہ میں یہ بھی کہ جو مسلمان عورت خواہ اس کا مسلمان ہونا پہلے سے معلوم ہو جیسے سعیدہ تھیں، یا بوقت ہجرت اس کا مسلمان ہونا صحیح طور سے ثابت ہو جائے وہ اگر ہجرت کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچ جائے اس کو کفار کے قبضہ میں نہ دیا جائے کیوں کہ وہ اپنے کافر شوہر کے لئے حلال نہیں (تفسیر قرطبی میں یہ واقعہ حضرت ابن عباس کی روایت سے نقل کیا گیا ہے)

غرض ان آیات کے نزول نے یہ واضح کر دیا کہ صلح نامہ کی یہ شرط کہ ''جو بھی مسلمان آپ کے پاس پہنچے آپ واپس کریں گے'' اپنے لفظی عموم کے ساتھ جس میں مرد عورت دونوں داخل ہیں صحیح نہیں یہ شرط صرف مردوں کے حق میں قبول کی جاسکتی ہے۔ عورتوں کے معاملہ میں یہ شرط قابل قبول نہیں۔ ان کے بارے میں صرف اتنا کیا جاسکتا ہے کہ ''جو عورت مسلمان ہو کر ہجرت کرے اس کے کافر شوہر نے جو کچھ اس پر مہر کی صورت میں خرچ کیا ہے وہ خرچ اس کو واپس کیا جائے'' ان آیات کی بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شرط کے مفہوم کو واضح فرما دیا۔ اور اس کے مطابق سعیدہ کو واپس نہیں کیا۔

بعض روایات میں ہے کہ ام کلثوم بنت عقبہ بن معیط مکہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچ گئیں ان کے خاندان کے لوگوں نے واپسی کا مطالبہ عموم شرط کی وجہ سے کیا اس پر مذکورہ آیات نازل ہوئیں، اور بعض روایات میں ہے کہ ام کلثوم عمرو بن عاص کے نکاح میں تھیں جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے یہ اور ان کے ساتھ ان کے دو بھائی مکہ سے

بھاگ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے اور ساتھ ہی عمرو بن عاص شوہر ام کلثوم وغیرہ نے آکر ان کی واپسی کا مطالبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا آپ نے شرط کے مطابق ان کے دونوں بھائی عمار اور ولید کو تو واپس کر دیا مگر ام کلثوم کو واپس نہیں فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ یہ شرط مردوں کے لئے تھی عورتیں اس میں شامل نہیں اس پر یہ آیات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کے لئے نازل ہوئیں۔

اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچنے والی دوسری عورتوں کے بھی کچھ واقعات روایات میں مذکور ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ ان میں کوئی تضاد اس لئے نہیں ہوسکتا کہ ممکن ہے کہ یہ سب ہی واقعات پیش آئے ہوں۔

مذکورالصدر روایت سے تو معلوم ہوا کہ معاہدہ کی شرط کے الفاظ اگرچہ عام تھے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک وہ عورتوں کے لئے عام اور شامل نہیں تھے اس لئے آپ نے اس کی وضاحت وہیں حدیبیہ کے مقام پر فرمادی اور اسی کی تصدیق میں مذکورہ آیتیں نازل ہوئیں۔

اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے تو اس شرط کو عموم کے ساتھ قبول فرمالیا تھا جس میں عورتیں بھی شامل تھیں ان آیات کے نزول نے اس عموم کو منسوخ قرار دیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش مکہ پر اسی وقت واضح کر دیا کہ عورتیں اس شرط میں داخل نہ ہوں گی چنانچہ عورتوں کو آپ نے واپس نہیں فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ یہ صورت نہ نقص عہد کی تھی (عہد میں کمی اور کوتاہی کرنے کی) جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی امکان ہی نہ تھا، اور نہ یہ نبذ عہد کی صورت تھی۔ یعنی معاہدہ کو ختم کر دینے بلکہ ایک شرط کی وضاحت کا معاملہ تھا۔ خواہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مراد پہلے ہی سے ہو یا نزول آیت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عموم کو صرف مردوں تک محدود رکھنے کے لئے فرمادیا ہو بہرحال ہوا یہ کہ اس کی توضیح کے بعد بھی معاہدہ صلح کو طرفین نے قبول کیا اور اس پر ایک مدت تک طرفین سے عمل ہوتا رہا۔ اس صلح کے نتیجہ میں راستے مامون ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ملوکِ دنیا کے نام خطوط بھیجے اور اسی کے نتیجہ میں ابوسفیان کا قافلہ بے فکری کے ساتھ ملک شام تک پہنچا ہرقل نے ان

کو اپنے دربار میں بلا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات وواقعات کی تحقیق کی۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس شرط صلح کے عام الفاظ میں عورتوں کا شامل ہونا خواہ پہلے ہی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر میں تھا یا نزول آیت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں کو اس عموم سے خارج کیا بہرصورت کفار قریش اور مسلمانوں کے درمیان یہ معاہدہ اس وضاحت کے بعد بھی مکمل ہی سمجھا گیا اور ایک عرصہ تک اس پر عمل ہوتا رہا اس لئے اس شرط کی وضاحت کو نقص عہد یا نبذ عہد میں داخل نہیں کیا جا سکتا۔ (واللہ اعلم)

**نوٹ:** آیت ۱۱ / کا شانِ نزول فائدہ کے تحت آ رہا ہے۔ [ا]

**فائدہ:** يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا جَآءَكُمُ ٱلۡمُؤۡمِنَٰتُ مُهَٰجِرَٰتٖ فَٱمۡتَحِنُوهُنَّۖ ٱللَّهُ أَعۡلَمُ بِإِيمَٰنِهِنَّۖ مراد آیت کی یہ ہے کہ عورتوں کو شرط صلح سے مستثنیٰ ہونے کی وجہ ان کا مسلمان اور مومن ہونا ہے۔ مکہ سے مدینہ آنے والی عورتوں میں احتمال اس کا بھی تھا کہ ان میں سے کوئی اسلام وایمان کی خاطر نہیں بلکہ اپنے شوہر سے ناراضی کے سبب یا مدینہ کے کسی شخص سے محبت کے تحت یا کسی دنیوی غرض سے ہجرت کر کے آگئی ہو وہ عند اللہ اس شرط سے مستثنیٰ نہیں بلکہ اس کو واپس کرنا شرط صلح کے تحت ضروری ہے اسلئے مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ ہجرت کر کے آنے والی عورتوں کے ایمان کا امتحان لو اس کے ساتھ ہی یہ جملہ فرمایا کہ ٱللَّهُ أَعۡلَمُ بِإِيمَٰنِهِنَّۖ اس میں اشارہ کر دیا گیا کہ حقیقی اور اصل ایمان کا تعلق تو انسان کے دل سے ہے۔ جس پر اللہ کے سوا کسی کو اطلاع نہیں۔ البتہ آدمی کے زبانی اقرار اور قرائن سے ایمان کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے بس مسلمان اسی کے مامور ومکلف ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے امتحان کا طریقہ یہ تھا کہ مہاجر عورت سے حلف لیا جاتا تھا کہ وہ اپنے شوہر سے بغض ونفرت کی وجہ سے نہیں آئی اور نہ مدینہ کے کسی

[ا] اسباب النزول ص:۲۴۱/زاد المسیر ص:۲۳۹-۲۳۸ج:۸،معالم التنزیل ص: ۲۶۴-۲۶۵ج:۵/المقتطف ص:۲۳۵-۲۳۴ج:۵،ابن کثیر ص:۲۱۵ تا ۲۱۷ج:۴/تخریج الکشاف ص:۱۶۸،التفسیر الکبیر ص:۳۰۵ج:۲۹/روح المعانی ص:۷۷ج:۲۸/معارف القرآن ص:۴۱۰ تا ۴۱۲ج:۸/ تفسیر احمدیہ ص:۴۷۱،فتح الباری ص:۶۳۶ج:۸/مشکوٰۃ شریف ص:۳۵۴ج:۲/باب الصلح الفصل الاول۔

آدمی کی محبت کی وجہ سے اور نہ کسی دنیوی غرض سے بلکہ اس کا آنا خالص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ورضا جوئی کے لئے ہے جب یہ حلف کر لیتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو مدینہ میں رہنے کی اجازت دیدیتے۔ اوراس کا مہر وغیرہ جو اس نے اپنے شوہر سے وصول کیا تھا وہ اس کے شوہر کو واپس دے دیتے۔ یعنی عام مسلمان و **سیاتی تفصیلہ**۔

اور حضرت عائشہ سے ترمذی میں روایت ہے جس کو ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ان کے امتحانِ کی صورت وہ بیعت تھی جس کا ذکر اگلی آیت میں تفصیل سے آرہا ہے **اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ** الآیۃ گویا آنے والی مہاجر عورتوں کے امتحان کا طریقہ ہی یہ تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک پر ان چیزوں کا عہد کریں جو اس بیعت کے بیان میں آگے آرہی ہیں۔ اور یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ ابتدائی طور پر پہلے وہ کلمات ان سے کہلوائے جاتے ہوں جو بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہ اوپر ذکر کئے گئے ہیں۔ اور اس کی تکمیل اس بیعت سے ہوتی ہو جس کا آگے ذکر ہے۔ (واللہ اعلم)

**فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ**: یعنی جب بطرز مذکور ان مہاجرات کے ایمان کا امتحان لے کر تم ان کو مومن قرار دیدو تو پھر ان کو کفار کی طرف واپس کرنا جائز نہیں۔

**لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ** : یعنی نہ یہ عورتیں کافر مردوں پر حلال ہیں اور نہ کافر مردان کے لئے حلال ہوسکتے ہیں کہ ان سے دوبارہ نکاح کرسکیں مسئلہ اس آیت نے یہ واضح کردیا کہ جو عورت کسی کافر کے نکاح میں تھی اور پھر وہ مسلمان ہوگئی تو کافر سے اس کا نکاح خود بخود ختم ہوگیا۔ یہ اسکے لئے اور وہ اس کے لئے حرام ہوگئے اور یہی وجہ عورتوں کو شرط صلح میں واپسی سے مستثنیٰ کرنے کی ہے اب وہ اپنے کافر شوہر کے لئے حلال نہیں رہی۔

**وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا**: یعنی مہاجر مومنہ کے کافر شوہر نے اسکے نکاح میں جو مہر وغیرہ اس کو دیا ہے وہ سب اس کے شوہر کو واپس دیا جائے کیوں کہ شرط صلح سے مستثنیٰ صرف عورتوں کی واپسی تھی جو بوجہ ان کے حرام ہوجانے کی نہیں ہوسکتی مگر جو مال انہوں نے ان کو دیا ہے وہ حسبِ شرط واپس کردینا چاہیئے اس مال کی واپسی کا خطاب مہاجر عورتوں کو نہیں کیا

گیا کہ تم واپس کرو بلکہ عام مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ واپس کریں کیوں کہ بہت ممکن بلکہ غالب یہ ہے کہ جو مال ان کے شوہر نے ان کو دیا ہو وہ ختم ہو چکا ہو۔اب ان سے دلانے کی صورت ہی نہیں ہوسکتی اسلئے یہ فریضہ عام مسلمانوں پر ڈال دیا گیا کہ معاہدہ صلح کو پورا کرنے کے لئے اس کی طرف سے کافر شوہروں کا مال واپس کر دیں اگر بیت المال سے دیا جاسکتا ہے تو وہاں سے ورنہ عام مسلمانوں کے چندے سے دیں۔(من القرطبی)

**وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ**: پچھلی آیت میں یہ واضح ہو چکا ہے کہ ہجرت کر کے آنے والی مسلمان عورت کا نکاح اس کے کافر شوہر سے ختم ہو چکا ہے اور یہ اس پر حرام ہو چکی ہے تو اس آیت میں اسی حکم کی تکمیل یہ ہے کہ اب مسلمان مرد سے اس کا نکاح ہوسکتا ہے۔اگرچہ سابق شوہر کافر زندہ بھی ہے اور اس نے طلاق بھی نہیں دی ہے مگر شرعی حکم سے نکاح فسخ ہو چکا ہے اس لئے دوسرے مرد سے اس کا نکاح حلال ہو گیا۔

کافر مرد کی بیوی مسلمان ہو جاوے تو نکاح فسخ ہو جانا آیت مذکورہ سے معلوم ہو چکا لیکن دوسرے کسی مسلمان مرد سے اس کا نکاح کس وقت جائز ہو گا؟ اس کے متعلق امام ابو حنیفہ کے نزدیک اصل ضابطہ یہ ہے کہ جس کافر مرد کی عورت مسلمان ہو جاوے تو حاکم اسلامی اس کے شوہر کو بلا کر کہے کہ اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو نکاح برقرار رہے گا۔ورنہ نکاح فسخ ہو جائے گا۔اگر وہ اس پر بھی اسلام لانے سے انکار کرے تو اب دونوں میں فرقت کی تکمیل ہو گئی اس وقت وہ کسی مسلمان مرد سے نکاح کر سکتی ہے۔مگر یہ ظاہر ہے کہ حاکم اسلام کا شوہر کو حاضر کرنا وہیں ہوسکتا ہے جہاں حکومت اسلامی ہو۔دارالکفر یا دارالحرب میں ایسا واقعہ پیش آئے تو شوہر سے اسلام کے لئے اور اس کے انکار کی صورت نہیں ہو گی جس سے دونوں میں تفریق کا فیصلہ کیا جاسکے اس لئے اس صورت میں زوجین کے درمیان تفریق کی تکمیل اس وقت ہو گی جب یہ عورت ہجرت کر کے دارالاسلام میں آجائے۔یا مسلمانوں کے لشکر میں آجائے۔ دارالاسلام میں آنے کی صورت مذکورہ واقعات میں مدینہ طیبہ پہنچنے کے بعد ہوسکتی ہے۔اور لشکرِ اسلام حدیبیہ میں بھی موجود تھا۔اس میں پہنچنے سے بھی اس کا تحقق ہو جاتا ہے۔جس کو فقہاء کی اصطلاح میں اختلاف دارین سے تعبیر کیا گیا ہے۔یعنی جب کافر مرد اور اس کی

مسلمان بیوی کے درمیان دارین کا فیصلہ ہوجائے یعنی ایک دارالکفر میں ہے اور دوسرا دارالاسلام میں تو یہ تفریق مکمل ہو کر عورت دوسرے سے نکاح کے لئے آزاد ہوجاتی ہے۔

اور اس آیت میں جو اِذَآ اٰتَیۡتُمُوۡهُنَّ اُجُوۡرَهُنَّ کو بطور شرط کے فرمایا کہ تم ان سے نکاح کرسکتے ہو۔ بشرطیکہ ان کے مہر دے دو۔ یہ درحقیقت نکاح کی شرط نہیں کیوں کہ باتفاقِ امت نکاح کا انعقاد دائمی مہر پر موقوف اور مشروط نہیں۔ البتہ نکاح پر مہر کی ادائیگی واجب ولازم ہے۔ یہاں اس کو بطورِ شرط کے شاید اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ ابھی ایک مہر تو اس کے کافر شوہر کو واپس کرایا جاچکا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اب اس سے نکاح کرنے والے مسلمان یہ سمجھ بیٹھیں کہ مہر تو دیا جاچکا اور جدید مہر کی ضرورت نہیں، اس لئے فرمادیا گیا کہ اس مہر کا تعلق پچھلے نکاح سے تھا۔ دوسرا نکاح ہوگا تو اس کا جدید مہر لازم ہے۔

وَلَا تُمۡسِكُوۡا بِعِصَمِ الۡكَوَافِرِ: عصم عصمت کی جمع ہے اس کے اصلی معنی حفاظت اور استحکام کے ہیں۔ مراد اس سے وہ عقد نکاح وغیرہ ہے جس کی حفاظت کی جاتی ہے۔

کوافر جمع کافرہ کی ہے اور مراد اس سے مشرکہ عورت ہے کیوں کہ کتابیہ سے نکاح کی اجازت قرآن کریم میں منصوص ہے [1] مراد آیت کی یہ ہے کہ اب تک جو مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان مناکحت کی اجازت تھی وہ ختم کردی گئی اب کسی مسلمان کا نکاح مشرک عورت سے جائز نہیں، اور جو نکاح پہلے ہوچکے ہیں وہ بھی ختم ہوچکے اب کسی مشرک عورت کو اپنے نکاح میں روکنا حلال نہیں۔

اس وقت یہ آیت نازل ہوئی تو جن حضرات صحابہؓ کے نکاح میں کوئی مشرک عورت تھی اس کو چھوڑ دیا حضرت فاروق اعظمؓ کے نکاح میں دو مشرک عورتیں اس وقت تک تھیں جو بوقت ہجرت مکہ مکرمہ میں رہ گئی تھیں حضرت فاروق اعظمؓ نے یہ آیت نازل ہونے کے بعد دونوں کو طلاق دیدی۔ (رواہ البغوی بسند الزهری، کذا فی المظہری) اور طلاق سے مراد اس جگہ چھوڑ دینا اور قطع تعلق کرلینا ہے اصطلاحی طلاق کی یہاں ضرورت نہیں کیوں کہ اس آیت کے ذریعہ نکاح ٹوٹ چکا ہے۔

---

[1] البتہ موجودہ دور کی کتابیہ سے نکاح کرنے میں تفصیلات ہیں، اہل فتویٰ سے رجوع کرنا چاہیے۔ (راقم)

وَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا : یعنی جب معاملہ یہ ٹھہرا کہ جو عورت مسلمان ہوکر ہجرت کرکے مدینہ آجائے تو وہ واپس مکہ نہ بھیجی جائے گی البتہ اس کے شوہر وغیرہ نے جو مہر اس کو دیا ہے وہ اس کے شوہر کو دیا جائے گا اسی طرح اگر کوئی مسلمان عورت معاذ اللہ مرتد ہوکر مکہ معظّمہ چلی جائے یا پہلے ہی سے کافر ہوکر مسلمان شوہر کے قبضہ سے نکل جائے (خلاصہ تفسیر میں اس صورت کو شاید اسلئے اختیار کیا گیا ہے کہ ایسا کوئی واقعہ پیش ہی نہیں آیا کہ کوئی مسلمان عورت مرد ہوکر مکہ چلی گئی ہو اور پھر وہیں کافر ہوکر رہ گئی ہو۔ ہاں ایسے واقعات پیش آئے کہ جو پہلے ہی سے کافر تھی وہ اپنے مسلمان شوہر کے قبضہ سے نکل کر مکہ ہی میں رہ گئی) کفار مکہ اس کو واپس نہیں کریں گے مگر اس کے مسلمان شوہر نے جو مہر وغیرہ اس کو دیا ہے اس کی واپسی کفار مکہ کے ذمہ ہوگی اس لئے ان معاملات کا تصفیہ باہمی حساب فہمی سے کرلیا جائے طرفین سے جو کچھ مہر وغیرہ میں خرچ کیا گیا ہے وہ دریافت کرکے اس کے مطابق لین دین کرلیں۔

اس حکم پر مسلمانوں نے تو بہ طیب خاطر عمل کیا کہ احکام قرآن کی پابندی ان کے نزدیک فرض ہے۔ اسلئے جتنی عورتیں ہجرت کرکے آئیں سب کے مہر وغیرہ ان کے کافر شوہروں کو واپس بھیج دیئے گئے۔ مگر کفار مکہ کا قرآن پر ایمان نہ تھا، انہوں نے عمل نہ کیا۔ اس پر پچھلی آیت نازل ہوئی۔ (ذکرہ البغوی عن الزہری مظہری احمدیہ)

وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ : عاقبتم معاقبہ سے مشتق ہے جس کے ایک معنی انتقام اور بدلہ لینے کے ہیں یہاں یہ معنی بھی مراد ہوسکتا ہے (کمارُوی عن قتادہ ومجاہد، قرطبی) اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ مسلمانوں کی کچھ عورتیں اگر کفار کے قبضہ میں آجائیں تو شرط صلح کے ماتحت کفار پر لازم تھا کہ ان کے مسلمان شوہروں کا دیا ہوا مہر وغیرہ واپس کریں جیسا کہ مسلمانوں کی طرف سے مہاجرات کے کافر شوہروں کو ان کا مہر واپس کیا گیا لیکن جب کفار نے ایسا نہ کیا اور مسلمان عورتوں کے مہر ان کو واپس نہ کئے تو ان کے اس عمل کا اگر تم انتقام اور بدلہ لو اس طرح کہ کفار مکہ کو جو رقم مہاجرات کے مہر کی ادا کرنی تھی تم بھی وہ اپنے حق کے مطابق روک لو اور اسکا حکم یہ ہے کہ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ

اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا ؕ یعنی تم اس رقم میں سے جو مہاجرات کے مہر کی روک لی گئی ہے ان مسلمان شوہروں کے خرچ کئے ہوئے مہر وغیرہ ادا کرو جن کی عورتیں کفار مکہ کے قبضہ میں آ گئی ہیں۔

دوسرے معنی **عاقبتم، عقبتم، اعقبتم** کے جنگ میں مال غنیمت حاصل کرنے کے ہیں اور اس آیت میں لفظ **عاقبتم** کی یہ تینوں قرآتیں بھی مختلف قراء سے منقول ہیں۔ حضرت قتادہ ومجاہد سے ان تینوں لفظوں کے معنی غنیمت کے بھی منقول ہیں، اس صورت میں آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ جن مسلمان شوہروں کی عورتیں کفار کے قبضہ میں چلی گئیں اور شرط صلح کے مطابق کفار نے ان کا مہر مسلمان شوہر کو ادا نہیں کیا پھر مسلمانوں کو مال غنیمت حاصل ہوا تو ان شوہروں کا حق مال غنیمت سے ان کو ادا کر دیا جائے۔ (قرطبی)

اس آیت میں جس معاملے کا حکم بیان کیا گیا ہے اس کا واقعہ بعض حضرات کے نزدیک صرف ایک ہی پیش آیا تھا کہ حضرت عیاض بن غنم قریشی کی بیوی ام الحکم بنت ابی سفیان مرتد ہو کر مکہ مکرمہ چلی گئی تھی اور پھر یہ بھی اسلام کی طرف لوٹ آئی۔

اور حضرت ابن عباس ؓ نے کل چھ عورتوں کا اسلام سے انحراف اور کفار کے ساتھ مل جانا ذکر فرمایا ہے۔ جن میں سے ایک تو یہی ام الحکم بنت ابی سفیان تھیں اور باقی پانچ عورتیں وہ تھیں جو ہجرت کے وقت ہی مکہ مکرمہ میں رک گئیں اور پہلے ہی سے کافرہ تھیں۔ جب قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی جس نے مسلم و کافرہ کے نکاح کو توڑ دیا اس وقت بھی وہ مسلمان ہونے کے لئے تیار نہ ہوئیں۔ اس کے نتیجہ میں یہ بھی ان عورتوں میں شمار کی گئیں جن کا مہر ان کے شوہروں کو کفار مکہ کی طرف سے واپس ملنا چاہئے تھا جب انہوں نے نہیں دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مال غنیمت سے انکا یہ حق ادا کیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ مدینہ سے مکہ چلے جانے اور مرتد ہونے کا تو صرف ایک ہی واقعہ تھا۔ باقی پانچ عورتیں پہلے ہی سے کفر پر تھیں اور کفر پر قائم رہنے کی وجہ سے وہ مسلمانوں کے نکاح سے اس آیت کی بنا پر نکل گئیں اس لئے ان کو بھی اس ضمن میں شمار کیا گیا ہے۔ اور ایک عورت جس کا مرتد ہو کر مکہ چلے جانا مذکور ہوا ہے یہ بھی بعد میں مسلمان

ہوگئیں (قرطبی) اور بغوی نے یہ روایت ابن عباس سے نقل کی ہے کہ باقی پانچ عورتیں جو اس میں شمار کی گئیں ہیں وہ بھی بعد میں مسلمان ہوگئیں۔ (مظہری)

(معارف القرآن ص: ۴۱۲-۴۱۶ ج: ۸)

فائدہ کے تحت جو مضامین ذکر کئے گئے ہیں ان مضامین کو مذکورہ بالا حوالوں میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

۴۷۶- وَاِنْ فَاتَكُمْ شَیْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ الخ.

آیت کریمہ کا ترجمہ اوّلاً دسویں آیت کے ساتھ ذکر کر دیا گیا ہے اور شانِ نزول بھی فائدہ کے تحت بیان ہو چکا ہے۔ حوالے سابق میں مذکور ہو چکے ہیں۔

۴۷۷- یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَكَ عَلٰۤى اَنْ لَّا یُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَیْـًٔا وَّ لَا یَسْرِقْنَ وَ لَا یَزْنِیْنَ وَ لَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَ لَا یَاْتِیْنَ بِبُهْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَهٗ بَیْنَ اَیْدِیْهِنَّ وَ اَرْجُلِهِنَّ وَ لَا یَعْصِیْنَكَ فِیْ مَعْرُوْفٍ فَبَایِعْهُنَّ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۲﴾

**ترجمہ:** اے پیغمبر جب مسلمان عورتیں آپ کے پاس آویں کہ آپ سے ان باتوں پر بیعت کریں کہ اللہ کے ساتھ کسی شئے کو شریک نہ کریں گی۔ اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی اور نہ کوئی بہتان کی اولاد لاویں گی جس کو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان بنالیویں۔ اور مشروع باتوں میں وہ آپ کے خلاف نہ کریں گی۔ تو آپ ان کو بیعت کرلیا کیجئے اور ان کے لئے اللہ سے مغفرت طلب کیجئے بے شک اللہ غفور الرحیم ہے۔

**شانِ نزول:** جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے مکہ فتح کیا تو مردوں سے بیعت فرمائی۔ اور عورتیں بھی بیعت کے لئے حاضر ہوئیں، اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئیں۔ اور یہ بتلایا کہ عورتوں سے کن کن چیزوں پر بیعت لینی چاہئے ان تمام چیزوں کی وضاحت اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ میں واضح انداز میں فرمادی۔ (زاد المسیر ص: ۲۴۴: ج: ۸)

اور وہ عورت جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں اولاً بیعت کے لئے حاضر ہوئی وہ ہند بنت عتبہ تھی، البتہ آیت کا حکم عام ہے۔ لیکن اس موقع کے علاوہ بھی عورتوں کے بیعت

کے سلسلے میں روایت ملتی ہے۔ لیکن صلح حدیبیہ کے موقع پر عورتوں سے بیعت لینا ثابت نہیں ہے جب کہ مفتی شفیع صاحبؒ نے اپنی کتاب معارف القرآن میں لکھا ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر عورتوں سے بیعت لی گئی ہے۔ جو درست نہیں کیوں کہ اس بارے میں کوئی روایت ان کی تائید میں نہیں ہے۔ ہاں اس کے بعد فتح مکہ سے پہلے عورتوں سے بیعت لینا ثابت ہے جیسا کہ حضرت عائشہ کی روایت ہے فرماتی ہیں:

**عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت في بيعة النساء أن رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم كان يمتحنهن بهذا الآية يا ايها النبي إذا جاءک المومنات يبايعنک فمن اقرت بهذا الشرط منهن قال لها قد بايعنک كلاما يكلمها به والله ما مست يده يدا إمرأة قط في المبالغة متفع عليه. (مشکوٰۃ شریف ص: ۲: ۳۵۴)**

حضرت عائشہؓ عورتوں کی بیعت کے بارے میں فرماتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان عورتوں کو (جو مکہ سے آتیں اور قبولیت اسلام کا اظہار کرتیں) اس آیت کریمہ کی روشنی میں پرکھتے تھے۔ یَاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَكَ الخ اے نبی جب مومن عورتیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیعت کے لئے حاضر ہوں الخ چنانچہ ان میں سے جو عورت اس آیت میں مذکورہ شرائط کو ماننے کا اقرار کرتی آپ اس سے فرماتے کہ میں نے تم کو بیعت کیا دراں حالیکہ آپ گفتگو کرتے مگر خدا کی قسم کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ نے کسی عورت کو بیعت کیا ہو اور اس کے ہاتھ کو آپ کے ہاتھ نے چھوا ہو۔

(بخاری و مسلم شریف، مشکوٰۃ شریف ص: ۳۵۴ ج: ۲)

''آپ اس آیت کریمہ کی روشنی میں عورتوں کو پرکھتے تھے'' یعنی اس آیت میں عورتوں کے لئے جس احکام کی پابندی کو بیعت کی شرط قرار دیا گیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان عورتوں سے ان احکام پر عمل کرنے کا عہد کراتے جب وہ عہد و اقرار کرلیتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو بیعت کرتے چنانچہ اس پوری آیت کا مفہوم و مضمون یہ ہے کہ مسلمان عورتیں ان شرائط پر (یعنی ان احکام پر عمل کرنے کی) بیعت کریں کہ وہ (عورتیں) کسی ذات اور کسی چیز کو خدا کا شریک نہیں مانیں گی (یعنی ہر طرح کے شرک سے کلیۃً اجتناب کریں گی) چوری

نہیں کریں گی، زنا کی مرتکب نہیں ہوں گی اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی (جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں رواج تھا کہ بیٹیوں کو مارڈالا جاتا تھا) کسی پر تہمت نہیں لگائیں گی اور عصیان نہیں کریں گی (یعنی خدا اور اس کے رسول کے احکام سے روگردانی نہیں کریں گی) اس اعتبار سے یہ آیت اس آیت کریمہ کی تفسیر ووضاحت ہے جو پہلے گزر چکی ہے یعنی یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَکُمُ الخ۔

باقی یہ شبہ کہ صاحب مشکوٰۃ نے بیعت سے متعلق اس حدیث کو باب صلح میں کیوں بیان کیا؟ تو اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحابہؓ سے بیعت لینے کا بھی مرحلہ آیا تھا جو ''بیعت الرضوان'' کے نام سے مشہور ہے اور قرآن کریم نے بھی اس کو آیت لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ الخ میں بیان کیا ہے اسی مناسبت سے عورتوں کی بیعت سے متعلق اس حدیث کو یہاں نقل کیا گیا ہے اگرچہ صلح حدیبیہ کے موقع پر عورتوں سے بیعت نہیں لی گئی تھی [1] امام رازی فتح مکہ کے بعد بیعت کی تفصیل جو نزول آیت کا باعث ہوئی اس طرح بیان فرماتے ہیں:

**روی أن النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لما فرغ یوم فتح مکة من بیعة الرجال أخذ في بیعة النساء وهو علی الصفا وعمر أسفل منه یبایع النساء بأمر رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ویبلغهن عنه، وهند بنت عتبه أمرأة ابی سفیان متقنعة متنکرة خوفا من رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أن یعرفها فقال علیه السلام "أبایعکن علی أن لا تشرکن بالله شیئا فرفعت هند رأسها وقالت والله لقد عبدنا الأضام وأنک لتأخذ علینا أمرا ما رأیناک أخذته علی الرجال تباع الرجال علی الإسلام والجهاد فقط فقال علیه السلام ولا تسرفن، فقالت هند أن أبا سفیان رجل شحیع وأني اصبت من ماله هناة فما ادری اتحل لي أم لا؟ فقال ابو سفیان ما اصبت من شئی فیما مضی وفیما غبر فهو لک حلال فضحک رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وعرفها فقال لها وإنک لهند بنت عتبه، قالت نعم فاعف عما سلف یا نبي الله عفا الله عنک فقال ولا تزنین**

[1] مظاہر حق جدید ص: ۲۳۶-۲۳۵ ج: ۴-

فقالت أتزن الحرة وفي رواية ما زنت منهن امرأة قط. فقال ولا تقتلن اولادكن فقالت ربيناهم صغارًا او قتلتهم كباراً فأنتم وهم اعلم وكان انبها حنظلة بن ابى سفيان قد قتل يوم بدر فضحك عمر رضي الله عنه حتى استلقى وتبسم رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فقال ولا تأتين ببهتان تفترينه، وهو أن تقذف على زوجها ما ليس منه فقالت هند، والله أن البهتان لأمر قبيح وما تأمرنا إلا بالرشد ومكارم الاخلاق فقال ولا تعصيني في معروف فقالت، والله ما جلسنا مجلسنا هذا وفي أنفسنا أن نعصيك في شئى. (التفسير الكبير ص: ۳۰۸-۳۰۷ ج: ۲۹)

مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد، مردوں کی بیعت سے فارغ ہونے کے بعد کوہِ صفا پر عورتوں سے بیعت لی اور پہاڑ کے دامن میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے الفاظ کو دہرا کر نیچے جمع ہونے والی عورتوں کے پاس پہنچا رہے تھے۔ جو اس بیعت میں شریک تھیں۔ اس وقت بیعت ہونے والی عورتوں میں ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ بھی داخل تھیں جو شروع میں حیا کی وجہ سے اپنے چہرے کو چھپائے ہوئے تھی۔ اس خوف سے کہ کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے پہچان نہ لیں (کیوں کہ یہ وہی عورت ہے جس نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ اور دل چبایا تھا گو نگل نہ سکی تھی) پھر جب بیعت میں کچھ احکام کی تفصیل آئی تو بولنے پر مجبور ہوگئی چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان عورتوں سے فرمایا کہ میں تم سے اس شرط پر بیعت کرتا ہوں کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کروگی ہند بنت عتبہ نے سر اٹھایا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری زندگی تو بتوں کی پرستش میں گزری ہے اس کے بعد عرض کیا کہ کیا بات ہے میں آپ کو دیکھ رہی ہوں کہ مردوں سے جس چیز پر بیعت لیتے ہیں عورتوں سے اس بارہ میں بیعت نہیں لیتے کہ مردوں سے تو صرف اسلام اور جہاد پر بیعت لیتے ہیں اور ہم عورتوں سے ایسا نہیں کرتے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم عورتوں سے اس شرط پر بیعت کرتا ہوں کہ تم چوری بھی نہیں کروگی اس پر ہند بنت عتبہ نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرا شوہر ابوسفیان بخیل اور کنجوس آدمی ہے تو چوری چھپے اس کے علم کے بغیر میں اس کے مال میں سے

اپنے خرچ کے لئے بغیر اس کی اجازت کے لے لیتی ہوں تو ایسا مال میرے لئے حلال ہے یا حرام؟ (ہند بنت عتبہ جس وقت یہ کہہ رہی تھیں اس وقت اس کا شوہر ابوسفیان وہیں پر موجود تھا) تو ابوسفیان نے کہا کہ جو کچھ تو نے لیا اور خرچ کیا اس پر تو کوئی مواخذہ نہیں اور جو باقی ہے وہ تیرے لئے حلال ہے ابوسفیان کی اس بات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرا دیے اور ہند بنت عتبہ کو پہچان لیا پھر فرمایا کہ تو ہند بنت عتبہ ہے؟ اس نے کہا ہاں یا رسول اللہ! اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو ہوا سو ہوا اسے اللہ کے واسطے معاف فرما دیجئے اور درگزر کر دیجئے اللہ آپ کو معاف کرے گا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم عورتوں سے اس شرط پر بیعت کرتا ہوں کہ تم زنا نہ کرو گی اس پر ہند بنت عتبہ نے کہا کہ کیا آزاد عورتیں بھی زنا کرتی ہیں، ایک روایت میں ہے کہ جن عورتوں کو آپ بیعت کر رہے تھے انہوں نے کبھی زنا نہیں کیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بیعت کی ایک شرط یہ ہے کہ تم اپنی اولاد کو قتل نہ کرو گی۔ ہند بنت عتبہ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ ایام طفولیت میں تو اس کی پرورش کریں اور جب پل بڑھ کر جوان ہو جائے تو اسے قتل کر دیں البتہ آپ حضرات اس بارے میں زیادہ جانتے ہیں۔ اس جملہ سے ہند بنت عتبہ کا اشارہ اپنے لڑکے حنظلہ بن ابی سفیان کی جانب تھا۔ جو غزوۂ بدر میں مارا گیا۔ ہند بنت عتبہ کی اس بات سے حضرت عمرؓ اتنے ہنسے کہ لوٹ پوٹ ہونے لگے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی مسکرائے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان عورتوں سے فرمایا کہ بیعت کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ کسی پر بہتان نہیں لگاؤ گی کہ تم اپنے اس بچہ کو جو تمہارے شوہر سے نہیں ہوا، اپنے شوہر کی طرف منسوب کرو۔ اس پر ہند نے کہا کہ یقینا بہتان بہت قبیح امر ہے آپ ہمیں اچھی باتوں اور مکارم اخلاق کی بابت بھی بتائیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ معروف چیزوں میں میری نافرمانی نہیں کرو گی اس پر ہندہ نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں آپ کی صحبت میسر ہو اور پھر ہم آپ کی نافرمانی کریں ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ (اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی)

خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ آیت: يَآأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ الخ فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اول مردوں سے بیعت کی اور اس کے

بعد کوہِ صفا کے دامن میں عورتوں سے۔ دوسری بات یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں سے بیعت نہیں لی ہے جیسا کہ مشکوٰۃ شریف اور مظاہر حق جدید کے مضمون سے معلوم ہوا البتہ حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ سے پہلے جو عورتیں ہجرت کر کے مدینہ آئی ہیں ان سے بیعت فرمائی ہے۔ طریقہ بیعت مذکور ہوا۔ امام رازی کی بھی تحریر سے یہ معلوم ہوا کہ آیت کا نزول فتح مکہ کے بعد ہوا اور اس مرتبہ بھی مردوں کے ساتھ عورتوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیعت فرمائی۔ [ا]

۴۷۸- يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَتَوَلَّوْا۟ قَوْمًا غَضِبَ ٱللَّهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوا۟ مِنَ ٱلْءَاخِرَةِ كَمَا يَئِسَ ٱلْكُفَّارُ مِنْ أَصْحَٰبِ ٱلْقُبُورِ ﴿۱۳﴾

**ترجمہ:** اے ایمان والو! ان لوگوں سے (بھی) دوستی مت کرو جن پر اللہ تعالیٰ نے غضب فرمایا ہے (مراد اس سے یہود ہیں **لقوله في المائدة من لعنه الله وغضب عليه الخ**) کہ وہ آخرت کے (خیر وثواب) سے ایسے ناامید ہو گئے ہیں جیسا کفار جو قبروں میں (مدفون) ہیں (خیر وثواب آخرت سے) ناامید ہیں۔ (جو کافر مرجاتا ہے بوجہ اس کے کہ اس کو آخرت کا معائنہ ہو جاتا ہے حقیقت امر پر یقین کے ساتھ مطلع ہو جاتا ہے کہ اب میری بخشش ہرگز نہ ہو گی۔ چونکہ حسب آیت **یعرفونه کما یعرفون ابناءهم** آپ کی نبوت کو اور اسی طرح مخالف نبی کے کافر او رغیر ناجی ہونے کو خوب جانتے ہیں۔ گو عار وحسد کی وجہ سے اتباع نہ کرتے تھے اس لئے ان کو دل سے یقین تھا کہ ہم ناجی نہیں گو شیخی کے مارے ظاہرا اس کے خلاف کرتے ہوں پس حاصل یہ ہوا کہ جن کی گمراہی ایسی مسلم ہے کہ وہ خود بھی دل سے اس کو تسلیم کرتے ہیں اور ایسے گمراہوں سے تعلق رکھنا کیا ضروری ہے، اور یہ نہ سمجھا جاوے کہ جو گمراہ اشد درجہ کا نہ ہو اس سے دوستی جائز ہے جواز دوستی سے تو مطلق کفر مانع ہے مگر اس صفت سے وہ عدم جواز اور شدید جاوے گا اور شاید تخصیص یہود کی اس جگہ اس لئے ہو کہ مدینہ میں یہود زیادہ تھے اور دوسرے وہ لوگ شریر

[ا] **معالم التنزیل ص:۳۶۸-۳۶۷ج:۵/القتطف ص:۲۳۷-۲۳۶ روح المعانی ص:۸۱ ج:۲۸ ابن کثیر ص:۳۱۹ ج:۴/التفسیر الکبیر ص:۳۰۸-۳۰۷ ج:۲۹/تفسیرات احمدیہ ص:۷۴۳: مختصراً**

ومفسد بھی بہت تھے۔

**شانِ نزول:** مذکورہ آیت غریب صحابہ اور غریب مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی کہ یہ حضرات یہود سے مسلمانوں کی رازدارانہ باتیں اس غرض سے کہہ دیا کرتے تھے کہ ان کے باغات سے پھل اور کھانے وغیرہ کی چیزیں مل جایا کریں گی اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ اور اس طرح کے موالات اور دوستی سے منع کر دیا گیا۔ [1]

۞۞۞

[1] زاد المسير ص: ۲۴۷ ج: ۸، اسباب النزول ص: ۲۴۲، الدر المنثور ص: ۲۱۱ ج: ۶، معالم التنزيل ص: ۳۷۰ ج: ۵، المقتطف ص: ۲۳۸ ج: ۵، روح المعانی ص: ۸۲ ج: ۲۸، التفسير الكبير ص: ۳۰۹ ج: ۲۹، ابن كثير ص: ۳۲۰ ج: ۴، معنا۔

# سورۃ الصف

اس سورت کو سورۂ حوارییں بھی کہتے ہیں۔اور اس سورت کے مکی اور مدنی ہونے کے سلسلے میں دو قول ہیں:

۱-حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، اور حضرت حسن، اور حضرت مجاہد، اور حضرت عکرمہ، اور حضرت قتادہ اور جمہور فرماتے ہیں کہ یہ سورت مدنی ہے۔

۲-اور حضرت ابن یسار فرماتے ہیں کہ یہ سورت مکی ہے۔(زادالمسیر ص:۲۴۹:ج:۸)

۴۷۹-سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۞ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۞ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۞

**ترجمہ:** سب چیزیں اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں (قولا یا حالا) جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور وہی زبردست حکمت والا ہے (پس جو ایسا باعظمت ہو کہ اس کی اطاعت ہر حکم میں ضروری ہے جن میں سے ایک حکم جہاد کا ہے۔ جو اس سورت میں مذکور ہے جس کے نزول کا سبب یہ ہے کہ ایک بار بعض مسلمانوں نے باہم تذکرہ کیا کہ اگر ہم کو کوئی ایسا عمل معلوم ہو جو حق تعالیٰ کے نزدیک نہایت محبوب ہو تو ہم اس کو عمل میں لاویں اور اس سے قبل جنگ احد میں بعضے جہاد سے بھاگ چکے تھے جس کا قصہ سورۂ آل عمران میں ہے۔ اور نیز وقت نزول حکم جہاد کے بعض کو وہ حکم گراں گزرا تھا جس کا قصہ سورۂ نساء میں ہے۔ اس پر یہ ارشاد نازل ہوا) اے ایمان والو ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو خدا کے نزدیک یہ بات بہت ناراضی کی ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔

**شانِ نزول:** ترمذی نے حضرت عبداللہ بن سلام سے روایت کیا ہے، اور حاکم نے اسے روایت کر کے سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ کہ صحابۂ کرام کی ایک جماعت نے باہم یہ تذکرہ کیا کہ اگر ہمیں یہ معلوم ہوجائے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب عمل کون سا ہے تاکہ ہم اس پر عمل کریں؟ بغوی نے یہ نقل کیا ہے کہ ان حضرات میں سے بعض نے یہ الفاظ بھی کہے کہ اگر ہمیں احب الاعمال عند اللہ معلوم ہوجائے تو ہم اپنی جان و مال سب اسی کے لئے قربان کردیں (مظہری)

ابن کثیر نے بحوالہ مسند روایت کیا ہے کہ چند حضرات صحابہؓ نے آپس میں جمع ہوکر یہ تذکرہ کیا، اور چاہا کہ کوئی صاحب جاکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا سوال کرے، مگر کسی کو ہمت نہ ہوئی ابھی یہ لوگ اسی حالت پر تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب لوگوں کو نام بنام اپنے پاس بلایا (جس سے معلوم ہوا کہ آپ کو بذریعہ وحی ان کا اجتماع اور ان کی گفتگو معلوم ہوگئی تھی) جب یہ سب لوگ حاضر خدمت ہوگئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری سورت پڑھ کر سنائی جو اسی وقت آپ پر نازل ہوئی تھی۔

اس سورت نے یہ بھی بتلادیا کہ احب الاعمال جس کی تلاش میں یہ حضرات تھے وہ جہاد فی سبیل اللہ ہے اور ساتھ ہی ان حضرات نے جو ایسے کلمات کہے تھے کہ اگر ہمیں معلوم ہوجائے تو ہم اس پر عمل کرنے میں ایسی ایسی جانبازی دکھائیں وغیرہ جن میں ایک قسم کا دعویٰ ہے کہ ہم ایسا کر سکتے ہیں۔ اس پر ان حضرات کو یہ تنبیہ کی گئی کہ کسی مومن کے لئے ایسے دعوے کرنا درست نہیں اسے کیا معلوم کہ وقت پر وہ اپنے ارادے کو پورا کر بھی سکے گا یا نہیں۔ اس کے اسباب کا جمع ہونا اور موانع کا زائل ہونا اس کے اختیار میں نہیں پھر خود اس کے دست و بازو اور اعضاء و جوارح بلکہ قلبی عزم و ارادہ میں سے کوئی چیز بھی بالکلیہ اس کے قبضہ میں نہیں اسی لئے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی قرآن میں یہ تلقین کی گئی ہے کہ جو کام آپ کو آئندہ کل میں کرنا ہو اگر اس کو بیان کرنا ہے تو انشاء اللہ کی قید کے ساتھ بیان کرو کہ اگر اللہ نے چاہا تو میں فلاں کام کروں گا (لَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۝ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ) صحابۂ کرامؓ کی نیت و قصد خواہ دعوے کا نہ ہو مگر صورت دعویٰ کی تھی وہ اللہ

کے نزدیک پسند نہیں کہ کوئی شخص کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرے بجز اس کے کہ اس کو اللہ کی مشیت کے حوالے کرے اور انشاء اللہ ساتھ کہے تنبیہ کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لِمَ تَقُوۡلُوۡنَ مَا لَا تَفۡعَلُوۡنَ ۝ كَبُرَ مَقۡتًا عِنۡدَ اللّٰهِ اَنۡ تَقُوۡلُوۡا مَا لَا تَفۡعَلُوۡنَ ۝ اس آیت کے ظاہری معنی تو یہ ہیں کہ جو کام تمہیں کرنا نہیں ہے اس کا دعویٰ کیوں کرتے ہو۔ اس سے ایسے کام کے دعوی کی ممانعت تو واضح ہو ہی گئی جس کو کرنے کا عزم وارادہ ہی انسان کے دل میں نہ ہو کیوں کہ یہ تو محض ایک جھوٹا دعویٰ ہے جو نام ونمود کے لئے ہوسکتا ہے مگر ظاہر ہے کہ شانِ نزول کے واقعہ میں جن صحابۂ کرامؓ نے مذاکرہ کیا وہ ایسے نہ تھے کہ دل میں کچھ کرنے کا ارادہ ہی نہ ہو اور دعویٰ کریں اس لئے اس کے مفہوم میں یہ بھی شامل ہے کہ اگرچہ دل میں عزم وارادہ کام کرنے کا ہو پھر بھی اپنے نفس پر بھروسہ کرکے دعویٰ کرنا کہ ہم فلاں کام کریں گے۔ شان عبدیت کے خلاف ہے۔ اول تو اس کے کہنے ہی کی کیا ضرورت ہے جب موقع ملے کر گزرنا چاہئے اور کسی مصلحت سے کہنا ہی پڑے تو اس کو انشاء اللہ کے ساتھ مقید کردے تو پھر وہ دعویٰ نہیں رہے گا۔ [1]

علامہ جوزی نے مذکورہ آیتوں کے سبب نزول کے بارے میں ۵ / اقوال ذکر کئے ہیں:

۱- قول اول کا ذکر آچکا ہے۔

۲- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب حضرات صحابۂ کرام آتے تو ان میں سے بعض اپنے تئیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ عرض کرتے کہ میں نے غزوہ میں ایسا ایسا کیا اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی کہ لِمَ تَقُوۡلُوۡنَ مَا لَا تَفۡعَلُوۡنَ ۝

۳- کچھ صحابۂ کرام جہاد کے فرض ہونے سے قبل یہ کہا کرتے کیا اچھا ہوتا کہ ہمیں احب الاعمال یعنی سب سے اچھا عمل بتلادیا جاتا تاکہ ہم اس کو اختیار کرتے اور مرضی رب اور خوشنودی باری حاصل کرتے۔ اور اپنے قلوب کو روشن کرتے لیکن اس وقت کے حساب

[1] معارف القرآن ص: ۴۲۳-۴۲۴ ج:۸/اسباب النزول ص: ۲۴۲ معالم التنزیل ص: ۳۷۱ ج:۵ المقتطف ص:۲۳۹ ج:۵/المستدرک ص:۴۸۶ ج:۲/ترمذی ص:۱۶۴ ج:۲/الدر المنثور ص:۲۱۲ ج:۶ زادالمسیر ص:۲۵۰-۲۴۹ ج:۸

سے سب سے اچھا عمل جہاد کا حکم تھا جو نازل ہوا تو کچھ لوگوں پر شاق گزرا۔

۴- حضرت صہیب نے بدر میں ایک شخص کو قتل کیا تھا اور اس سے چھینا ہوا مال اپنے پاس رکھ لیا تھا اسی اثناء میں دوسرے شخص نے یہ دعویٰ کیا کہ اسے اس نے قتل کیا ہے صہیب نے قتل نہیں کیا ہے، اور اس کے چھینے ہوئے مال پر یہ قاتل قابض ہو گیا ہے حضرت صہیبؓ نے یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش فرمائی، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ صہیبؓ کو اس کافر سے چھینا ہوا مال واپس دے دو۔ اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

۵- منافقین آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کرتے تھے کہ اگر آپ جہاد کے لئے نکلیں گے تو ہم بھی آپ ہی کے ساتھ رہیں گے اور آپ کا ہر طرح سے تعاون کریں گے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دشمنوں سے مقابلہ کے لیے نکلے تو انہوں نے تخلف برتا اور روگردانی کی اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ (زادالمسیر ص:۲۴۵-۲۵۰ ج:۸)

❁❁❁

# سورة الجمعة

۴۸۰- وَ اِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَ تَرَكُوْكَ قَآئِمًا ؕ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَ مِنَ التِّجَارَةِ ؕ وَ اللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝۱۱

**ترجمہ:** اور وہ لوگ جب کسی تجارت یا مشغولی کی چیز کو دیکھتے ہیں تو اس کی طرف دوڑنے کے لیے بکھر جاتے ہیں اور آپ کو کھڑا ہوا چھوڑ جاتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ جو چیز (از قسم ثواب وقرب) خدا کے پاس ہے وہ ایسے مشغلہ اور تجارت سے بدرجہا بہتر ہے اور (اگر اس سے افزونی رزق کی طمع ہو تو سمجھ لو کہ) اللہ سب کو روزی پہنچانے والا ہے (اس کی طاعات ضروریہ میں مشغول رہنے پر رزق مقدر دیتا ہے، پھر کیوں اس کے احکام کو ترک کیا جاوے)

**شانِ نزول:** وَ اِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَ تَرَكُوْكَ قَآئِمًا ؕ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَ مِنَ التِّجَارَةِ ؕ وَ اللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝۱۱ اس آیت میں ان لوگوں کو تنبیہ کی گئی ہے جو جمعہ کا خطبہ چھوڑ کر تجارتی کام کی طرف متوجہ ہو گئے تھے، امام ابن کثیر نے فرمایا کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبۂ جمعہ نماز جمعہ کے بعد دیا کرتے تھے جیسا کہ عیدین میں اب بھی یہی معمول ہے، چناں چہ ایک جمعہ کو یہ واقعہ پیش آیا کہ نماز جمعہ سے فارغ ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ دے رہے تھے کہ اچانک ایک تجارتی قافلہ مدینہ طیبہ کے بازار میں پہنچا اور ڈھول باجہ وغیرہ سے ان کا اعلان ہونے لگا۔ اس وقت نماز جمعہ سے فراغت ہو چکی تھی خطبہ ہو رہا تھا کہ بہت سے حضرات صحابہ بازار چلے گئے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھوڑے سے حضرات رہ گئے جن کی تعداد بارہ بتلائی گئی ہے (یہ روایت ابوداؤد نے مراسیل میں بیان فرمائی ہے) بعض روایات حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس واقعہ پر فرمایا کہ اگر تم سب کے سب چلے جاتے تو مدینہ کی ساری وادی عذاب کی آگ سے بھر جاتی۔ (رواہ ابویعلی ابن کثیر)

امام تفسیر مقاتل کا بیان ہے کہ یہ تجارتی قافلہ دِحیہ بن خلف کلبی کا تھا جو ملک شام

سے آیا تھا۔ اور تجار مدینہ میں اس کا قافلہ عموماً تمام ضرورت کے سامان لے کر آیا کرتا تھا اور جب مدینہ کے لوگوں کو اس کی آمد کی خبر ملتی تھی تو سب مرد عورت اس کی طرف دوڑتے تھے۔ یہ دحیہ بن خلف کلبی اس وقت تک مسلمان نہ تھے بعد میں داخل اسلام ہوئے۔

اور حسن بصری اور ابو مالکؒ نے فرمایا کہ یہ وہ زمانہ تھا کہ جب مدینہ میں اشیاء ضروریہ کی کمی اور سخت گرانی تھی۔ (تفسیر مظہری) یہ اسباب تھے کہ حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک بڑی جماعت تجارتی قافلہ کی آواز پر مسجد سے نکل گئی اول تو نماز فرض ادا ہو چکی تھی، خطبہ کے متعلق یہ معلوم نہ تھا کہ جمعہ میں وہ بھی فرض کا جزء ہے دوسرے اشیاء کی گرانی تیسرے تجارتی قافلہ پر لوگوں کا ٹوٹ پڑنا جس سے ہر ایک کو یہ خیال ہوسکتا تھا کہ دیر کروں گا تو اپنی ضروریات نہ پاسکوں گا۔

بہر حال ان اسباب کے تحت صحابۂ کرام سے یہ لغزش ہوئی جس پر حدیث مذکورہ میں وعید کے الفاظ آئے کہ سب کے سب چلے جاتے تو اللہ کا عذاب آجاتا اس پر عار دلانے اور تنبیہ کرنے کے لئے آیت مذکورہ نازل ہوئی وَ اِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اور اسی کے سبب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ کے معاملہ میں اپنا طرز بدل کر نماز جمعہ سے پہلے خطبہ دینے کا معمول بنالیا۔ اور یہی اب سنت ہے۔ (ابن کثیر)

آیت مذکورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ آپ ان لوگوں کو بتلا دیں کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ اس تجارت اور ڈھول دھماکہ سے بہتر ہے جس میں آخرت کا ثواب تو مراد ہے ہی نیز یہ بھی بعید نہیں کہ نماز وخطبہ کی خاطر تجارت وکسب معاش کو چھوڑنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں بھی خاص برکات نازل ہوں۔ جیسا کہ اوپر سلف صالحین سے بروایت ابن کثیر نقل کیا گیا ہے۔ [1]

---

[1] معارف القرآن ص: ۴۴۴-۴۴۳ ج:۸/اسباب النزول ص:۲۴۲ الدر المنثور ص:۲۲۱ ج:۶ ابن کثیر ص:۱۳۳۱ ج:۴/ معالم التنزیل ص:۲۸۵-۲۸۴ ج:۵/التفسیر الکبیر ص:۱۱-۱۰ ج:۳۰/زاد المسیر ص:۲۶۹ ج:۸/روح المعانی ص:۱۰۵-۱۰۴ ج:۲۸/المقتطف ص:۲۴۹ ج:۵ فتح الباری شرح البخاری للحافظ عسقلانی ص:۶۴۳ ج:۸

# سورۃ المنافقون

۴۸۱-اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَ اللّٰهُ
يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱﴾ اِتَّخَذُوْۤا
اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا
يَعْمَلُوْنَ ﴿۲﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا
يَفْقَهُوْنَ ﴿۳﴾ وَ اِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ؕ وَ اِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ
لِقَوْلِهِمْ ؕ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ؕ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ؕ
هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۫ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۴﴾ وَ اِذَا قِيْلَ
لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَ رَاَيْتَهُمْ
يَصُدُّوْنَ وَ هُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۵﴾ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ
تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ
الْفٰسِقِيْنَ ﴿۶﴾ هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ
حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ وَ لِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا
يَفْقَهُوْنَ ﴿۷﴾ يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَاۤ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا
الْاَذَلَّ ؕ وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا
يَعْلَمُوْنَ ﴿۸﴾ ع

**ترجمہ:** جب آپ کے پاس یہ منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ بے شک اللہ کے رسول ہیں اور یہ تو اللہ کو معلوم ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافقین جھوٹے ہیں ان لوگوں نے اپنی

قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے پھر یہ لوگ اللہ کی راہ سے روکتے ہیں بے شک ان کے یہ اعمال بہت ہی برے ہیں۔ یہ اس سبب سے ہے کہ یہ لوگ ایمان لے آئے پھر کافر ہو گئے سو ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی ہے سو یہ نہیں سمجھتے اور آپ ان کو دیکھیں ان کے قد و قامت آپ کو خوشنما معلوم ہوں اور اگر یہ باتیں کرنے لگیں تو آپ ان کی بات سن لیں گویا یہ لکڑیاں ہیں جو سہارے سے لگائی ہوئی ہیں۔ ہر غل پکار کو اپنے ہی اوپر خیال کرنے لگتے ہیں یہی لوگ دشمن ہیں آپ ان سے ہوشیار رہئے خدا ان کو غارت کرے کہاں پھرے چلے جاتے ہیں اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ تمہارے لئے استغفار کر دیں تو وہ اپنا سر پھیر لیتے ہیں اور آپ ان کو دیکھیں گے کہ وہ تکبر کرتے ہوئے بے رخی کرتے ہیں ان کے حق میں دونوں باتیں برابر نہیں خواہ آپ ان کے لئے استغفار کریں یا ان کے لئے استغفار نہ کریں اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہ بخشے گا بے شک اللہ تعالیٰ ایسے نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا یہ وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جمع ہیں ان پر کچھ خرچ مت کرو یہاں تک کہ یہ آپ ہی منتشر ہو جائیں گے اور اللہ ہی کے ہیں سب خزانے آسمان اور زمین کے لیکن منافق سمجھتے نہیں یہ یوں کہتے ہیں کہ اگر ہم اب مدینہ میں لوٹ کر جاویں گے تو عزت والا وہاں سے ذلت والے کو باہر نکال دے گا اور اللہ ہی کی عزت ہے اور اس کے رسول کی اور مسلمانوں کی لیکن منافق سمجھتے نہیں۔

**شان نزول:** یہ واقعہ محمد بن اسحاق کی روایت کے مطابق شعبان ۶ ھ میں اور قتادہ وعروہ کی روایت کے مطابق ۵ ھ میں غزوۂ بنی مصطلق کے موقع پر پیش آیا ہے (مظہری) جس کی تفصیل محمد بن اسحاق اور اکثر علماء مغازی وسیر کی روایت کے مطابق یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خبر ملی کہ بنی المصطلق کے رئیس حارث بن ضرار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف جنگ کی تیاری کر رہے ہیں یہ حارث بن ضرار حضرت جویریہؓ کے والد ہیں جو بعد میں مسلمان ہو کر ازواج مطہرات میں داخل ہوئیں اور خود حارث بن ضرار بھی بعد میں مسلمان ہو گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب ان کی جنگی تیاری کی خبر ملی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں کی

ایک جماعت کے ساتھ ان کے مقابلے کے لئے نکلے اس جہاد کے لئے نکلنے والے مسلمانوں کے ساتھ بہت سے منافق بھی اس طمع میں نکلے کہ ہمیں بھی مال غنیمت میں سے حصہ ملے گا کیوں کہ یہ لوگ باوجود دل میں کافر ومنکر ہونے کے یہ رکھتے تھے کہ اللہ کی مدد آپ کے ساتھ ہے اور آپ غالب اور فاتح ہوں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بنی المصطلق کے مقام پر پہنچے تو حارث بن ضرار کے لشکر سے سامنا اس پانی کے چشمہ یا کنویں پر ہوا جو مریسیع کے نام سے مشہور تھا اس لئے اس غزوہ کو غزوۂ مریسیع بھی کہا جاتا ہے۔ جانبین سے جنگ کی صفیں مرتب ہوکر تیروں کے ساتھ مقابلہ ہوا جس میں بنی المصطلق کے بہت سے آدمی مارے گئے باقی بھاگنے لگے حق تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فتح فرمائی ان کے کچھ اموال غنیمت اور کچھ مرد وعورت قید ہوکر مسلمانوں کے ہاتھ آئے اس جہاد کا قضیہ تو ختم ہوا۔

مگر اس کے بعد ابھی مسلمانوں کا لشکر اسی مریسیع کے پانی پر جمع تھا کہ ایک ناگوار واقعہ یہ پیش آگیا کہ ایک مہاجر اور ایک انصاری میں اسی پانی پر باہم جھگڑا ہوگیا اور نوبت باہم قتل وقتال کی آگئی مہاجر نے اپنی مدد کے لئے مہاجرین کو پکارا اور انصاری نے انصار کو دونوں کی مدد کے لئے کچھ افراد پہنچ گئے اور قریب تھا کہ مسلمانوں کے مابین ایک فتنہ کھڑا ہوجائے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو فوراً موقع پر تشریف لے گئے اور سخت ناراضی کے ساتھ فرمایا ''**مابال دعوی الجاهلية**'' یعنی یہ جاہلیت کا نعرہ کیسا ہے۔ کہ وطنی اور نسبی قومیت کو بنیاد بنا کر امداد ودفاع کا معاملہ ہونے لگا اور فرمایا: **دعوها فانها منتنة** (اس نعرہ کو چھوڑ دو یہ بدبودار نعرہ ہے) اور فرمایا کہ ہر مسلمان کو اپنے ہر مسلمان بھائی کی مدد کرنی چاہئے، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم مظلوم کی مدد کرنا تو ظاہر ہے کہ اس کو ظلم سے بچائے اور ظالم کی مدد کا مطلب یہ ہے کہ اس کو ظلم سے روکے کیوں کہ اس کی حقیقی مدد یہی ہے مراد یہ تھی کہ ہر معاملہ میں یہ دیکھنا چاہئے کہ مظلوم کون ہے۔ ظالم کون ہے، پھر ہر مسلمان کا خواہ وہ مہاجر ہو یا انصار یا کسی خاندان وقبیلہ کا ہو یہ فرض ہوجاتا ہے کہ مظلوم کو ظلم سے چھڑائے اور ظالم کا ہاتھ روکے۔ خواہ وہ اپنا حقیقی بھائی یا باپ ہی کیوں نہ ہو یہ نسبی اور

وطنی قومیت جاہلانہ اور بدبودار نعرہ ہے جس سے گندگی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد سنتے ہی جھگڑا ختم ہوگیا اس معاملہ میں زیادتی جہجاہ مہاجر کی ثابت ہوئی اس کے بالمقابل سنان بن وبرہ جہنی کو زخم آگیا تھا حضرت عبادہ بن صامت کے سمجھانے سے سنان بن وبرہ نے اپنا حق معاف کردیا۔ اور جھگڑنے والے ظالم ومظلوم پھر بھائی بھائی بن گئے۔

منافقین کی ایک جماعت جو مال غنیمت کی طمع میں مسلمانوں کے ساتھ لگی ہوئی تھی ان کا سردار عبداللہ بن ابی تھا جو دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں سے دشمنی رکھتا تھا۔ مگر دنیوی فوائد کی خاطر اپنے کو مسلمان کہتا تھا اس کو جب مہاجرین وانصار کے باہم تصادم کی خبر ملی تو اس نے مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کا موقع غنیمت پایا اور اپنی مجلس میں جس میں منافقین جمع تھے اور مومنین میں سے صرف زید بن ارقم رضی اللہ عنہ موجود تھے اس مجلس میں اس نے انصار کو مہاجرین کے خلاف بھڑکایا اور کہنے لگا کہ تم نے ان کو اپنے وطن میں بلا کر اپنے سروں پر مسلط کیا اپنے اموال وجائداد ان کو تقسیم کرکے دیدیئے یہ تمہاری روٹیوں پر پلے ہوئے اب تمہارے ہی مقابلہ پر آگئے ہیں اگر تم نے اب بھی اپنے انجام کو نہ سمجھا تو آگے یہ تمہارا جینا مشکل کردیں گے اسلئے تمہیں چاہئے کہ آئندہ مال سے ان کی مدد نہ کرو یہ خود ہی ادھر ادھر بھاگ جائیں گے اور اب تمہیں چاہئے کہ جب مدینہ پہنچ جاؤ تو تم سے جو عزت والا ہے وہ ذلیل کو نکال باہر کرے۔

اس کی مراد عزت والے سے خود اپنی جماعت اور انصار تھے اور ذلیل سے مراد معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مہاجرین تھے حضرت زید بن ارقم نے جب اس کا یہ کلام سنا تو فوراً بولے کہ واللہ تو ہی ذلیل وخوار اور مبغوض ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کی طرف سے دی ہوئی عزت اور مسلمانوں کی دلی محبت سے کامیاب ہیں۔

عبداللہ بن ابی چونکہ اپنے نفاق پر پردہ ڈالنا چاہتا تھا اسی لئے الفاظ صاف نہ بولے تھے اس وقت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے اظہار غضب سے اس کو ہوش آیا کہ میرا کفر ظاہر ہوجائے گا تو حضرت زید سے عذر کیا کہ میں نے تو یہ ہنسی میں کہہ دیا تھا میرا مطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے خلاف کچھ کرنا نہیں تھا۔

حضرت زید بن ارقمؓ وہاں سے اٹھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ابن ابی کا یہ سارا واقعہ کہہ سنایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ خبر بہت شاق ہوئی چہرۂ مبارک پر تغیر کے آثار آنے لگے (زید بن ارقم کم عمر صحابی تھے) آپ نے ان سے کہا کہ لڑکے تم جھوٹ تو بول نہیں رہے ہو؟ زید بن ارقم نے قسم کھا کر کہا کہ نہیں میں نے اپنے کانوں سے اس کے کلمات سنے ہیں۔ آپ نے پھر فرمایا تمہیں کچھ شبہ تو نہیں ہو گیا۔ زید بن ارقم نے پھر وہی جواب دیا۔ اور پھر ابن ابی کی یہ بات مسلمانوں کے پورے لشکر میں پھیل گئی۔ اور آپس میں اس بات کے سوا کوئی بات ہی نہ رہی۔ ادھر حضرات انصار زید ابن ارقمؓ کو ملامت کرنے لگے کہ تم نے قوم کے سردار پر تہمت لگائی۔ اور قطع رحمی کی۔ زید بن ارقمؓ نے فرمایا کہ خدا کی قسم پورے قبیلہ خزرج میں مجھے ابن ابی سے زیادہ کوئی محبوب نہیں (مگر جب اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف یہ کلمات کہے تو میں اسے برداشت نہیں کر سکا) اور اگر میرا باپ بھی ایسی بات کہتا تو میں اس کو بھی ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچا۔

دوسری طرف حضرت عمر بن خطاب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن ماردوں اور بعض روایات میں ہے کہ فاروق اعظمؓ نے یہ عرض کیا کہ آپ عباد بن بشیر کو حکم دیجئے کہ وہ اس کا سر قلم کر کے آپ کے سامنے پیش کرے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے عمرؓ اس کا کیا ہوگا کہ لوگوں میں یہ شہرت ہو جائے گی کہ میں اپنے اصحاب کو قتل کر دیتا ہوں اس لئے آپ نے ابن ابی کے قتل سے روک دیا حضرت فاروق اعظم کے اس کلام کی خبر عبداللہ بن ابی کے بیٹے کو پہنچی ان کا نام بھی عبداللہ تھا۔ اور یہ پکے مسلمان تھے۔ یہ فوراً آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اگر آپ کا ارادہ میرے باپ کو ان کی اس گفتگو کے نتیجہ میں قتل کرنے کا ہے تو آپ مجھے حکم دیجئے میں اپنے باپ کو ان کی اس گفتگو کے نتیجہ میں قتل کردوں، اور اپنے باپ کا سر کاٹ کر آپ کی خدمت میں اس سے پہلے کہ آپ اپنی مجلس سے اٹھیں پیش کردوں

گا اور عرض کیا کہ پورا قبیلہ خزرج اس پر گواہ ہے کہ ان میں کوئی بھی مجھ سے زیادہ اپنے والدین کی خدمت و اطاعت کرنے والا نہیں ہے مگر اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف ان کی کوئی چیز برداشت نہیں ہوسکتی اور مجھے خطرہ ہے کہ اگر آپ نے کسی اور کو میرے باپ کے قتل کا حکم دیا اور اس نے قتل کر دیا تو ایسا نہ ہو کہ جب میں اپنے باپ کے قاتل کو چلتا پھرتا دیکھوں تو مجھ پر بھی غیرت نسبی غالب آجائے اور میں اسے قتل کر بیٹھوں۔ جو میرے لئے عذاب کا سبب بنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نہ میرا ارادہ اس کے قتل کا ہے نہ میں نے کسی کو اس کا حکم دیا ہے۔

اس واقعہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عادت کے خلاف سفر کرنے کا اعلان عام فر دیا اور خود ناقۂ قصویٰ پر سوار ہو گئے جب عام حضرات صحابہ روانہ ہو گئے تو آپ نے عبداللہ بن ابی کو بلایا اور دریافت کیا کہ تم نے ایسا کہا ہے؟ یہ قسمیں کھا گیا میں نے ہرگز ایسا نہیں کہا یہ لڑکا (زید بن ارقم) جھوٹا ہے عبداللہ بن ابی کی اپنی قوم میں عزت تھی۔ سب نے یہ قرار دیا کہ شاید زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کو کچھ مغالطہ ہو گیا ہے ابن ابی نے ایسا نہیں کہا۔

بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن ابی کی قسم اور عذر کو قبول کر لیا، اور لوگوں میں زید بن ارقم رضی اللہ عنہ پر غصہ اور ان کی ملامت ہو گئی۔ اور یہ اسی رسوائی کے سبب لوگوں سے چھپ کر رہنے لگے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پورے لشکر اسلام کے ساتھ پورے دن پوری رات سفر کیا اور اگلے روز صبح کو بھی برابر سفر کرتے رہے یہاں تک کہ دھوپ تیز ہونے لگی اس وقت آپ نے قافلہ کو ایک جگہ ٹھہرایا پورے ایک دن ایک رات کے سفر سے تھکے ہوئے صحابہ کرام جب اس منزل پر اترے تو فوراً سب محو خواب ہو گئے۔

راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عام سفر کرنے کی عادت کے خلاف فوری طور پر بے وقت سفر کرنا اور پھر سفر کو اتنا طویل کرنے کا مقصد یہ تھا کہ ابن ابی کے واقعہ کا چرچا جو تمام مسلمانوں میں پھیل گیا تھا مسلمانوں کو سفر کے ایسے شغل میں لگا دیں کہ یہ چرچا ختم ہو جائے۔

اس کے بعد پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفر شروع کیا اسی دوران جب ابن ابی کے بارے میں قرآن کی آیات نازل نہ ہوئی تھیں تو عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے اس کو نصیحت کی کہ تو

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنے جرم کا اعتراف کرلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیرے لئے استغفار فرمادیں گے اور تیری نجات ہوجائے گی ابن ابی نے ان کی نصیحت سن کر اپنا سر اس طرف سے پھیر لیا حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے اسی وقت فرمایا کہ ضرور تیرے اس اعراض کے بارے میں قرآن میں نازل ہوگا۔

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر میں تھے اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بار بار آپ کے پاس آتے تھے کیوں کہ ان کو اپنی جگہ یقین تھا کہ اس منافق نے مجھے پوری قوم میں جھوٹا قرار دے کر رسوا کیا ہے ضرور میری تصدیق اور اس کی تکذیب میں قرآن نازل ہوگا۔ اچانک زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وہ کیفیت طاری ہوگئی جو وحی کے وقت ہوتی تھی کہ سانس پھولنے لگی اور پیشانی مبارک پر پسینہ بہنے لگا۔ اور آپ کی سواری ناقہ بوجھ سے جھکنے لگی تو ان کو امید ہوئی کہ اب کوئی وحی اس بارے میں نازل ہوگئی۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ کیفیت رفع ہوئی میری سواری چونکہ آپ کے قریب تھی آپ نے اپنی سواری پر سے میرا کان پکڑا اور فرمایا **"یا غلام صدق اللہ حدیثک ونزلت سورۃ المنافقین فی ابن ابی من اولها إلی آخرها"** یعنی اے لڑکے اللہ نے تیری بات کی تصدیق کردی اور یہ پوری سوت اسی واقعہ ابن ابی کے متعلق نازل ہوئی۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ سورۂ منافقون دوران سفر ہی نازل ہوگئی تھی مگر بغوی کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ پہنچ گئے اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہ رسوائی کے خوف سے گھر میں چھپ کر بیٹھ گئے اس وقت یہ سورت نازل ہوئی۔ واللہ اعلم

ایک روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ کے قریب وادی عقیق میں پہنچے تو عبداللہ بن ابی منافق کے مومن صاحبزادے عبداللہ آگے بڑھے اور تمام سواریوں میں تلاش کرتے ہوئے اپنے باپ ابن ابی کی سواری کے پاس پہنچ کر ان کی اونٹنی کو بٹھادیا اور اس کے گھٹنے پر پاؤں رکھ کر باپ سے خطاب کیا کہ خدا کی قسم! تم مدینہ میں داخل نہیں ہوسکو گے جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم کو داخل ہونے کی اجازت نہ دیں۔ اور جب تک تم یہ بات واضح نہ کردو کہ تم نے جو بات کہی ہے کہ عزت والا ذلت والے کو نکال دے گا اس

میں عزت والا کون ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا تم؟ عبداللہ بن ابی اپنے باپ کا راستہ روکے ہوئے کھڑے تھے اور پاس سے گزرنے والے لوگ عبداللہ کو ملامت کررہے تھے کہ باپ کے ساتھ ایسا معاملہ کرتا ہے۔ آخر میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری ان کے قریب آئی تو معاملہ کے متعلق دریافت کیا لوگوں نے بتلایا کہ عبداللہ مومن نے اپنے باپ کا راستہ اس لئے روکا ہے کہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو مدینہ طیبہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیں گے یہ مدینہ میں داخل نہ ہوسکے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ ابن ابی منافق، بیٹے سے مجبور ہوکر یہ کہہ رہا ہے کہ میں تو بچوں اور عورتوں سے بھی زیادہ ذلیل ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سن کر صاحبزادے سے کہا کہ انکا راستہ چھوڑ دو، مدینہ میں جانے دو تب بیٹے نے راستہ چھوڑا۔ [1]

**فائدہ:** سورۂ منافقون کے نزول کا قصہ تو اتنا ہی تھا جو اوپر لکھا گیا، قصہ کے شروع میں یہ بھی اجمالاً ذکر ہوا ہے کہ غزوۂ بنی المصطلق کا اصل ذمہ دار ام المومنین حضرت جویرہؓ کا والد حارث بن ضرار تھا، بعد میں حضرت جویریہؓ کو اللہ تعالیٰ نے شرف اسلام کے ساتھ امہات المومنین میں داخل ہونے کا شرف عطا فرمایا اور باپ بھی مسلمان ہوگیا۔

اس کا واقعہ مسند احمد، ابوداؤد وغیرہ میں یہ منقول ہے کہ جب بنوالمصطلق کو شکست ہوئی تو مال غنیمت کے ساتھ ان کے کچھ قیدی بھی ہاتھ آئے اسلامی قانون کے مطابق سب قیدی اور مال غنیمت مجاہدین میں تقسیم کردیئے گئے قیدیوں میں حارث بن ضرار کی بیٹی جویریہ بھی تھیں یہ حضرت ثابت بن قیس بن شماس کے حصہ میں آگئیں انہوں نے جویریہ کو بصورت کتابت آزاد کرنے کا ارادہ فرمایا اس طرح آزادی کی صورت یہ ہوتی ہے کہ غلام یا کنیز پر کچھ رقم مقرر کردی جائے اور اس کو محنت ومزدوری اور تجارت کی اجازت دیدی

---

[1] معارف القرآن ص:۴۴۸تا ۴۵۲ج:۸/اسباب النزول ص:۲۴۴-۲۴۳،زاد المسیر ص: ۲۷۲-۲۷۱ج:۸/روح المعانی ص:۱۰۹ج:۲۸/معالم التنزیل ص:۳۸۸تا۳۹۰ج:۵/المقتطف ص:۲۵۲تا ۲۵۵/فتح الباری للحافظ عسقلانی ص:۶۴۴ج:۸/ابن کثیر ص:۳۳۲تا ۳۳۵ج:۴،التفسیر الکبیر مختصراص:۱۵-۱۴ج:۳۰

جائے وہ مقررہ رقم کما کر مالک کو ادا کردے تو آزاد ہوتا ہے۔

جویریہ پر جو رقم مقرر کی تھی وہ بڑی رقم تھی جس کی ادائیگی ان کے لئے آسان نہ تھی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور درخواست کی کہ میں مسلمان ہو چکی ہوں شہادت دیتی ہوں کہ اللہ ایک ہے اور اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں، اور آپ اللہ کے رسول ہیں، پھر اپنا واقعہ سنایا کہ ثاقب بن قیس جن کے حصہ میں میں آئی ہوں انہوں نے مجھے مکاتب بنادیا ہے مگر رقم کتابت کی ادائیگی میرے بس میں نہیں ہے آپ اس میں میری کچھ مدد فرمادیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی درخواست قبول فرمالی اور ساتھ ہی ان کو آزاد کر کے اپنی زوجیت میں لینے کا ارادہ ظاہر فرمایا، جویریہؓ کے لیے یہ بہت بڑی نعمت تھی وہ کیسے قبول نہ کرتیں بطیب خاطر قبول کیا اور یہ ازواج مطہرات میں داخل ہوگئیں ام المومنین حضرت جویریہ کا بیان ہے کہ غزوۂ بنی المصطلق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تشریف لانے سے تین دن پہلے میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ یثرب کی طرف سے چاند چلا اور میری گود میں آکر گر گیا اس وقت تو میں نے یہ خواب کسی سے ذکر نہ کیا تھا اب اس کی تعبیر آنکھوں سے دیکھ لی۔

یہ سردارِ قوم کی بیٹی تھیں ان کے ازواج مطہرات میں داخل ہونے سے پورے قبیلہ پر اچھے اثرات مرتب ہوئے اور ایک فائدہ ان تمام عورتوں کو پہنچا جو ان کے ساتھ گرفتار ہوئی تھیں۔ اور ان کی رشتہ دار تھیں کیوں کہ ان کا ام المومنین ہوجانا معلوم ہونے کے بعد جس مسلمان کے پاس ان کی رشتہ دار کوئی کنیز تھی سب نے ان کو آزاد کردیا کیوں کہ ان کی عزیز کی عورت کو کنیز بنا کر اپنے پاس رکھنا ادب کے خلاف سمجھا اس طرح سو کنیزیں ان کے ساتھ آزاد ہوگئیں اور پھر ان کے والد بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک معجزہ دیکھ کر مسلمان ہوگئے۔

(معارف القرآن ص: ۴۵۲-۴۵۳ ج: ۸)

۞۞۞

# سورة التغابن

اس سورت کے بارے میں مفسرین کے دوقول ہیں ایک یہ ہے کہ مدنی ہے۔ ابن عباس، حسن، مجاہد، عکرمہ اور قتادہ اور جمہور کا یہی قول ہے۔ اور ضحاک بن یسار وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ سورت مکی ہے مگر اس سورت کی تین آیات مدنی ہیں ان میں پہلی آیت (يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ) ہے اور دو آیتیں اسی آیت سے متصل، جو بعد میں مذکور ہیں۔ (زاد المسیر ص:۲۷۹)

۴۸۲- يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَ اِنْ تَعْفُوْا وَ تَصْفَحُوْا وَ تَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾

**ترجمہ:** تمہاری بعض بیبیاں اور اولاد تمہارے دشمن ہیں سوتم ان سے ہوشیار رہو اور تم معاف کردو اور درگزر کر جاؤ اور بخش دو تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

**شانِ نزول:** ترمذی وحاکم وغیرہ نے بسند صحیح حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت ان مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو ہجرت مدینہ کے بعد مکہ مکرمہ میں داخل اسلام ہوئے اور ارادہ کیا کہ ہجرت کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جائیں مگر ان کے اہل وعیال نے ان کو نہ چھوڑا کہ ہجرت کر کے چلے جائیں۔ (روح المعانی)

(اور یہ زمانہ وہ تھا کہ مکہ سے ہجرت کرنا ہر مسلمان پر فرض تھا) قرآن کریم کی آیت مذکورہ میں ایسی اولاد کو انسان کا دشمن قرار دیا، ان کے شر سے بچتے رہنے کی تاکید فرمائی، کیوں کہ اس سے بڑا دشمن انسان کا کون ہوسکتا ہے جو اس کو ہمیشہ ہمیشہ کے عذاب اور جہنم کی آگ میں مبتلا کردے۔

اور حضرت عطاء بن ابی رباح کی روایت ہے کہ یہ آیت عوف بن مالک اشجعی کے بارے میں نازل ہوئی جن کا واقعہ یہ تھا کہ یہ مدینہ میں موجود تھے اور جب کسی غزوہ اور جہاد کا موقع آتا تو جہاد کے لئے جانے کا ارادہ کرتے مگر ان کے بیوی بچے فریاد کرنے لگتے کہ ہمیں کس پر چھوڑ کر جاتے ہو یہ ان کی فریاد سے متاثر ہو کر رک جاتے۔ (روح المعانی، ابن کثیر)

وَ اِنْ تَعْفُوْا وَ تَصْفَحُوْا وَ تَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾: سابقہ آیت میں جن کے بیوی بچوں کو دشمن قرار دیا ہے ان کو جب اپنی غلطی پر تنبہ ہوا تو ارادہ کیا کہ آئندہ میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ سختی اور تشدد کا معاملہ کروں گا اس پر آیت کے اس حصہ میں یہ ارشاد نازل ہوا کہ اگرچہ تمہارے بیوی بچوں نے تمہارے لئے دشمن کا سا کام کیا کہ وہ ادائے فرض سے مانع ہوئے مگر اس کے باوجود ان کے ساتھ تشدد اور بے رحمی کا معاملہ نہ کرو بلکہ عفو ودرگزر اور معافی کا برتاؤ کرو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے کیوں کہ اللہ جل شانہ کی عادت بھی مغفرت ورحمت کی ہے۔ [1]

**فائدہ:** علماء نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ اہل وعیال سے کوئی کام خلاف شرع بھی ہو جائے تو ان سے بیزار ہو جانا اور ان سے بغض رکھنا یا ان کے لئے بددعا کرنا مناسب نہیں۔ (روح المعانی ص:۱۲۶ ج:۸)

[1] **معارف القرآن ص: ۴۶۹ ج: ۸/اسباب النزول ص: ۲۴۵-۲۴۴ زاد المسیر ص: ۲۸۴/ترمذی ص: ۱۶۵ ج: ۲/مستدرک ص: ۴۹۵/الدر المنثور ص: ۲۲۸ ج: ۶/طبری ص: ۸۲۴ ج: ۲۸/روح المعانی ص: ۱۲۶ ج: ۲۸/تفسیر کبیر ص: ۳۷ ج: ۳۰/معالم التنزیل ص: ۳۹۶ ج: ۵ ابن کثیر ص: ۳۳۹ ج: ۴**

# سورة الطلاق

۴۸۳-یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَ اَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُیُوْتِهِنَّ وَ لَا یَخْرُجْنَ اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ ؕ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ لَا تَدْرِیْ لَعَلَّ اللّٰهَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ۝۱

**ترجمہ:** اے پیغمبر آپ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ جب تم لوگ (ایسی) عورتوں کو طلاق دینے لگو (جن کے ساتھ خلوت ہو چکی ہو کیوں کہ عدت کا حکم ایسی ہی عورتوں سے متعلق ہے جیسا کہ دوسری آیت میں ہے: **ثم طلقتموھن من قبل أن تمسوھن فما لكم عليهن من عدة**، تو ان کو (زمانہ) عدت (یعنی حیض) سے پہلے (یعنی طہر میں) طلاق دو (اور یہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ اس طہر میں صحبت نہ ہو جس میں طلاق دینا ہے) اور (طلاق دینے کے بعد) تم عدت کو یاد رکھو (یعنی مرد وعورت سب یاد رکھیں، لیکن خطاب میں صیغہ مذکر کی تخصیص سے اس طرف اشارہ ہے کہ عورتوں میں غفلت غالب ہوتی ہے تو مردوں کو بھی اس کا اہتمام رکھنا چاہئے، کما فی المدارک) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے (یعنی ان ابواب میں جو اس کے احکام ہیں ان کے خلاف نہ کرو مثلاً یہ کہ تین طلاق دفعۃً مت دو، اور یہ کہ حالت حیض میں طلاق مت دو، جیسا کہ احادیث صحیحہ میں وارد ہوا ہے، اور یہ کہ عدت میں) ان عورتوں کے (رہنے کے) گھروں سے مت نکالو (کیوں کہ منکوحہ کی طرح مطلقہ کے لئے بھی سکنی واجب ہے) اور نہ وہ عورتیں

خود نکلیں ( کیوں کہ یہ سکنی محض شوہر کا حق نہیں ہے جو اس کی رضاء سے ساقط ہوجاوے بلکہ شریعت کا حق ہے ) مگر ہاں کوئی کھلی بے حیائی کرے تو اور بات ہے (یعنی بدکاری اور چوری کی مرتکب ہو تو سزا کے لئے نکالی جاسکتی ہے، یا بقول بعض علماء زبان درازی اور ہمہ وقت کا تکرار رکھتی ہو تو اور بات ہے کہ ایسی صورت میں نکال دینا جائز ہے ) اور یہ سب خدا کے مقرر کئے ہوئے احکام ہیں، اور جو شخص احکام خداوندی سے تجاوز کرے گا ( مثلاً اس عورت کو گھر سے نکال دیا) اس نے اپنے اوپر ظلم کیا (یعنی گنہگار ہوا، آگے طلاق دینے والے کو ترغیب دیتے ہیں کہ طلاق میں طلاق رجعی بہتر ہے، تو اب ارشاد ہے کہ اے طلاق دینے والے ) تجھ کو خبر ہو کہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی نئی صورت پیدا کردے (مثلاً طلاق پر ندامت ہو تو طلاق رجعی میں اس کا تدارک آسانی سے ہوسکے گا)

**شانِ نزول:** صحیحین بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنی عورت کو بحالت حیض طلاق دیدی تھی حضرت عمر فاروقؓ نے اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کیا تو آپ سخت ناراض ہوئے پھر فرمایا:

**لیراجعها ثم یمسکها حتی تطهر ثم تحیض فتطهر فان بداله فلیطلقها طاهرا قبل أن یمسها فتلک العدة التي امرها الله تعالیٰ أن یطلق بها النساء.**

(بخاری و مسلم از مظہری)

ان کو چاہئے کہ بحالت حیض دی ہوئی طلاق سے رجوع کرلیں پھر اپنی زوجیت میں رکھیں یہاں تک کہ حیض سے طہارت ہوجائے اور پھر اس کے بعد حیض آئے پھر اس حیض سے طہارت ہوجائے اس وقت اگر طلاق دینا ہی ہے تو اس طہر میں مباشرت وصحبت کئے بغیر طلاق دیدیں، اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

مذکورہ آیت کے سبب نزول کے بارے میں دوسری روایت حضرت انس کی یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت حفصہؓ کو طلاق دیدی تھی اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ جس میں آپ کو حکم دیا گیا کہ آپ حضرت حفصہؓ سے رجعت فرمالیں کیوں کہ بہت زیادہ روزہ رکھنے والی اور بہت زیادہ تہجد پڑھنے والی ہیں اور آپ کے ساتھ جنت میں

رہنے والی بیبیوں میں سے ایک یہ بھی ہوں گی۔ [1]

فائدہ: اس حدیث سے چند باتیں ثابت ہوئیں اول یہ کہ حالت حیض میں طلاق دینا حرام ہے دوسرے یہ کہ اگر کسی نے ایسا کر لیا تو اس طلاق سے رجعت کر لینا واجب ہے (بشرطیکہ طلاق قابل رجعت ہو جیسا کہ ابن عمرؓ کے واقعہ میں تھا) تیسرے یہ کہ جس طہر میں طلاق کا ارادہ ہو اس میں عورت سے مباشرت وصحبت نہ ہو چوتھے یہ کہ آیت قرآن **فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ** کی یہی تفسیر ہے۔ معارف القرآن ص:۴۷۹ ج:۸

**۴۸۴- وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۭ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ۭ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۝**

**ترجمہ:** جو شخص ڈرتا ہے اس کے لئے نجات کی شکل نکال دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے روزی پہنچاتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا اور جو شخص اللہ پر توکل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے اللہ تعالیٰ نے ہر شئے کا ایک اندازمقرر کر رکھا ہے۔

**شانِ نزول:** حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ عوف بن مالک اشجعیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میرے لڑکے سالم کو دشمن گرفتار کر کے لئے گئے اس کی ماں سخت پریشان ہے مجھے کیا کرنا چاہئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم کو اور لڑکے کی والدہ کو حکم دیتا ہوں کہ تم کثرت کے ساتھ لاحول ولاقوۃ الا باللہ پڑھا کرو ان دونوں نے حکم کی تعمیل کی، کثرت سے یہ کلمہ پڑھنے لگے اس کا یہ اثر ہوا کہ جن دشمنوں نے لڑکے کو قید کر رکھا تھا وہ کسی روز ذرا غافل ہوئے لڑکا کسی طرح ان کی قید سے نکل گیا اور ان کی کچھ بکریاں ہنکا کر ساتھ لے کر اپنے والد کے پاس پہنچ گیا۔ علامہ

---

[1] معارف القرآن ص:۴۷۸ ج:۸/اسباب النزول ص:۲۴۵/زاد المسیر ص:۲۸۷ ج:۸/المقتطف ص:۲۶۵ ج:۵/التسفیر الکبیر ص: ۲۹ ج:۳۰ فتح الباری شرح البخاری ص:۶۵۳ ج:۸/معالم التنزیل ص:۳۹۹ ج:۵ حدیث نمبر:۴۹۰۸/تفسیرات احمدیہ ص:۶۷۸/ابن کثیر ص:۳۴۰ ج:۴ روح المعانی ص:۱۲۹ ج:۲۸

جوزی نے کہا ہے کہ ان بکریوں کی تعداد چار ہزار تھی بعض روایت میں ہے کہ ان کا ایک اونٹ ان کو مل گیا اس پر سوار ہوئے اور دوسرے اونٹوں کو ساتھ لگایا اور سب لے کر والد کے پاس پہنچ گئے، ان کے والد یہ خبر لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بعض روایت میں ہے کہ یہ سوال بھی کیا کہ یہ اونٹ اور بکریاں جو میرا لڑکا ساتھ لے آیا ہے یہ ہمارے لئے جائز وحلال ہیں یا نہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ الآیۃ

اور بعض روایات میں ہے کہ عوف بن مالک اشجعیؓ اور ان کی بیوی کو جب لڑکے کی مفارقت نے زیادہ بے چین کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا اور بکثرت **لا حول و لا قوۃ** الخ پڑھنے کا بھی حکم فرمایا (یہ سب روایات روح المعانی میں ابن مرویہ سے **من طریق الکلبی عن ابی صالح عن ابن عباس** رضی اللہ عنہ نقل کی گئی ہیں)

اس شانِ نزول سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگرچہ اس مقام پر یہ آیت طلاق سے تعلق رکھنے والے مرد وعورت کے متعلق آئی ہے مگر مفہوم اس کا عام ہے سب کو شامل ہے، کہ جملہ امور میں خوف وخشیت انجام کار بہتر ثابت ہوتا ہے۔ [1]

**فائدہ:** وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ

یعنی جو شخص اللہ سے ڈرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر مشکل ومصیبت سے نجات کا راستہ نکال دیں گے اور اس کو بے گمان رزق عطا فرمادیں گے۔

لفظ تقویٰ کے اصلی اور لغوی معنی بچنے کے ہیں شرعی اصطلاح میں گناہوں سے بچنے کے لئے یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف اضافت اور نسبت ہوتی ہے تو ترجمہ اللہ سے ڈرنے کا کر دیا جاتا ہے۔ اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ کی نافرمانی اور معصیت سے بچے اور ڈرے۔

اس آیت میں تقویٰ کی دو برکتیں بیان فرمائی گئی ہیں اول تو یہ کہ تقویٰ اختیار کرنے

---

[1] زاد المسیر ص: ۲۹۱ ج:۸/اسباب النزول ص:۲۴۶-۲۴۵/معارف القرآن ص:۴۸۶-۴۸۷ ج:۸/الدر المنثور ص:۲۳۳ ج:۶/تخریج الکشاف ص:۱۷۴/روح المعانی ص:۱۳۵ ج:۲۸/التفسیر الکبیر:۳۵ ج:۳۰ معالم التنزیل ص:۴۰۲-۴۰۱ ج:۵/المقتطف ص:۲۶۸ ج:۵/ابن کثیر ص:۳۴۲ ج:۴

والے کے لیے اللہ تعالیٰ بچنے کا راستہ نکال دیتے ہیں اس میں صحیح یہ ہے کہ یہ عام ہے دنیا کی سب مشکلات ومصائب کے لئے بھی اور آخرت کی سب مشکلات ومصائب کے لئے بھی اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ متقی یعنی گناہوں سے بچنے والے آدمی کے لئے دنیا وآخرت کی ہر مشکل ومصیبت سے نجات کا راستہ نکال دیتے ہیں اور دوسری برکت یہ ہے کہ اس کو ایسی جگہ سے رزق عطا فرماتے ہیں جہاں کا اس کو خیال وگمان بھی نہیں ہوتا صحیح بات یہی ہے کہ رزق سے بھی اس جگہ مراد ہر ضرورت کی چیز ہے خواہ دنیا کی ہو یا آخرت کی، مومن متقی کے لئے اللہ تعالیٰ کا وعدہ اس آیت میں یہ ہے کہ اس کی ہر مشکل کو بھی آسان کر دیتا ہے اور اس کی ضروریات کا بھی تکفل کرتا ہے اور ایسے راستوں سے اس کی ضروریات مہیا کر دیتا ہے جس کا اس کو وہم وگمان بھی نہیں ہوتا۔ (کذا فی الروح)

مناسب مقام کی وجہ سے بعض حضرات مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں یہ فرمایا ہے کہ طلاق دینے والے شوہر اور مطلقہ بیوی دونوں یا ان میں جو بھی تقویٰ اختیار کرنے والا ہوگا اللہ تعالیٰ اس کو طلاق اور انقطاع نکاح کے بعد پیش آنے والی ہر مشکل اور تکلیف سے نجات عطا فرمائیں گے اور مرد کو اس کے مناسب بیوی اور عورت کو اس کے مناسب شوہر عطا فرمائیں گے۔ اور ظاہر ہے کہ آیت کا اصل مفہوم جو تمام مشکلات اور ہر قسم کے رزق کے لئے عام اور شامل ہے۔ اس میں زوجین کی یہ مشکلات وضرویات بھی شامل ہیں۔ (کذا فی روح المعانی)

(معارف القرآن ص: ۴۸۶ ج: ۸، روح المعانی ص: ۱۳۵ ج: ۲۸)

۴۸۵- وَالّٰٓـِٔيْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّالّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ ؕ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ۝۴ ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗٓ اِلَيْكُمْ ؕ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗٓ اَجْرًا ۝۵

**ترجمہ:** اور تمہاری بیبیوں میں سے جو عورتیں حیض آنے سے ناامید ہو چکی ہیں اگر تم کو شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہیں اور اسی طرح جن عورتوں کو حیض نہیں آیا اور

حاملہ عورت کی عدت ان کے اس حمل کا پیدا ہو جانا ہے اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ پاس بھیجا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کے گناہ دور کر دے گا اس کو بڑا اجر دے گا۔

**شانِ نزول:** جب ارشاد باری عزاسمہ (وَ الْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ) نازل ہوا تو خلاد بن نعمان بن قیس انصاری نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن عورتوں کو حیض آتا ہے ان کی عدت کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہو چکا ہے لیکن جن عورتوں کو حیض نہیں آتا ہے وہ عورتیں عدت کس طرح پوری کریں گی، اس وقت مذکورہ آیتیں اتریں۔

دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ ابو عثمان عمر بن سالم نے فرمایا کہ جب طلاق والی عورتیں اور وہ عورتیں جن کا شوہر وفات پا چکا ہو ان سب کی عدت سورۂ بقرہ (آیت نمبر ۲۲۷-۲۳۲) میں بیان کر دی گئی تو ابی بن کعب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت فرمایا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ کی کچھ عورتوں کا یہ کہنا ہے کہ کچھ عورتیں ایسی ہیں کہ جن کی عدت کے بارے میں قرآن میں کوئی وضاحت نہیں آئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ کون سی عورتیں ہیں کہ جن کی عدت کی وضاحت نہیں آسکی ہے؟ حضرت ابی بن کعب نے فرمایا: وہ عورتیں تین طرح کی ہیں (۱) وہ عورتیں ہیں جن کو کم سنی کی بنیاد پر حیض نہیں آرہا ہے (۲) وہ عورتیں جو بڑی عمر کی ہیں یعنی یہ وہ عورتیں ہیں جو (۵۵/یا ۶۰) سال کی عمر کو پہنچ چکی ہیں) (۳) وہ عورتیں ہیں جو حالت حمل میں ہیں۔ اس وقت مذکورہ دونوں آیتیں نازل ہوئیں۔ [۱]

**روی ان معاذ بن جبل قال یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قد عرفنا عدۃ التي تحيض فما عدة التي لم تحيض فنزلت والّٰی من المحيض الخ الآية (التفسير الكبير) والممكن أنه ايضا سأل فلا تعارض والجواب الآخر قد تقدم في المقدمة فليطالع ثمه.**

**فائدہ:** طلاق کی عدت عام حالات میں تین حیض ہیں جس کا بیان سورۂ بقرہ کی

[۱] اسباب النزول ص: ۲۳۶/للواحدی نیشا پوری متوفی ۴۶۸ھ زاد المسیر ص: ۲۹۳ ج: ۸/ معالم التنزیل ص: ۳۰۲ ج: ۵/ المقتطف ص: ۲۶۸ ج: ۵ روح المعانی ص: ۱۳۷-۱۳۶ ج: ۲۸/ التفسیر الکبیر ص: ۳۵ ج: ۳۰

آیت نمبر ۲۹۸ / میں آچکا ہے، لیکن وہ عورتیں جن کو عمر کی زیادتی یا کسی بیماری کی وجہ سے حیض آنا بند ہو گیا ہو یا حیض ہی نہ آتا ہو جیسا کہ مشاہدہ ہے تو ان کی عدت آیت مذکورہ میں تین حیض کے بجائے تین مہینے قرار دی ہے اور حاملہ عورت کی عدت کو طلاق کی صورت میں وضع حمل قرار دیا ہے خواہ کتنے ہی دنوں میں ہو۔

# سورۃ التحریم

۴۸۶- یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ
اَزْوَاجِكَ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ① قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ
اَیْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ② وَ اِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ
اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِیْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَ اَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَیْهِ
عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَ اَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ
اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ؕ قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ ③ اِنْ تَتُوْبَاۤ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ
صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَ اِنْ تَظٰهَرَا عَلَیْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَ جِبْرِیْلُ وَ
صَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِیْرٌ ④ عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ
طَلَّقَكُنَّ اَنْ یُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَیْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ
تٰٓىِٕبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓىِٕحٰتٍ ثَیِّبٰتٍ وَّ اَبْكَارًا ⑤

**ترجمہ:** اے نبی جس چیز کو اللہ نے آپ کے لئے حلال کیا ہے آپ کیوں حرام فرماتے ہیں اپنی بیبیوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کے لئے تمہاری قسموں کا کھولنا مقرر فرمادیا ہے۔ اور اللہ تمہارا کارساز ہے وہ بڑا جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔ اور جب کہ پیغمبر نے اپنی کسی بی بی سے چپکے سے ایک بات فرمائی، پھر جب اس بی بی نے وہ بات بتلادی اور پیغمبر کو اللہ تعالیٰ نے اس کی خبر کردی تو پیغمبر نے تھوڑی سی بات تو جتلادی اور تھوڑی بات کو ٹال گئے سو جب پیغمبر نے اس بی بی کو وہ بات جتلائی تو وہ کہنے لگی کہ آپ کو اس کی کس نے خبر دی آپ نے فرمایا کہ مجھ کو بڑے

جاننے والے بڑے خبر رکھنے والے نے خبر دی۔اے دونوں بیبیو! اگر تم اللہ کے سامنے توبہ کرلو تو تمہارے دل مائل ہو رہے ہیں۔اور اگر پیغمبر کے مقابلے میں تم دونوں کاروائیاں کرتی رہیں تو پیغمبر کا رفیق اللہ ہے اور جبرئیل ہیں اور نیک مسلمان ہیں۔اور ان کے علاوہ فرشتے مددگار ہیں اگر پیغمبر تم عورتوں کو طلاق دیدیں تو ان کا پروردگار بہت جلد تمہارے بدلے ان کو تم سے اچھی بیبیاں دے گا جو اسلام والیاں، ایمان والیاں، فرمانبرداری کرنے والیاں، توبہ کرنے والیاں، عبادت کرنے والیاں، روزہ رکھنے والیاں، ہوں گی کچھ بیوہ اور کچھ کنواریاں۔

**شانِ نزول:** صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت عائشہ وغیرہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول شریف تھا کہ عصر کے بعد کھڑے کھڑے سب بیبیوں کے پاس (خبر گیری کے لئے) تشریف لاتے تھے ایک روز حضرت زینبؓ کے پاس معمول سے زیادہ ٹھہرے اور شہد پیا تو مجھ کو رشک آیا اور میں نے حفصہؓ سے مشورہ کیا کہ ہم میں سے جس کے پاس تشریف لادیں وہ یوں کہے کہ آپ نے مغافیر نوش فرمایا ہے مغافیر ایک خاص قسم کا گوند ہے جس میں کچھ بدبو ہوتی ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا آپ نے فرمایا کہ میں نے تو شہد پیا ہے۔ان بی بی نے کہا کہ شاید کوئی مکھی مغافیر کے درخت پر بیٹھی ہو اور اس کا رس چوسا ہو (اسی وجہ سے شہد میں بھی بو آنے لگی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدبو کی چیزوں سے بہت پرہیز فرماتے تھے۔اس لئے آپ نے قسم کھالی کہ اب میں شہد نہ پیوں گا اور اس خیال سے کہ حضرت زینبؓ کا جی برا نہ ہو اس کے اخفا کی تاکید فرمائی مگر اس بی بی نے دوسری سے کہہ دیا اور بعض روایت میں ہے کہ حضرت حفصہؓ شہد پلانے والی ہیں اور حضرت عائشہؓ وسودہؓ صفیہؓ صلاح مشورہ کرنے والی ہیں اسی طرح کا ایک قصہ ماریہ قبطیہؓ کے متعلق (جو آپ کے حرم سے تھیں جن کے بطن سے صاحبزادے ابراہیم تولد ہوئے) پیش آیا کہ حضرت حفصہؓ اپنے والد کے یہاں گئی ہوئی تھیں ان کا گھر خالی تھا آپ نے ان کے گھر میں حضرت ماریہؓ کو جو آپ کی باندی تھیں بلا کر حاجت پوری کی، اسی اثناء میں حضرت حفصہؓ واپس آگئیں تو آپ نے گھر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ماریہؓ کو دیکھا تو اس کی غیرت نے

برداشت نہ کیا اور ناراضگی ظاہر کی۔ تو آپ نے ازواج کی خاطر قسم کھالی کہ ماریہؓ کے پاس نہ جاؤں گا یہ بات آپ نے حضرت حفصہؓ کے سامنے کہی تھی اور تاکید کردی تھی کہ دوسروں کے سامنے اظہار نہ ہو حضرت حفصہؓ نے ان واقعات کی اطلاع چپکے سے حضرت عائشہؓ کو کردی اور یہ بھی کہہ دیا کہ اور کسی سے نہ کہنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ نے مطلع کردیا آپ نے حضرت حفصہؓ کو جتلایا کہ تم نے فلاں بات کی اطلاع عائشہؓ کو کردی حالانکہ منع کردیا تھا وہ متعجب ہوکر کہنے لگیں کہ آپ سے کس نے کہا شاید عائشہ کی طرف سے خیال ہوگا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ ﴿۳﴾ یعنی حق تعالیٰ نے مجھے اطلاع دی ان ہی واقعات کے سلسلے میں یہ آیات نازل ہوئیں۔

اِنْ تَتُوْبَآ اِلَی اللّٰهِ حضرت حفصہؓ اور حضرت عائشہؓ کے بارے میں نازل ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مذکورہ تفصیل کے مطابق حضرت حفصہؓ کی باری میں حضرت ماریہؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اپنے گھر میں دیکھا تو ناراض ہوگئیں جس کی تفصیل گزری حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو منع کردیا تھا یہ باتیں اور ازواج کو معلوم نہ ہوں لیکن انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس راز دارانہ گفتگو پر عمل نہ کرکے حضرت عائشہؓ سے کہہ دیا جس کی اطلاع اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرمادی اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی عورتوں سے ایک ماہ تک قریب نہ ہونے کی قسم کھالی تھی، اور ایلاء کرلیا تھا اس وقت اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت اِنْ تَتُوْبَآ اِلَی اللّٰهِ الخ نازل فرمائی۔ [1]

**فائدہ:** خلاصہ ان آیات کا یہ ہے کہ اس واقعہ میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حلال چیز یعنی شہد کو بذریعہ قسم اپنے اوپر حرام کرلیا تھا یہ فعل کسی ضرورت و مصلحت سے ہو تو جائز ہے گناہ نہیں مگر اس واقعہ میں ضرورت ایسی نہ تھی کہ اس کی وجہ سے خود کوئی تکلیف

[1] اسباب النزول ص:۲۴۸-۲۴۷/معارف القرآن ص:۴۹۹-۴۹۸ج:۸/زاد المسیر ص:۳۰۲ تا ۳۰۴ج:۸/تفسیر عثمانی ص:۷۴۲معالم التنزیل ص:۴۰۹-۴۰۸ ج:۵/الطبری ص:۱۵۷ ج:۲۸/الدر المنثور ص:۲۳۹ج:۶/المقتطف ص:۲۷۵-۲۷۳ج:۵/ابن کثیر ص:۳۴۹ج:۴ التفسیر الکبیر ص:۱۴ج:۳۰/ روح المعانی ص:۱۴۶ج:۲۸/فتح الباری للحافظ عسقلانی ص:۶۵۶ج:۸

اٹھائیں اور ایک حلال چیز کو چھوڑ دیں کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ کام ازواج مطہرات کو راضی کرنے کے لئے کیا تھا اور ایسے معاملہ میں ان کا راضی کرنا آپ کے ذمہ لازم نہ تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے ازروئے شفقت ومحبت فرمایا: یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ اس آیت میں بھی قرآن کریم کے عام اسلوب کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کا نام لے کر خطاب نہیں کیا بلکہ یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ کے لقب سے خطاب فرمایا جو آپ کا خصوصی اعزاز واکرام ہے اور پھر فرمایا کہ اپنی ازواج کی رضا جوئی کے لیے آپ اپنے اوپر ایک حلال چیز کو کیوں حرام کرتے ہیں؟ یہ کلام اگرچہ ازروئے شفقت ہوا مگر صورت جواب طلبی کی تھی جس سے یہ خیال ہوسکتا تھا کہ شاید آپ سے کوئی غلطی ہوگئی اس لئے ساتھ ہی فرمایا واللہ غفور الرحیم یعنی اگر گناہ ہوتا تو بھی اللہ تعالیٰ مغفرت کرنے والے ہیں۔

کسی حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کرنے کی تین صورتیں ہیں جن کی تفصیل سورۂ مائدہ کی آیت یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ کے تحت تفسیر کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی حلال قطعی کو عقیدۃً حرام کردے تو یہ کفر اور گناہ عظیم ہے اور اگر عقیدۃً حرام نہ سمجھے مگر بلا کسی ضرورت ومصلحت کے قسم کھا کر اپنے اوپر حرام کرلے تو یہ گناہ ہے اس قسم کو توڑنا اور کفارہ ادا کرنا واجب ہے جس کا ذکر آگے آتا ہے اور کوئی ضرورت ومصلحت ہو تو جائز ہے مگر خلافِ اولیٰ ہے اور تیسری صورت یہ ہے کہ نہ عقیدۃً حرام سمجھے نہ قسم کھا کر اپنے اوپر حرام کرے مگر عملاً اس کو ہمیشہ ترک کرنے کا دل میں عزم کرے کہ اس کا دائمی ترک باعث ثواب ہے تب تو یہ بدعت اور رہبانیت ہے جو شرعاً حرام اور مذموم ہے اور اگر ترک دائمی کو ثواب سمجھ کر نہیں بلکہ اپنے کسی جسمانی یا روحانی مرض کے علاج کے طور پر کرتا ہے تو بلا کراہیت جائز ہے بعض صوفیائے کرام سے جو ترک لذائذ کی حکایتیں منقول ہیں وہ اسی صورت پر محمول ہیں۔

واقعہ مذکورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قسم کھالی تھی نزول آیت کے بعد اس قسم کو توڑا اور کفارہ ادا فرمایا۔ جیسا کہ درمنثور کی روایت میں ہے کہ آپ نے ایک غلام کفارۂ قسم میں

آزاد کیا۔ (از بیان القرآن)

قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ : یعنی اللہ تعالیٰ نے ایسی صورتوں میں جہاں قسم کا توڑنا ضروری یا مستحسن ہو وہاں تمہاری قسموں سے حلال ہونے یعنی قسم توڑ کر کفارہ ادا کر دینے کا راستہ نکال دیا ہے جس کا ذکر دوسری آیت میں مفصل ہے۔

وَ اِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا : یعنی جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی کسی بی بی سے ایک راز کی بات کہی وہ راز کی بات صحیح اور اکثر روایات کی رو سے یہی تھی کہ آپ نے حضرت زینب کے پاس جو شہد پیا اور دوسری ازواج کو برا معلوم ہوا تو آپ نے ان کو راضی کرنے کے لیے شہد پینے کی قسم کھالی مگر یہ فرمایا کہ اس کی کسی کو خبر نہ ہوتا کہ زینبؓ کو رنج نہ پہنچے مگر اس بی بی نے یہ راز دوسری پر ظاہر کر دیا جس کا ذکر اگلی آیت میں ہے اس راز کی بات کے متعلق دوسری روایت میں اور بھی چند چیزیں منقول ہیں مگر اکثر اور صحیح روایات میں یہی ہے جو لکھا گیا۔

فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَ اَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَ اَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ : یعنی جب بی بی نے وہ راز کی بات دوسری بی بی سے کہہ ڈالی اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی خبر کر دی کہ اس نے آپ کا راز فاش کر دیا تو آپ نے اس بی بی سے افشاء راز کا شکوہ تو کیا مگر پوری بات نہیں کھولی یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اکرام اور حسن خلق تھا کہ پوری بات کھولنے سے ان کو زیادہ خجالت اور شرمندگی ہوگی جس بی بی سے راز کی بات کہی گئی تھی وہ کون تھیں اور جس پر ظاہر کیا وہ کون تھیں قرآن کریم نے اس کو بیان نہیں کیا اکثر روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ راز کی بات حضرت حفصہؓ سے کہی گئی تھی انہوں نے حضرت عائشہؓ سے ذکر کر دیا جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث میں حضرت ابن عباس سے اس کا بیان آگے آئے گا۔

بعض روایات حدیث میں ہے کہ حضرت حفصہؓ کے راز فاش کرنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو طلاق دینے کا ارادہ فرمایا مگر اللہ نے جبرئیل امین کو بھیج کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو طلاق دینے سے روک دیا اور فرمایا کہ بہت عبادت گزار بکثرت روزہ رکھنے والی ہیں اور ان کا نام جنت میں آپ کی بیبیوں میں لکھا ہوا ہے۔ (مظہری)

اِنۡ تَتُوۡبَاۤ اِلَى اللّٰهِ فَقَدۡ صَغَتۡ قُلُوۡبُكُمَا: ازواج مطہرات میں سے جن دو کا اجمالی ذکر اوپر آیا ہے انہوں نے باہم مشورہ کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شہد پینے پر ایسا طرز اختیار کیا جس سے آپ نے شہد پینے سے قسم کھالی اور پھر آپ نے اس کے اخفاء کے لیے فرمایا تھا اور وہ اخفا بھی نہ کر سکیں بلکہ ایک نے دوسری پر بات کھول دی یہ دو کون ہیں ان کے متعلق صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت ابن عباس کی ایک طویل روایت ہے جس میں انہوں نے فرمایا کہ عرصہ تک میرے دل میں یہ خواہش تھی کہ میں ان دو عورتوں کے متعلق عمر بن خطاب سے دریافت کروں جن کے متعلق قرآن میں آیا ہے اِنۡ تَتُوۡبَاۤ اِلَى اللّٰهِ یہاں تک کہ ایک موقع آیا کہ عمر بن خطابؓ حج کے لیے نکلے اور میں بھی شریک ہو گیا دوران سفر ایک روز عمر بن خطاب قضاء حاجت کے لئے جنگل کی طرف تشریف لے گئے، جب واپس آئے تو میں نے وضو کے لیے پانی کا انتظام کر رکھا تھا میں نے آپ کے ہاتھوں پر پانی ڈالا اور وضو کراتے ہوئے میں نے سوال کیا کہ وہ دو عورتیں جن کے متعلق قرآن میں اِنۡ تَتُوۡبَاۤ اِلَى اللّٰهِ آیا ہے کون ہیں حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ آپ سے تعجب ہے کہ آپ کو خبر نہیں کہ دونوں عورتیں حضرت حفصہؓ اور عائشہ ہیں۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے اپنا ایک طویل قصہ اس واقعہ سے متعلق ذکر فرمایا جس میں اس واقعہ کے پیش آنے سے پہلے کے کچھ حالات بھی بیان فرمائے جن کی پوری تفصیل مظہری میں ہے آیت مذکورہ میں ان دونوں ازواج مطہرات کو مستقل خطاب کر کے ارشاد فرمایا کہ اگر تم توبہ کرو جیسا کہ اس واقعہ کا تقاضہ ہے کہ تمہارے دل حق سے مائل ہو گئے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپ کی رضا جوئی ہر مومن کا فرض ہے مگر تم دونوں نے باہم مشورہ کر کے ایسی صورت اختیار کی جس سے آپ کو تکلیف پہنچی یہ ایسا گناہ ہے کہ اس سے توبہ کرنا ضروری ہے اور آگے فرمایا۔

وَاِنۡ تَظٰهَرَا عَلَيۡهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوۡلٰٮهُ وَجِبۡرِيۡلُ: اس میں بتلا دیا کہ اگر تم نے توبہ کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی نہ کیا تو یہ نہ سمجھو کہ آپ کو کوئی نقصان پہنچے گا کیوں کہ آپ کا تو اللہ مولیٰ اور کفیل ہے۔ اور جبرئیل امین اور سب نیک مسلمان اور ان کے بعد سب فرشتے اور جس کی رفاقت واعانت پر سب لگے ہوں اس کو کوئی کیا نقصان پہنچا سکتا ہے۔

نقصان وضرر جو کچھ ہے تمہارا ہی ہے، آگے انہیں کے متعلق فرمایا:

عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ: الخ اس میں عورتوں کے اس خیال کا جواب ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں طلاق دیدی تو ہم جیسی دوسری عورتیں شاید آپ کو نہ ملیں حاصل ارشاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کیا چیز باہر ہے۔ اگر وہ تمہیں طلاق دیدیں تو وہ تم جیسی ہی نہیں بلکہ تم سے بہتر عورتیں عطا فرمائے گا اس سے یہ لازم نہیں آیا کہ ان سے بہتر عورتیں اس وقت موجود تھیں ہوسکتا ہے کہ اس وقت نہ ہوں اور جب ضرورت پڑے اللہ تعالیٰ دوسری عورتوں کو ان سے بہتر بنادے ان آیات میں خاص طور پر ازواج مطہرات کے اعمال واخلاق کی اصلاح اور ان کی تادیب وتربیت کا بیان ہے۔ (معارف القرآن ص:۴۹۹ تا ۵۰۱ ج:۸)

# سورۃ الملک

۴۸۷-وَ اَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۱۳

**ترجمہ:** اورتم لوگ خواہ چھپا کر بات کہو یا پکار کر (اس کو سب خبر ہے کیوں کہ) وہ دلوں تک کی باتوں سے خوب آگاہ ہے۔

**شانِ نزول:** مذکورہ آیت مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی کہ یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف خفیہ سازشیں کرتے اور آپس میں یہ کہتے کہ آہستہ گفتگو کرو کہ زمانہ خراب ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی خبر لگ جائے، اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی، اور حضرت جبرئیلؑ نے ان کی خفیہ سازشوں سے باخبر کیا۔[1]

۞۞۞

[1] زاد المسیر ص:۳۲۱ج:۸/روح المعانی ص:۱۶ج:۲۹/المقتطف ص:۲۸۶ج:۵/معالم التنزیل ص:۴۲۱ج:۵/اسباب النزول ص:۲۴۹التفسیر الکبیر ص:۶۶ج:۳۰

# سورۃ القلم

**۴۸۸- وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِیْمٍ ۝۴**

**ترجمه:** اور بے شک آپ اخلاق (حسنہ) کے اعلیٰ پیمانے پر ہیں (کہ ہر فعل آپ کا موصوف باعتدال اور قرین رضائے ایز دمتعال ہے اور مجنون میں اخلاق کا کمال کہاں ہوتا ہے یہ پھر جواب ہے طعن مذکور کا)

**شانِ نزول:** حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام اور اپنے اہل بیت میں سے جب کسی کو کسی امر کی طرف توجہ دلائی اور اس کے کرنے کا حکم فرمایا تو فوراً بلاکسی تاخیر کے ہر ایک نے لبیک کہا اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کے بارے میں آیت کریمہ وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِیْمٍ ۝۴ نازل فرمائی۔ (اسباب النزول ص:۲۴۹)

**۴۸۹- وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِیْنٍ ۝۱۰ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِیْمٍ ۝۱۱ مَّنَّاعٍ لِّلْخَیْرِ مُعْتَدٍ اَثِیْمٍ ۝۱۲ عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِیْمٍ ۝۱۳**

**ترجمه:** اور آپ (بالخصوص) کسی ایسے شخص کا کہنا نہ مانیں جو بہت قسمیں کھانے والا ہو (مراد جھوٹی قسم کھانے والا ہے عادۃً اکثر جھوٹے آدمی قسمیں بہت زیادہ کھایا کرتے ہیں اور جو اپنی حرکات شنیعہ کی وجہ سے عند اللہ وعند الخلق) بے وقعت ہو (دل دکھانے کے لیے) طعنہ دینے والا ہو چغلیاں لگا تا پھرتا ہو نیک کاموں سے روکنے والا ہو حد (اعتدال) سے گزرنے والا ہو گناہ کا (انکار) کرنے والا ہو سخت مزاج ہو (اور) اس (سب) کے علاوہ بدنام (بھی) ہو (مراد ولد الزنا ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اور اخلاق وافعال بھی اس کے خبیث جیسے ہوں چونکہ غالباً ولد الزنا کے اخلاق وافعال اچھے نہیں ہوتے اسلئے مجازاً اس سے یہ مراد لیا گیا خلاصہ یہ کہ اول تو مطلقاً مکذبین کا پھر بالخصوص جب کہ وہ مکذبین ان ذمائم کے ساتھ بھی متصف

ہوں جیسا کہ آپ کے مکذبین میں سے بعض بڑے بڑے ایسے ہی تھے اس درخواست میں شریک بلکہ اس کے بانی تھے غرض آپ ایسے شخص کا کہنا نہ مانئے۔

**شانِ نزول:** ان آیات میں ایک خاص شریر کافر ولید بن مغیرہ کی صفات رذیلہ بیان کرکے اس سے اعراض کرنے اور اسکی بات نہ ماننے کا خصوصی حکم دیا گیا ہے آگے بھی کئی آیتوں میں اس شخص کی بداخلاق اور سرکشی کا ذکر فرمانے کے بعد سَنَسِمُہٗ عَلَی الْخُرْطُوْمِ ﴿۱۶﴾ یعنی ہم قیامت کے روز اس کی ناک پر داغ لگادیں گے جس سے اولین وآخرین میں اس کی رسوائی ظاہر ہوجائے گی اس کی ناک کو بغرض قبح خرطوم سے تعبیر کیا گیا ہے جو ہاتھی یا خنزیر کی ناک کے لیے مخصوص ہے ایک دوسری روایت میں یہ ہے کہ مذکورہ آیات اخنس بن شریق کے بارے میں نازل ہوئیں (قالہ عطا وسدی) اور ایک روایت میں یہ ہے کہ مذکورہ آیات اسود بن عبدیغوث کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔

(زادالمسیر ص:۳۳۱ج:۵)

ممکن ہے کہ سب اقوال صحیح ہوں اور مذکورہ آیات ان تمام اشخاص کے معاندانہ رویہ کے بعد نازل ہوئی ہوں۔

علامہ فخرالدین رازی رقم طراز ہیں:

**وهذه الآية نزلت في الوليد بن المغيرة وكان له عشرة من الجنين وكان يقول لهم وما قاربهم لئن تبع دين محمد منكم احد لا انفعه بشئى أبدا فمنعهم الإسلام فهو الخير الذى منعهم، وعن ابن عباس أنه ابو جهل عن مجاهد أنه الاسود بن عبد يعوث وعن السدى أنه الاخنس بن شريق التفسير الكبير ص: ۸۴ ج: ۳۰**

یہ آیت ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ اس کے پاس دس لڑکے تھے یہ شخص اپنے ان لڑکوں کو یہ کہتا کہ اگر تم نے اسلام قبول کیا تو ہم تمہیں اپنے اموال وجائیداد سے بالکلیہ محروم کردیں گے اسی طرح اپنے قرابت داروں سے کہتا کہ اگر تم نے دین محمد کو قبول کیا تو (میری جانب سے ہر طرح کے تعاون سے محروم کردیئے جاؤگے ابن عباس

سے مروی ہے کہ ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی اور حضرت مجاہد نے فرمایا کہ اسود بن عبد یغوث کے بارے میں آیت نازل ہوئی ہے اور سدی نے کہا کہ مذکورہ آیت اخنس بن شریق کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

۴۹۰- خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ وَ قَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَ هُمْ سٰلِمُوْنَ ۝

**ترجمہ:** (اور) ان کی آنکھیں مارے شرمندگی کے جھکی ہوں گی (اور) ان پر ذلت چھائی ہوگی اور (وجہ اس کی یہ ہے کہ) یہ لوگ (دنیا میں) سجدہ کی طرف بلائے جایا کرتے تھے (اس طرح کہ ایمان لاکر عبادت کریں) اور وہ صحیح وسالم تھے (یعنی سجدہ پر قادر بھی تھے چنانچہ ظاہر ہے کہ ایمان وعبادت فعل اختیاری ہے بس دنیا میں امتثال امر نہ کرنے سے آج ان کو یہ رسوائی وذلت ہوئی اور دوسری آیت میں جو نگاہ کا اوپر اٹھا رہنا آیا ہے وہ اس کے معارض نہیں کیوں کہ گاہ غلبہ حیرت سے یہ صورت ہوگئی اور گاہ غلبہ ندامت سے یہ صورت ہوگئی)

**شانِ نزول:** حضرت کعب بن احبارؓ نے اس آیت کے بارے میں فرمایا کہ خدا کی قسم یہ آیت یعنی خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ الخ جماعت میں سستی اور کوتاہی اور جماعت چھوڑنے والوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (زادالمسیر ص: ۳۴۲ ج: ۸)

۴۹۱- وَ اِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَ يَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ۝

**ترجمہ:** اور یہ کافر جب قرآن سنتے ہیں تو (شدت عداوت سے) ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ گویا آپ کو اپنی نگاہوں سے پھسلا کر گرا دیں گے (یہ ایک محاورہ ہے جیسے بولتے ہیں کہ فلاں شخص اس طرح دیکھتا ہے جیسے کھا جائے گا (**كما في روح المعاني إلى نظرا يكاد يصدعني او يكاد يا كلني**، مطلب یہ کہ شدت عداوت سے آپ کو بری نگاہوں سے دیکھتے ہیں) اور (اسی عداوت سے آپ کی نسبت) کہتے ہیں کہ نعوذ باللہ یہ مجنون ہیں۔

**شانِ نزول:** مفسرین نے اس آیت کا ایک خاص واقعہ نقل کیا ہے کہ مکہ میں ایک

شخص نظر لگانے میں بڑا مشہور تھا اونٹوں یا جانوروں کو نظر لگا دیتا تو وہ فوراً مر جاتے تھے کفار مکہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عداوت تو تھی ہی اور ہر طرح کی کوشش آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے اور ایذاء پہنچانے کی کیا کرتے تھے ان کو یہ سوجھی کہ اس شخص سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نظر لگواؤ چنانچہ اس شخص کو مشرکین مکہ نے طلب کیا۔ اس نے نظر بد لگانے کی اپنی پوری کوشش کرلی مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت فرمائی یہ آیت اسی سلسلے میں نازل ہوئی اور لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ میں اس نگاہ بدلگانے کو بیان فرمایا گیا۔

فائدہ: حضرت حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ جس شخص کو نظر بد کسی انسان کی لگ گئی ہو، اس پر یہ آیات پڑھ کر دم کر دینا اس کے اثر کو زائل کر دیتا ہے۔ یہ آیات وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سے آخر سورت تک ہیں۔ (مظہری) [۱]

۞۞۞

[۱] معالم التنزیل ص: ۴۳۹-۴۳۸ ج:۵/اسباب النزول ص: ۲۴۹، معارف القرآن ص: ۵۳۹ ج:۸ زادالمسیر ص: ۳۴۳ ج:۸

# سورة الحاقه

۴۹۲- لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّ تَعِيَهَآ أُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ﴿۱۲﴾

**ترجمه:** تا کہ ہم اس معاملہ کو تمہارے لئے ایک یادگار (اور عبرت) بنادیں اور یادرکھنے والے کان اس کو یادرکھیں (کان کو یادرکھنے والا مجازاً کہہ دیا حاصل یہ ہے کہ اس کو یادرکھ کر سزا کے اسباب سے بچیں)

**شانِ نزول:** ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ مجھے اللہ نے یہ حکم دیا ہے کہ میں تجھے اپنے سے قریب رکھوں اور دور نہ کروں۔ اور احکام شرعیہ کی تعلیم دوں اور اللہ کا حق بھی یہی ہے کہ اس کے احکام کو اور واقعات ماضیہ کو یاد رکھو تا کہ وہ نجات کا ذریعہ بنیں اور اللہ کی خوشنودی حاصل ہو اس وقت مذکورہ آیت کا ٹکڑا وَّ تَعِيَهَآ أُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ﴿۱۲﴾ نازل ہوا۔ (اسباب النزول ص:۲۴۹)

۴۹۳- وَ اَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ﴿۲۵﴾

**ترجمه:** اور جس کا اعمال نامہ اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا سو وہ (نہایت حسرت سے) کہے گا کیا اچھا ہوتا کہ مجھ کو میرا اعمال نامہ ہی نہ ملتا۔

**شانِ نزول:** مفسر مقاتل نے کہا ہے کہ مذکورہ آیت اسود بن عبدالاسود کے بارے میں نازل ہوئی کہ اسے حضرت حمزہؓ نے غزوۂ بدر میں قتل کر دیا تھا۔ اور یہ شخص ابی سلمہ کا بھائی تھا دوسرا قول یہ ہے کہ ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی۔ (زادالمسیر ص:۳۵۲)

# سورة المعارج

اس سورت کو سورۃ سَاَلَ بھی کہتے ہیں اور اسی کو سورۃ واقع بھی کہتے ہیں اور اس کی تمام آیتیں باجمع مفسرین مکی ہیں۔

۴۹۴- سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۝ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ ۝ مِّنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ ۝ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ الرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۝ فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا ۝ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا ۝ وَّ نَرٰىهُ قَرِيْبًا ۝ يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ۝ وَ تَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۝ وَ لَا يَسْئَلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ۝ يُّبَصَّرُوْنَهُمْ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ بِبَنِيْهِ ۝ وَ صَاحِبَتِهٖ وَ اَخِيْهِ ۝ وَ فَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُـْٔوِيْهِ ۝ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ يُنْجِيْهِ ۝ كَلَّا اِنَّهَا لَظٰى ۝ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ۝ تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَ تَوَلّٰى ۝ وَ جَمَعَ فَاَوْعٰى ۝

**ترجمہ:** ایک مانگنے والا وہ عذاب مانگتا ہے جو کہ کافروں پر واقع ہونے والا ہے جس کا کوئی دفع کرنے والا نہیں جو اللہ کی طرف سے واقع ہوگا جو کہ سیڑھیوں کا مالک ہے۔ فرشتے اور روحیں اس کے پاس چڑھ کر جاتی ہیں ایسے دن میں ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔ سو آپ صبر کیجئے اور صبر بھی ایسا جس میں شکایت کا نام نہ ہو یہ لوگ اس دن کو بعید دیکھ رہے ہیں۔ اور ہم اس کو قریب دیکھ رہے ہیں۔ جس دن آسمان تل کی تلچھٹ کیطرح ہو جائے گا۔ اور پہاڑ رنگین اون کی طرح ہو جائے گا۔ اور کوئی دوست کسی کو نہ پوچھے گا۔ باوجود یہ کہ ایک دوسرے کو دکھا

بھی دیئے جاویں گے مجرم اس بات کی تمنا کرے گا کہ اس روز کے عذاب سے چھوٹنے کے لیے اپنے بیٹوں کو اور بی بی کو اور بھائی کو اور کنبہ کو جن میں رہتا تھا اور تمام زمین کو فدیہ میں دیدے پھر یہ اس کو بچالے یہ ہرگز نہ ہوگا وہ آگ ایسی شعلہ زن ہے جو کھال اتار دے گی، اور اس شخص کو بلاوے گی جس نے پیٹھ پھیری ہوگی بے رخی کی ہوگی اور جمع کیا ہوگا پھر اس کو اٹھا اٹھا کر رکھا ہوگا۔

**شانِ نزول:** حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ یہ مانگنے والا النضر بن حارث تھا جس نے قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تکذیب میں اس جرأت سے کام لیا کہ کہنے لگا۔ **اللھم إن کان ھذا ھو الحق من عندک فامطر علینا حجارۃ من السماء او ائتنا بعذاب الیم** یعنی یہ دعا کی کہ یا اللہ اگر یہ قرآن ہی حق ہے اور آپ کی طرف سے ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسادے یا کوئی دوسرا عذاب الیم بھیج دے۔ (مظہری) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کو غزوۂ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھ عذاب دیا اس وقت مذکورہ آیات نازل ہوئیں۔

اس سلسلہ میں دوسرا قول یہ ہے کہ مذکورہ آیات ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئیں۔ [۱]

**ذالک ان أھل مکة لما خوفھم النبي صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بالعذاب، قال بعضھم لبعض من اھل ھذا العذاب؟ ولمن ھو؟ سلوا عنه محمداً فسألوہ، فانزل اللہ تعالیٰ (سَاَلَ سَآىِٕلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍۙ۝ لِّلْكٰفِرِيْنَ)**

**نوٹ:** آیات کی مزید تفصیل تفسیر کی کتابوں میں دیکھیں۔

**۴۹۵- اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍۙ۝۳۸**

**ترجمہ:** کیا ان میں ہر شخص اس کی ہوس رکھتا ہے کہ وہ آسائش کی جنت میں داخل کر لیا جائے گا یہ ہرگز نہ ہوگا۔

**شانِ نزول:** آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جب مشرکین کو دعوت اسلام دی اور فرمایا کہ جو کوئی بھی اسلام میں داخل ہوگا تو وہ لازمی طور پر جنت میں داخل ہوگا۔

[۱] زاد المسیر ص: ۲۵۷ ج: ۸/ معارف القرآن ص: ۵۵۴ ج: ۸/ اسباب النزول ص: ۲۵۰/ المقتطف ص: ۳۱۹ ج: ۵/ معالم التنزیل ص: ۴۴۹ ج: ۵

ایک مرتبہ مشرکین کی ایک جماعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارد گرد آکر جمع ہوگئی اور مسلمانوں کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ اگر یہ لوگ ایمان لانے کے نتیجہ میں جنت میں داخل ہوں گے جیسا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہتے ہیں، تو ہم تو بغیر ایمان ہی کے ان سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

(زادالمسیر ص: ۳۶۴ ج: ۸/ اسباب النزول ص: ۲۵۰)

# سورة الجن

صحیح بخاری، مسلم اور ترمذی وغیرہ میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ (اس واقعہ میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنات کو قرآن نہ تو بالقصد سنایا اور نہ ان کو دیکھا، بلکہ واقعہ یہ پیش آیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے کچھ صحابہؓ کے ساتھ بازار عکاظ کی طرف جارہے تھے اور یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ شیاطین کو آسمان کی خبریں سننے سے شہاب ثاقب کے ذریعہ روک دیا گیا تھا۔ اور جنات نے باہم مشورہ کیا کہ یہ حادثہ جو ہم پر آسمانی خبروں سے ممنوع ہوجانے کا پیش آیا ہے کہ کوئی اتفاقی بات نہیں، بلکہ دنیا میں کوئی نئی چیز پیش آئی ہے۔ جو اس کا سبب ہوئی اور یہ طے کیا کہ زمین کے مشرق و مغرب میں جنات کے وفود جائیں اور اس کی تحقیق کر کے آویں کہ یہ نئی چیز کیا پیش آئی ہے ان کا وہ وفد جو تہامہ حجاز کی طرف بھیجا گیا تھا۔ وہ مقام نخلہ پہنچا تو وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام کے ساتھ صبح کی نماز جماعت سے ادا کررہے تھے۔

جنات کے اس وفد نے جب قرآن سنا تو یہ قسمیں کھا کر آپس میں کہنے لگے کہ واللہ یہی وہ کلام ہے جو ہمارے اور آسمانی خبروں کے درمیان حائل اور مانع بنا ہے یہ لوگ یہاں سے لوٹے اور جا کر اپنی قوم سے وہ تمام قصہ بیان کیا جس کا ذکر ان آیات میں ہے اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۝ الآیۃ اللہ تعالیٰ نے اس سارے قصہ کی خبر اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان آیات میں دیدی۔

اور اکثر مفسرین نے فرمایا ہے کہ ابوطالب کی وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ میں بے یار و مددگار رہ گئے تو آپ نے تن تنہا طائف کا سفر کیا اور وہاں کے قبیلہ بنی

ثقیف سے اپنی قوم کے مظالم کے مقابلہ میں کچھ مدد اور معاونت طلب کی۔ محمد بن اسحاق کی روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طائف پہنچے تو قبیلہ بنی ثقیف کے تین بھائیوں کے پاس گئے جو قبیلہ کے سردار اور شریف سمجھے جاتے تھے۔ یہ تین بھائی عمیر کے بیٹے عبد یالیل اور سعود اور حبیب تھے۔ ان کے گھر میں ایک عورت قریش کی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اسلام کی دعوت دی اور اپنی قوم کے مظالم کا ذکر کر کے ان سے معاونت کے لیے فرمایا مگر ان تینوں نے بڑا سخت جواب دیا اور آپ سے کچھ کلام نہ کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب دیکھا کہ قبیلہ بنو ثقیف کے یہی تین آدمی ایسے شریف سمجھے جاتے تھے جن سے کسی معقول جواب کی امید تھی ان سے بھی مایوسی ہوگئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اچھا اگر آپ لوگ میری مدد نہیں کرتے تو کم از کم میرے آنے کو میری قوم پر ظاہر نہ کرنا مقصد یہ تھا کہ ان کو خبر ملے گی تو اور زیادہ ستاویں گے، مگر ان ظالموں نے یہ بات بھی نہ مانی بلکہ اپنے قبیلہ کے بے وقوف لوگوں کو اور غلاموں کو آپ کے پیچھے لگا دیا کہ آپ کو گالیاں دیں اور شور مچائیں۔ ان کے شور وشغف سے بہت سے اور شریر جمع ہوگئے آپ نے ان کے شر سے بچنے کے لیے ایک انگور کے باغ میں جو عتبہ اور شیبہ دو بھائیوں کا تھا اس میں پناہ لی اور یہ دونوں بھی اس باغ میں موجود تھے اس وقت یہ شریر لوگ آپ کو چھوڑ کر واپس ہوئے اور آپ انگوروں کے باغ کے سائے میں بیٹھ گئے یہ دونوں بھائی آپ کو دیکھ رہے تھے، اور یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ ان کی قوم کے بے وقوفوں کے ہاتھوں آپ کو کیا تکلیف اور اذیت پیش آئی اسی درمیان وہ قریشی عورت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملی جو ان ظالموں کے گھر میں تھی آپ نے اس سے شکایت کی کہ تمہاری سسرال کے لوگوں نے ہمارے ساتھ ایسا معاملہ کیا۔

جب اس باغ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کچھ اطمینان حاصل ہوا تو آپ نے اللہ عزوجل کی بارگاہ میں دعا مانگنی شروع کردی اس دعا کے الفاظ بھی عجیب وغریب ہیں کسی دوسرے مقام پر آپ سے ایسے دعائیہ الفاظ منقول نہیں وہ یہ ہیں:

**اللهم إني اشكو إليك ضعف قوتي وقلة حيلتي وهو إني على الناس وأنت**

**ارحم الراحمين وأنت رب المستضعفين فانت ربّي إلى من تكلني إلى بعيد يتحهمني او إلى عدوٍ ملكته امري إن لم تكن ساخطا على فلا ابالي ولكن عافيتک هي اوسع لي اعوذ بنور وجهک الذي اشرقت له الظلمات وصلح عليه امر الدنيا والآخرة من ان تنزل لي غضبک لک الحتبیٰ ترضی ولا حول ولاقوة إلا بک (مظھری باختصار)**

یا اللہ میں آپ سے شکایت کرتا ہوں اپنی قوت کے ضعف اور کمی کی اور اپنی تدبیر کی ناکامی کی اور لوگوں کی نظروں میں اپنی خفت و بے توقیری کی اور آپ تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کمزوروں کی پرورش کرنے والے ہیں۔ آپ ہی میرے رب ہیں۔ آپ مجھ کو کس کے سپرد کرتے ہیں کیا ایک غیر آدمی کے جو مجھ پر حملہ کرے یا کسی دشمن کے جس کو آپ نے میرے معاملے کا مالک بنا دیا ہے (کہ جو چاہے کرے) اگر آپ مجھ سے ناراض نہ ہوں تو مجھے ان سب چیزوں کی بھی پرواہ نہیں لیکن آپ کی عافیت میرے لئے زیادہ بہتر ہے (اس کو طلب کرتا ہوں) میں آپ کی ذات مبارک کے نور کی پناہ لیتا ہوں جس سے تمام اندھیریاں روشن ہو جاتی ہیں۔ اور اس کی بناء پر دنیا و آخرت کے سب کام درست ہو جاتے ہیں اس بات سے کہ مجھ پر اپنا غضب فرمائیں ہمارا کام ہی یہ ہے کہ آپ کو راضی کرنے اور منانے میں لگے رہیں جب تک کہ آپ راضی نہ ہو جائیں، اور ہم تو کسی برائی سے بچ سکتے نہیں نہ کسی بھلائی کو حاصل کر سکتے ہیں بجز آپ کی مدد کے۔

جب ربیعہ کے دونوں بیٹے عتبہ اور شیبہ نے یہ حال دیکھا تو ان کے دل میں رحم آیا اور اپنے نصرانی غلام عداس نامی کو بلا کر کہا کہ انگور کا ایک خوشہ لو اور ایک طبق میں رکھ کر اس شخص کے پاس لے جاؤ اور ان سے کہو یہ کھائیں عداس نے ایسا ہی کیا اس نے جا کر انگور کا یہ طبق آپ کے سامنے رکھ دیا۔ آپ نے بسم اللہ پڑھ کر اس طرف ہاتھ بڑھایا۔ عداس دیکھ رہا تھا کہنے لگا واللہ یہ کلام یعنی بسم اللہ الرحمن الرحیم تو اس شہر کے لوگ نہیں بولتے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا عداس تم کہاں کے رہنے والے ہو اور تمہارا کیا مذہب ہے؟

اس نے کہا کہ میں نصرانی ہوں اور نینوا کا رہنے والا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا تو اللہ کے نیک بندے یونس بن متی علیہ السلام کی بستی کے رہنے والے ہو اس نے کہا کہ آپ کو یونس بن متیٰ کی کیا خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ میرے بھائی ہیں کیوں کہ وہ بھی اللہ کے نبی تھے میں بھی نبی ہوں۔

یہ سن کر عداس آپ کے قدموں پر گر پڑا اور آپ کے سر مبارک اور ہاتھوں اور پاؤں کو بوسہ دیا عتبہ اور شیبہ یہ ماجرا دیکھ رہے تھے ایک نے دوسرے سے کہا کہ اس نے تو ہمارے غلام کو خراب کر دیا جب عداس لوٹ کر ان کے پاس گیا تو انہوں نے کہا کہ عداس تجھے کیا ہوا کہ اس شخص کے ہاتھ پاؤں کو بوسہ دینے لگا اس نے کہا کہ میرے سردار اس وقت زمین پر اس سے بہتر کوئی آدمی نہیں اس نے مجھے ایک ایسی بات بتلائی جو نبی کے سوا کوئی نہیں بتلا سکتا انہوں نے کہا کمبخت! ایسا نہ ہو کہ یہ آدمی تجھے تیرے مذہب سے پھیر دے کیوں کہ تیرا دین بہر حال ان کے دین سے بہتر ہے۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طائف سے مکہ مکرمہ کی طرف لوٹ گئے جب کہ ثقیف کی ہر خیر سے مایوس ہو گئے تھے، واپسی میں آپ نے مقام نخلہ پر قیام فرمایا اور آخر شب میں نماز تہجد پڑھنے لگے تو ملک یمن نصیبین کے جنات کا یہ وفد بھی وہاں پہنچا ہوا تھا اس نے قرآن پاک سنا اور سن کر ایمان لے آیا اور اپنی قوم کی طرف واپس جا کر واقعہ بتلایا جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے آیات مذکورہ میں فرمایا۔ (مظہری)

ابن جوزی نے کتاب الصفوۃ میں اپنی سند کے ساتھ حضرت سہل بن عبد اللہ سے نقل کیا کہ انہوں نے ایک مقام پر ایک بوڑھے جن کو دیکھا کہ بیت اللہ کی طرف نماز پڑھ رہا ہے وہ اون کا جبہ پہنے ہوئے تھا جس پر بڑی رونق معلوم ہوتی تھی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد حضرت سہل کہتے ہیں کہ میں نے ان کو سلام کیا اور انہوں نے سلام کا جواب دے کر بتلایا کہ تم اس جبہ کی رونق سے تعجب کر رہے ہو؟ یہ جبہ سات سو سال سے میرے بدن پر ہے اسی جبہ میں میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی پھر اسی جبہ میں میں نے محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی اور میں ان جنات میں سے ہوں جن کے بارے میں

سورۂ جن نازل ہوئی ہے۔ (مظہری)

اور روایات حدیث جن میں لیلۃ الجن کا واقعہ مذکور ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ آپ کے ساتھ تھے ان میں آپ کا بالقصد جنات کو تبلیغ و دعوت کے لئے مکہ مکرمہ کے قریب جنگل میں جانا اور قرآن سنانا منقول ہے وہ بظاہر اس واقعہ کے بعد کا قصہ ہے جس کا ذکر سورۂ جن میں آیا ہے۔

اور علامہ خفاجی نے فرمایا کہ احادیث معتبرہ سے ثابت ہوتا ہے کہ جنات کے وفود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں چھ مرتبہ حاضر ہوئے اس لئے ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں کہ سورۂ جن والے واقعہ میں آپ کو جنات کے آنے اور قرآن سننے کی خبر بھی نہ تھی۔ جب تک بذریعہ وحی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتلایا نہ گیا ہو اور یہ کہ یہ واقعہ مقام نخلہ کا اور طائف سے واپسی کے وقت کا ہے اور دوسری روایت جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شہر مکہ کے قریب ہی کے جنگل میں آپ بالقصد اسی کام کے لیے تشریف لے گئے کہ جنات کو دعوت اسلام دی اور قرآن سنایا، یہ اس کے بعد پیش آیا۔ (مظہری، معارف القرآن ص: ۵۷۴ تا ۵۷۸ ج:۸)

۴۹۶-قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۙ﴿۱﴾

**ترجمہ:** آپ کہیے کہ میرے پاس اس بات کی وحی آئی ہے کہ جنات میں سے ایک جماعت نے قرآن سنا پھر انہوں نے کہا کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے۔

**شانِ نزول:** اس آیت کے سبب نزول سے متعلق جملہ تفصیلات سابق عبارت میں اسی طرح سورۂ احقاف آیت نمبر ۲۹ رمیں آچکی ہیں۔ سابق پر اکتفاء کرتے ہوئے یہاں پر ان تفصیلات کو ترک کیا جاتا ہے۔

۴۹۷-وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۙ﴿۲﴾

**ترجمہ:** اور (انسانوں میں سے بہت سے لوگ ایسے تھے کہ وہ جنات مردوں میں سے بعضے لوگوں کی پناہ لیا کرتے تھے سو ان آدمیوں نے ان جنات کی بد دماغی

اور بڑھادی ( کہ وہ اس وہم میں مبتلا ہو گئے کہ ہم جنات کے سردار تو پہلے سے تھے
اب آدمی بھی ہم کو ایسا ہی بڑا سمجھتے ہیں بس اس سے بد دماغی اور بڑھی اور کفر و عناد پر
اور زیادہ مصر ہو گئے )

**شانِ نزول:** وَّ اَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۙ﴿۶﴾ اس آیت میں مومن جنات نے یہ بیان کیا کہ جاہلیت کے لوگ جب کسی جنگل میں قیام کرتے تو اس جنگل کے جنات بھی پناہ مانگتے تھے۔ اس سے جنات یہ سمجھ بیٹھے کہ ہم تو انسان سے بھی افضل ہیں کہ انسان بھی ہماری پناہ لیتا ہے اس بات نے جنات کی گمراہی میں اور مزید اضافہ کر دیا۔

تفسیر مظہری وغیرہ میں ہے کہ ہواتف الجن میں سند کے ساتھ حضرت سعید بن جبیرؒ سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ رافع بن عمیر صحابیؓ نے اپنے اسلام قبول کرنے کا ایک واقعہ یہ بتلایا ہے کہ میں ایک رات ریگستان میں سفر کر رہا تھا، اچانک مجھ پر نیند کا غلبہ ہوا میں اپنی اونٹنی سے اترا اور سو گیا اور سونے سے پہلے میں نے اپنی قوم کی عادت کے مطابق یہ الفاظ کہہ دیئے **إني اعوذ بعظيم هذا الوادي من الجن** یعنی میں پناہ لیتا ہوں اس جنگل کے جنات کے سردار کی میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص کے ہاتھ میں ہتھیار ہے اس کو وہ میری ناقہ کے سینے پر رکھنا چاہتا ہے۔ میں گھبرا کر اٹھا اور دائیں بائیں دیکھا تو کچھ نہ پایا تو میں نے دل میں کہا کہ یہ شیطانی خیال ہے۔ خواب اصلی نہیں اور پھر سو گیا اور بالکل غافل ہو گیا تو پھر وہی خواب دیکھا پھر میں اٹھا اور اپنی ناقہ کے چاروں طرف پھرا کچھ نہ پایا مگر ناقہ کو دیکھا کہ وہ کانپ رہی ہے پھر جا کر اپنی جگہ سو گیا تو پھر وہی خواب دیکھا میں بیدار ہوا تو دیکھا کہ میری ناقہ تڑپ رہی ہے اور پھر دیکھا ایک نوجوان ہے جس کے ہاتھ میں حربہ ہے یہ وہی شخص تھا جس کو خواب میں ناقہ پر حملہ کرتے دیکھا تھا اور ساتھ ہی یہ دیکھا کہ ایک بوڑھے آدمی نے اس کا ہاتھ پکڑ رکھا ہے جو ناقہ پر حملہ کرنے سے اس کو روک رہا ہے۔ اسی عرصہ میں تین گورخر سامنے آ گئے تو بوڑھے نے اس نوجوان سے کہا ان تینوں میں سے جس کو تو پسند کرے لے لے مگر اس کی ناقہ کو چھوڑ دے۔ وہ نوجوان ایک گورخر لے کر رخصت

ہو گیا۔ پھر اس بوڑھے نے میری طرف دیکھ کر کہا کہ اے بے وقوف جب تو کسی جنگل میں ٹھہرے اور وہاں کے جنات وشیاطین سے خطرہ ہو تو تو یہ کہہ لیا کر: **اعوذ باللہ رب محمد من ہول ھذا الوادی** یعنی میں پناہ پکڑتا ہوں ربِ محمد ﷺ کی اس جنگل کے خوف اور شر سے اور کسی جن سے پناہ نہ مانگا کر۔ کیوں کہ وہ زمانہ چلا گیا جب انسان جنون کی پناہ لیتا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ وہ کون ہیں اس نے کہا کہ یہ نبی عربی ﷺ ہیں نہ شرقی نہ غربی، پیر کے روز یہ مبعوث ہوئے ہیں میں نے پوچھا کہ یہ کہاں رہتے ہیں اس نے بتلایا کہ وہ یثرب میں رہتے ہیں جو کھجوروں کی بستی ہے۔ میں نے صبح ہوتے ہی مدینہ کا راستہ لیا اور سواری کو تیز چلایا یہاں تک کہ مدینہ پہنچ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے دیکھا تو میرا سارا واقعہ مجھے سنا دیا۔ اس سے پہلے کہ میں آپ ﷺ سے کچھ ذکر کروں۔ اور مجھے اسلام کی دعوت دی۔ میں مسلمان ہو گیا سعید بن جبیرؓ اس واقعہ کو نقل کر کے فرماتے تھے کہ ہمارے نزدیک اس معاملہ کے متعلق قرآن میں یہ آیت نازل ہوئی۔ وَّ اَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ الخ۔ [۱]

۴۹۸- قُلْ اِنَّمَاۤ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَ لَاۤ اُشْرِكُ بِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۰﴾

**ترجمہ:** آپ (ان سے) یہ کہہ دیجئے کہ میں تو صرف اپنے پروردگار کی عبادت کرتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔

**شانِ نزول:** جب آنحضرت ﷺ نبوت ورسالت سے سرفراز کئے گئے اور آخری آسمانی کتاب سے نوازے گئے اس کے بعد پھر جب آپ ﷺ نے لوگوں کو اسلام کی طرف بلایا اور ایک خدا کی عبادت کو لازمی بتلایا تو مشرکین نے آپ ﷺ سے کہا کہ اے محمد ﷺ تو نے تو ایک عجیب شئے پیش کی ہے جو اس سے پہلے سننے میں نہیں آئی اسلئے تو اس سے رک جا اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ [۱]

[۱] معارف القرآن ص: ۵۷۹-۵۷۸ ج:۸/زاد المسیر ص:۲۷۹-۲۷۸ ج:۸/روح المعانی ص:۱۰۶ ج:۲۹/التفسیر الکبیر ص:۱۵۶ ج:۳۰ المقتطف ص:۳۴۱ ج:۵/ابن کثیر ص:۳۸۷ ج:۴/معالم التنزیل ص:۴۶۲ ج:۵/الدر المنثور ص:۲۷۱ ج:۶/مجمع الزوائد ص:۱۲۹ ج:۷

[۲] زاد المسیر ص:۳۸۴ ج:۸/التفسیر الکبیر ص:۱۶۴ ج:۳۰/معالم التنزیل ص:۴۶۶ ج:۵

# سورۃ المدثر

یہ سورت باجماع مفسرین مکی ہے۔ لیکن حضرت مقاتل نے فرمایا کہ اس میں ایک آیت مدنی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ''وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً'' الخ ہے۔ (المدثر ۳۱)

۴۹۹- یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ﴿۱﴾ قُمْ فَاَنْذِرْ ۪ۙ﴿۲﴾ وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ ۪ۙ﴿۳﴾ وَ ثِیَابَكَ فَطَهِّرْ ۪ۙ﴿۴﴾

**ترجمہ:** اے کپڑوں میں لپٹنے والے اٹھو (یعنی اپنی جگہ سے اٹھو یا یہ کہ مستعد ہو جاؤ) پھر (کافروں کو) ڈراؤ (جو کہ مقتضاء منصب ہے اور یہاں تبشیر یعنی جنت کی بشارت کا اس لئے ذکر نہیں فرمایا کہ یہ آیت بالکل ابتدائے نبوت کی ہے اس وقت باستثناء ایک دو کے کوئی مسلمان نہیں تھا تو انذار ہی انسب ہے) اور اپنے رب کی بڑائی بیان کرو (کہ تبلیغ میں سب سے پہلی چیز توحید ہے) اور (آگے بعض ضروری اعمال وعقائد واخلاق کی تعلیم ہے جس پر خود بھی عامل رہنا چاہئے کہ تبلیغ کے ساتھ اپنی اصلاح بھی ضروری ہے یعنی ایک تو اپنے کپڑوں کو پاک رکھئے (یہ اعمال میں سے ہے اور چونکہ بالکل ابتداء میں نماز نہ تھی اس لئے اس کا حکم نہیں ہوا)

**شانِ نزول:** روایات صحیحہ معروفہ کی رو سے سب سے پہلے سورۂ اقراء کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں پھر کچھ مدت تک نزولِ قرآن کا سلسلہ بند رہا جس کو زمانۂ فترت وحی کا کہا جاتا ہے اسی زمانۂ فترت کے آخر میں یہ واقعہ پیش آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مکہ مکرمہ میں کسی جگہ تشریف لے جا رہے تھے اوپر سے کچھ آواز سنی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی دیکھا کہ وہی فرشتہ جو غارِ حراء میں سورۂ اقراء کی آیات لے کر آیا تھا وہی آسمان کے نیچے فضاء میں ایک معلق کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ اس کو اس حال میں دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر وہی طبعی رعب وہیبت کی کیفیت طاری ہوگئی جو غارِ حرا میں نزول آیات اقرأ

کے وقت ہوئی تھی سخت سردی اور کپکپی کے احساس سے آپ گھر میں واپس تشریف لے گئے اس پر سورۂ مدثر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ (کمافی حدیث الصحیحین)

اسی لئے اس سورت میں آپ کو خطاب یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ کے الفاظ سے کیا گیا یہ لفظ دثار سے مشتق ہے جو ان زائد کپڑوں کو کہا جاتا ہے جو آدمی عام لباس کے اوپر کسی سردی وغیرہ کے دفع کرنے کے لئے استعمال کرتا ہے۔ اس لفظ سے خطاب ایک حبیبانہ و مشفقانہ خطاب ہے جیسا کہ مزمل میں بیان ہو چکا ہے۔ لفظ مزمل کے معنی بھی اسی کے قریب ہیں روح المعانی میں جابر ابن زید تابعی سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ سورہ مدثر سورہ مزمل کے بعد نازل ہوئی ہے اور بعض حضرات نے یہ روایت حضرت ابن عباسؓ سے بھی نقل کی ہے مگر صحیحین کی جو روایت اوپر نقل کی گئی ہے اس میں اس کی تصریح ہے کہ سب سے پہلے سورہ مدثر نازل ہوئی (اور مراد یہ ہے کہ فترت وحی کے بعد سب سے پہلے یہ سورت نازل ہوئی) اگر مزمل کا نزول اس سے پہلے ہوا ہوتا تو حضرت جابر بن عبداللہ راوی حدیث اس کو بیان کرتے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ لفظ مزمل اور مدثر دونوں تقریباً ہم معنی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ایک ہی معنی میں ان دونوں کا نزول ہوا اور وہ واقعہ جبرئیل امین کو آسمان کے نیچے کرسی پر بیٹھے دیکھنے اور آپ کا گھر میں واپس ہو کر کپڑوں میں لپٹ جانے کا ہو جو اوپر مذکور ہوا ہے۔ اس سے کم از کم اتنا تو ثابت ہو جاتا ہے کہ سورہ مدثر اور سورہ مزمل کی ابتدائی آیتیں فترت وحی کے بعد سب سے پہلے نازل ہونے والی آیات ہیں ان دونوں میں کون سی سورت مقدم اور کون سی سورت موخر ہے؟ اس میں روایتیں مختلف ہوگئیں اور سورہ اقراء کی ابتدائی آیات کا ان سب سے پہلے نازل ہونا تمام روایات صحیحہ سے ثابت ہے۔ اور دونوں سورتیں اگرچہ متقارب زمانے میں ایک ہی واقعہ میں نازل ہوئی ہیں مگر فرق دونوں میں یہ ہے کہ سورہ مزمل کے شروع میں جو احکام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیئے گئے ہیں ان میں بعض ذاتی شخصی اصلاح سے متعلق ہیں اور سورہ مدثر کے شروع میں جو احکام دیئے گئے ہیں ان کا تعلق زیادہ تر دعوت و تبلیغ اور اصلاح خلق سے ہے۔ اس بارے میں مکمل وضاحت مقدمۃ الکتاب میں

آچکی ہے وہاں دیکھ لیں۔ [ا]

۵۰۰- ذَرۡنِیۡ وَ مَنۡ خَلَقۡتُ وَحِیۡدًا ﴿۱۱﴾ وَّ جَعَلۡتُ لَهٗ مَالًا مَّمۡدُوۡدًا ﴿۱۲﴾ وَّ
بَنِیۡنَ شُهُوۡدًا ﴿۱۳﴾ وَّ مَهَّدۡتُّ لَهٗ تَمۡهِیۡدًا ﴿۱۴﴾ ثُمَّ یَطۡمَعُ اَنۡ
اَزِیۡدَ ﴿۱۵﴾ كَلَّا ؕ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰیٰتِنَا عَنِیۡدًا ﴿۱۶﴾ سَاُرۡهِقُهٗ صَعُوۡدًا ﴿۱۷﴾ اِنَّهٗ فَكَّرَ
وَ قَدَّرَ ﴿۱۸﴾ فَقُتِلَ كَیۡفَ قَدَّرَ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ قُتِلَ كَیۡفَ قَدَّرَ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ
نَظَرَ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَ بَسَرَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ اَدۡبَرَ وَ اسۡتَكۡبَرَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا
سِحۡرٌ یُّؤۡثَرُ ﴿۲۴﴾ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا قَوۡلُ الۡبَشَرِ ﴿۲۵﴾

**ترجمہ:** مجھ کو اور اس شخص کو رہنے دو جس کو میں نے اکیلا پیدا کیا اور اس کو کثرت سے مال دیا اور اپنے پاس رہنے والے بیٹے اور سب طرح کا سامان اس کے لئے مہیا کر دیا پھر بھی اس بات کی ہوس رکھتا ہے اور زیادہ دوں ہرگز نہیں وہ ہماری آیتوں کا مخالف ہے۔ اس کو عنقریب دوزخ کے پہاڑ پر چڑھاؤں گا۔ اس شخص نے سوچا پھر ایک بات تجویز کی سو اس پر خدا کی مار ہو کیسی بات تجویز کی پھر اس پر خدا کی مار ہو کیسی بات تجویز کی پھر دیکھا، پھر منہ بنایا اور زیادہ منہ بنایا پھر منہ پھیرا اور تکبر ظاہر کیا۔ پھر بولا کہ بس یہ تو جادو ہے منقول بس یہ تو آدمی کا کلام ہے۔

**شانِ نزول:** مذکورہ آیات ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئیں یہ وہ شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی مال و دولت اور اولاد فراوانی کے ساتھ دی تھی۔ بقول ابن عباسؓ اس کی زمین جائیداد اور باغات مکہ سے طائف تک پھیلے ہوئے تھے۔ اور بقول ثوری اس کی سالانہ آمدنی ایک کروڑ دینار تھی، بعض نے اس سے کم بھی بتلایا ہے اتنا سب کے نزدیک مسلم ہے کہ اس کے ایک کھیت اور باغات کی آمدنی اور پیداوار سال بھر سردی گرمی ہر موسم میں مسلسل رہتی تھی، قرآن کریم میں اسی کو فرمایا ہے وَّ جَعَلۡتُ لَهٗ مَالًا

[ا] معارف القرآن ص:۶۰۹- ۶۱۰ج:۸/فتح الباری ص:۶۷۷-۶۷۶ج:۸/زادالمسیر ص:۳۹۹ج:۸/معالم التنزیل ص:۴۷۷ج:۵/روح المعانی ص:۱۴۴ج:۲۹/اسباب النزول ص: ۳۵۰/التفسیر الکبیر ص:۱۸۹ج:۳۰/ابن کثیر ص:۳۹۷- ۳۹۸ج:۴/المقتطف ص:۳۵۷ المسند ص:۳۰۶ج:۳/الطبری ص:۱۴۲ج:۲۹،الدر المنثور ص:۲۸۰ج:۶

مَّمْدُوْدًا ﴿۱۲﴾ اور یہ عرب کا سردار مانا جاتا تھا، لوگوں میں اس کا لقب ریحانۂ قریش مشہور تھا، یہ خود اپنے آپ کو بطور فخر و تکبر کے وحید ابن الوحید، یعنی یکتا کا بیٹا کہا کرتا تھا کہ نہ قوم میں میری کوئی نظیر ہے اور نہ ہی میرے باپ مغیرہ کی (قرطبی) مگر اس ظالم نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کی اور قرآن کو کلام الٰہی یقین کر لینے کے باوجود اس نے جھوٹی بات بتلائی، اور قرآن کو سحر اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساحر کہا اس کا واقعہ تفسیر قرطبی میں یہ بیان کیا ہے کہ جب قرآن کی آیت حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۲﴾ سے اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۳﴾ تک نازل ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی تلاوت کر رہے تھے ولید بن مغیرہ نے یہ قراءت سنی تو بے ساختہ اس کے کلام الٰہی ماننے اور یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ:

**واللہ لقد سمعت منه کلاما ما هو من کلام الانس ولا من کلام الجن وان له لحلاوة وإن علیه لطلاوة وان علاه لمثمر وان اسفله لمغدق وانه لیعلو ولا یعلی علیه وما یقول هذا البشر.**

واللہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسا کلام سنا ہے جو نہ کسی انسان کا کلام ہو سکتا ہے نہ کسی جن کا اور اس میں بڑی حلاوت ہے، اور اس پر خاص رونق ہے اس کا اعلیٰ پھل دینے والا اور اسفل پانی جاری کرنے والا ہے وہ بلاشبہ سب سے بالا و بلند ہو کر رہے گا اس پر کوئی غالب نہیں ہو سکتا یہ بشر کا کلام نہیں ہے۔

عرب کے سب سے بڑے مالدار سردار کا ایسا کہنا تھا کہ پورے قریش میں اس نے ایک زلزلہ پیدا کر دیا، اور وہ سب اسلام وایمان کی طرف جھکنے لگے، قریش کے کافر سرداروں کو فکر ہوئی اور جمع ہو کر مشورہ کرنے لگے ابوجہل نے کہا کہ فکر نہ کرو میں ابھی جاتا ہوں اور اس کو ٹھیک کرتا ہوں۔

ابوجہل ولید بن مغیرہ کے پاس غمگین صورت بنا کر پہنچا (اور قصداً ایسی بات بنائی جس پر ولید کو غصہ آ جائے) ولید نے اس سے پوچھا کہ کیا بات ہے تم غمگین نظر آتے ہو۔ ابوجہل نے کہا غمگین کیسے نہ ہوں قریش سارے باہم چندہ کر کے تجھے مال دیتے ہیں کہ اب تو بوڑھا ہو گیا ہے تیری مدد کرنا چاہئے مگر اب ان کو یہ معلوم ہوا کہ تم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابن ابی قحافہ

(ابوبکر) کے پاس اسلئے جاتے ہو کہ تمہیں کچھ کھانے پینے کو مل جاوے اور ان کی خوشامد میں انکے کلام کی تحسین وتعریف کرتے ہو (ظاہر یہ ہے کہ قریش کا چندہ کر کے ولید کو مال دینا بھی جھوٹ تھا جو صرف اس کو غصہ دلانے کے لئے کہا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کھانے کی چیز لینا تو جھوٹ تھا ہی) اس پر ولید بن مغیرہ کے غصہ کی انتہا نہ رہی اور اس کے نتیجہ میں اس پر اپنے تکبر و تعلّی کا جنون سوار ہو گیا کہنے لگا کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کے ٹکڑوں کا محتاج ہوں کیا تم کو میرے مال و دولت کی کثرت معلوم نہیں؟ قسم ہے لات اور عزیٰ کی (دو بتوں کے نام ہیں) میں اس کا ہرگز محتاج نہیں۔ البتہ تم لوگ جو یہ کہتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجنون ہیں یہ بات غلط ہے اس کا کوئی یقین نہیں کر سکتا۔ کیا تم میں سے کسی نے ان کو کوئی مجنونانہ کام کرتے دیکھا ہے؟ ابوجہل نے اقرار کیا کہ **لا واللہ** واللہ ہم نے کوئی کام ان کو ایسا کرتے نہیں دیکھا۔ پھر ولید نے کہا کہ تم لوگ ان کو شاعر کہتے ہو کیا تم نے ان کو شعر کہتے ہوئے سنا ہے؟ (ایسی غلط بات کہنا اپنے آپ کو رسوا کرنا ہے) ابوجہل نے اس پر بھی یہی کہا **لا واللہ** پھر ولید نے کہا کہ تم لوگ ان کو کذاب کہتے ہو تو بتلاؤ کہ تم نے عمر بھر میں کبھی ان کی کسی بات کو جھوٹا پایا ہے؟ اس پر بھی ابوجہل کو یہی اقرار کرنا پڑا **ولا واللہ** پھر ولید نے کہا کہ تم لوگ ان کو کاہن کہتے ہو تو کیا تم نے کبھی ان کے ایسے حالات اور کلمات دیکھے یا سنے ہیں جو کاہنوں کے ہوا کرتے ہیں؟ ہم کاہنوں کی باتوں کو اچھی طرح پہچانتے ہیں ان کا کلام کہانت نہیں ہو سکتا اس پر بھی ابوجہل کو یہی اقرار کرنا پڑا **لا واللہ** اور پورے قریش میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صادق امین کے لقب سے معروف تھے اب ابوجہل اپنی ان سب باتوں سے دستبردار ہو گیا اب فکر یہ پڑی کہ آخر پھر کیا کہہ کر اسلام سے روکا جائے اسلئے خود ولید ہی کو خطاب کر کے کہا کہ پھر تم ہی بتلاؤ کہ ان کو کیا کہا جائے۔ اس پر اس نے پہلے تو اپنے دل میں سوچا پھر ابوجہل کی طرف نظر اٹھائی، پھر منہ بسورا جس سے نفرت کا اظہار ہو اور آخر میں کہنے لگا کہ ان کو یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجنوں، شاعر، کاہن، کذاب تو کچھ نہیں کہا جا سکتا ہاں ان کو ساحر کہو تو بات چل جائے گی یہ کمبخت خوب جانتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساحر بھی نہیں۔ اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو ساحروں کا کلام کہا جا سکتا ہے۔ مگر

اس نے بات بنانے کی یہ صورت تجویز کی کہ آپ کے کلام کے آثار بھی ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے ساحروں کے کیوں کہ جیسے جادوگر اپنے عمل سے میاں، بیوی، بھائی بھائی میں تفرقہ اور نفرت ڈال دیتے ہیں (معاذ اللہ) آپ کے کلام کا بھی یہی اثر ہے کہ جو ایمان لے آتا ہے اپنے کافر ماں باپ اور عزیزوں سے متنفر ہو جاتا ہے۔ اس وقت مذکورہ آیات نازل ہوئیں۔ [۱]

۵۰۱- وَ مَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۪ وَّ مَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَ يَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا وَّ لَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَ لِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْكٰفِرُوْنَ مَا ذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ مَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ؕ وَ مَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ﴿۳۱﴾

**ترجمہ:** اور ہم نے دوزخ کے کارکن صرف فرشتے بنائے ہیں اور ہم نے جوان کی تعداد صرف ایسی رکھی ہے جو کافروں کی گمراہی کا ذریعہ ہو۔ تو اس لئے تاکہ اہل کتاب یقین کرلیں اور ایمان والوں کا ایمان اور بڑھ جائے اور اہل کتاب اور مومنین شک نہ کریں اور تاکہ جن لوگوں کے دلوں میں مرض ہے وہ کافر لوگ کہنے لگیں کہ اس عجیب مضمون سے اللہ تعالیٰ کا کیا مقصود ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت کر دیتا ہے اور تمہارے رب کے لشکروں کو بجز رب کے کوئی نہیں جانتا اور دوزخ صرف آدمیوں کی نصیحت کے لئے ہے۔

**شانِ نزول:** ائمہ تفسیر میں سے مقاتل نے فرمایا کہ مذکورہ آیات ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئیں کہ اس نے جب یہ آیت یعنی عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿۳۰﴾ؕ سنی کہ جہنم

---

[۱] اسباب النزول ص: ۲۵۱-۲۵۰/ زاد المسیر ص: ۴۰۴-۴۰۳ ج: ۸ المقتطف ص: ۳۶۰-۳۶۲ ج: ۵/ ابن کثیر ص: ۴۰۰ ج: ۴/ معالم التنزیل ص: ۴۸۰-۴۸۱ ج: ۵/ روح المعانی ص: ۱۵۴ ج: ۲۹/ معارف القرآن ص: ۶۱۲ تا ۶۱۴ ج: ۸/ التفسیر الکبیر ص: ۱۹۸ ج: ۳۰/ قال الامام فخر الدین الرازی اجمعوا علی أن المراد ھھنا الولید بن مغیرہ

کے خازن انیس ۱۹/فرشتے ہیں تو قریشی جوانوں کو خطاب کر کے کہنے لگا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تو فقط انیس ہیں اس کی تمہیں کیا فکر ہو سکتی ہے اور بیہقی نے سدی سے نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی یعنی عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿۳۰﴾ تو ایک بے ہودہ کافر قریش جس کو ابو الاسلین کہا جاتا تھا بول اٹھا کہ اے قوم قریش فکر نہ کرو ان انیس کے لیے تو میں اکیلا کافی ہوں میں اپنے داہنے بازوں سے دس کو اور بائیں بازو سے نو کو دفع کر کے ان انیس کا خاتمہ کر دوں گا۔ اور بغوی نے ایک دوسرے شخص کا بھی نام ذکر کیا ہے جس کو ابو الاشد اسید بن کلدہ بن خلف الجمحی کہتے ہیں اس نے ابوجہل سے کہا کہ میں تو ان انیس میں سے سترہ کے لئے کافی ہوں اس طور پر کہ دس کو تو میں اپنی پشت پر رکھ لوں گا اور سات کو اپنے پیٹ پر باقی بچے دو تو اس سے تم لوگ نمٹ لینا ممکن ہے دونوں نے کہا ہو۔ غرض کہ قائل کوئی بھی ہو حاصل یہ ہے کہ مذکورہ آیات ابوجہل کے جواب میں نازل ہوئیں۔ جس میں یہ بتلایا گیا کہ اے احمقو! اول تو فرشتہ ایک بھی سب کے لیے کافی ہے اور انیس کا عدد جو یہاں بتلایا گیا ہے یہ ان فرشتوں کے بڑوں اور ذمہ داروں کا عدد ہے ان میں سے ہر ایک کے تحت خدائی خدمات اور کفار و فجار کو عذاب دینے کے لیے لاتعداد فرشتے مقرر ہیں جن کا عدد اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (معارف القرآن ص:۶۱۵ ج:۸/معالم التنزیل ص:۸۲۴ ج:۵ زاد المسیر ص:۴۰۸ ج:۸)

۵۰۲- بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ أَنْ يُؤْتَىٰ صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿۵۲﴾

**ترجمہ:** بلکہ ان میں ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کو کھلے ہوئے نوشتے دیئے جائیں ہر گز نہیں!

**شانِ نزول:** درمنثور میں قتادہ سے مروی ہے کہ بعضے کفار نے آپ سے کہا کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی اتباع کریں تو خاص ہمارے نام آسمان سے ایسے فرشتے آئیں جن میں آپ کی اتباع کا حکم لکھا ہو۔ **وھذا کقولہ تعالیٰ حتی تنزل علینا کتبا نقرؤہ** اور مُّنَشَّرَةً کا بڑھانا توضیح مقصود کے لیے ہے جیسے معمولی خط ہوتے ہیں کہ کھولے جاتے ہیں اور پڑھے جاتے ہیں ایسے ہی نوشتے ہمارے پاس آنے چاہئیں۔ اور ایک روایت یہ ہے کہ مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم آپ پر اسی شرط پر ایمان

لائیں کہ وہ جہنم کہ جس میں ایمان نہ لانے کی وجہ سے آپ کے بقول جلنا پڑے گا تو ہما ضد کی بنیاد پر ہے حتیٰ کہ یہ درخواست بالفرض پوری بھی ہوجاتی تو یہ لوگ اتباع کرنے والے نہ تھے۔

**نوٹ:** نمبر ۱/ شان نزول بیان القرآن، معالم اور زاد المسیر میں سے ہر ایک میں ہے اور نمبر ۲/ زاد المسیر میں صرف اور نمبر ۳/ معالم اور زاد المسیر ہر ایک میں ہے۔

**معارف القرآن ص:۶۰۹ ج:۸/بحواله بیان القرآن /زاد المسیر ص:۴۱۳ ج:۸/علامه جوزی معالم التنزیل ص:۴۸۶ ج:۵)** اس کے علاوہ بھی دیگر کتب تفسیر میں اس کی وضاحت ملتی ہے۔

# سورۃالقیامۃ

۵۰۳- اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ؕ﴿۳﴾

**ترجمہ:** کیا انسان خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں ہرگز جمع نہیں کریں گے (انسان سے مراد کافر اور ہڈیوں کی تخصیص اسلئے ہے کہ اصل عماد بدن ہی ہے۔

**شانِ نزول:** مذکورہ آیت ایک قول کے مطابق ابوجہل اور دوسرے قول کے مطابق عدی بن ربیعہ کے بارے میں نازل ہوئی (بغوی، جوزی) ایک اور تیسرا قول اس بارے میں یہ ہے کہ مذکورہ آیت عمرو بن ربیعہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے (واحدی) ممکن ہے کہ سب ہی صحیح ہوں۔ اور ہر ایک کے استفسار کے بعد مذکورہ آیت نازل ہوئی ہو۔

تفصیل استفسار کی یہ ہے کہ یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا کہ آپ ہمیں قیامت کے بارے میں بتائیں کہ قیامت کب ہوگی اور اس کی کیفیت کیا ہوگی؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت میں ساری مخلوقات کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ اس پرا ن لوگوں نے کہا کہ کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ جب ہڈی گل سڑ جائے گی تو پھر ان کو کیوں کر اصلی حالت اور سابق حالت میں دوبارہ کس طرح زندہ کیا جائے گا؟ اس جملہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا استہزاء کرنا تھا۔ اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ [1]

۵۰۴- لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ؕ﴿۱۶﴾ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ۚ﴿۱۷﴾ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۚ﴿۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ؕ﴿۱۹﴾

**ترجمہ:** آپ قرآن پر اپنی زبان نہ ہلایا کیجئے تا کہ آپ اس کو جلدی جلدی لیں

[1] اسباب النزول ص: ۲۵۱/علامہ واحدی/معالم التنزیل ص: ۴۸۸ ج: ۵ علامہ بغوی زاد المسیر ص: ۴۱۶ ج: ۸/علامہ جوزی

ہمارے ذمہ ہے اس کا جمع کردینا اس کا پڑھوادینا۔ تو جب ہم اس کو پڑھنے لگا کریں تو آپ اس کے تابع ہوجایا کیجئے پھر اس کا بیان کرادینا ہمارے ذمہ ہے۔

**شانِ نزول:** مذکورہ آیات کا سبب نزول یہ ہے کہ جب جبرئیل امین قرآن کریم کی کچھ آیات لے کر نازل ہوتے تو آنحضرت ﷺ کو ان کے پڑھنے کے وقت ایک تو یہ فکر ہوتی تھی کہ کہیں اس کے سننے اور پھر اس کے مطابق پڑھنے میں کوئی فرق نہ آجائے دوسری فکر یہ ہوتی کہ کہیں اس کا کوئی حصہ اور کوئی کلمہ ذہن سے نکل جائے اور بھول جائیں، اس لئے آپ کو جس وقت جبرئیل امین کوئی آیت سناتے تو آنحضرت ﷺ ساتھ ساتھ پڑھتے اور زبان کو جلدی جلدی حرکت دینے لگتے تھے تاکہ بار بار پڑھ کر اس کو یاد کرلیں آپ کی اس محنت ومشقت کو دور کرنے کے لئے ان چار آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کے صحیح صحیح پڑھوانے پھر یاد کرادینے اور پھر اس کو مسلمانوں کے سامنے اسی طرح پیش کرادینے کی ذمہ داری خود لے لی۔ اور آنحضرت ﷺ کو فرمایا کہ آپ اس غرض کے لئے زبان کو جلدی جلدی حرکت دینے کی زحمت نہ اٹھائیں، لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿۱۶﴾ کا یہی مطلب ہے پھر فرمایا اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ﴿۱۷﴾ یعنی ان تمام آیات کو آپ کے قلب میں جمع کردینا پھر اس کو اسی طرح آپ سے پڑھوادینا یہ سب ہمارے ذمہ ہے اسلئے آپ اس کی فکر چھوڑ دیں۔ اور فرمایا: فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۸﴾ قرآن اس جگہ بمعنی قراءت ہے معنی یہ ہیں کہ جب ہم یعنی ہماری طرف سے جبرئیل امین قرآن پڑھیں تو آپ ساتھ ساتھ نہ پڑھا کریں بلکہ ہمارے پڑھنے کے بعد پڑھا کریں۔ اور اس وقت خاموش ہوکر سنا کریں یہاں باتفاق ائمہ اتباع قرآن سے مراد یہ ہے کہ جب جبرئیل امین پڑھیں تو آپ خاموش رہ کر سنیں اس وقت مذکورہ آیات نازل ہوئیں۔ [1]

❁❁❁

[1] زاد المسیر ص: ۴۲۱ ج: ۸/ علامہ جوزی الدر المنثور ص: ۲۸۹ ج: ۶ علامہ سیوطی معالم التنزیل ص: ۴۹۱ ج: ۵/ علامہ بغوی، روح المعانی ص: ۱۷۸/ علامہ آلوسی فتح الباری ص: ۲۸۰ ج: ۸/ علامہ حافظ عسقلانی، المقتطف ص: ۳۷۵ ج: ۵/ علامہ مصطفی المنصوری ابن کثیر ص: ۴۰۶ ج: ۴/ حافظ ابن کثیر الدمشقی معارف القرآن ص: ۶۲۲ ج: ۸ مفتی شفیع دیوبندی

# سورۃ الدھر (الانسان)

۵۰۵- وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا ۝

**ترجمہ:** اور وہ لوگ خدا کی محبت سے غریب اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔

**شانِ نزول:** حضرت علیؓ ایک مرتبہ کھجور کے باغ کی سینچائی کے لئے اجرت کے عوض میں متعین ہوئے اجرت کیا تھی؟ بس جو کی کوئی خاص مقدار، جب حضرت علیؓ اپنی ذمہ داری سے فارغ ہو گئے تو مزدوری میں ان کو جو ملا انہوں نے اس کے تین حصے کئے، ایک حصہ پکنے کے لئے گھر میں دیدیا جب پک کر تیار ہو گیا تو ایک مسکین نے آواز لگائی اور کچھ طلب کیا چنانچہ حضرت علیؓ نے پکا ہوا کھانا اس فقیر کو دیدیا اس کے بعد دوسرا حصہ پکنے کے لئے دیا اس کے پک جانے کے بعد پہلے ہی کی طرح ایک مسکین آیا اور کوئی شئے طلب کی، انہوں نے دوسرا حصہ جو دوسری مرتبہ پکنے کے لئے دیا تھا وہ بھی مسکین کو دے دیا۔ اور اسی طرح کا واقعہ تیسرے حصے کے پک جانے کے بعد بھی پیش آیا اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی علامہ واحدی نے کہا ہے کہ پہلا آنے والا شخص مسکین تھا اور دوسرا یتیم تھا اور تیسرا مشرکین کا قیدی تھا حضرت علیؓ نے تینوں حصے تینوں کو باری باری دیدیئے۔ اور خود ان کے گھر والے فاقہ سے رہے اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ (واحدی)

دوسری روایت اس سلسلہ میں یہ ہے کہ حضرت دحداح ایک انصاری صحابی تھے کہ ایک دن یہ روزہ سے تھے اور ان کے گھر میں چار روٹی پکی ہوئی تھیں انہوں نے جب افطار کا ارادہ کیا اس وقت ایک مسکین اور ایک یتیم اور ایک قیدی آپہنچے اور انہوں نے کھانا طلب کیا حضرت دحداح نے تین روٹی ان کو پیش کر دی اور باقی بچی ایک روٹی، تو حضرت دحداح نے خود بھی اس میں سے کھایا اور ان کے اہل وعیال نے بھی۔ اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ [1]

[1] زاد المسیر ص:۴۳۲ ج:۸/القرطبی ص:۱۲۸ ج:۱۹/اسباب النزول ص:۲۵۲-۲۵۱/معالم التنزیل ص:۴۹۸ ج:۵/تخریج الکشاف ص:۱۸۰

# سورۃ النباء

۵۰۶- عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ۚ ① عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ۙ ② الَّذِىْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ۭ ③

**ترجمه:** یہ (قیامت کا انکار کرنے والے) لوگ کس چیز کا حال دریافت کرتے ہیں اس بڑے واقعہ کا حال دریافت کرتے ہیں جس میں یہ لوگ (اہل حق کے ساتھ) اختلاف کررہے ہیں (مراد قیامت ہے اور دریافت کرنے سے مراد بطور انکار کے دریافت کرنا ہے اور مقصود اس سوال وجواب سے اذہان کا ادھر متوجہ کرنا اور تفسیر بعد الابہام سے اس کا اہتمام شان ظاہر کرنا ہے۔

**شانِ نزول:** حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ جب قرآن کریم نازل ہونا شروع ہوا تو کفار مکہ اپنی مجلسوں میں بیٹھ کر اس کے متعلق رائے زنی اور چہ می گوئیاں کیا کرتے تھے۔ قرآن میں قیامت کا ذکر اہمیت کے ساتھ آیا ہے۔ اور ان کے نزدیک گویا یہ ایک محال چیز تھی۔ اسلئے اس میں گفتگو بکثرت چلتی تھی۔ کوئی تصدیق کرتا تو کوئی انکار کرتا۔ چنانچہ قرآن کے بارے میں انکا اختلاف یہ تھا کہ کوئی اسے شعر کہتا اور کوئی جادو اور کوئی یہ کہتا کہ یہ گزرے ہوئے لوگوں کے قصے ہیں جس کے تئیں وہ قرآن کے بیان کردہ قیامت کے اخبار کا بھی انکار کرتے اور طرح طرح کی باتیں استہزاء اور تمسخر کے طور پر کہتے رہتے اس وقت مذکورہ آیتیں نازل ہوئیں۔

(معارف القرآن ص: ۶۵۳ ج: ۸ زاد ص: ۴ ج ۹ / الطبری ص: ۱ ج: ۳۰ / الدر المنثور ص: ۳۰۵ ج: ۶)

# سورہ عبس

۵۰۷-عَبَسَ وَ تَوَلّٰۤى ۙ﴿۱﴾ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ؕ﴿۲﴾ وَ مَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ
يَزَّكّٰۤى ۙ﴿۳﴾ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ؕ﴿۴﴾ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۙ﴿۵﴾ فَاَنْتَ لَهٗ
تَصَدّٰى ؕ﴿۶﴾ وَ مَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ؕ﴿۷﴾ وَ اَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ۙ﴿۸﴾ وَ هُوَ
يَخْشٰى ۙ﴿۹﴾ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۚ﴿۱۰﴾ كَلَّاۤ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۚ﴿۱۱﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۱۲﴾
فِیْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۙ﴿۱۳﴾ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍۭ ۙ﴿۱۴﴾ بِاَيْدِیْ سَفَرَةٍ ۙ﴿۱۵﴾ كِرَامٍۭ
بَرَرَةٍ ؕ﴿۱۶﴾

**ترجمہ:** پیغمبر چیں بجبیں ہوئے اور متوجہ نہ ہوئے اس بات سے کہ ان کے پاس اندھا آیا اور آپ کو کیا خبر شاید وہ سنور جاتا یا نصیحت قبول کرتا سو اس کو نصیحت کرنا فائدہ پہنچاتا، تو جو شخص بے پرواہی کرتا ہے آپ اس کی تو فکر میں پڑتے ہیں حالانکہ آپ پر کوئی الزام نہیں کہ وہ سنورے اور جو شخص آپ کے پاس دوڑتا ہے اور وہ ڈرتا ہے آپ اس سے بے اعتنائی کرتے ہیں ہرگز ایسا نہ کیجئے قرآن نصیحت کی چیز ہے سو جس کا جی چاہے اس کو قبول کرلے۔ وہ ایسے صحیفوں میں ہے جو مکرم ہیں رفیع المکان ہیں مقدس ہیں جو ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہیں کہ وہ مکرم نیک ہیں۔

**شان نزول:** ان آیات کے نزول کا قصہ یہ ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعض روسائے مشرکین کو سمجھا رہے تھے، بعض روایات میں ان میں سے بعض کے نام بھی آئے ہیں یعنی ابوجہل بن ہشام، عتبہ بن ربیعہ، ابی بن خلف، امیہ بن خلف، شیبہ، وغیرہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان حضرات کو سمجھا رہے تھے کہ اسی اثناء میں حضرت عبداللہ بن ام مکتوم نابینا صحابی حاضر ہوئے اور کچھ پوچھا یہ قطع کلام آپ کو ناگوار ہوا اور آپ نے ان کی طرف التفات نہیں کیا اور ناگواری کی وجہ سے آپ چیں بجبیں ہوئے، چناں چہ جب اس مجلس سے اٹھ کر گھر جانے لگے تو وحی کے آثار نمودار ہوئے اور مذکورہ آیتیں نازل ہوئیں۔ اس کے بعد جب بھی وہ آپ کے پاس آتے۔ تو آپ بڑی خاطر رکھتے۔

شانِ نزول میں جو واقعہ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم نابینا صحابی کا نقل ہوا ہے اس بارے میں بغوی نے یہ اضافہ کیا ہے کہ حضرت عبداللہؓ کو نابینا ہونے کے سبب یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ آپ کسی دوسرے سے گفتگو میں مشغول ہیں مجلس میں داخل ہوکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آواز دینی شروع کی اور بار بار آواز دی۔ (مظہری)

اور ابن کثیر کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک آیت قرآن پڑھوانے کا سوال کیا اور اس سوال کے فوری جواب دینے پر اصرار کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت مکہ کے کفار سرداروں کو دین کی تبلیغ کرنے اور سمجھانے میں مصروف تھے، یہ سردار عتبہ بن ربیعہ ابوجہل بن ہشام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ تھے جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس موقع پر عبداللہ بن ام مکتوم کا اس طرح خطاب کرنا اور آیت کے الفاظ درست کرنے کے معمولی سوال پر فوری جواب کے لیے اصرار کرنا ناگوار ہوا جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ عبداللہ بن ام مکتوم پکے مسلمان اور ہر وقت کے حاضر باش تھے۔ دوسرے اوقات میں بھی سوال کر سکتے تھے، ان کے جواب کے موخر کرنے میں کسی دینی نقصان کا خطرہ نہ تھا، بخلاف روسائے قریش کے کہ نہ یہ لوگ ہر وقت آپ کی خدمت میں آتے تھے۔ اور نہ ہر وقت ان کو اللہ کا کلمہ پہنچایا جاسکتا تھا۔ یہ لوگ آپ کی بات سن رہے تھے جس سے ان کے ایمان لانے کی توقع کی جاسکتی تھی۔ اگر ان کی بات کاٹ دی جاتی تو ایمان ہی سے محرومی ان کی ظاہر تھی ان مجموعی حالات کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن ام مکتومؓ سے رخ پھیر کر اپنی ناگواری کا اظہار فرمایا اور جو گفتگو تبلیغ حق کی روسائے قریش کے ساتھ جاری تھی اس کو جاری رکھا اس پر مجلس سے فارغ ہونے کے وقت سورۂ عبس کی مذکورہ آیات نازل ہوئیں جس میں آپ کے اس طرز عمل کو ناپسندیدہ قرار دے کر آپ کو ہدایت کی گئی۔ [1]

[1] اسباب النزول ص:۲۵۲/ ابن کثیر ص:۴۲۶ج:۴/ فتح الباری ص:۲۹۲ج:۸/المقتطف ص:۴۲۷ج:۵/ معالم التنزیل ص:۵۲۱ج:۵ زاد المسیر ص:۲۶ج:۹/ تخریج الکشاف ص:۱۸۱/معارف القرآن ص:۶۷۰اور ۶۷۲ج:۸/روح المعانی ص:۳۹ج:۳۰/

**روی أن ابن ام مکتوم وهو ابن خال خدیجة واسمه عمرو بن قیس بن زائدہ بن جندب بن هرم بن رواحة بن حجر بن معیص بن عامر بن لؤی القرشی وقیل عبدالله بن عمر وقیل عبدالله بن شریح بن مالک بن ابی ربیعة الفهری والاول أکثر وأشهر کمافی جامع الاصول.**

**فائدہ:** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ طرزِ عمل اپنے اجتہاد پر مبنی تھا کہ جو مسلمان آداب مجلس کے خلاف طرزِ گفتگو اختیار کرے اس کو کچھ تنبیہ ہونی چاہئے تاکہ آئندہ وہ آداب مجلس کی رعایت کرے۔ اسی لئے تو آپ نے حضرت ابن ام مکتومؓ سے رخ پھیر لیا اور دوسری بات یہ تھی کہ بظاہر حال کفر وشرک سب سے بڑا گناہ ہے اس کے ازالہ کی فکر مقدم ہونی چاہئے بمقابلہ دین کے فروعی احکام کی تعلیم کے جو عبداللہ ابن مکتوم چاہتے تھے مگر حق تعالیٰ جل شانہ نے آپ کے اس اجتہاد کو درست قرار نہیں دیا اور اس پر متنبہ فرمایا کہ یہاں قابل غور یہ بات تھی کہ ایک شخص جو آپ سے دینی تعلیم کا طالب ہو کر سوال کر رہا ہے اس کے جواب کا فائدہ تو یقینی ہے اور جو آپ کا مخالف ہے آپ کی بات سننا بھی پسند نہیں کرتا اس سے گفتگو کا فائدہ موہوم ہے موہوم کو یقینی پر ترجیح نہ دینی چاہئے اور عبداللہ بن ام مکتومؓ سے جو آدابِ مجلس کے خلاف بات سرزد ہوئی ان کا عذر قرآن نے لفظ اعمیٰ کہہ کر بتلادیا کہ وہ نابینا تھے اسلئے اس کو نہ دیکھ سکتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت کس شغل میں ہیں اور کن لوگوں سے گفتگو چل رہی ہے اس لئے وہ معذور تھے مستحقِ اعراض نہیں تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی معذور آدمی سے بے خبری میں کوئی بات آدابِ مجلس کے خلاف ہو جائے تو وہ قابل عتاب نہیں ہوتا۔

۵۰۸- لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ﴿٣٧﴾

**ترجمہ:** ان میں ہر شخص کو (اپنا ہی) ایسا مشغلہ ہوگا جو اس کو اور طرف متوجہ نہ ہونے دے گا۔

**شانِ نزول:** حضرت انسؓ نے بیان فرمایا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ کیا ہم لوگ حشر میں ننگے جمع ہوں گے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے فرمایا ہاں ایسا ہی ہوگا اس پر حضرت عائشہؓ نے فرمایا کیا شرمگاہیں بھی کھلی ہوں گی؟ آپ نے فرمایا ہاں!۔ اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ آیت نے یہ واضح کردیا کہ اگرچہ سب ننگے ہوں گے مگر سب کو اپنی ہی پڑی ہوگی کسی کی طرف توجہ کی نوبت ہی کب آئے گی۔

بعض روایت میں یہ استفسار دوسری زوجہ کی جانب سے منقول ہے جیسا کہ ذیل کی روایت میں ہے ممکن ہے ہر ایک نے اس طرح کا سوال کیا ہو اس کے بعد مذکورہ آیت نازل ہوئی ہے۔ [۱]

**وفي معالم التنزيل التفصيل في سبب نزول هذه الآية هكذا... عن سودة زوج النبي صلى الله عليه وآله وسلم قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم يبعث الناس حفاة عراة غرلا وقد الجمهم العرق وبلغ شحوم الآذان !قلت يا رسول الله واسوتاه ينظر بعضا إلى بعض؟ فقال! قد شغل الناس لكل امرئ منهم يؤمئذ شأن يغنيه وفي روح المعانى وابن كثير هكذا ايضاً.**

یعنی حضرت سودہؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن سارے لوگ ننگے اٹھائے جائیں گے۔ اور سب پسینہ سے شرابور ہوں گے اور پسینہ میں کان کی لو تک ڈوبے ہوئے ہوں گے۔ حضرت سودہ فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ پھر تو بہت برا ہوگا کیوں کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کی شرمگاہ کو دیکھا کریں گے اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہاں کسی کو کہاں فرصت ملے گی ہر ایک نفسی نفسی کے عالم میں ہوگا اور سب کو اپنی جان کی پڑی ہوگی۔

❁❁❁

---

[۱] اسباب النزول ص:۲۵۲/ المقتطف ص:۴۳۴ج:۵/زاد المسیر ص:۳۶ج:۵/ الطبری ص:۶۱ج:۳۰/روح المعانی ص:۶۱ج:۳۰ابن کثیر ص:۴۲۹ج:۴/معالم التنزیل ص:۵۲۴ج:۵

# سورة التكوير

**۵۰۹-وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۹﴾**

**ترجمہ:** اورتم بدون خدائے رب العالمین کے چاہے کچھ نہیں چاہ سکتے ہو(یعنی قرآن نصیحت ہے لیکن اس کی تاثیر مشیت الٰہی پر موقوف ہے جو بعض لوگوں سے متعلق ہوتی ہے اور بعض کے لئے کسی حکمت سے ان کے سواء استعداد کی بناء پر متعلق نہیں ہوتی

**شان نزول:** حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ جب آیت کریمہ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ﴿۲۸﴾ یعنی ایسے شخص کے لیے جوتم میں سے سیدھا چلنا چاہے(یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کے ماننے اور قرآن کو اللہ کی کتاب ماننے میں بڑی بھلائی ہے) نازل ہوئی تو اس پر ابوجہل اور مشرکین کے کچھ لوگوں نے کہا کہ اب کیا ہے جو مرضی ہوگا اسے کریں گے اور جسے دل نہ چاہے گا اسے چھوڑ دیں گے اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔آیت کریمہ نے یہ واضح کردیا کہ اپنی مرضی سے کیا خاک چھوڑو گے جب کہ اللہ کی مشیت ہی نہ ہو۔(اسباب النزول ص:۲۵۳/زادالمسیر ص:۴۴ج:۹/وایضافی غیرھا)

❁❁❁

# سورة المطففين

اس سورت میں تین اقوال ہیں:

۱-مکی ہے ابن مسعود، اور یحییٰ بن سلام کا قول ہے۔

۲-حضرت ابن عباس، اور حسن، اور عکرمہ، اور قتادہ اور مقاتل کا قول ہے کہ یہ سورت مدنی ہے، مگر ابن عباس قتادہ دونوں نے فرمایا کہ اس کی آٹھ آیتیں مکی ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان (اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا) (المطففین ۲۹) سے لے کر آخر سورت تک اور حضرت مقاتل نے فرمایا کہ اس سورت میں ایک آیت مکی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول (اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳﴾) (المطففین ۲۹)

۳-حضرت جابر بن زید اور ابن السائب کا قول ہے کہ یہ سورت مکہ اور مدینہ کے درمیان نازل ہوئی ہے حضرت ہبۃ اللہ بن سلامہ مفسر قرآن نے فرمایا کہ یہ سورت ہجرت کے وقت مکہ اور مدینہ کے درمیان نازل ہوئی کہ آدھی سورت مکہ سے قریب اور آدھی سورت مدینہ سے قریب نازل ہوئی۔

۵۱۰- وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ﴿۱﴾ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ﴿۲﴾ وَ اِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ﴿۳﴾ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ﴿۴﴾ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۵﴾ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶﴾

**ترجمہ:** بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے کہ جب لوگوں سے ناپ کرلیں تو پورا لے لیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیں تو گھٹا دیں کیا ان لوگوں کو اس کا یقین نہیں ہے کہ وہ بڑے سخت دن میں زندہ کر کے اٹھائے جاویں گے جس دن تمام آدمی رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔

**شانِ نزول:** امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو دیکھا کہ مدینہ کے لوگ جن کے عام معاملات کیل یعنی ناپ کے ذریعہ ہوتے تھے وہ اس معاملہ میں چوری کرنے اور کم ناپنے کے بہت عادی تھے اس وقت مذکورہ آیتیں نازل ہوئیں۔

مذکورہ آیتوں کے نازل ہونے کے بعد یہ لوگ اس رسم سے باز آگئے اور ایسے باز آئے کہ آج تک اہل مدینہ ناپ تول پورا کرنے میں معروف ومشہور ہیں۔

علامہ ابن کثیر نے اس موقع پر یہ وضاحت کی ہے کہ مدینہ جانے کے بعد ناپ تول میں لوگ بے پناہ کمی کوتاہی سے کام لیتے تھے اس وقت وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝ سے يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ تک کی آیتیں نازل ہوئیں۔

علامہ ابن کثیر نے استدلال میں ابوعبدالرحمن کا قول نقل کیا ہے علامہ ابن کثیر کے الفاظ میں سنئے۔

**عن عبدالله قال: قال له رجل: يا أبا عبدالرحمن إن أهل المدينة ليوفون الكيل، قال وما يمنعهم أن يوفوا الكيل، وقد قال الله تعالىٰ (ويل للمطففين حتى بلغ يوم يقوم الناس لرب العالمين. (ابن کثیر ص: ۴۳۸ ج: ۴)**

حضرت عبداللہ کا بیان ہے کہ ایک شخص نے ان سے کہا کہ اے ابوعبدالرحمن اہل مدینہ ناپ تول میں بالکل کمی کوتاہی نہیں کرتے بلکہ پورا پورا لیتے اور پورا پورا دیتے ہیں ابو عبدالرحمن نے فرمایا تجھے معلوم بھی ہے انہیں اس سے کس چیز نے منع کیا ہے پھر خود ہی ان آیات کی تلاوت فرمائی یعنی وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝ سے لے کر يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ تک ابوعبدالرحمن کے بیان سے معلوم ہوا کہ مدینہ میں پہنچنے کے بعد اولاً یہی مذکورہ آیات نازل ہوئیں۔ [1]

---

[1] اسباب النزول ص: ۲۵۳/وذکر الواحدی ایضا فی سبب نزول الآیات المذکورة قول السدی هو هذا قدم رسول الله المدينة وبها رجل يقاله ابو جهينه ومعه صاعان لكيل بأحدهما ويكتال بالآخر، فأنزل الله تعالىٰ هذه الآيات، وهكذا ذكره الجوزي في زاد المسير ص: ۵۲ ج: ۹

**نقل الواحدی ایضا فی سبب نزول هذه الآیات قال القرطبي: کان بالمدینة تجار یطففون، وکانت بیاعاتهم کشبه القمار المنابذة والملامسة والمخاطرة ، فأنزل الله تعالیٰ هذه الآیة فخرج رسول الله ﷺ إلی السوق وقرأها.**

**تنبیہ:** جن روایات میں یہ ہے کہ یہ مکمل سورت مدینہ میں نازل ہوئی ہے (مظہری) تو یہ سابق وضاحت کے منافی نہیں ہے۔ کیوں کہ ان روایات میں یہ وضاحت نہیں ہے کہ مکمل سورت یکبارگی نازل ہوئی ہے۔ **فافهم** (مولف)

# سورۃ الطارق

۵۱۱-وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۙ﴿۱﴾ وَمَآ اَدۡرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ۙ﴿۲﴾ النَّجۡمُ الثَّاقِبُ ۙ﴿۳﴾

**ترجمہ:** قسم ہے آسمان کی اور اس چیز کی جو رات کو نمودار ہونے والی ہے اور آپ کو کچھ معلوم ہے وہ رات کو نمودار ہونے والی چیز کیا ہے وہ روشن ستارہ ہے۔

**شانِ نزول:** ایک مرتبہ خواجہ ابوطالب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس دودھ اور روٹی لے کر آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھ گئے اسی اثناء میں آسمان سے ایک ستارہ گرا اور اس سے آگ کی چنگاری نکلی ابوطالب گھبرا گئے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ ستارہ ہے جسے اللہ نے پھینکا ہے یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، ابوطالب نے اس پر حیرت کا اظہار کیا اس وقت مذکورہ آیات نازل ہوئیں۔(اسباب النزول ص: ۲۵۳)

**فائدہ:** اوّل قسم میں اللہ نے آسمان کے ساتھ طارق کا لفظ استعمال فرمایا ہے اور بھی مختلف چیزوں کی اللہ نے قسم کھائی ہے جس کا ذکر اگلی سورتوں میں آرہا ہے، طارق کے معنی رات کو آنے والے کے ہیں ستارے چونکہ دن کو چھپے رہتے ہیں اس لئے ستارہ کو طارق فرمایا اور خود قرآن نے اس کی تفسیر کردی وَمَآ اَدۡرٰىكَ مَا الطَّارِقُ یعنی تمہیں کیا خبر کہ طارق کیا چیز ہے پھر فرمایا: النَّجۡمُ الثَّاقِبُ ۙ﴿۳﴾ یعنی روشن ستارہ نجم کے معنی ستارہ کے ہیں قرآن نے کوئی ستارہ متعین نہیں کیا اس لئے ہر ستارہ اس کا مصداق ہوسکتا ہے، بعض حضرات مفسرین نے نجم سے خاص ستارہ ثریا یا زحل مراد لیا ہے۔ اور کلام عرب سے لفظ نجم کا اس پر اطلاق ثابت کیا ہے اور ثاقب کے معنی روشن چمکدار کے ہیں۔(معارف القرآن ص:۷۱۷،ج:۸)

# سورة الغاشية

۵۱۲-لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ؕ﴿۷﴾

**ترجمہ:** جو نہ تو کھانے والوں کو فربہ کرے گا اور نہ ان کی بھوک دفع کرے گا۔

**شانِ نزول:** جب آیت سابقہ یعنی لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ﴿۶﴾ نازل ہوئی جس میں جہنم کی اہم غذا ضریع بتلائی گئی ہے، بعض کفار مکہ نے جب اس آیت کو سنا تو کہنے لگے کہ ہمارے اونٹ تو ضریع کھا کر خوب فربہ ہو جاتے ہیں ان کے جواب میں فرمایا کہ جہنم کے ضریع کو دنیا کے ضریع پر قیاس نہ کرو وہاں کے ضریع سے نہ فربہی پیدا ہوگی اور نہ بھوک سے نجات ملے گی۔ (معارف القرآن ص:۷۳۱ ج:۸ / زاد المسیر ص:۹۷ ج:۹)

۵۱۳-اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ﴿۱۷﴾ وَ اِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ﴿۱۸﴾ وَ اِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ﴿۱۹﴾ وَ اِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ﴿۲۰﴾

**ترجمہ:** کیا وہ لوگ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح عجیب طور پر پیدا کیا گیا ہے اور آسمان کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح بلند کیا گیا ہے اور پہاڑوں کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح کھڑے کیے گئے اور زمین کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح بچھائی گئی ہے۔

**شانِ نزول:** اس سورت میں جنت کے اوصاف اور ان کے محلات، باغات اور دوسری بہت سی خصوصیتوں کا تذکرہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب جنت کے ان اوصاف کا تذکرہ فرمایا ہے تو کفار و مشرکین نے اس کی تکذیب کی اور انکار کیا اور بعضے نے تو یہ بھی کہہ دیا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم نے جنت کے جن اونچے محلات وغیرہ کا تذکرہ کیا ہے تو اس پر (ہم یا آپ) کس طرح چڑھیں گے اس وقت مذکورہ آیات نازل ہوئیں کہ تم ان چیزوں میں

غور کیوں نہیں کرتے اگر تم ان چیزوں میں غور کرو گے تو پھر تم اسطرح کی باتیں نہ کرو گے اور پھر کسی طرح کے شبہات بھی باقی نہ رہیں گے۔

(معالم التنزیل ص: ۵۶۳ ج:۵ / زادالمسیر ص:۹۹ ج:۹ / الطبری ص:۱۶۵ ج:۳۰ / الدرالمنثور ص:۳۴۳ ج:۶)

**فائدہ:** اللہ کی قدرت کی نشانیاں تو آسمان وزمین میں بے شمار ہیں یہاں ان میں سے ایسی چار چیزوں کا ذکر فرمایا جو عرب کے بادیہ نشین لوگوں کے مناسب حال ہیں کہ وہ اونٹوں پر سوار ہوکر بڑے بڑے سفر طے کرتے تھے، اس وقت ان کے زیادہ قریب اونٹ ہوتا ہے اوپر آسمان اور نیچے زمین اور دائیں بائیں اور آگے پیچھے پہاڑوں کا سلسلہ ہوتا ہے انہیں چاروں چیزوں میں ان کو غور کرنے کا حکم دیا گیا کہ دوسری آیات قدرت کو بھی چھوڑا نہیں چار چیزوں میں غور کرو تو حق تعالیٰ کی ہر چیز پر قدرت کاملہ کا مشاہدہ ہوجائے گا اور جانوروں میں اونٹ کی کچھ ایسی خصوصیات بھی ہیں جو خاص طور سے غور کرنے والوں کے لیے حق تعالیٰ کی حکمت وقدرت کا آئینہ بن سکتی ہیں۔ اول تو عرب میں سب سے زیادہ بڑا جانور اپنے ڈیل ڈول کے اعتبار سے اونٹ ہی ہے۔ ہاتھی وہاں ہوتا ہی نہیں دوسرے حق تعالیٰ نے اس عظیم الجثہ جانور کو ایسا بنادیا ہے تاکہ عرب کے بدو اور غریب مفلس آدمی بھی اس اتنے بڑے جانور کے پالنے اور رکھنے میں کوئی مشکل محسوس نہ کریں کیوں کہ اس کو چھوڑ دیجئے تو یہ اپنا پیٹ خود بھر لے گا اونچے درختوں کے پتے توڑنے کی زحمت بھی آپ کو نہیں کرنا پڑتی یہ خود درختوں کی شاخیں کھا کر گزارہ کرلیتا ہے ہاتھی اور دوسرے جانوروں کی سی اس کی خوراک نہیں جو بڑی گراں گزرتی ہے، عرب کے جنگلوں میں پانی ایک بہت ہی کمیاب چیز ہے ہر جگہ ہر وقت نہیں ملتا۔ قدرت نے اس کے پیٹ میں ایک ریزروٹنکی ایسی لگادی ہے کہ سات آٹھ روز کا پانی پی کر یہ اس ٹنکی میں محفوظ کرلیتا ہے اور تدریجی رفتار سے وہ اس پانی کی ضرورت کو پورا کرتا رہتا ہے۔ اتنے اونچے جانور پر سوار ہونے کے لیے سیڑھی لگانی پڑتی مگر قدرت نے اس کے پاؤں کو تین تہہ میں تقسیم کردیا یعنی پاؤں میں دو گھٹنے بنادیئے کہ وہ تہہ کرکے بیٹھ جاتا ہے تو اس پر چڑھنا اور اترنا آسان ہوجاتا ہے محنت کش اتنا ہے کہ سب جانوروں سے زیادہ بوجھ اٹھالیتا ہے۔ عرب کے میدانوں میں دن

کا سفر دھوپ کی وجہ سے سخت مشکل ہے قدرت نے اس جانور کو رات بھر چلنے کا عادی بنا دیا ہے مسکین طبع ایسا ہے کہ ایک بچی اس کی مہار پکڑ کر جہاں چاہے لے جائے اس کے علاوہ اور بہت سی خصوصیات ہیں جو انسان کو حق تعالیٰ کی قدرت و حکمت بالغہ کا سبق دیتی ہیں۔

(معارف القرآن ص:۷۳۲-۷۳۳ ج:۸)

# سورۃ اللیل

۵۱۴- وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۙ﴿۱﴾ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ۙ﴿۲﴾ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰٓى ۙ﴿۳﴾ اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ۭ﴿۴﴾

**ترجمہ:** قسم ہے رات کی جب کہ وہ چھپالے اور دن کی جب کہ وہ روشن ہوجائے اور اس کی جس نے نر اور مادہ کو پیدا کیا کہ بے شک تمہاری کوششیں مختلف ہیں۔

**شانِ نزول:** مذکورہ آیات کے سبب نزول میں دو قول ہیں:

۱- حضرت بلالؓ امیہ بن خلف کے غلام تھے جب اسلام کی دعوت انکے پاس پہنچی تو انہوں نے اسلام قبول کرلیا۔ امیہ بن خلف جو اسلام کا دشمن تھا۔ اسے بلالؓ کا اسلام لانا کب گوارہ ہوسکتا تھا۔ چنانچہ حضرت بلالؓ کو محض اسلام قبول کرلینے کی بنیاد پر طرح طرح کی ایذائیں دیتا حضرت ابوبکرؓ نے حضرت بلالؓ کو امیہ بن خلف سے ایک کمبل اور دس اوقیہ چاندی کے عوض میں خرلیا اور پھر آزاد کردیا اس وقت مذکورہ آیات نازل ہوئیں۔

۲- ایک آدمی کے پاس ایک کھجور کا درخت تھا اس کی کچھ شاخیں دوسرے آدمی کے صحن میں لٹکتی تھیں، جو صاحب ثروت و دولت نہ تھا بلکہ غریب وفقیر مال و دولت سے خالی خستہ حال نان شبینہ کا محتاج اور اس کے ساتھ ہی کثیر العیال تھا جس شخص کا کھجور کا درخت تھا وہ جب کھجور توڑنے آتا تو کچھ کھجور اس غریب کے آنگن اور صحن میں گرجاتی تو اس غریب کے بچے اسے چن لیتے اور کھالیتے یہ شخص جب درخت سے اترتا تو اس غریب کے بچے کے ہاتھ اور منہ سے جتنی اور جس قدر کھجور جسے گرنے کے نتیجے میں بچوں نے چن لی تھیں اس سے چھین لیتا یہاں تک کہ اگر کھجور بچے کے منہ میں ہوتی تو انگلی ڈال کر اسے اگلوا لیتا تھا اس پر اس غریب شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اس شخص کی شکایت کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس شخص کے پاس تشریف لے گئے اور اس سے فرمایا کہ تم اس کھجور کے درخت کو فروخت کرنا چاہتے ہو جس کی شاخیں فلاں شخص کے صحن میں لٹکتی ہیں اور سنو! اس کے عوض

میں تمہیں جنت کے کھجور کا ایک درخت ملے گا۔ اس شخص نے کہا یا رسول اللہ ﷺ وہ کھجور کا درخت میرے پاس جتنے کھجور کے درخت ہیں ان تمام سے زیادہ پسندیدہ ہے (اس لئے ایسا نہیں کرسکتا) اس کے بعد اس شخص کو جہاں جانا تھا چلا گیا اسی مجلس میں ایک دوسرا شخص تھا جو رسول اللہ ﷺ کی باتوں کو سن رہا تھا اس شخص کے چلے جانے کے بعد مجلس میں موجود صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگر میں اس کھجور کے درخت کو خرید لوں اور آپ کی خدمت میں پیش کردوں تو کیا جنت میں جنتی کھجور کا درخت مجھے ملے گا؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہاں! اس کے بعد حاضر باش صحابی نے کھجور کے درخت کے مالک سے ملاقات کی اور کھجور کے درخت کی فروختگی کے سلسلے میں بھاؤ تاؤ کیا اس کے بعد حاضر باش صحابی نے صاحب نخلہ سے عرض کیا کہ کیا تم یہ سمجھ سکتے ہو کہ محمد ﷺ مجھے جنت میں اس کے عوض میں جنتی کھجور کا درخت دے سکتے ہیں؟ حاضر باش صحابی نے فرمایا کہ پھر میں نے خود ہی یہ کہا کہ یقیناً تمہارا کھجور کا یہ درخت واقعۃً بڑا خوب ہے پھر گفتگو کو آگے بڑھاتے ہوئے صاحب نخلہ سے کہا اچھا بتاؤ کیا تم اسے بیچنا چاہتے ہو؟ صاحب نخلہ نے کہا نہیں اس وقت ہمارا اس بارے میں کوئی ارادہ نہیں ہے ہاں اس کی شرط ہے وہ یہ کہ میری مطلوبہ قیمت اگر مل جائے تو پھر اسے فروخت کرسکتا ہوں حاضر باش صحابی نے عرض کیا کہ آخر تمہاری مطلوبہ قیمت کیا ہے؟ اس شخص نے کہا ہمارے اس نخلہ کی قیمت چالیس نخلہ یعنی چالیس کھجور کے درخت ہیں۔ حاضر باش صحابی نے کہا کہ تمہاری مطلوبہ قیمت مجھے منظور ہے اور میں تجھے اس کے عوض چالیس نخلے دوں گا پھر اس حاضر باش صحابی نے چند لوگوں کو اس پر گواہ بنا دیا پھر اسے خرید کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ اب وہ نخلہ میری ملکیت میں آچکا ہے اور اب آپ کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہے آنحضرت ﷺ نے اسے قبول فرمایا اور پھر آپ صاحب دار کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ یہ کھجور کا درخت حاضر ہے اس سے اب تم مع اہل وعیال فائدہ اٹھاؤ اس وقت مذکورہ آیتیں نازل ہوئیں۔ [1]

[1] اسباب النزول ص: ۲۵۴/ زاد المسیر ص: ۱۴۷-۱۴۶ ج: ۸/ معالم التنزیل ص: ۵۸۴ ج: ۵/ روح المعانی ص: ۱۸۷ ج: ۳۰

قال الآلوسی: نزلت في شأن ابو بکر ﷺ وقال السدی ایضا أنها نزلت في ابی الدحدا ح الأنصاری وذالک أنه کان في دار منافق نخلة یقع منها في دار یتامی فی جواره إلی آخره. (التفسیر الکبیر ص:۱۹۸ ج:۳۱) قال الإمام فخر الدین الرازی، قال المفسرون نزلت هذه الآیة في ابی بکر ﷺ وابي سفیان. (الدر المنثور ص:۳۵۷ ج:۶)

مذکورہ آیات کی وضاحت اگلی چند آیتوں میں ہے اور وہ یہ ہیں۔

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَ اتَّقٰی ۝۵ وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ۝۶ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی ۝۷ وَ اَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَ اسْتَغْنٰی ۝۸ وَ كَذَّبَ بِالْحُسْنٰی ۝۹ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰی ۝۱۰

**ترجمہ:** سوجس نے دیا اور اللہ سے ڈرا اور اچھی بات کو سچا سمجھا تو ہم اس کو راحت کی چیز کے لئے سامان دیں گے اور جس نے بخل کیا اور بے پرواہی اختیار کی۔ اور نیکی کو جھٹلایا تو اس کے لئے ہم تکلیف اور رنج کی سبیل پیدا کردیں گے۔

علامہ بغوی صاحب معالم التنزیل نے مذکورہ زیرعنوان آیتوں کی وضاحت اس طرح فرمائی ہے (اِنَّ سَعْیَكُمْ لَشَتّٰی ۝۴) اس سے مراد ابوالدحداح اور انصاری صاحب نخلہ مراد ہیں (فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَ اتَّقٰی ۝۵) سے مراد ابوالدحداح ہیں جس نے کھجور کا درخت خرید کر خدمت اقدس میں پیش کیا تھا۔ اور ارشاد باری (وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ۝۶ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی ۝۷) سے مراد جنت ہے (وَ اَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَ اسْتَغْنٰی ۝۸) اس آیت سے مراد انصاری صاحب نخلہ ہیں اور ارشاد باری (وَ كَذَّبَ بِالْحُسْنٰی ۝۹) سے مراد ثواب کو جھٹلانا ہے۔ اور ارشاد باری (فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰی ۝۱۰) سے مراد جہنم ہے۔

(معالم التنزیل ص:۵۸۴ ج:۵)

تنبیہ: روح المعانی کی عبارت سے جو ابھی حوالہ کے تحت گزری معلوم ہوا کہ صاحب نخلہ یعنی جس کا وہ کھجور کا درخت تھا وہ منافق تھا۔ لیکن علامہ بغوی کی مذکورہ وضاحت سے یہ معلوم ہوا کہ وہ انصاری صحابی تھے چنانچہ بغوی نے ایک جگہ یہ وضاحت کی ہے کہ کان

**لرجل من الأنصار نخلة** جس کا صاف اور واضح مطلب یہ ہے کہ کھجور کے درخت کا مالک منافق تھا۔ بلکہ وہ ایک انصاری صحابی تھے (قالہ عطاء) اب یہاں پر صاحب نخلہ کے بارے میں دو طرح کی باتیں معلوم ہوئیں، ظاہر ہے کہ دونوں صحیح نہیں ہوسکتیں، اور نہ ہی دونوں کو بالکلیہ مسترد کیا جاسکتا ہے۔ تو خلاصہ یہ ہے کہ کوئی ایک وضاحت صحیح ثابت ہوگی راقم الحروف کے نزدیک علامہ بغوی کی وضاحت اور صراحت جو صاحب نخلہ کے بارے میں انصاری ہونے کی ہے زیادہ صحیح اور راجح ہے کیوں کہ علامہ بغوی کے قول کی تائید خود آیت کریمہ میں موجود ہے کیوں کہ آیت کریمہ میں صاحب نخلہ کے بارے میں دو لفظ استعمال ہوئے ہیں۔ (۱) **بَخِلَ** یعنی اس نے بخل کیا (۲) **كَذَّبَ** ہے جس کا معنی یہاں پر آیت کریمہ کے سیاق سے جوڑتے ہوئے یہ ہے کہ صاحب نخلہ نے آخرت کے مقابلہ میں یعنی آخرت کے ثواب کے مقابلے میں فطری تقاضہ کے مطابق دنیوی متاع کو ترجیح دی اور یہ عمل ایمان کے منافی نہیں اور اس سے اگلا لفظ **عسری** ہے اس سے بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ غریب پڑوس کا خیال نہ رکھنے کی وجہ سے اس کی سزا اسے ایک حد تک بھگتنی پڑے گی، باقی صاحب روح کے قول کی تاویل جو صاحب نخلہ کے منافق ہونے کی ہے، یہ کی جاسکتی ہے کہ ظاہر حال میں صاحب نخلہ نے آنحضرت ﷺ کی مخالفت کی اور آپ کی مرضی کو نہ اپنا کر دنیوی مال ومتاع کو ترجیح دی جب کہ ایسا منافق لوگ کرتے ہیں تو اس سے ظاہرا مشابہت کی وجہ سے صاحب نخلہ کو منافق کہہ دیا ہو لہٰذا اب دونوں حضرات کے قول میں کوئی تعارض نہ رہا۔ **(واللہ اعلم وعلمہ اتم (راقم)**

مذکورہ آیات کے سبب نزول کے بارے میں صحیح ترین بات یہ ہے کہ مذکورہ آیت ابوبکر صدیقؓ اور امیہ بن خلف کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جیسا کہ خازن نے اس کی وضاحت کی ہے، چنانچہ آئندہ آنے والی آیتوں سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ (دیکھئے حاشیہ زادالمسیر ص:۱۴۸ ج:۹)

۵۱۵-وَ سَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۝۱۷ الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰى ۝۱۸ وَ مَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤى ۝۱۹ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ۝۲۰ وَ لَسَوْفَ

یَرْضٰی ﴿۲۱﴾

**ترجمہ:** اور اس سے ایسا شخص دور رکھا جائے گا جو بڑا پرہیزگار ہے جو اپنا مال محض اس غرض سے دیتا ہے کہ (گناہوں سے) پاک ہوجائے (یعنی محض رضائے حق اس کا مطلوب ہے) اور بجز اپنے عالیشان پروردگار کی رضا جوئی کے (کہ یہی اس کا مقصود ہے) اس کے ذمہ کسی کا احسان نہ تھا (اس دینے سے) اس کا بدلہ اتارنا (مقصود) ہو (اس میں نہایت مبالغہ ہے اخلاص میں کیوں کہ کسی کے احسان کا بدلہ اتارنا بھی فی نفسہ مستحب اور افضل وموجب ثواب ہے مگر فضیلت میں احسان ابتدائی کی برابر نہیں۔ پس جب اس شخص کا انفاق فی سبیل اللہ اس سے بھی مبرا ہے تو ریا وغیرہ معاصی کی آمیزش سے بدرجہ اولیٰ بری ہوگا اور یہ کمال اخلاص ہے) اور (ایسے شخص کے لئے اوپر صرف جہنم سے بچنا مذکور تھا آگے حصول نعمائے آخرت کو فرماتے ہیں کہ) یہ شخص عنقریب خوش ہوجائے گا (یعنی آخرت میں ایسی ایسی نعمتیں ملیں گی جن سے اس کو دائمی خوشی نصیب ہوگی)

**شانِ نزول:** وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ﴿۱۷﴾ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى ﴿۱۸﴾ یہ اہل شقاوت کے مقابل اہل سعادت تقویٰ شعار حضرات کی جزاء کا بیان ہے کہ جو آدمی "اتقی" یعنی مکمل اطاعت حق کا خوگر ہو اور وہ اپنا مال اللہ کی راہ میں صرف اس لئے خرچ کرتا ہے کہ وہ گناہوں سے پاک ہوجائے۔ ایسا شخص اس جہنم کی آگ سے دور رکھا جائے گا۔

الفاظ آیت کے تو عام ہیں جو شخص بھی ایمان کے ساتھ اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے اسکے لئے یہ بشارت ہے لیکن شان نزول کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل مراد اس لفظ "اتقی" سے حضرت صدیق اکبرؓ ہیں ابن ابی حاتم نے حضرت عروہ سے روایت کیا ہے کہ سات مسلمان ایسے تھے جن کو کفار مکہ اپنا غلام بنائے ہوئے تھے جب وہ مسلمان ہوگئے تو ان کو طرح طرح کی ایذائیں دیتے تھے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنا بہت سارا مال خرچ کر کے ان کو کفار سے خرید کر آزاد کردیا اس پر مذکورہ آیات نازل ہوئیں۔

اسی کے مناسب آیت کا آخری جملہ ہے وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَى ﴿۱۹﴾ یعنی جن غلاموں پر حضرت صدیق اکبرؓ نے یہ احسان عظیم فرمایا کہ کثیر مال خرچ کر کے خریدا اور

آزاد کردیا ان کا کوئی سابقہ احسان بھی انکے ذمہ نہیں تھا، جس کے بدلے میں یہ اقدام کرتے تھے بلکہ اِلَّا ابۡتِغَآءَ وَجۡهِ رَبِّهِ الۡاَعۡلٰى ۚ﴿۲۰﴾ یعنی ان کا مقصد اللہ تعالیٰ عالیشان کی رضا جوئی کے سوا کچھ نہ تھا۔

مستدرک حاکم میں حضرت زبیر سے منقول ہے کہ صدیق اکبرؓ کی یہ عادت بھی تھی کہ جس مسلمان کو کفار کے ہاتھ میں قیدی دیکھتے اس کو خرید کر آزاد کردیتے تھے اور یہ لوگ عماماً ضعفاء ہوتے تھے، صدیق اکبرؓ کے والد حضرت ابوقحافہ نے ان سے فرمایا کہ جب تم غلاموں کو آزاد ہی کرتے ہو تو اتنا کام کرلو کہ ایسے غلاموں کو آزاد کیا کرو جو قوی و بہادر ہیں تا کہ وہ کل تمہارے دشمنوں کا مقابلہ اور تمہاری حفاظت کرسکیں حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ میرا مقصد ان آزاد کردہ حضرات سے کوئی فائدہ اٹھانا نہیں بلکہ میں تو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے ان کو آزاد کرتا ہوں۔ (مظہری)

وَ لَسَوۡفَ یَرۡضٰى ﴿۲۱﴾ یعنی جس شخص نے اپنا مال خرچ کرنے میں صرف اللہ تعالیٰ کی رضاء جوئی کو دیکھا اپنا کوئی دنیوی فائدہ نہیں رکھا تو اللہ تعالیٰ بھی آخرت میں اس کو راضی ہی کردیں گے کہ جنت کے نعماء عجیبہ دائمہ نصیب فرمادیں گے شانِ نزول کے واقعہ سے ان آیات کا صدیق اکبرؓ کی شان میں نازل ہونا ثابت ہے اس لئے یہ آخری کلمہ حضرت صدیق اکبرؓ کے لئے ایک عظیم خوشخبری اور اعزاز ہے کہ ان کو دنیا ہی میں اللہ کی طرف سے راضی کردیئے جانے کی خوشخبری سنادی۔

(معارف القرآن ص: ۷۶۳ - ۷۶۴ ج: ۸، بحوالہ مظہری)

# سورة الضحى

۵۱۶- وَ الضُّحٰى ۙ﴿۱﴾ وَ الَّیۡلِ اِذَا سَجٰى ۙ﴿۲﴾ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَ مَا قَلٰى ؕ﴿۳﴾ وَ
لَلۡاٰخِرَةُ خَیۡرٌ لَّكَ مِنَ الۡاُوۡلٰى ؕ﴿۴﴾ وَ لَسَوۡفَ یُعۡطِیۡكَ رَبُّكَ فَتَرۡضٰى ؕ﴿۵﴾ اَلَمۡ
یَجِدۡكَ یَتِیۡمًا فَاٰوٰى ﴿۶﴾ وَ وَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ﴿۷﴾ وَ وَجَدَكَ عَآئِلًا
فَاَغۡنٰى ؕ﴿۸﴾ فَاَمَّا الۡیَتِیۡمَ فَلَا تَقۡهَرۡ ؕ﴿۹﴾ وَ اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنۡهَرۡ ؕ﴿۱۰﴾ وَ اَمَّا
بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ ﴿۱۱﴾

**ترجمہ:** قسم ہے دن کی روشنی کی اور رات کی جب کہ وہ قرار پکڑے، آپ کے پروردگار نے نہ آپ کو چھوڑا اور نہ آپ سے بیزار ہوا، اور آخرت آپ کے لئے دنیا سے بدرجہا بہتر ہے، اور عنقریب اللہ تعالیٰ آپ کو دے گا سو آپ خوش ہو جائیں گے، کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو یتیم نہیں پایا پھر ٹھکانہ دیا، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے خبر پایا سو راستہ بتلایا، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو نادار پایا سو مالدار بنا دیا، تو آپ یتیم پر سختی نہ کیجئے، اور سائل کو مت جھڑکئے، اور اپنے رب کے انعامات کا تذکرہ کرتے رہا کیجئے۔

**شانِ نزول:** اس سورت کے سبب نزول کے متعلق بخاری و مسلم میں حضرت جندب بن عبداللہؓ کی روایت سے آیا ہے اور ترمذی نے حضرت جندبؓ سے یہ روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک انگلی زخمی ہوگئی اس سے خون جاری ہوا تو آپ نے فرمایا ''**إن أنت إلا اِصبع دميت، وفي سبيل الله ما لقيت**'' یعنی تو ایک انگلی ہی تو ہے جو خون آلود ہوگئی اور جو کچھ تجھے تکلیف پہنچی وہ اللہ کی راہ میں ہے۔ (اس لئے کیا غم ہے) حضرت جندبؓ نے یہ واقعہ ذکر کر کے فرمایا کہ اس واقعہ کے بعد (کچھ روز) جبرئیل امین کوئی وحی لے کر نہیں آئے تو مشرکین مکہ نے یہ طعنہ دینا شروع کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے

خدا نے چھوڑ دیا، اور ناراض ہو گیا اس پر یہ سورۂ ضحیٰ نازل ہوئی۔

حضرت جندبؓ کی روایت جو بخاری میں ہے اس میں ایک دو رات تہجد کے لئے نہ اٹھنے کا ذکر ہے وحی میں تاخیر کا ذکر نہیں اور ترمذی میں تہجد میں ایک دو رات نہ اٹھنے کا ذکر نہیں صرف وحی میں تاخیر کا ذکر ہے ظاہر ہے کہ ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہو سکتا ہے کہ دونوں ہی باتیں پیش آئی ہوں راوی نے کبھی ایک کو بیان کیا کبھی دوسرے کو اور وہ عورت جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو طعنہ دیا ام جمیل ابولہب کی بیوی تھی جیسا کہ دوسری روایات میں ہے۔ اور تاخیر وحی کے واقعات متعدد مرتبہ پیش آئے ہیں۔ ایک شروع نزول قرآن میں پیش آیا جس کو زمانۂ فترت وحی کہا جاتا ہے یہ سب سے زیادہ طویل تھا۔ ایک واقعہ تاخیر وحی کا اس وقت پیش آیا جب کہ مشرکین یا یہود نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روح کی حقیقت کے متعلق سوال کیا اور آپ نے بعد میں جواب دینے کا وعدہ فرما لیا مگر انشاء اللہ نہ کہنے کے سبب کچھ روز تک سلسلہ وحی کا بند رہا اس پر مشرکین نے یہ طعنہ دینا شروع کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خدا ان سے ناراض ہو گیا اور ان کو چھوڑ دیا اسی طرح کا یہ واقعہ ہے جو سورۂ ضحیٰ کے نزول کے کا سبب ہوا یہ ضروری نہیں کہ یہ سب واقعات ایک ہی زمانے میں پیش آئے ہوں بلکہ آگے پیچھے بھی ہو سکتا ہے۔ (معارف النزول ص: ۷۶۵-۷۶۶ ج: ۸ / ابن کثیر ص: ۵۷۴ ج: ۴)

ابن کثیر میں یہ وضاحت ہے کہ یہ مکمل سورت یکبارگی نازل ہوئی اور نزول کے اسباب وہ ہیں جو اوپر مذکور ہوئے ہیں۔ چنانچہ ابن کثیرؒ نے فرمایا:

**لما تأخر الوحی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وفتر تلک المدة ثم جاء الملک فأوحی إلیه (وَالضُّحٰى ۝۱ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۝۲) السورة بتمامها کبر فرحا وسرورا، ولم یرو ذالک باسناد یحکم علیه بصحة ولا ضعف. واللہ أعلم.**

لیکن علامہ واحدی نے مذکورہ سورت کے آیات کے سبب نزول کو تجزی اور تقسیم کر کے پیش کیا ہے کہ شروع کی تین آیات کا علیحدہ شانِ نزول بیان کیا ہے جو اوپر ذکر کیا گیا ہے اس کے بعد وَ لَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۝۴ کا علیحدہ سبب نزول بیان کیا ہے لیکن اس بارے میں صاف اور واضح بات یہ ہے کہ مذکورہ سورت یکبارگی نازل ہوئی ہے خود علامہ واحدی نے

بھی اپنی تفسیر میں جو کئی جلدوں کو محیط ہے یہ وضاحت کی ہے کہ اس بارے میں صحیح بات یہی ہے کہ مذکورہ سورت یکبارگی نازل ہوئی ہے۔ اور سبب نزول وہ واقعات ہیں جو اوپر ذکر کئے جا چکے ہیں چنانچہ علامہ جوزی نے علامہ واحدی کی عبارت اس طرح پیش فرمائی ہے۔

**قال علي بن احمد النيسا بوری يقال: إن الأصل في ذلک أن الوحي لما فتر عن رسول الله ﷺ، قال المشركون ! قد هجره شيطانه ودعه، اغتم لذالک، فلما نزل (والضحى) كبر عند ذالک رسول الله ﷺ فرحاً بنزول الوحي.** (زادالمسیر ص: ۱۶۱ ج:۹)

علامہ واحدی نے وَ لَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۝ کا سبب نزول یہ بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کو انکشاف ہوا کہ آپ کے بعد میں آنے والی امت اللہ کی نعمتوں اور مال وثروت سے مالا مال ہوگی اور دولت کی ریل پیل ہوگی آنحضرت ﷺ کو اس سے بے پناہ مسرت ہوئی اس وقت مذکورہ آیات نازل ہوئیں کہ آخرت کی نعمت اس سے بدرجہا بہتر ہے جو آپ کے لئے اور آپکے واسطے سے آپ کی امتی کے لئے پیش کی جائے گی۔

اسی طرح علامہ واحدی نے آیت اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ۝ کا سبب نزول یہ بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے عرض کیا کہ میں نے اللہ رب العزت سے یہ سوال کیا کہ مجھ سے پہلے جو انبیاء گزرے ہیں ان کے لئے آپ نے ہوا کو مسخر کردیا تھا اور پھر حضرت سلیمانؑ کا تذکرہ کیا پھر فرمایا کہ کچھ انبیاء ایسے گزرے ہیں کہ وہ مردہ کو زندہ کردیا کرتے تھے اور حضرت عیسیٰؑ کا نام پیش کیا اس وقت مذکورہ آیت اور اس کے متصل دوسری آیت نازل ہوئی، فرمایا اللہ جل شانہ نے کہ کیا میں نے تجھے یتیم نہیں پایا تھا پھر ٹھکانہ دیا آپ نے فرمایا ہاں کیوں نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا میں نے تجھے راہ راست سے دور نہیں پایا تھا پھر میں نے صحیح راستہ کی طرف رہنمائی کی آپ نے فرمایا ہاں کیوں نہیں پھر ارشاد باری ہوا کہ کیا میں نے آپ کو محتاج نہیں پایا تھا پھر مالدار بنادیا آپ نے فرمایا ہاں کیوں نہیں۔ ارشاد باری ہوا کہ میں نے آپ کے سینے کو حق وصداقت کے لئے نہیں کھول دیا اور گندگی سے دور نہیں کردیا آپ نے فرمایا ہاں کیوں نہیں۔

ممکن ہے کہ یہ تمام واقعات رونما ہونے کے بعد مذکورہ سورت نازل ہوئی ہو اس لئے جن روایات میں یہ ہے کہ ان واقعات کے بعد جو شروع میں مذکور ہو چکے ہیں کے بعد مذکورہ سورت نازل ہوئی ہو اسلئے کہ مکمل سورت میں آپ کے لئے تسلی کا سامان ہے اور ہر جملہ تسلی سے معمور ولبریز ہے **فلا تعارض بینھما فافھم فتدبر** مزید حوالے مندرجہ ذیل ہیں۔

**الطبری ص: ۲۳۱ ج: ۳۰/ اسباب النزول ص: ۲۵۷-۲۵۶/ المقتطف ص: ۵۱۸-۵۱۷ ج: ۵/روح المعانی ص: ۲۰۰ ج: ۳۰/ الدر المنثور ص: ۳۶۰ ج: ۶/ التفسیر الکبیر ص: ۲۰۹ ج: ۳۱ قال السدی ابطأ علیھا اربعین لیلۃ (کبیر) فتح الباری ص: ۷۱۰ ج: ۸**

**تنبیہ:** مذکورہ سورت سے متعلق جو بھی سبب نزول ذکر کئے گئے ہیں اس کا مطلب یہ بالکل نہیں ہے کہ اس کے علاوہ اور سبب نزول مذکورہ سورت کے نہیں ہیں بلکہ اس کے علاوہ اور بھی سبب نزول ہیں جن کو یہاں ترک کیا جاتا ہے ناظرین اگر چاہیں تو مراجع سابقہ میں دیکھ سکتے ہیں۔

# سورۃ إقرأ

۵۱۷- كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۙ﴿۶﴾ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ؕ﴿۷﴾ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ؕ﴿۸﴾ اَرَءَيْتَ الَّذِىْ يَنْهٰى ۙ﴿۹﴾ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ؕ﴿۱۰﴾ اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰٓى ۙ﴿۱۱﴾ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ؕ﴿۱۲﴾ اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰى ؕ﴿۱۳﴾ اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ؕ﴿۱۴﴾ كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۬ۙ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ ۙ﴿۱۵﴾ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۚ﴿۱۶﴾ فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ۙ﴿۱۷﴾ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ۙ﴿۱۸﴾ كَلَّا ؕ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۩﴿۱۹﴾

**ترجمہ:** سچ مچ بے شک آدمی حد سے نکل جاتا ہے اس وجہ سے کہ اپنے کو مستغنی دیکھتا ہے اے مخاطب تیرے رب ہی کی طرف سب کو لوٹنا ہوگا اے مخاطب بھلا اس شخص کا حال تو بتلا کہ اگر وہ شخص جھٹلاتا ہے اور روگردانی کرتا ہے کیا اس شخص کو یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے ہرگز ایسا نہیں اگر یہ شخص باز نہ آوے گا تو ہم پٹھے پکڑ کر جو کہ دروغ اور خطا میں آلودہ بیٹھے ہیں گھسیٹیں گے سو یہ اپنی مجلس والوں کو بلا لے ہم بھی دوزخ کے پیادوں کو بلالیں گے ہرگز نہیں آپ اس کا کہنا نہ مانئے اور بدستور نماز پڑھتے رہئے اور خدا کا قرب حاصل کرتے رہئے۔

**شانِ نزول:** سورہ اقراء کی اوّل الذکر پانچ آیات ان آیات میں سے ہیں جن کو نزول کے باب میں اولیت کا درجہ حاصل ہے کیوں کہ وحی کی ابتداء ان ہی پانچ آیات سے ہوئی ہے۔ اول الذکر پانچ آیات کے سلسلے میں تفصیلی بحث شروع کتاب میں آچکی ہے اس وقت مذکورہ آیات کے بارے میں تفصیل مطلوب ہے چنانچہ مفسرین نے کہا ہے کہ كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۙ﴿۶﴾ سے اخیر تک جتنی آیات ہیں یہ تمام آیتیں ابوجہل کے

بارے میں نازل ہوئی ہیں تفصیل اس طرح ہے۔

مذکورہ آیات کا روئے سخن اگرچہ ایک خاص شخص یعنی ابوجہل کی طرف ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کی تھی مگر عنوان عام رکھا ہے جس میں عام انسانوں کی ایک کمزوری بیان کی گئی ہے وہ یہ کہ انسان جب تک دوسروں کا محتاج رہتا ہے تو سیدھا چلتا ہے اور جب اس کو یہ گمان ہوجائے کہ میں کسی کا محتاج نہیں سب سے بے نیاز ہوں تو اس کے نفس میں طغیان یعنی سرکشی وغیرہ اور دوسروں پر ظلم وجور کے رجحانات پیدا ہوجاتے ہیں جیسا کہ عموماً مالداروں اور اقتدار وحکومت والوں اور اولاد واحباب یا خدم وحشم کی کثرت رکھنے والوں میں بکثرت مشاہدہ ہوتا ہے کہ اپنے تمول اور جماعت جتھے کی طاقت میں مست ہوکر کسی کو خاطر میں نہیں لاتے چونکہ ابوجہل کا بھی یہی حال تھا جو کہ مکہ مکرمہ کے خوشحال لوگوں میں سے تھا، اور اس کے قبیلے اور پورے شہر کے لوگ اس کی تعظیم وتکریم کرتے اور بات مانتے تھے۔ وہ بھی اس پندار میں مبتلا ہوا کہ یہاں تک کہ سیدالانبیاء اور اشرف الخلائق کی شان میں گستاخی کر بیٹھا اگلی آیت میں ایسے ہی سرکشوں کے برے انجام پر تنبیہ ہے۔

اِنَّ اِلٰی رَبِّكَ الرُّجْعٰی ﴿۸﴾: رجعی مثل بشری کے اسم مصدر ہے معنی یہ ہے کہ سب کو اپنے رب ہی طرف لوٹنا ہے اس کے ظاہری معنی تو یہی ہیں کہ مرنے کے بعد سب کو اللہ کے پاس جانا ہے اور اچھے برے اعمال کا حساب دینا ہے اس وقت اس طغیانی اور سرکشی کے انجام بد کو آنکھوں سے دیکھ لے گا اور یہ بھی بعید نہیں کہ اس جملے میں مغرور انسان کے غرور کا علاج بتلایا گیا ہو کہ اے احمق تو اپنے آپ کو سب سے بے نیاز خودمختار سمجھتا ہے اگر غور کرے گا تو اپنی ہر حالت بلکہ ہر حرکت وسکون میں تو اپنے آپ کو رب تعالیٰ کا محتاج پائے گا اگر اس نے تجھے کسی انسان کا محتاج بظاہر نہیں بنایا تو کم از کم اس کو دیکھ کہ اللہ تعالیٰ کا تو ہر چیز میں محتاج ہے اور انسانوں کی محتاجی سے بے نیاز سمجھنا بھی صرف ظاہری مغالطہ ہی ہے ورنہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مدنی الطبع بنایا ہے وہ اکیلا اپنی ضروریات میں سے کسی ایک ضرورت کو بھی پورا نہیں کرسکتا، اپنے ایک لقمہ کو دیکھے تو پتہ چلے گا کہ ہزاروں انسانوں اور جانوروں کی محنت شاقہ اور مدت دراز تک کام میں لگے رہنے کا نتیجہ یہ لقمہ تر ہے جو تو بے فکری کے ساتھ نگل رہا

ہے اور اتنے ہزاروں انسانوں کو اپنی خدمت میں لگا دینا کسی کے بس کی بات نہیں یہی حال اس کے لباس اور تمام دوسری ضروریات کا ہے کہ ان کے مہیا کرنے میں ہزاروں لاکھوں انسانوں اور جانوروں کی محنت کا دخل ہے جو تیرے غلام نہیں اگر تو ان سب کو تنخواہیں دے کر بھی چاہتا ہے کہ اپنے اس کام کو پورا کرلے تو ہرگز تیرے بس میں نہ تھا، ان باتوں میں غور وفکر انسان پر یہ راز کھولتا ہے کہ اس کی تمام ضروریات کے مہیا کرنے کا نظام خود اس کا بنایا ہوا نہیں بلکہ خالق کائنات نے اپنی حکمت بالغہ سے بنایا اور چلایا ہے کسی کے دل میں ڈال دیا کہ زمین میں کاشت کا کام کرے، کسی کے دل میں یہ پیدا کردیا کہ لکڑی تراشے اور نجاری کا کام کرے کسی کے دل میں لوہار کے کام کی رغبت ڈال دی، کسی کو محنت مزدوری کرنے ہی میں راضی کردیا، کسی کو تجارت وصنعت کی طرف راغب کرکے انسانی ضروریات کے بازار لگادیئے نہ کوئی حکومت اس کا نظم قانون سے کرسکتی تھی نہ کوئی فرد، اس لئے اس میں غور وفکر کا لازمی نتیجہ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ۝۸ یعنی انجام کار سب چیزوں کا حق تعالیٰ کی قدرت وحکمت کے تابع ہونا مشاہدہ میں آجاتا ہے۔

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى ۝۹ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ۝۱۰ اس آیت میں آخر سورت تک ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھنے کا حکم دیا اور آپ نے نماز پڑھنی شروع کی تو ابوجہل نے آپ کو نماز پڑھنے سے روکا اور دھمکی دی کہ آئندہ اگر نماز پڑھیں گے اور سجدہ کریں گے تو معاذ اللہ آپ کی گردن کو پاؤں سے کچل دوں گا اس کے جواب میں اور اس کو زجر کرنے کے لئے یہ آیات آئی ہیں ان میں اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ۝۱۴ یعنی کیا وہ یہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے یہاں یہ ذکر نہیں فرمایا کہ کس کو دیکھ رہا ہے اس لئے حکم عام ہے کہ نماز پڑھنے والی بزرگ ہستی کو بھی دیکھ رہا ہے اور اس سے روکنے والے بدبخت کو بھی اور یہاں صرف اس جملہ پر اکتفا کیا گیا ہے کہ ہم یہ سب کچھ دیکھ رہے ہیں آگے دیکھنے کے بعد کیا حشر ہوگا اس کے ذکر نہ کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ ہولناک انجام قابل تصور نہیں۔

لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ ۝۱۵: سفع مصدر سے مشتق ہے جس کے معنی سختی کے ساتھ کھینچنے

کے ہیں اور ناصیۃ سر کے بالوں کو کہا جاتا ہے جو پیشانی کے اوپر ہوتے ہیں جس شخص کے پیشانی کے بال کسی کے ہاتھ میں آجائیں وہ اس کے ہاتھ میں مجبور و مقہور ہو کر رہ جاتا ہے **كَلَّا ۭ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۩ ⁽¹⁹⁾** یہ نبی کریم ﷺ کو ہدایت ہے کہ ابوجہل کی بات پر کان نہ دھریں اور سجدہ اور نماز میں مشغول رہیں کہ یہی اللہ تعالیٰ کے قرب کا راستہ ہے۔

ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **اقرب مایکون العبد من ربه وهو ساجد فاکثروا الدعاء** یعنی بندہ اپنے رب سے قریب تر اس وقت ہوتا ہے جب کہ وہ سجدہ میں ہو اس لئے سجدہ میں بہت دعاء کیا کرو اور ایک دوسری صحیح حدیث میں یہ لفظ بھی آئے ہیں **فانه قمن أن يستجاب لكم**، یعنی سجدے کی حالت میں دعا قبول ہونے کے لائق ہے۔

نفل نماز کے سجدہ میں دعا کرنا ثابت ہے، بعض روایات حدیث میں اس دعا کے خاص الفاظ بھی آئے ہیں وہ الفاظ ماثورہ پڑھے جائیں تو بہتر ہے۔ فرائض میں اس طرح کی دعائیں ثابت نہیں کیوں کہ فرائض میں اختصار مطلوب ہے۔

اس آیت کے پڑھنے اور سننے والے پر سجدۂ تلاوت واجب ہے صحیح مسلم میں بروایت حضرت ابوہریرہؓ رسول اللہ ﷺ سے اس آیت پر سجدۂ تلاوت کرنا ثابت ہے۔ واللہ اعلم (معارف القرآن ص:۷۸۸-۷۸۹ ج:۸)

# سورۃ القدر

اس سورت کے مکی اور مدنی ہونے میں دو قول ہیں:

۱- حضرت ابو صالح نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ یہ سورت مکی ہے۔

۲- حضرت ضحاک اور مقاتل نے فرمایا ہے کہ یہ سورت مدنی ہے الماوردی نے فرمایا کہ قول اول اکثر کے نزدیک راجح ہے یعنی یہ سورت مکی ہے اور یہی بہتر ہے۔ اور ثعلبی نے فرمایا کہ دوسرا قول اکثر کے نزدیک راجح یعنی یہ سورت مدنی ہے۔ (زاد المسیر ص:۱۸۱ ج:۹)

۵۱۸- اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِىۡ لَيۡلَةِ الۡقَدۡرِ ۚ ۝۱ وَمَآ اَدۡرٰٮكَ مَا لَيۡلَةُ الۡقَدۡرِ ؕ ۝۲ لَيۡلَةُ الۡقَدۡرِ ۙ خَيۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَهۡرٍ ؕ ۝۳ تَنَزَّلُ الۡمَلٰٓٮِٕكَةُ وَالرُّوۡحُ فِيۡهَا بِاِذۡنِ رَبِّهِمۡ ۚ مِنۡ كُلِّ اَمۡرٍ ۛ ۝۴ سَلٰمٌ ۛ هِىَ حَتّٰى مَطۡلَعِ الۡفَجۡرِ ۝۵

**ترجمہ:** بے شک ہم نے قرآن کو شب قدر میں اتارا ہے۔ اور کیا آپ کو معلوم ہے کہ شب قدر کیا چیز ہے؟ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس رات میں فرشتے اور روح القدس (یعنی جبرئیل علیہ السلام) اپنے پروردگار کے حکم سے ہر امر خیر کو لے کر اترتے ہیں سراپا سلام ہے۔ وہ شب قدر طلوع فجر تک رہتی ہے۔

**شان نزول:** ابن ابی حاتم نے مجاہد سے مرسلاً روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی اسرائیل کے ایک مجاہد کا حال ذکر کیا۔ جو ایک مہینے تک مسلسل مشغولِ جہاد رہا کبھی ہتھیار نہیں اتارے مسلمانوں کو یہ سن کر تعجب ہوا اس پر سورہ قدر نازل ہوئی جس میں اس امت کے لئے صرف ایک رات کی عبادت کو اس مجاہد کی عمر بھر کی عبادت یعنی ایک ہزار مہینے سے بہتر قرار دیا ہے۔ اور ابن جریر نے بروایت مجاہد ایک دوسرا واقعہ یہ ذکر کیا ہے کہ

بنی اسرائیل میں ایک عابد کا یہ حال تھا کہ ساری رات عبادت میں مشغول رہتا اور صبح ہوتے ہی جہاد کے لئے نکل کھڑا ہوتا اور دن بھر جہاد میں مشغول رہتا ایک ہزار مہینے اس نے اسی عبادت میں گزار دیئے اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ قدر نازل فرما کر اس امت کی فضیلت سب پر ثابت فرمادی اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ شب قدر امت محمدیہ کی خصوصیات میں سے ہے۔

(معارف القرآن ص:۷۹۱ ج:۸ / بحوالہ مظہری، اسباب النزول ص:۲۵۸ / معالم التنزیل ص:۶۰۶ ج:۵)

# سورة الزلزال

اس سورت کے مدنی اور مکی ہونے میں دو قول ہیں:

۱- حضرت ابن عباسؓ، حضرت مقاتل، حضرت قتادہ اور جمہور نے فرمایا کہ یہ سورت مدنی ہے۔

۲- حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت جابر اور عطاء نے فرمایا کہ یہ سورت مکی ہے۔

۵۱۹- فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝

**ترجمہ:** سو جو شخص ذرہ برابر بھی نیکی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا اور جو شخص ذرہ برابر بھی بدی کرے گا وہ بھی اس کو دیکھ لے گا۔

**شانِ نزول:** حضرت مقاتل نے فرمایا کہ مذکورہ آیات دو شخصوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔

۱- ایک شخص تھا جب اس کے پاس کوئی سائل آتا تو وہ اسے حقیر شئی پیش کرتا اور اپنے تئیں یہ سمجھتا تھا کہ حقیر شئے کے عوض میں ثواب وغیرہ تو ملنے سے رہا کیوں کہ ثواب تو عمدہ امور کے انجام پر ملتا ہے۔

۲- اس کے بالمقابل دوسرا شخص تھا جو معمولی گناہ کو گناہ ہی نہ سمجھتا تھا، اور کئے جاتا تھا اور اپنے تئیں یہ خیال کرتا تھا کہ جہنم کی سزا اور جہنم کا عذاب تو کبائر کے کرنے پر اللہ نے متعین کر رکھا ہے اس وقت مذکورہ آیات نازل ہوئیں کہ اعمال خواہ قلیل ہوں یا کثیر اور جس طرح کے بھی ہوں ہر ایک کا بدلہ ہر صورت میں ملنے ہی والا ہے۔

(اسباب النزول ص:۲۵۸/ معالم التنزیل ص:۶۱۲ ج:۵)

# سورة العاديات

اس سورت کے مدنی اور مکی ہونے میں دو قول ہیں۔

۱- حضرت ابن مسعود، عطاء اور عکرمہ اور جابر نے فرمایا کہ یہ سورت مکی ہے۔

۲- حضرت ابن عباس قتادہ اور مقاتل نے فرمایا کہ یہ سورت مدنی ہے۔

(زاد المسیر ص:۲۰۶ ج:۹)

۵۲۰- وَ الْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۙ﴿۱﴾ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۙ﴿۲﴾ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ۙ﴿۳﴾ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۙ﴿۴﴾ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۙ﴿۵﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۚ﴿۶﴾ وَ اِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۚ﴿۷﴾ وَ اِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ؕ﴿۸﴾ اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ ۙ﴿۹﴾ وَ حُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ﴿۱۰﴾ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾

**ترجمہ:** قسم ہے ان گھوڑوں کی جو ہانپتے ہوئے دوڑتے ہیں، پھر ٹاپ مار کر آگ جھاڑتے ہیں، پھر صبح کے وقت تاخت و تاراج کرتے ہیں، پھر اس وقت غبار اڑاتے ہیں، پھر اس وقت جماعت میں جا گھستے ہیں بے شک انسان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے، اور اسکو خود بھی اس کی خبر ہے، اور وہ مال کی محبت میں بڑا مضبوط ہے، کیا اس کو وہ وقت معلوم نہیں جب زندہ کئے جاویں گے جتنے مردے قبروں میں ہیں، اور ظاہر ہو جاوے گا جو کچھ دلوں میں ہے، بے شک ان کا پروردگار ان کے حال سے اس روز پورا آگاہ ہے۔

**شانِ نزول:** کنانہ کے ایک علاقہ میں حملہ کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سریہ کو روانہ کیا اور منذر بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ کو فوج کا افسر متعین کیا لیکن خبر اور حالات وہاں کے دیر سے پہنچے جس کی وجہ سے منافقین نے یہ بات پھیلادی کہ تمام مسلمان قتل کئے جا چکے ہیں تو اس پس منظر میں اس وقت مکمل سورۂ عادیات نازل ہوئی۔

(اسباب النزول ص:۲۵۸)

# سورة التكاثر

۵۲۱- اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝١ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝٢ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝٣ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝٤ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۝٥ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝٦ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۝٧ ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۝٨

**ترجمہ:** فخر کرنا تم کو غافل کئے رکھتا ہے یہاں تک کہ تم قبرستان میں پہنچ جاتے ہو ہرگز نہیں اور تم یقینی طور پر جان لیتے۔ واللہ تم لوگ ضرور دوزخ کو دیکھو گے پھر واللہ تم لوگ ضرور اس کو ایسا دیکھنا دیکھو گے جو خود یقین ہے پھر اس روز تم سے سب نعمتوں کی پوچھ گچھ ہوگی۔

**شانِ نزول:** مذکورہ سورت قریش کے دو قبیلے بنی عبد مناف، اور بنی سہم کے بارے میں نازل ہوئی کہ دونوں میں آپسی چشمک رہتی تھی۔ ہر ایک قبیلہ ایک دوسرے پر اپنی فضیلت اور برتری جتلاتا، چناں چہ بنو عبد مناف کہتے کہ سرداری، عزت، مال و دولت، خاندانی، شرافت، قوت و طاقت اور شان و شوکت اور سطوت و بالادستی میں ہمیں فضیلت ہے اور بنی سہم بھی اسی کے مثل کہتے۔ آخر میں بات یہاں پر آ کر رک گئی کہ ہم سب اپنے اپنے سابقین حضرات کی گنتی کریں جو اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں جن کے سابقین کی تعداد زیادہ ہوگی وہ افضل اور اشرف شمار کئے جائیں گے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا تو بنی سہم کے افراد کی تعداد زیادہ ثابت ہوئی کیوں کہ جاہلیت میں ان کی تعداد زیادہ تھی اس وقت مذکورہ سورت نازل ہوئی قتادہ نے کہا ہے کہ مذکورہ سورت یہود کے بارے میں نازل ہوئی یہ لوگ کہتے کہ ہم بنی فلاں سے زیادہ ہیں اور بنی فلاں بنی فلاں سے زیادہ ہے۔

ابن کثیر نے ذکر کیا ہے کہ مذکورہ آیت انصار کے دو قبیلے بنی حارثہ اور بنی حارث کے بارے میں نازل ہوئی کہ یہ دونوں قبیلے آپس میں ہر ایک دوسرے سے اپنے کو اعلیٰ واشرف اور اکثر بتلاتے بالآخر ان کے درمیان یہ بات ٹھہری کہ اپنے مردوں کو شمار کرلو جس کے مردے زیادہ ہوں گے وہ افضل واشرف شمار کئے جائیں گے۔

(ابن کثیر ص:۴۹۶ ج:۴ / روح المعانی ص:۲۸۵ ج:۳۰)

ان تمام واقعات میں کوئی تعارض نہیں ممکن ہے کہ ان تمام واقعات کے بعد اس سورت کا نزول ہوا ہو یا اس کی دوسری توجیح وہ ہے جو مقدمہ میں مذکور ہے وہاں دیکھ لی جائے۔ (راقم الحروف)

۞۞۞

# سورۃ الھمزۃ

۵۲۲- وَیْلٌ لِّکُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِۨ ﴿۱﴾ الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّ عَدَّدَهٗ ﴿۲﴾
یَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ ﴿۳﴾ كَلَّا لَیُنْۢبَذَنَّ فِی الْحُطَمَةِ ﴿۴﴾ وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ
مَا الْحُطَمَةُ ﴿۵﴾ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ﴿۶﴾ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ﴿۷﴾ اِنَّهَا
عَلَیْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ﴿۸﴾ فِیْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ﴿۹﴾

**ترجمہ:** خرابی ہے ہر ایسے شخص کے لئے جو پس پشت عیب نکالنے والا ہو۔ رو-در-رو طعنہ دینے والا ہو جو مال جمع کرتا ہو اس کو بار بار گنتا ہو وہ خیال کر رہا ہے کہ اس کا مال اسکے پاس سدا رہے گا ہرگز نہیں واللہ وہ شخص ایسی آگ میں ڈالا جائے گا جس میں جو کچھ پڑے وہ اس کو توڑ پھوڑ دے اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ وہ توڑنے پھوڑنے والی آگ کیسی ہے وہ اللہ کی آگ ہے جو سلگائی گئی ہے دلوں تک جا پہنچے گی وہ آگ ان پر بند کر دی جائے گی بڑے لمبے لمبے ستونوں میں۔

**شانِ نزول:** اس سورت کے سبب نزول میں حضرات مفسرین کے دو قول ہیں:

۱-کسی فرد خاص سے متعلق اس آیت کا نزول نہیں ہوا ہے بلکہ عام ہے۔

۲- خاص فرد کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن پھر اس فرد خاص میں حضرات مفسرین کے چھ اقوال ہیں:

۱-اخنس بن شریق۔

(رواہ ابو صالح عن ابن عباس و بہ قال السدی و ابن السائب)

۲-عاص بن وائل السہمی (قالہ عروۃ)

۳-جمیل بن عامر (قالہ ابن ابی نجیم)

۴-ولید بن مغیرہ (قالہ ابن جریج و مقاتل

۵-امیہ بن خلف (قالہ ابن اسحاق)

۶-ابن خلف (حکاہ الماوردی)

(زادالمسیر ص:۲۲۶ج:۹)

اوران میں کوئی تعارض نہیں کیوں کہ یہ ممکن ہے کہ ہر مفسر نے اپنے اپنے علم کی روشنی میں کہا ہو اور دوسرے کے بارے میں انہیں خبر نہ ہو اور ایسا بارہا ہوتا ہے کہ ایک شئ معروف ومشہور ہونے کے باوجود بہت سارے اہل علم کے علم میں وہ شئ معلوم کے بجائے مجہول ہی رہتی ہے اور بہتر اور اولیٰ تو یہی ہے کہ سبب نزول کو عام ہی مانا جائے تا کہ مذکورہ افراد کے علاوہ وہ تمام حضرات بھی اس میں شامل ہوجائیں جو اسطرح کے فعل کے مرتکب ہوئے ہوں۔ یہ تو مورد اور سبب نزول کے اعتبار سے گفتگو ہوئی باقی حکم کے اعتبار سے تو وقت اور زمانے کی کوئی تعین نہیں ہر زمانے کے افراد جو اس طرح کے فعل کے مرتکب ہوں گے وہ اس وعید میں شامل ہوں گے۔ (راقم)

# سورۃ الماعون

اس سورت کے مکی اور مدنی ہونے میں دو قول ہیں:

۱- جمہور نے فرمایا کہ یہ سورت مکی ہے۔

۲- حضرت ابن عباس اور قتادہ سے مروی ہے کہ یہ سورت مدنی ہے اور مفسر قرآن حضرت ھبۃ اللہ بن سلامہ نے فرمایا کہ نصف سورت مکی ہے جو عاص بن وائل کے بارے میں نازل ہوئی اور نصف صورت مدنی ہے جو عبداللہ بن ابی منافق کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (زادالمسیر ص:۲۴۳ ج:۹)

۵۲۳- اَرَءَيْتَ الَّذِىْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِؕ ① فَذٰلِكَ الَّذِىْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَۙ ② وَ لَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِؕ ③ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَۙ ④ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَۙ ⑤ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَۙ ⑥ وَ يَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ⑦

**ترجمہ:** کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جو روز جزاء کو جھٹلاتا ہے، سو وہ شخص وہ ہے، جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور محتاج کو کھانا دینے کی ترغیب نہیں دیتا، سو ایسے نمازیوں کے لئے بڑی خرابی ہے جو اپنی نماز کو بھلا بیٹھے ہیں، جو ایسے ہیں کہ ریا کاری کرتے ہیں اور زکوٰۃ بالکل نہیں دیتے۔

**شانِ نزول:** مذکورہ سورت کے بارے میں مقاتل اور کلبی نے کہا ہے کہ مذکورہ سورت عاص بن وائل سہمی کے بارے میں نازل ہوئی کہ یہ شخص ہر ہفتہ دو اونٹ ذبح کرتا اور لوگوں کو کھلاتا تھا لیکن جب ایک نادار شخص نے کچھ طلب کیا تو اسے دھکے دے کر نکال دیا۔ اس وقت مذکورہ سورت نازل ہوئی۔ (اسباب النزول ص:۲۶۰)

اور علامہ جوزی نے اس سورت کے سبب نزول میں چھ قول نقل کئے ہیں۔

۱-منافقین میں سے ایک شخص کے بارے میں نازل ہوئی (قالہ ابن عباس)

۲-عمرو بن عائذ کے بارے میں نازل ہوئی (قالہ الضحاک)

۳-ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی (قالہ السدی)

۴-عاص بن وائل کے بارے میں نازل ہوئی (قالہ ابن السائب)

۵-ابوسفیان بن حرب کے بارے میں نازل ہوئی (قالہ ابن جریج)

۶-ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی (حکاہ الساوردی)

(زاد المسیر ص:۲۴۳ ج:۹، وکذافی معالم التنزیل ص:۶۳۲ ج:۵)

**نوٹ:** یہ سارے اقوال درست ہوسکتے ہیں ان میں کوئی تعارض نہیں کہ ہر مفسر نے اپنی معلومات کی روشنی میں واقعۂ نزول کو بیان کیا ہو۔ (راقم)

**فائدہ:** الماعون- معناہ الزکاۃ، ھو قول علی وابن عمر والحسن وقتادہ والضحاک وقال عبداللہ بن مسعود الماعون الفاس، والدلو، والقدر، واشباہ ذلک- وقال عکرمۃ: أعلاھا الزکاۃ المعروفۃ وأدناھا عاریۃ المتاع- قال طرب: أصل الماعون من القلۃ أی شئی قلیل- فسمی الزکاہ ماعونا لأنہ قلیل من کثیر- قیل: الماعون مالا یحل منعہ مثل الماء، والملح، النار۔

(معالم التنزیل ص:۶۳۳ ج:۵)

# سورة الکوثر

اس سورت کے مکی اور مدنی ہونے میں دو قول ہیں۔
۱- حضرت ابن عباسؓ اور جمہور نے فرمایا کہ یہ سورت مکی ہے۔
۲- حضرت حسن اور عکرمہ اور قتادہ نے فرمایا کہ یہ سورت مدنی ہے۔
(زاد المسیر ص:۲۴۸ ج:۹)

۵۲۴- اِنَّاۤ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ ؕ۱ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَ انْحَرْ ؕ۲ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۳

**ترجمہ:** بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمائی ہے۔ سو آپ اپنے پروردگار کے لیے نماز پڑھیے، اور قربانی کیجیے بالیقین آپ کا دشمن ہی بے نام ونشان ہے۔

**شانِ نزول:** ابن ابی حاتم نے سدی سے اور بیہقی نے دلائل نبوت میں حضرت محمد بن علی بن حسینؓ سے نقل کیا ہے کہ جس شخص کی اولاد ذکور مر جائے اس کو عرب ابتر کہا کرتے تھے، یعنی مقطوع النسل، جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاحبزادے قاسم یا ابراہیم کا بچپن ہی میں انتقال ہو گیا تو کفار مکہ آپ کو ابتر کہہ کر طعنہ دینے لگے ایسا کہنے والوں میں عاص بن وائل کا نام خاص طور پر ذکر کیا جاتا ہے اس کے سامنے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کیا جاتا تو کہتا تھا کہ ان کی بات چھوڑو یہ کچھ فکر کرنے کی چیز نہیں کیوں کہ وہ ابتر (مقطوع النسل) ہیں جب ان کا انتقال ہو جائے گا ان کا کوئی نام لینے والا بھی نہیں رہے گا، اس پر سورۂ کوثر نازل ہوئی۔ **(رواہ البغوی ابن کثیر و مظہری)**

اور بعض روایات میں ہے کہ کعب بن اشرف یہودی ایک مرتبہ مکہ مکرمہ آیا تو قریش

مکہ اس کے پاس گئے اور کہا کہ آپ اس نوجوان کو نہیں دیکھتے جو کہتا ہے کہ وہ ہم سب سے (دین کے اعتبار سے) بہتر ہے حالانکہ ہم حجاج کی خدمت کرنے والے اور بیت اللہ کی حفاظت کرنے والے، اورلوگوں کو پانی پلانے والے ہیں کعب نے یہ سن کر کہا کہ نہیں تم لوگ اس سے بہتر ہو اس پر سورۂ کوثر نازل ہوئی۔ **(ذکرہ ابن کثیر عن البزار باسناد صحیح وقد رواہ مسلم قالہ مظہری)**

خلاصہ یہ ہے کہ کفار مکہ جو رسول اللہ ﷺ کی نرینہ اولاد نہ رہنے کے سبب ابتر ہونے کے طعنے دیتے تھے یا دوسری وجوہ سے آپ کی شان میں گستاخی کرتے تھے ان کے جواب میں سورۂ کوثر نازل ہوئی ہے جس میں ان کے طعنوں کا جواب بھی ہے کہ صرف اولاد نرینہ کے نہ رہنے سے آپ کو مقطوع النسل یا مقطوع الذکر کہنے والے حقائق سے بے خبر ہیں۔ آپ کی نسل نسبی بھی انشاء اللہ دنیا میں تا قیامت باقی رہے گی اگر چہ دختر کی اولاد سے ہو اور نسل معنوی یعنی آپ پر ایمان لانے والے مسلمان جو درحقیقت نبی کی اولاد معنوی ہوتے ہیں وہ تو اس کثرت سے ہوں گے کہ پچھلے تمام انبیاء علیہم السلام کی امتوں سے بھی بڑھ جائیں گے اور اس میں رسول اللہ ﷺ کا اللہ کے نزدیک مقبول اور مکرم و معظم ہونا بھی مذکور ہے، جس سے کعب بن اشرف کے قول کی تردید ہو جاتی ہے۔ [1]

**فائدہ:** إِنَّآ أَعْطَيْنَٰكَ ٱلْكَوْثَرَ ۝ امام بخاری نے حضرت ابن عباسؓ سے اس کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ’’کوثر وہ خیر کثیر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہے؟؟ ابن عباسؓ کے خاص شاگرد سعید بن جبیرؒ سے کسی نے کہا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ کوثر جنت کی ایک نہر کا نام ہے؟ تو سعید بن جبیر نے جواب دیا کہ (ابن عباسؓ کا قول اسکے منافی نہیں بلکہ) وہ نہر جنت جس کا نام کوثر ہے وہ بھی اس خیر کثیر میں داخل ہے۔ اسی لئے امام تفسیر مجاہد نے کوثر کی تفسیر میں ذکر فرمایا کہ وہ دنیا و آخرت دونوں کی خیر

---

[1] **معارف القرآن ص: ۸۲۸ ج: ۸/ اسباب النزول ص: ۲۶۰/ معالم التنزیل ص: ۶۳۶-۶۳۷ ج: ۵ زاد المسیر ص: ۲۵۰-۲۵۱ ج: ۹/ روح المعانی ص: ۳۱۸ ج: ۳۰/ المقتطف ص: ۵۷۶ ج: ۵/ ابن کثیر فتح الباری ص: ۷۲۲ ج: ۸/ التفسیر الکبیر ص: ۱۳۲ ج: ۳۲**

کثیر ہے اس میں جنت کی خاص نہر کوثر بھی داخل ہے۔ (معارف القرآن بحوالہ ابن کثیر)

**تنبیہ:** حضرات مفسرین نے مذکورہ سورت کا سبب نزول یہ بھی بتایا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غنودگی کی حالت میں تھے اور حضرات صحابہؓ تشریف فرما تھے پھر آپ نے اپنا سر اٹھایا اور تبسم فرمایا صحابہ کرام نے تبسم فرمانے کی وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ ابھی ابھی اللہ تعالیٰ نے سورۂ کوثر نازل فرمائی ہے۔ روایت کی مکمل تفصیل ابن کثیر وغیرہ میں اس طرح ہے:

**بینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بین اظهرنا فی المسجد إذا غفی اغفاءةً ثم رفع رأسه متبسما قلنا ما اضحک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال لقد انزلت علی آنفا سورة فقرأ بسم اللہ الرحمن الرحیم إنا اعطینک الکوثر الخ ثم قال أتدرون ما الکوثر؟ قلنا اللہ ورسوله اعلم قال فانه نهر وعدنيه ربي عز وجل علیه خیر کثیر وهو حوض ترد علیه امتی یوم القیامة آنیة عدد نجوم فی السماء فیختلج العبد منهم فاقول رب أنه من امتی فیقول أنک لا تدری ما احدث بعدک.**

ایک روز جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں ہمارے درمیان تھے کہ اچانک آپ پر ایک قسم کی نیند یا بے ہوشی کی سی کیفیت طاری ہوئی پھر ہنستے ہوئے آپ نے سر مبارک اٹھایا ہم نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے ہنسنے کا سبب کیا ہے؟ تو فرمایا کہ مجھ پر اسی وقت ایک سورت نازل ہوئی ہے پھر آپ نے بسم اللہ کے ساتھ سورہ کوثر پڑھی، پھر فرمایا تم جانتے ہو کہ کوثر کیا چیز ہے؟ ہم نے عرض کیا: **اللہ ورسوله اعلم**، آپ نے فرمایا یہ ایک نہر جنت ہے جس کا میرے رب نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے جس میں خیر کثیر ہے اور وہ حوض ہے جس پر میری امت قیامت کے دن پانی پینے کے لئے آئے گی اس کے پانی پینے کے برتن آسمان کے ستاروں کی تعداد میں ہوں گے اس وقت بعض لوگوں کو فرشتے حوض سے ہٹا دیں گے تو میں کہوں گا کہ میرے پروردگار یہ تو میری امت میں ہے اللہ فرمائے گا کہ آپ نہیں جانتے کہ اس نے آپ کے بعد کیا نیا دین اختیار کیا ہے۔ (ابن کثیر ص: ۵۰۸ ج: ۴)

تو خلاصہ یہ ہوا کہ اس روایت سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ اس سورت کے نزول میں

اختلاف ہونے کے باعث تعارض ہوگیا کیوں کہ ممکن ہے کہ اس سورت کا نزول دو مرتبہ ہوا ہو۔ اس مرتبہ یہ سبب بنا ہو کیوں کہ اس میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غنودگی کی حالت غم پر مبنی تھی، اس سورت کے نزول سے آپ کے غم کا ازالہ مقصود تھا، اور سابقہ شانِ نزول سورت مبارکہ کا جو ذکر کیا گیا اس سے بھی آپ کو تسلی اور آپ کے غم کو دور کرنا ہے کہ مشرکین کے طعن وتشنیع سے آپ کبیدہ خاطر بالکل نہ ہوں کیوں کہ آپ کا مقام بہت اونچا ہے، اور ہم نے آپ کو حوض کوثر عطا کیا، تو دونوں واقعوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی اور خوش کرنا ہے چنانچہ روح المعانی میں لکھا ہے کہ **ذكر الخفاجي أن لبعضهم تأليفا صحيحا فيه أنها نزلت مرتين و حينئذ فلا اشكال** یعنی سورت مبارکہ کے نزول کے جو دو سبب بیان کئے گئے ہیں اس سلسلے میں صحیح بات یہی ہے کہ سورت مبارکہ کا نزول دو مرتبہ ہوا ہے لہٰذا ہر مرتبہ سے متعلق علیحدہ سبب نزول ثابت ہوا۔

# سورة الكافرون

اس سورت کے مکی اور مدنی ہونے میں دو قول منقول ہیں۔

۱- ابن مسعودؓ حسن اور جمہور نے فرمایا کہ یہ سورت مکی ہے۔

۲- قتادہ سے مروی ہے کہ یہ سورت مدنی ہے۔ (زاد المسیر ص:۲۵۲ ج:۹)

۵۲۵- قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۙ﴿۱﴾ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۙ﴿۲﴾ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۚ﴿۳﴾ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۙ﴿۴﴾ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ؕ﴿۵﴾ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۧ﴿۶﴾

**ترجمہ:** آپ کہہ دیجئے کہ اے کافرو! نہ میں تمہارے معبودوں کی پرستش کرتا ہوں اور نہ تم میرے معبودوں کی پرستش کرتے ہو، اور نہ میں تمہارے معبودوں کی پرستش کروں گا اور نہ تم میرے معبودوں کی پرستش کرو گے، تم کو تمہارا بدلہ ملے گا اور مجھ کو میرا بدلہ ملے گا۔

**شانِ نزول:** ابن اسحاق کی روایت ابن عباسؓ سے یہ ہے کہ ولید بن مغیرہ اور عاص بن وائل اور اسود بن عبد المطلب اور امیہ بن خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ آؤ ہم آپس میں اس پر صلح کر لیں کہ ایک سال آپ ہمارے بتوں کی عبادت کیا کریں اور ایک سال ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معبود کی عبادت کریں گے (قرطبی) اور طبرانی کی روایت حضرت ابن عباسؓ سے یہ ہے کہ کفار مکہ نے اول تو باہمی مصالحت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے یہ صورت پیش کی کہ ہم آپ کو اتنا مال دیتے ہیں کہ آپ سارے مکہ میں سب سے زیادہ مالدار ہو جائیں اور جس عورت سے آپ چاہیں آپ کا نکاح کر دیں، آپ

صرف اتنا کریں کہ ہمارے معبودوں کو برا نہ کہا کریں اور اگر آپ یہ بھی نہیں مانتے تو ایسا کریں کہ ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کیا کریں اور ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کیا کریں۔ (مظہری)

اور ابو صالح کی روایت حضرت ابن عباسؓ سے یہ ہے کہ کفار مکہ نے باہمی مصالحت کے لئے یہ صورت پیش کی تھی کہ آپ ہمارے بتوں میں سے بعض کو صرف ہاتھ لگا دیں تو ہم آپ کی تصدیق کرنے لگیں گے اس پر جبرئیل امین سورۂ کافرون لے کر نازل ہوئے جس میں کفار کے اعمال سے براءت اور خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم ہے۔

شانِ نزول میں جو متعدد واقعات بیان ہوئے ہیں ان میں کوئی تضاد نہیں، ہوسکتا ہے کہ یہ تمام ہی واقعات کبھی پیش آئے ہو اور ان سب کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی ہو جس کا حاصل ایسی مصالحت سے روکنا ہے۔ [۱]

۞۞۞

[۱] معارف القرآن ص:۸۳۲ج:۸/معالم التنزیل ص:۶۳۷-۶۳۶ج:۵ روح المعانی ص:۳۲۰ ج:۳۰/ابن کثیر ص:۵۱۱ج:۴/اسباب النزول ص:۲۶۱/زاد المسیر ص:۲۵۳ج:۹/التفسیر الکبیر ص:۱۳۸ج:۳۲،فتح الباری ص:۷۳۳ج:۸/المقتطف ص:۵۷۷ج:۵

# سورۃ النصر

۵۲۶- اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَ الۡفَتۡحُ ۙ﴿۱﴾ وَ رَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰهِ اَفۡوَاجًا ۙ﴿۲﴾ فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ وَ اسۡتَغۡفِرۡهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ﴿۳﴾

**ترجمہ:** جب خدا کی مدد اور فتح آ پہنچے اور آپ لوگوں کو اللہ کے دین میں جوق درجوق داخل ہوتا دیکھ لیں تو اپنے رب کی تسبیح وتحمید کیجئے اور اس سے مغفرت کی درخواست کیجئے وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

**شانِ نزول:** صحیح مسلم میں حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ سورۂ نصر قرآن کی آخری سورت ہے (قرطبی) مطلب یہ ہے کہ اس کے بعد کوئی مکمل سورۃ نازل نہیں ہوئی بعض آیات کا نزول جو اس کے بعد ہونا بعض روایات میں ہے وہ اس کے منافی نہیں جیسا کہ سورۂ فاتحہ کو قرآن کی سب سے پہلی سورت اسی معنی میں کہا جاتا ہے کہ مکمل سورت سب سے پہلے فاتحہ نازل ہوئی ہے سورہ اقرأ اور مدثر وغیرہ کی چند آیات کا اس سے پہلے نازل ہونا اس کے منافی نہیں۔

حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ یہ سورۃ حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی اس کے بعد آیت اَلۡیَوۡمَ اَكۡمَلۡتُ لَكُمۡ دِیۡنَكُمۡ نازل ہوئی ان دونوں کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ اس دنیا میں صرف اسی ۸۰/ روز بقید حیات رہے (اسّی ۸۰/ روز کے بعد وفات پاگئے) ان دونوں آیتوں کے بعد آیتِ کلالہ نازل ہوئی جس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی عمر شریف کے کل پچاس دن رہ گئے تھے اس کے بعد لَقَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ عَزِیۡزٌ الآیۃ نازل ہوئی جس کے بعد صرف اکیس روز اور مقاتل کی روایت میں صرف سات روز کے بعد وفات ہوگئی۔ (قرطبی)

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اس آیت یعنی إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ میں فتح سے فتح مکہ مراد ہے اور اس میں اختلاف ہے کہ یہ سورت فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئی ہے یا بعد میں؟ لفظ إِذَا جَآءَ سے بظاہر قبل فتح نازل ہونا معلوم ہوتا ہے اور روح المعانی میں بحر محیط سے ایک روایت بھی اس کے موافق نقل کی گئی ہے جس میں اس سورت کا نزول غزوۂ خیبر سے لوٹنے کے وقت بیان کیا گیا ہے اور خیبر کی فتح کا فتح مکہ سے مقدم ہونا معلوم ومعروف ہے اور روح المعانی میں بسند عبد ابن حمید حضرت قتادہ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سورت کے نزول کے بعد دو سال زندہ رہے۔ اس کا حاصل بھی یہی ہے کہ اس سورت کا نزول فتح مکہ سے پہلے ہوا کیوں کہ فتح مکہ سے وفات تک دو سال سے کم مدت ہے فتح مکہ رمضان ۸ھ میں ہوا اور وفات ربیع الاول ۱۱ھ میں اور جن روایات میں اس کا نزول فتح مکہ یا حجۃ الوداع میں نازل ہونا بیان کیا گیا ہے ان کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سورت پڑھی ہوگی جس سے لوگوں کو یہ خیال ہوا کہ یہ ابھی نازل ہوئی ہے۔ اور علامہ واحدی نے ذکر کیا ہے کہ غزوۂ حنین جس کو غزوۂ اوطاس بھی کہا جاتا ہے جو فتح مکہ کے بعد ہوا تو اس غزوہ کے بعد یہ سورت نازل ہوئی اور اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو سال زندہ رہے۔ ممکن ہے کہ اس غزوہ میں فتح یابی کے بعد آپ نے اس سورت کی تلاوت فرمائی ہو اور صحابہ نے یہ سمجھا ہو کہ ابھی ابھی یہ سورت نازل ہوئی جب کہ یہ سورۂ إِذَا جَآءَ فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئی ہے ورنہ عربی لغت اور قاعدہ کے اعتبار سے إِذَا جَآءَ کا مفہوم درست ثابت نہ ہوگا۔ (راقم)

(اسباب النزول ص: ۲۶۱ / معارف القرآن ص: ۸۳۶ ج: ۸ / روح المعانی ص: ۲۶۳ ج: ۳۰)

# سورة اللهب

۵۲۷-تَبَّتۡ يَدَاۤ اَبِىۡ لَهَبٍ وَّ تَبَّ ؕ‏ ۝١ مَاۤ اَغۡنٰى عَنۡهُ مَالُهٗ وَ مَا
كَسَبَ ؕ‏ ۝٢ سَيَصۡلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۖۚ‏ ۝٣ وَّامۡرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الۡحَطَبِ ۚ‏ ۝٤
فِىۡ جِيۡدِهَا حَبۡلٌ مِّنۡ مَّسَدٍ ۝٥

**ترجمہ:** ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ برباد ہوجائے نہ اس کا مال کام آیا اور نہ اس کی کمائی عنقریب ایک شعلہ زن آگ میں داخل ہوگا وہ بھی اور اس کی بیوی بھی جو لکڑیاں لاد کر لاتی ہے اس کے گلے میں ایک رسی ہوگی خوب بٹی ہوئی۔

**شانِ نزول:** صحیحین میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آیت وَ اَنۡذِرۡ عَشِيۡرَتَكَ الۡاَقۡرَبِيۡنَ ۝٢١٤ نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوہِ صفا پر چڑھ کر اپنے قبیلۂ قریش کے لوگوں کو آواز دی بعض روایات میں ہے کہ **یا صباحاہ** کہہ کر **یا بنی عبد مناف** اور **یا بنی عبدالمطلب** وغیرہ ناموں کے ساتھ آواز دی (اس طرح آواز دینا عرب میں خطرہ کی علامت سمجھی جاتی تھی) سب قریش جمع ہوگئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ دشمن (تم پر چڑھ آیا ہے اور) صبح میں تم پر ٹوٹ پڑنے والا ہے کیا آپ لوگ میری تصدیق کریں گے؟ سب نے یک زبان ہوکر کہا کہ ہاں ضرور تصدیق کریں گے پھر آپ نے کہا کہ میں تمہیں ڈراتا ہوں ایک عذاب شدید سے (جو شرک وکفر پر اللہ کی طرف سے مقرر ہے) یہ سن کر ابولہب نے کہا **تبالک الھذا جمعتنا؟** ہلاکت ہو تیرے لئے کیا تو نے ہمیں اسی لئے جمع کیا تھا اور آپ کو مارنے کے لئے ایک پتھر اٹھالیا اس پر مذکورہ سورت نازل ہوئی۔ [1]

❁❁❁

[1] **معارف القرآن ص: ۸۳۹ج:۸/ زاد المسیر ص: ۲۵۸ ج: ۹/ اسباب النزول ص: ۲۶۱-۲۶۲، الطبری ص: ۳۳۶ ج: ۳۰/ الدر المنثور ص: ۴۰۸ ج: ۶ المقتطف ص: ۵۸۱ ج: ۵/ معالم التنزیل ص: ۶۴۴ ج: ۵**

# سورۃ الاخلاص

۵۲۸- قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝۱ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝۲ لَمْ يَلِدْ ۙ وَ لَمْ يُوْلَدْ ۝۳ وَ
لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝۴

**ترجمہ:** آپ کہہ دیجئے کہ وہ یعنی اللہ ایک ہے اللہ بے نیاز ہے اس کے اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ کوئی اس کے برابر کا ہے۔

**شانِ نزول:** ترمذی حاکم وغیرہ کی روایت میں ہے کہ مشرکین مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کا نسب پوچھا تھا ان کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی دوسری بعض روایات میں یہ سوال یہود مدینہ کی طرف منسوب کیا ہے اسی لئے اس سورت کے مدنی یا مکی ہونے میں اختلاف ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حسن بصری، عطاء عکرمہ، جابر رضی اللہ عنہم نے اس کو مکی کہا ہے اور قتادہ، ضحاک وغیرہ نے مدنی، حضرت ابن عباسؓ کی طرف دو قول منسوب ہیں۔ (قرطبی)

بعض روایات میں ہے کہ مشرکین کے سوال میں یہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ کس چیز کا بنا ہوا ہے سونا چاندی یا اور کسی دھات کا؟ ان کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی۔ [1]

[1] معارف القرآن ص:۸۴۲ ج:۸/ زاد المسیر ص:۲۶۵- ۲۶۶ ج:۹ الطبری ص:۳۴۳ ج:۳۰/ الدر المنثور ص:۴۱۰ ج:۶/ معالم التنزیل ص: ۶۵۰- ۶۵۱ ج:۵/ المقتطف ص:۵۸۵ ج:۵ اسباب النزول ص:۲۶۲-۲۶۳

# سورۃ المعوذتین

۵۲۹- قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۙ﴿۱﴾ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۙ﴿۲﴾ وَ مِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۙ﴿۳﴾ وَ مِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ۙ﴿۴﴾ وَ مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴿۵﴾

۵۳۰- قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ﴿۱﴾ مَلِكِ النَّاسِ ۙ﴿۲﴾ اِلٰهِ النَّاسِ ۙ﴿۳﴾ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۬ۙ الْخَنَّاسِ ۪ۙ﴿۴﴾ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۙ﴿۵﴾ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ ﴿۶﴾

**ترجمہ:** آپ کہئے کہ میں صبح کے مالک کی پناہ لیتا ہوں تمام مخلوقات کے شر سے اور اندھیری رات کے شر سے جب وہ رات آجائے اور گرھوں پر پڑھ پڑھ کر پھونکنے والوں کے شر سے اور حسد کرنے والوں کے شر سے جب حسد کرنے لگیں۔

آپ کہئے کہ میں آدمیوں کے مالک، آدمیوں کے بادشاہ، آدمیوں کے معبود کی پناہ لیتا ہوں، وسوسہ ڈالنے پیچھے ہٹ جانے والے کے شر سے جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے خواہ وہ جن ہو یا آدمی۔

**شانِ نزول:** سورۂ فلق اور اس کے بعد کی سورت سورۂ ناس دونوں سورتیں ایک ساتھ ایک ہی واقعہ میں نازل ہوئی ہیں، حافظ ابن قیمؒ نے ان دونوں کی تفسیر یکجا لکھی ہے اس میں فرمایا ہے کہ ان دونوں سورتوں کے منافع اور برکات اور سب لوگوں کو ان کی حاجت وضرورت ایسی ہے کہ کوئی انسان اس سے مستغنی نہیں ہوسکتا ان دونوں سورتوں کو سحر اور نظر بد اور تمام آفات جسمانی وروحانی کے دور کرنے میں عظیم تاثیر حاصل ہے اور حقیقت کو سمجھا جائے تو انسان کو اس کی ضرورت اپنے سانس اور کھانے پینے اور لباس سب چیزوں

سے زیادہ ہے۔ اس کا واقعہ مسند احمد میں اس طرح آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایک یہودی نے جادو کردیا تھا جس کے اثر سے آپ بیمار ہو گئے جبرئیل امین نے آکر آپ کو اطلاع دی کہ آپ پر ایک یہودی نے جادو کیا ہے اور جادو کا عمل جس چیز میں کیا گیا ہے وہ فلاں کنویں کے اندر ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں آدمی بھیجے کہ وہ یہ جادو کی چیز کنویں سے نکال لائے اس میں گرہیں لگی ہوئی تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان گرہوں کو کھول دیا اسی وقت آپ بالکل تندرست ہو کر کھڑے ہو گئے۔ (اور جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو اس یہودی کا نام بتلا دیا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو جانتے تھے مگر اپنے نفس کے معاملہ میں کسی سے انتقام لینا آپ کی عادت نہ تھی اس لئے) عمر بھر اس یہودی سے کچھ نہیں کہا۔ اور نہ کبھی اس کی موجودگی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ مبارک سے کسی شکایت کے آثار پائے گئے (وہ منافق ہونے کی وجہ سے حاضر باش تھا) اور صحیح بخاری کی روایت حضرت عائشہ سے یہ منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایک یہودی نے سحر کیا جس کا اثر آپ پر یہ ہوا کہ بعض اوقات آپ یہ محسوس کرتے کہ فلاں کام کر لیا مگر وہ نہیں کیا ہوتا پھر ایک روز آپ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ مجھے اللہ نے بتلا دیا ہے کہ میری بیماری کیا ہے اور فرمایا کہ (خواب میں) دو شخص آئے ایک میرے سرہانے بیٹھ گیا اور ایک پاؤں کی طرف، سرہانے والے نے دوسرے سے کہا کہ ان کو کیا تکلیف ہے؟ دوسرے نے کہا یہ مسحور ہیں۔ اس نے پوچھا کہ ان پر سحر کس نے کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ لبید بن اعصم نے جو یہودیوں کا حلیف منافق ہے اس نے پوچھا کہ کس چیز میں جادو کیا ہے؟ اس نے بتلایا کہ ایک کنگھے اور اس کے دندانوں میں۔ پھر اس نے پوچھا کہ وہ کہاں ہے؟ تو اس نے بتلایا کہ کھجور کے اس غلاف میں جس میں کھجور کا پھل پیدا ہوتا ہے، بئر ذروان (ایک کنویں کا نام ہے) میں ایک پتھر کے نیچے مدفون ہے۔ آپ اس کنویں پر تشریف لے گئے اور اس کو نکال لیا اور فرمایا کہ مجھے خواب میں یہی کنواں دکھلایا گیا تھا، حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ آپ نے اس کا اعلان کیوں نہ کردیا (کہ فلاں شخص نے یہ حرکت کی ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اللہ نے شفا دی، اور مجھے یہ پسند نہیں کہ میں کسی شخص کے لئے کسی تکلیف کا سبب

بنوں (مطلب یہ تھا کہ اس کا اعلان ہوتا تو لوگ اس کو قتل کرتے یا تکلیف پہنچاتے) اور مسند احمد کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ کا یہ مرض چھ مہینے تک رہا اور بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ جن حضرات کو معلوم ہو گیا تھا کہ یہ کام لبید بن اعصم نے کیا ہے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم اس خبیث کو کیوں نہ قتل کر دیں؟ آپ نے وہی جواب دیا جو عائشہ صدیقہؓ کو دیا تھا اور امام ثعلبی کی روایت ہے کہ ایک لڑکا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کرتا تھا اس منافق یہودی نے اس کو بہلا پھسلا کر رسول اللہ کا کھنگا اور کچھ اس کے دندانے اس سے حاصل کر لئے اور ایک تانت کے تار میں گیارہ گرہیں لگائیں ہر گرہ میں ایک سوئی لگائی، کنگھے کے ساتھ اس کو کھجور کے پھل کے غلاف میں رکھکر ایک کنویں میں پتھر کے نیچے دبا دیا اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ مذکورہ دونوں سورتیں نازل فرمائیں جن میں گیارہ آیتیں ہیں آپ ہر گرہ پر ایک ایک آیت پڑھ کر ایک ایک گرہ کھولتے، یہاں تک کہ جب سب گرہیں کھل گئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اچانک ایک بوجھ سا اتر گیا، یہ سب روایتیں تفسیر ابن کثیر سے لی گئی ہیں، اور اس کے علاوہ دیگر کتب تفسیر میں بھی ہیں۔ [1]

---

[1] معارف القرآن ص: ۴۸۶-۴۸۵ ج:۸/ اسباب النزول ص: ۲۶۴-۲۶۳ زاد المسیر ص: ۲۷۱-۲۷۰ ج:۹/ معالم التنزیل ص: ۶۵۴-۶۵۳ ج:۵/ ابن کثیر ص:۵۳۵، التفسیر الکبیر ص:۱۸۷ ج:۳۲/ روح المعانی ص:۲۶۲ ج:۳۰

قدفرغت بفضل الله تعالىٰ وعونه وتوفيقه المسلسل من تأليف "معارف النزول في اسباب النزول" بعد مضي العاشرمن جمادى الاولىٰ سنة الحادى والعشرين وأربع مأة بعد الألف من الهجرة خاتم النبيين وسيد المرسلين ليلة يوم السبت في الساعة الأولى فى مدرسه "جشمۂ فيض" ململ مدهوبني في ولاية "بهار الهند" والمولف موظف في المدرسة عضوهيئة الدروسية من الحديث والتفسير والفقه وغيرهم.

والحمد لله الذي هدانا وأكمل لنا ديننا واتم علينا نعمته واحسن ومن علينا نعمة خصوصا ما غدقنى بعلوم النبوة صلوة الله وسلامه عليه الف الف مراة بماقد شعلنى في خير الامور اشار إليه افصل الانبياء وسيد المرسلين، بقوله "خيركم من تعلم القرآن وعلمه" أمر له شغله في نظم القرآن ومعانيه وقرآئته وتوضيحه وتفسيره وتدريسه مع أنه اعترفت أنى غريق في بئر الذنوب والمعاصي والذلل لاتعدولاتحصىٰ فاكفنى اللهم بحرمته مؤنة معرة العباد وهب لي امن يوم المعاد وأعذني بلطفک وأعذني بنعمتک ووفقتى للتى هذا وكل واستعملنى بما هو أرضى وأسلک لى الطريقة المثلى وذودنى مطيات الهدى و ذودنى باقيات التقى، رب هب لى من لدنک ذريةطيبة، وأصلح ذريته، وبلغنى بهم أمنية ، وماجعلهم علماء عاملين وهداه مهديين وكن لى ولهم في جميع الامور حظا وافرا واحفظنى واحفظهم من فتن دار الغرور اللهم ايد خليفتک في خليقتک ووفقه بحرمة كلامه لا علاء كلمتک، وصل وسلم على روح معانى الممكنات على الاطلاق وروح معانى قلوب المومنين والمومنات في سائر الآفاق، وعلى آله وأصحابه، وكله من يسلک سنن سنة واقتفر وقال فى ظلاله ظليل شريعته قائله حسبه ذلک وكفله.

ربنا تقبل منا إنک انت السميع العليم يارب العالمين.

العبد الضعيف اخلاق الرحمن القاسمى خادم حديث النبوي

بمدرسة چشمۂ فيض ململ مدهوبني بهار الهند.